ما احسن هذا النحو الذی نحوت (حضرت علیؓ)

غرضِ جامی رحمۃ اللہ علیہ

فی

شرحِ جامی

الجزء الاول

تصنیفِ لطیف

مفتی عطاء الرحمٰن ملتانی

صدر مدرس، الجامعۃ الشرعیہ گوجرانوالہ

المکتبۃ الشرعیۃ ، شمع کالونی، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

فون ۲۵۹۱۸۳

ما احسن هذا النحو الذی نحوت (حضرت علیؓ)

غرض جامی

فی

شرح جامی

تصنیف

مفتی عطاء الرحمن ملتانی

صدر مدرس الجامعۃ الشرعیہ گوجرانوالہ

المکتبۃ الشرعیۃ م شمع کالونی، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

فون ۲۵۹۱۸۳

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

نام کتاب	غرضِ جامی
مصنف	مفتی عطاء الرحمٰن ملتانی

ملنے کے پتے:

مدرسہ بحر العلوم توحید آباد مولانا قاری ظفر اللہ صاحب

جامعہ رحمانیہ فرید ٹاؤن ملتان مفتی عتیق الرحمٰن ربانی صاحب فون: ۵۵۱۷۳۷

مکتبہ رشیدیہ راولپنڈی	مکتبہ سید احمد شہید لاہور
مکتبہ رحمانیہ لاہور	ادارہ اسلامیات لاہور
المکتبۃ الحسینیہ بلاک ۱۸ سرگودھا	کتب خانہ مجیدیہ ملتان
مکتبہ رحمانیہ پشاور	مکتبۃ العارفی فیصل آباد
قدیمی کتب خانہ کراچی	مکتبہ اسلامیہ کراچی
مکتبہ المعارف پشاور	کتب خانہ صدیقیہ اکوڑہ خٹک
کتب خانہ رشیدیہ کوئٹہ	مکتبہ حنفیہ گوجرانوالا
مکتبہ نعمانیہ گوجرانوالا	اسلامی کتب خانہ سرگودھا

مکتبہ گلستانِ اسلام چوک بلاک ۱۱ سرگودھا

ناشر: المکتبۃ الشرعیہ شمع کالونی جی ٹی روڈ گوجرانوالا

سببِ تالیف

شرح جامی کو علم نحو میں غیر معمولی درجہ حاصل ہے۔ جس پر شروح متعدد اور حواشی عظیمہ اور سالہا سال سے داخل نصاب ہونا شواہد ہیں۔ اس پر تقصیر زمانہ میں مدرسین و متعلمین کے لئے ایسی اردو شرح کی اہم ضرورت تھی جس سے شرح جامی کی ہر ہر مقامات کو حل کر کے اور مولانا جامیؒ کی ہر ہر عبارت کی غرض اور مقصد کو بیان کریں۔ جب کہ اردو میں ایسی شرح موجود نہیں تھی تو ہم نے استاذ نا استاد العلماء فاضل لبیب مفتی عطاء الرحمٰن ملتانی صاحب سے درخواست کی کہ جس انداز سے آپ نے نحو میر کے لئے تنویر اور ھدایۃ النحو کے لئے سعایۃ النحو اور کافیہ کے لئے کاشفہ جیسے مفصل اور مدلل شروح لکھی ہیں ایسی ہی شرح جامی کی بھی شرح شروع کریں۔

تو انہوں نے قبل کر لیا جو کہ بحمد اللہ طباعت سے آراستہ ہو کر آپ کے ہاتھوں میں ہے جس کو پڑھیں اور پڑھائیں۔ خداوند قدوس سے التجاء ہے کہ اس شرح کو قبولیت سے نوازے اور مزید حضرت مفتی صاحب کو اس جیسی تصانیف میں مصروف اور مشغول رہنے کی توفیق بخشے۔

اخوانکم فی اللہ متعلمین جامعہ ھذا

ابو عمیر امین اللہ بن سعید	ابو ضیاء سیف الرحمٰن سیفی	سید اسحاق شاہ
سعیدی تیمر گرہ ضلع دیر	ساکن شنگ ضلع بشام	ساکن تتی ضلع پشاور

نام کتاب

اصل نام: اَلْفَوَائِدُ الضِّیَائِیَّةُ

مشہور نام: شَرْحُ جَامِيٍّ

تحقیقات شرح جامی

تحقیق لفظی

شرح مصدر ہے از باب مَنَعَ یَمْنَعُ چوں رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ۔ جَامِيٌّ اسم منسوب ہے۔ جَامٌ بمعنی پیالہ یا قصبہ شارح اس کے آخر میں یائے مشدد برائے نسبت ہے۔ جیسے مَکِّيٌّ مَدَنِيٌّ پس صحیح تلفظ اس طرح ہوگا شَرْحُ جَامِيٍّ

تحقیق معنوی

شرح لغۃً کھولنا اور اصطلاحًا وہ عبارت ہے جو پورے متن کو واضح کرے یعنی پوری کتاب کو حل کرے جیسے جامی برائے کافیہ۔ متن لغۃً بمعنی پشت اور اصطلاحًا مَا یَکُوْنُ صَفًّا مُحْتَاجًا اِلَی الشَّرْحِ۔ حاشیۃ لغۃً بمعنی کنارہ۔ اصطلاحًا وہ عبارت جو بعض اقوال کو حل کرے اور مصنف یا شارح خود لکھے یا کوئی دوسرا شخص لکھے۔ تعلیق لغۃً بمعنی لٹکانا اور اصطلاحًا حاشیۃ کے مترادف ہے۔ مُنْہِیَہ لغۃً بمعنی اس سے ہونے والا۔ اصطلاحًا وہ عبارت جو مصنف یا شارح خود لکھے۔

تحقیق اضافی

اضافت شرح بطرف جامی از قبیل اضافت مصدر بسوئے فاعل ہے اور اضافت معلول بسوئے علت ہے اور اضافت معنویہ لامیہ ہے۔

تحقیق ترکیبی

- مبنی بر سکون: شَرْحُ جَامِيٍّ
- مُعْرَب
  - مَرْفُوع
    - مبتداء محذوف الخبر: ای شَرْحُ جَامِيٍّ هٰذَا
    - خبر محذوف المبتداء: ای هٰذَا شَرْحُ جَامِيٍّ
  - مَنْصُوْب: ای اقرءْ شَرْحَ جَامِيٍّ
  - مَجْرُوْر: ای خُذْ بِشَرْحِ جَامِيٍّ

تحقیقِ عَلَمی

اَلْعَلَمُ مَا وُضِعَ لِشَیْءٍ مُعَیَّنٍ بِحَیْثُ لَا یَتَنَاوَلُ غَیْرَهٗ بِوَضْعٍ وَاحِدٍ۔ مَوْضُوع لہٗ اگر معین در خارج ہو تو علم شخصی ہوگا، جیسے زید اور اگر معین در ذہن ہو تو علم جنسی ہوگا، جیسے اُسَامَةُ اور اگر ماہیت کلیۃ ہو تو اسم جنس ہوگا جیسے اَسَدٌ۔ اَعْلَامِ کُتُبْ (از قبیل اعلام جنسیۃ ہیں)۔ جیسے کافیۃ جامی۔ نحو میر وغیرہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قولہ الحمد لولیہ مولانا جامی نے اپنی کتاب کوتسمیہ سے شروع کیا ہےاس کی تین وجہ ہیں۔

(۱)اقتداء بکتاب اللہ (۲)اتباع الحدیث رسول اللہ (۳) سلف صالحین کے طریقے سے موافقت ہو جائے۔

سوال مولانا جامی نے تسمیہ کے بعد تحمید سے کتاب کا آغاز کیوں کیا۔

جواب انہی وجوہات ثلاثہ کی وجہ سے جو بیان ہو چکی ہیں۔

سوال ابتداء کے بارے میں دو حدیثیں ہیں۔حدیث تسمیہ اور حدیث تحمید لہذا ان دونوں حدیثوں میں تعارض ہوا۔تو اس میں تطبیق کیسے ہوگی ورنہ قانون ہے۔اذا تعارضا تساقطا۔

جواب سے پہلے تمہید کے طور پر ایک فائدہ جان لیں۔

فائدہ کہ ابتداء کی تین قسمیں ہیں۔

(۱)ابتداء حقیقی (۲)ابتداء اضافی (۳)ابتداء عرفی

ابتداء حقیقی ابتداء حقیقی وہ ہے جو مقاصد اور غیر مقاصد ہر دونوں سے مقدم ہو۔

ابتداء اضافی ابتداء اضافی وہ ہے جو صرف مقاصد سے مقدم ہو۔

ابتداء عرفی ابتداء عرفی جس کو عرف عام میں ابتداء کہا جائے اب جواب کا حاصل یہ ہے کہ حدیث تسمیہ ابتداء حقیقی پر محمول ہے اور حدیث تحمید ابتداء اضافی یا عرفی پر محمول ہے۔

سوال اس کے برعکس کیوں نہیں کیا گیا کہ حدیث تسمیہ کو ابتداء اضافی اور عرفی پر محمول کیا جاتا اور حدیث تحمید کو ابتداء حقیقی پر۔

جواب ابتداء حقیقی اصل ہے بنسبت ابتداء اضافی اور عرفی کے کیونکہ یہ دونوں فرع ہیں۔اور تسمیہ اصل ہے بنسبت تحمید کے اس لیے کہ تسمیہ اسمائے ثلاثہ پر مشتمل ہے جس میں ایک اسم ذاتی اور دو اسم صفاتی ہیں۔بخلاف تحمید کے کہ وہ ایک صفت پر اور اسم پر مشتمل ہے۔لہذا ہم نے اصل کو اصل پر محمول کیا ہے اور فرع کو فرع پر۔

سوال تسمیہ اور تحمید کے درمیان واؤ کیوں نہیں لائے نیز تسمیہ اور تحمید کا نحو کے اعتبار سے کیا تعلق ہے۔

جواب تحمید یہ منصوب محلا حال محذوف کا مفعول بہ ہے۔اس کی تقدیر عبارت یہ ہے
بسم اللہ الرحمن الرحیم اشرع قائلا الحمد لولیہ اسی وجہ سے واؤ کو ذکر نہیں کیا کیونکہ حال اور ذوالحال کے درمیان غیر کا فاصلہ ممنوع ہے نیز واؤ نہ لانے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ دونوں مقصود اصلی ہیں کہ ہر دونوں کے ساتھ مستقلا اور اصالۃً بدایت کرنی ہے اگر واؤ کو ذکر کردیتے تو تسمیہ کے ساتھ ابتداء اصالۃً ہوجاتی اور تحمید کے ساتھ تبعاً ہوجاتی حالانکہ یہ مقصود کے خلاف تھا۔

قال الشارح الحمد لولیہ مولانا جامی کا مقصود یہاں سے حمد باری تعالی کو بیان کرنا ہے۔حمد مصدر ہے حمد یحمد حمدا کی اور مصدر کی سات قسمیں ہیں۔

(۱) مصدر مبنی للفاعل (۲) مصدر مبنی للمفعول (۳) مصدر معلوم (۴) مصدر مجہول
(۵) حاصل بالمصدر المعلوم (۶) حاصل بالمصدر المجہول (۷) قدر مشترک

ان کی تعریف سے پہلے ایک فائدہ جان لیں۔

فائدہ وہ یہ ہے کہ مصدر بمعنی حدوث قائم بالغیر ہوا کرتا ہے۔جیسے کھانا، پینا، اٹھنا، بیٹھنا، مارنا اب ضرب مصدر ہے مثلا میں نے کسی کو مارا اب مارنے کے بعد ایک ہیئت فاعل کو لگی ہوئی ہے اور ایک مفعول کو، مخاطب کے تصور میں دونوں چیزیں ہیں۔اب سمجھیں ان کی تعریفیں کہ مخاطب حدث کی نسبت فاعل کی طرف کریں تو یہ مصدر مبنی للفاعل ہوا کرتا ہے جیسے ضرب زید بمعنی ضاربیت زید اور اگر نسبتِ مفعول کی طرف کریں تو یہ مصدر مبنی للمفعول ہوگا جیسے مضروبیت زید۔زید کا مارا جانا کہ پھر اگر ضرب مصدر کی اضافت کرے فاعل کی طرف تو اس میں ضاربیت کی استعداد ہے تو اس کو مصدر معلوم کہتے ہیں اسی طرح اگر ضرب یعنی مصدر کی اضافت مفعول کی طرف کریں اور اس میں استعداد مضروبیت کی ہو تو اس کو مصدر مجہول کہیں گے اور جو ہیئت لگی ہے ضارب کو اس کو حاصل بالمصدر المعلوم کہیں گے اور جو ہیئت لگی ہوئی ہے مفعول کو اس کو حاصل بالمصدر المجہول کہیں گے۔اور اگر مصدر نہ فاعل کی طرف مضاف ہو اور نہ مفعول کی طرف نہ بالقوۃ اور نہ بالفعل تو اس کو قدر مشترک کہتے ہیں۔

وجہ حصر : مصدر کی اقسام سبعہ کے لیے وجہ حصر یہ ہے کہ مصدر دو حال سے خالی نہیں کہ اس کی اضافت فاعل کی طرف بالفعل ہوگی یا بالقوہ اگر بالفعل ہو تو یہ مصدر مبنی للفاعل ہے جیسے

بحث مصدر

حَمِدَ زَیْدٌ بَکْرًا عَلٰی عِلْمِہٖ

فیہ صفت الایجاد — فیہ صفت القبول۔

اقسامِ مصدر

مصدر

مصدر مبنی للفاعل

ھو صفۃ الایجاد یعتبر معہ الاضافۃ الی الفاعل بالفعل نحو اعجبنی حَمْدُ زَیْدٍ بمعنی ستودن زید۔

ویعبر عنہ بصیغۃ اسم الفاعل مع الیاء النسبیۃ والتاء المصدریۃ کالحمد بمعنی الْحَامِدِیَّۃِ۔

مصدر مبنی للفاعل: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ہر حمد بمعنی حامدیۃ قیامًا۔ یعنی حامدیۃ کاملۃ۔

مصدر معلوم

ھو صفۃ الایجاد لا یعتبر معہ الاضافۃ الی الفاعل لکن یعتبر معہ صلاحیۃ الاضافۃ نحو اعجبنی حَمْدٌ بمعنی ستودن۔

مصدر معلوم: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ہر حمد بمعنی ستودن وقوعًا الخ

حاصل بالمصدر المعلوم

ھو صفۃ الایجاد لا یعتبر معہ صلاحیۃ تلک الاضافۃ نحو اعجبنی حمد بمعنی ستائش۔

وقد یفسر بالھیئۃ الحاصلۃ بعد قیام المعنی المصدری بالفاعل والمآل واحد۔

حاصل بالمصدر المعلوم: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ہر حمد بمعنی وقوعا ستائش۔ الخ

مصدر مبنی للمفعول

ھو صفۃ القبول یعتبر معہ الاضافۃ الی المفعول بالفعل نحو اَعْجَبَنِیْ حَمْدُ عَمْرٍو بمعنی ستودہ شدن عمرو

ویعبر عنہ بصیغۃ اسم المفعول مع الیاء النسبیۃ والتاء المصدریۃ کالحمد بمعنی المحمودیۃ۔

مصدر مبنی للمفعول: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ہر حمد بمعنی محمودیۃ ... الخ

مصدر مجہول

ھو صفۃ القبول لا یعتبر معہ الاضافۃ الی المفعول لکن یعتبر معہ صلاحیۃ الاضافۃ نحو اَعْجَبَنِیْ حَمْدٌ بمعنی ستودہ شدن۔

مصدر مجہول: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ہر حمد بمعنی ستودہ شدن۔ الخ

حاصل بالمصدر المجہول

وصفۃ القبول لا یعتبر معہ صلاحیۃ الاضافۃ نحو حَمْدٌ بمعنی ستودہ شدگی۔

وقد یفسر بالھیئۃ الحاصلۃ بعد وقوع المعنی المصدری علی المفعول والمآل واحد۔

حاصل بالمصدر المجہول: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ہر حمد بمعنی ستودہ شدگی۔ الخ

الف لام

- اسمی بمعنی اَلَّذِیْ
  - کثیر الاستعمال
    - داخل بر اسم فاعل
      - مثل: اَلضَّارِبُ بمعنی اَلَّذِیْ ضَرَبَ
      - اَلضَّارِبَانِ بمعنی اَلَّذَانِ ضَرَبَا
      - اَلضَّارِبُوْنَ بمعنی اَلَّذِیْنَ ضَرَبُوْا
      - اَلضَّارِبَۃُ بمعنی اَلَّتِیْ ضَرَبَتْ
      - .... الخ
    - بر اسم مفعول
      - مثل: اَلْمَضْرُوْبُ بمعنی اَلَّذِیْ ضُرِبَ
      - اَلْمَضْرُوْبَانِ بمعنی اَلَّذَانِ ضُرِبَا
      - اَلْمَضْرُوْبُوْنَ بمعنی اَلَّذِیْنَ ضُرِبُوْا
      - اَلْمَضْرُوْبَۃُ بمعنی اَلَّتِیْ ضُرِبَتْ
      - .... الخ
  - قلیل الاستعمال
    - داخل بر ظرف در شعر
      - [1] مَنْ لَا یَزَالُ شَاکِرًا عَلَی الْمَعَہْ (ای الذی معہ)
      - فَھُوَ حَرٍ بِعِیْشَۃٍ ذَاتِ سَعَہْ (لائق)
    - داخل بر جملہ اسمیہ در شعر
      - [2] مِنَ الْقَوْمِ الرَّسُوْلُ اللّٰہِ مِنْھُمْ
      - لَھُمْ دَانَتْ رِقَابُ بَنِیْ مَعَدٍّ
    - داخل بر مضارع در شعر
      - [3] وَاِذْ یُخْرِجُ الْیَرْبُوْعَ (جنگلی چوہا) مِنْ نَافِقَائِہٖ (جنگلی چوہے کا سوراخ)
      - وَمِنْ جُحْرِہٖ (سوراخ) بِالشَّیْحَۃِ (ایک قسم کی گھاس) الْیَتَقَصَّعُ
- حرفی
  - زائد
    - لازم
      - عوض: چوں لفظ اَللّٰہ
      - غیر عوض: ۲۳
    - غیر لازم
      - عوضی: چوں النّاس
      - غیر عوضی: فَیَا الْغُلَامَانِ فَرَّا اِیَّاکُمَا اَنْ تَکْسِبَا شَرًّا
  - غیر زائد: ۴

۳ غیر زائد

- **جنسی** — جبکہ الف لام کے مدخول سے ماہیت مراد ہو
  - مثال: وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ۔
  - اَلرَّجُلُ خَيْرٌ مِّنَ الْمَرْأَةِ۔
- **استغراقی** — جب تمام افراد مراد ہوں
  - مثال: وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا
  - وَالْعَصْرِ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ
- **عہدِ خارجی** — جب بعض افراد معین مراد ہوں
  - **عہد ذکری** — جبکہ معہود مذکور ہو۔
    - **صراحۃً** — مثل: فَعَصَىٰ فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ بعد قولہ تعالیٰ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا
      - فِيهَا مِصْبَاحٌ الْمِصْبَاحُ فِي زُجَاجَةٍ الزُّجَاجَةُ
      - اِشْتَرَيْتُ فَرَسًا وَبِعْتُ الْفَرَسَ۔
    - **کنایۃً** — مثل: رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا الیٰ قولہ تعالیٰ: وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثَىٰ۔ اس میں اَلذَّكَرُ کی لام کا معہود مَا فِي بَطْنِي میں کنایۃً مذکور ہو چکا ہے۔
  - **عہد علمی** — جبکہ معہود مخاطب کے علم میں ہو بدون ذکر کے
    - مثل: إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ۔
    - إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ۔
  - **عہد حضوری** — جبکہ معہود متکلم اور مخاطب کے سامنے ہو
    - مثل: هَٰذَا الرَّجُلُ عَالِمٌ۔
    - يَا أَيُّهَا الرَّجُلُ۔
    - اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ۔
    - اَلْآنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ۔
- **عہدِ ذہنی** — جب بعض افراد غیر معین مراد ہوں
  - وَلَقَدْ أَمُرُّ عَلَى اللَّئِيمِ يَسُبُّنِي
  - فَمَضَيْتُ ثَمَّةَ قُلْتُ لَا يَعْنِينِي

۴ داخل بر

- **اسماء منقولہ** — چوں اَللَّاتُ وَالْعُزّٰى
- **اسماء غیر منقولہ** — چوں السموئل
- **اعلام غالب الاطلاق** [علہ] — چوں ۱ القاسم ۲ الحارث ۳ الفضل ۴ النجم ۵ الصعق ۶ العقبۃ ۷ البیت ۸ المدینۃ ۹ الکتاب

علہ غالب الاطلاق: وہ کلمات ہیں جو قبل العلمیۃ عام اطلاق رکھتے ہوں۔ بعدہ (ای بعد دخول اللام) خاص ہو جائیں جیسے قاسم ہر تقسیم کنندہ بعدہٗ خاص مرد۔ اسی طرح الحارث اور الفضل بھی ہیں۔ نجم ہر ستارہ علیت نام ثریا ہوا جو سات ستاروں کا مجموعہ ہے۔ صَعِقٌ ہر وہ کس جو گرج سے مارا جاوے۔ بعدہٗ (از دخول لام) خُوَيْلِدِ بْنِ نُفَيْل کا نام ہوا جو گرج میں مارا گیا۔

عقبہ۔ ہر پہاڑی راستہ بعدہ عقبہ منیٰ۔ البیت قبل از دخول لام ہر خانہ بعدہ خانۂ خدا شد۔ المدینۃ۔ قبلہٗ نام ہر شہر بعدہ نام شہر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شد۔ الکتاب قبلہ نام ہر کتاب بعدہ نام کتاب سیبویہ شد۔

زید بمعنی ستودن زید اور اگر مضاف بالقوہ ہو تو یہ مصدر معلوم ہوگا جیسے حمد بمعنی ستودن اور وہ ثمرہ جو مصدر معلوم پر مرتب ہوگا اس کو حاصل بالمصدر المعلوم کہتے ہیں جیسے حمد بمعنی ستائش اور اگر مصدر مضاف ہو مفعول کی طرف تو پھر دو حال سے خالی نہیں کہ بالفعل ہوگا یا بالقوہ۔ اگر بالفعل مصدر کی مفعول کی طرف اضافت ہو تو اس کو مبنی للمفعول کہیں گے جیسے حمد عمر بمعنی ستودہ شدہ عمر اور اگر بالقوہ ہو تو اس کو مصدر مجہول کہتے ہیں جیسے حمد بمعنی ستودہ شدن اور وہ ثمرہ جو مصدر مجہول پر مرتب ہو تو اس کو حاصل بالمصدر المجہول کہتے ہیں۔ جیسے حمد بمعنی ستائش اور اگر نہ مضاف ہو فاعل کی طرف اور نہ مفعول کی طرف نہ بالقوۃ اور نہ بالفعل تو اس کو قدر مشترک کہتے ہیں۔

بعنوان دیگر: حاصل یہ ہے کہ فاعل جب بھی کوئی کام کرتا ہے اس کے لیے صفت ایجاد پیدا ہوتی ہے اور مفعول کے اندر صفت قبول پیدا ہوتی ہے۔ پھر ہر ایک تین حال سے خالی نہیں ہوتا یا اس کے لیے اضافت الی الفاعل بالفعل ہوگی یا نہ ہوگی اگر بالفعل ہو تو وہ مصدر مبنی للفاعل جیسے حمد زید بمعنی ستودن زید اس کو حامدیت سے تعبیر کرتے ہیں اگر بالفعل اضافت نہ ہو تو پھر دیکھو اس میں اضافت الی الفاعل کی صلاحیت ہوگی یا نہیں۔ اگر ہے تو مصدر معلوم ہوگا حمد بمعنی ستودن اگر نہیں تو یہ حاصل بالمصدر المعلوم ہوگا جیسے حمد بمعنی ستائش اور صفت قبول بھی تین حال سے خالی نہیں اگر اضافت الی المفعول بالفعل ہوگی تو یہ مصدر مبنی للمفعول ہوگا جیسے حمد زید بمعنی محمود الزید اس کو محمودیت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اگر بالفعل اضافت نہیں لیکن اس میں صلاحیت اور استعداد ہے تو اس کو مصدر مجہول کہتے ہیں جیسے حمد بکر بمعنی محمودیت بکر اور اگر صلاحیت ہی نہ ہو تو اس کو حاصل بالمصدر المجہول کہتے ہیں جیسے حمد بمعنی ستودہ شدہ اور اگر ہر قسم کی قید سے خالی ہو تو وہ قدر مشترک ہوگا جیسے حمد بمعنی مطلق حمد۔

فائدہ الحمد للہ کے معانی میں باعتبار اقسام مصدر اور الف لام کے چوبیس احتمال ہیں جن کو نقشہ میں سمجھیں۔ اور الف لام کے اقسام کو بھی نقشہ میں سمجھیں۔

فائدہ چار لاموں میں فرق

فرق اول لام جنسی دال بر ماہیئت ہوتا ہے اور استغراق دال بر جمیع افراد ہوا کرتا ہے اور عہد خارجی دال بر بعض افراد معین ہوتا ہے اور عہد ذہنی دال بر بعض افراد غیر معین ہوتا ہے۔

فرق ثانی پہلے تین لام اپنے مدخول کو معرفہ کرتے ہیں اور آخری معرفہ نہیں کرتا بلکہ اس کا مدخول نکرہ ہی رہتا ہے جیسے ولقد امر علی اللئیم یسبنی فمیضت ثمة قلت لایعنینی۔

فرق ثالث مذکورہ چوبیس صورتوں میں سے چار صورتیں عہد ذہنی کی صحیح غیر مناسب ہیں۔ بقیہ صورتیں ایسی نہیں کیونکہ یا تو صحیح مناسب ہیں یا غیر صحیح ہیں۔

فرق رابع جنسی اور استغراقی کو بقیہ سے یہ فرق ہے کہ مذکورہ چوبیس صورتوں میں سے چار صورتیں جنسی اور استغراقی کی غیر صحیح ہیں بقیہ صحیح ہیں۔

فائدہ جنسی اور استغراقی میں چند فرق ہیں۔

(۱) کہ لافرق بین الجنس والاستغراق فی افادة الاختصاص ای اختصاص جمیع المحامد یعنی جنسی اور استغراقی افادہ عموم افراد میں تو یکساں ہے البتہ طریقہ اختصاص میں فرق ہے۔

(۲) کہ جنسی اور استغراقی دونوں میں اختصاص تو ہے لیکن جنس میں اختصاص بطریقہ کنایہ ہوتا ہے کیونکہ صراحۃً اختصاص ماہیت کا ہوتا ہے اور اختصاص ماہیت مستلزم ہے اختصاص افراد کو لہذا اختصاص افراد بطریقہ استلزام ہوا جو کہ کنایۃً ہوگا نہ کہ صراحۃً اور استغراقی اختصاص صریح کے لیے ہوتا ہے۔

(۳) جنس کے ثبوت کے دو طریقے ہیں۔

(۱) کہ جمیع افراد کے ثبوت سے ثابت ہوتی ہے۔ (۲) بعض افراد کے ثبوت سے ثابت ہوتی ہے بخلاف استغراق کے کہ یہ ہمیشہ جمیع افراد کے ثبوت سے ثابت ہوا کرتی ہے۔ لہذا الحمد لولیہ میں لام جنسی صحیح نہیں ہوگا استغراقی صحیح ہوگا البتہ جنس کی صورت میں قرینہ کی طرف احتیاجی ہوگی۔ وہ قرینہ مقام ہے یعنی مقام حمد باری تعالی جمیع افراد مراد ہو جائیں گے یہ لام جارہ برائے اختصاص لیا جائے تا کہ اختصاص جنس مستلزم ہو اختصاص جمیع افراد کو بخلاف استغراقی کے کہ وہ کسی قرینے کا محتاج نہ ہو تا لام اگرچہ مختص کے متعلق نہ ہو بلکہ ثابت کے متعلق کیا جائے تب بھی جمیع افراد حمد ذات باری تعالی کے لیے ثابت ہوگی۔

فائدہ لام عہد ذہنی اور نکرہ میں فرق۔ الفرق بین المدخول اللام العهد وبین الاسم الجنس والنکرة هوالفرق بین المقید والمطلق لان مدخول لام العهد یدل علی

مَعَانی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ باعتبار اقسام مصدر و الف لام

المحصل بالمصدر المعلوم

- **عہد خارجی**: بعض حالتیں معین ان حالتوں میں سے جو حاصل ہوتی ہیں ... الخ۔ — **صحیح مناسب**
- **عہد ذہنی**: بعض حالتیں غیر معین ان حالتوں میں سے جو حاصل ہوتی ہیں حامد کے لیے بعد قیام حمد کے ساتھ اسکے خاص ... الخ — **صحیح مناسب**
- **استغراقی**: تمام وہ حالتیں غیر معین ان حالتوں میں سے جو حاصل ہوتی ہیں حامد کے لیے بعد قیام حمد کے ساتھ اسکے خاص ہیں واسطے اللہ تعالیٰ کے — **غیر صحیح**
- **جنسی**: تمام وہ حالتیں جو حاصل ہوتی ہیں حامد کے لیے بعد قیام حمد کے ساتھ اسکے خاص ہیں واسطے اللہ تعالیٰ کے۔ — **غیر صحیح**

المبنی للفاعل

- **خارجی**: ایک معین فرد حمد بمعنی حامدیۃ یعنی حامدیۃ کاملہ خاص ہے واسطے اللہ تعالیٰ کے۔ — **صحیح مناسب**[۲]
- **عہد ذہنی**: بعض افراد غیر معین از افراد حامدیۃ خاص ہیں واسطے اللہ تعالیٰ کے۔ — **صحیح مناسب**
- **استغراقی**: ہر حامدیۃ خاص ہے واسطے اللہ تعالیٰ کے۔ — **غیر صحیح**
- **جنسی**: ہر حامدیۃ خاص ہے واسطے اللہ تعالیٰ کے۔ — **غیر صحیح**

مصدر المعلوم

- **عہد خارجی**: ایک خاص حمد یعنی حمد کامل بمعنی ستودن خاص ہے واسطے اللہ تعالیٰ کے۔ — **صحیح مناسب**[۳]
- **عہد ذہنی**: بعض افراد غیر معین از افراد حمد بمعنی ستودن خاص ہے واسطے اللہ تعالیٰ کے۔ — **صحیح غیر مناسب**[۲]
- **استغراقی**: ہر حمد بمعنی ستودن ازل سے ابد تک جس حامد سے بھی ہو یعنی اللہ تعالیٰ ... الخ خاص ہے واسطے اللہ تعالیٰ کے۔ — **صحیح مناسب**
- **الف لام جنسی**: ہر حمد بمعنی ستودن ازل سے ابد تک جس حامد سے بھی ہو یعنی اللہ تعالیٰ سے ہو خواہ ملائکہ سے ہو خواہ انسانوں سے خواہ جنوں سے خاص ہے واسطے اللہ تعالیٰ کے — **صحیح مناسب**[۱]

[۱] لام جنسی اور استغراقی کا حال چونکہ ایک ہے اس لیے ان کا معنی ایک ہی طرح کا کیا گیا ہے۔ [۲] لانہ یوھم ثبوت فرد من الحمد لہ تعالیٰ دون فرد آخر منہ مع ان جمیع افراد الحمد ثابت لہ تعالیٰ وتقدس۔ [۳] کذا قال مولانا عبد العلیؒ بحر العلوم حیث قال ثم اللام یحتمل العھد علی کل تقدیر۔ [۴] الحامدیۃ الکاملۃ ھی حامدیۃ اللہ تعالیٰ لذاتہ کما اشیر الیہ فی الحدیث لا احصی ثناءً علیک کما اثنیت علی نفسک۔

مثالیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ باعتبار اقسام مصدر والف لام

- **مصدر المجہول**
  - **جنسی**: ہر حمد یعنی ستودہ شدن خاص ہے واسطے اللہ تعالےٰ کے — صحیح مناسب
  - **استغراقی**: ہر حمد یعنی ستودہ شدن خاص ہے واسطے اللہ تعالےٰ کے — صحیح مناسب
  - **عہد ذہنی**: بعض افراد غیر معین از افراد حمد یعنی ستودہ شدن خاص .... الخ — صحیح غیر مناسب
  - **عہد خارجی**: بعض افراد معین از افراد یعنی حمد کاملہ حمد یعنی ستودہ شدن .... الخ — صحیح مناسب
- **المعنی المفعول**
  - **جنسی**: ہر فرد محمودیۃ خاص ہے واسطے اللہ تعالےٰ کے — صحیح مناسب
  - **استغراقی**: ہر فرد محمودیۃ خاص ہے واسطے اللہ تعالےٰ کے — صحیح مناسب
  - **عہد ذہنی**: بعض افراد غیر معین از افراد محمودیۃ خاص ہے ... الخ — صحیح غیر مناسب
  - **عہد خارجی**: بعض افراد معین یعنی حمد کاملہ از افراد محمودیۃ خاص ہے .... الخ — صحیح مناسب
- **الحاصل بالمصدر المجہول**
  - **جنسی**: تمام وہ حالتیں جو حاصل ہوتی ہیں محمود کے لیے بعد وقوع حمد کے اوپر اس کے خاص ہیں .... الخ — صحیح مناسب
  - **استغراقی**: تمام وہ حالتیں جو حاصل ہوتی ہیں .... الخ — صحیح مناسب
  - **عہد ذہنی**: بعض حالتیں غیر معین ان حالتوں میں سے جو حاصل ... الخ — صحیح غیر مناسب
  - **عہد خارجی**: بعض حالتیں معین یعنی کاملہ ان حالتوں میں سے جو حاصل ... الخ — صحیح مناسب

تحقیق حمد — اَرْکَانِ حَمْد

ان میں اختلاف بھی ہے جو کہ بڑی کتب میں مذکور ہے۔

الحامد	والمحمود	والمحمود به	والمحمود علیه
هوالمتکلم	الذی وقع له الحمد	هوالوصف الذی یسند الی ذات المحمود مثل المنعم	هواتصاف ذات المحمود فی الواقع بالوصف

مثال حَمْد

حمد کے لیے صیغہ حمد ضروری نہیں ہے دیگر الفاظ سے بھی حمد ہو سکتی ہے جیسے لفظ مُنْعِمٌ ہے۔

زَیْدٌ مُنْعِمٌ

حامد	محمود	محمود به	محمود علیه
متکلم	زید	لفظ مُنْعِمٌ	اتصاف زید بالانعام

اقسام حَمْد

حمد قدیم للقدیم	حمد قدیم للحادث	حمد حادث للقدیم	حمد حادث للحادث
مثل حمد خالق لنفسہ	مثل حمد خالق للمخلوق	مثل حمد مخلوق للخالق	مثل حمد مخلوق للمخلوق
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ	نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗ اَوَّابٌ	اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا۔۔الخ	حَمِدْتُ زَیْدًا عَلٰی عِلْمِهٖ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کی لام ساکنہ اور لام جارہ کے مجموعی بارہ (۱۲) احتمالات میں سے تین۳ صحیح اور نو۹ باطل ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ

لام ساکنہ

- **جنسی** — تحقیق لام جارۃ
  - مِلک: جنسِ حمد اللہ تعالیٰ کی ملک ہے۔ باطل
  - استحقاق: جنسِ حمد کے اللہ تعالیٰ مستحق ہیں۔ باطل
  - اختصاص: جنسِ حمد اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ صحیح
- **استغراقی** — لام جارۃ
  - مِلک: تمام افراد حمد اللہ تعالیٰ کے ملک ہیں۔ صحیح
  - استحقاق: تمام افراد حمد کا اللہ تعالیٰ مستحق ہے۔ باطل
  - اختصاص: تمام افراد حمد اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں۔ صحیح
- **عہد ذہنی** — لام جارۃ
  - ملک: کوئی ایک فرد حمد اللہ تعالیٰ کے ملک ہے۔ باطل
  - استحقاق: کوئی ایک فرد حمد کے اللہ تعالیٰ مستحق ہیں۔ باطل
  - اختصاص: کوئی ایک فرد حمد اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ باطل
- **عہد خارجی** — لام جارۃ
  - ملک: ایک فرد معین حمد اللہ تعالیٰ کے ملک ہے اگر فرد کامل مراد ہو تو صحیح ورنہ باطل ہے۔
  - استحقاق: ایک فرد معین حمد کے اللہ تعالیٰ مستحق ہیں۔ صحیح ورنہ باطل۔
  - اختصاص: ایک فرد معین حمد اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اگر فرد کامل مراد ہو تو صحیح ورنہ باطل ہے۔

تفصیل: یہ کہ استحقاق کی سین طلب کی ہے اور اللہ تعالیٰ طلب سے پاک ہیں لہٰذا استحقاق کے تمام احتمالات باطل ہیں اور عہد ذہنی کے احتمالات بھی باطل ہیں کیونکہ ایک فرد جب اللہ تعالیٰ کے ملک یا خاص کیا گیا تو وہم ہوگا کہ بقیہ افراد غیر کے لیے ہیں۔ اور لام جنسی اور صورت ملک میں بھی غیر کا وہم ہوگا لہٰذا باطل ہوا۔

فائدہ ← اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ

- **جملہ خبریہ لفظاً و معنیً** — اس میں ایمان لانا مقصود اور ثنا غیر مقصود ہے۔
- **جملہ انشائیہ لفظاً و معنیً** — اس میں ثنا مقصود اور ایمان لانا غیر مقصود ہے۔
- **جملہ خبریہ لفظاً انشائیہ** — اس میں ہر دو مقصود ہیں
- **خبر ظاہراً امر باطناً** — فِیْہِ تَعْلِیْمٌ لِلْعَبْدِ کَیْفَ یَحْمَدُہٗ بمعنی قولوا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ

الحقيقة بقيد حضورها فى الذهن واسم الجنس النكرة يدل على مطلق الحقيقة لاباعتبار قيد۔

لہذ االلئیم اور لئیم میں فرق یہ ہوگا کہ اللئیم مطلق ہوگا بقید حضور فی الذهن اور لئیم مطلق عن القید ہے۔

فائدہ ارکان حمد چار ہیں۔

(۱) حامد هوالمتکلم (۲) محمود الذی وقع له الحمد (۳) محمود به هوالوصف الذی یسند الی ذات المحمود مثل المنعم (٤) محمود علیه هواتصاف ذات المحمود فی الواقع بالوصف۔

فائدہ یادرکھیں حمد کے لیے صیغہ حمد کا ہونا ضروری نہیں۔ بلکہ اور الفاظ کے ذریعے بھی حمد کی جاسکتی ہے۔ جیسے لفظ منعم سے۔ حمد کی مثال: زید منعم اس کے تحت چار ارکان ہیں۔ اس میں حامد متکلم ہے اور زید محمود ہے اور لفظ منعم محمود بہ اور زید کا انعام سے متصف ہونا یہ محمود علیہ ہے۔

فائدہ اقسام حمد یہ بھی چار قسم پر ہیں۔

(۱) حمد القدیم للقدیم کہ باری تعالی کا اپنی حمد بیان کرنا جیسے الحمدلله رب العالمین۔

(۲) حمد القدیم للحادث کہ باری تعالی کا مخلوق کی تعریف کرنا جیسے نعم العبد انه اواب۔

(۳) حمد الحادث للقدیم یعنی مخلوق کا خالق کی حمد کرنا جیسے الحمد لله الذی اطعمنا وسقانا الخ۔

(۴) حمد الحادث للحادث یعنی مخلوق کا مخلوق کی تعریف کرنا۔

فائدہ لام جارہ کی تحقیق۔ لام جارہ کے تین معنی ہیں۔

(۱) ملک (۲) استحقاق (۳) اختصاص

پھر لـولیــه کے لام میں چار احتمال ہیں جنسی، استغراقی، عہد خارجی، عہد ذہنی۔ تین کو چار سے ضرب دیں تو بارہ احتمال بنتے ہیں جسکی تفصیل نقشہ میں دیکھیں۔

فائدہ الحمد للہ کے جملہ ہونے میں چار احتمال ہیں۔

(۱) جملہ خبریہ ہو لفظا اور معنا تو اس صورت میں مقصود ایمان لانا ہوگا اور ثناء غیر مقصود ہوگی۔

(۲) جملہ انشائیہ ہو لفظا اور معنا تو اس صورت میں ثناء مقصود ہوگی ایمان لانا غیر مقصود ہوگا۔

(۳) یہ جملہ لفظا خبریہ ہو اور معنا انشائیہ اس صورت میں دونوں مقصود ہوں گے۔

(۴) یہ جملہ ظاہرا تو خبر ہو اور باطن کے لحاظ سے امر بمعنی فقولو الحمد للہ۔ فیہ تعلیم للعبد کیف یحمدہ۔ **(لولیہ)**

اس جملے کا چوتھا کلمہ لولیہ ہے جس کے پانچ معانی آتے ہیں۔

(۱) لائق (۲) محب (۳) متصرف (٤) صاحب (٥) قربت

اور یہاں پر پہلے چار معانی مراد لینا درست ہے۔ پہلے معنی کے اعتبار سے ترجمہ یہ ہوگا کہ جنس حمد ثابت ہے اللہ تعالی کے لیے جو لائق حمد ہے اور دوسرے معنی کے اعتبار سے معنی یہ ہوگا تمام محامد حمد کے محب کے لیے ہیں۔ کہ اللہ کی ذات محب کل حمد ہے کیونکہ مخلوق کی حمد بھی اصل ہی میں خالق کی حمد ہوا کرتی ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ خالق ہر حمد کا محب ہے بخلاف مخلوق کے وہ صرف اپنی تعریف یا اپنی محبوب شئی کی تعریف پسند کرتی ہے۔

اور تیسرے معنی کے اعتبار سے ترجمہ یہ ہوگا تمام تعریفیں اس حمد کے متصرف کے لیے ہیں یہ معنی بھی درست ہے کیونکہ متصرف امور اللہ تعالی ہی ہے اور حامد کے اندر حمد کی استعداد پیدا کرنا اسی طرح اسباب حمد مہیا کرنا پھر جزاء حمد کا مرتب کرنا یہ سارا اللہ تعالی کے تصرف ہی سے ہے

اور چوتھے معنی کے اعتبار سے ترجمہ یہ ہوگا تمام تعریفیں صاحب حمد یعنی مالک حمد کے لیے ہیں جو کہ اللہ تعالی ہے یہ بالکل درست ہے۔

سوال مولانا جامی نے مصنفین کا مروجہ خطبہ ترک کرکے یہ اسلوب جدید الحمد لولیہ کو کیوں اختیار کیا ہے، جس کے چند جوابات دیئے گئے ہیں۔

جواب ۱ اس اسلوب جدید میں دعوی مع الدلیل ہے دعوی یہ تھا کہ تمام افراد حمد مختص ہیں اللہ تعالی کے لیے۔ دلیل: اس لیے کہ لائق حمد وہی اللہ ہی ہے۔ بخلاف جملہ الحمد للہ اس میں محض دعوی ہی دعوی تھا دلیل نہیں تھی۔

جواب ۲ اللہ تعالی کی تعظیم اور جلالت کی وجہ سے نام کو ترک کر دیا ہے۔

جواب ۳ شارح کے ذہن میں خطبہ لکھنے کے خاص الفاظ تھے تو سجع بندی کی رعایت کرتے ہوئے مصنف نے یہ طریقہ اختیار فرمایا الحمد لولیہ والصلوة علی نبیہ ۔اگر سجع بندی کی رعایت نہ رکھتے تو خطبہ کا حسن ختم ہو جاتا۔

سوال والصلوة علی نبیہ حمد کے بعد مولانا جامی نے صلوۃ کو کیوں ذکر کیا ہے۔

جواب اس کی وجہ ہیں۔(۱) دلائل نقلیہ قرآن میں ہے یا ایھا الذین امنوا صلو علیه وسلمو ا تسلیما۔اور دوسرے مقام پر ہے ورفعنا لك ذكرك۔اس کے تحت مفسرین نے حدیث قدسی نقل کی ہے ذکرت حیث ذکرت چونکہ اس مقام میں حمد باری تعالی تھا اس لیے یہاں صلوۃ علی النبی کو بھی ذکر کر دیا اور ایک حدیث ہے اذا ذکرتم الله فاذکرونی معه تو یہاں پر رسول اللہ کا تذکرہ بھی ہونا چاہیے تھا دلیل عقلی یہ ہے کہ اللہ تعالی کی طرف جتنی نعمتیں ہیں ان میں سے بڑی نعمت دین اسلام ہے اور یہ نعمت نبیؐ اور اہل بیتؓ اور صحابہؓ کے ذریعے ہم تک پہنچی تو اس اعتبار سے یہ ہمارے محسن ہیں اور محسن کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے، تو ان کا شکریہ یہ ہے کہ ان تمام پر درود بھیجے جائیں تو اس لیے مولانا جامی نے رسولؐ پر تصلیہ کو ذکر کیا۔

سوال لفظ صلوۃ کے عموما چار معنی آتے ہیں۔

(۱) رحمت (۲) دعا (۳) استغفار (۴) تسبیح وتہلیل

یہاں پر ان معنوں کو مراد لینے کے تین طریقے ہو سکتے ہیں۔

پہلا طریقہ: چاروں معنوں کو مراد لیا جائے بطور حقیقت کے اس صورت میں عموم مشترک لازم آئے گا جو کہ ناجائز ہے۔

دوسرا طریقہ: ان چار معنوں میں سے بعض بطور حقیقت کے مراد ہوں اور بعض بطور مجاز کے اس صورت میں جمع بین الحقیقة والمجاز لازم آئے گا یہ بھی صحیح نہیں۔

تیسرا طریقہ: چاروں معنوں میں سے صرف ایک معنی مراد لیا جائے خواہ بطور حقیقت کے ہو یا بطور مجاز کے۔اس صورت میں ترجیح بلا مرجح کی خرابی لازم آئے گی۔

جواب ہم یہاں تیسرا طریقہ مراد لیتے ہیں۔باقی رہا سوال کہ ترجیح بلا مرجح کی خرابی لازم

آتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں پر مرجح موجود ہے وہ لفظ علی حرف جر کا متعلق محذوف ہے نازلۃ اور یہ بات ظاہر ہے کہ نزول کے ساتھ تعلق رحمت کا ہوسکتا ہے باقی تینوں معنوں کے ساتھ نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ نزول رحمت کا ہوتا ہے تو یہی قرینہ مرجحہ ہوا کہ صلوۃ بمعنی رحمت مراد لینے کے لیے، اور معنی یہ ہوگا کہ رحمت کاملہ نازل ہو اللہ کے نبیؐ پر۔

سوال یہاں صلوۃ کا معنی رحمت مراد لینا غلط ہے اس لیے کہ صلوۃ کی نسبت اللہ کی طرف ہے اور رحمت کا معنی ہوتا ہے رقۃ القلب بحیثیت یقتضی الفضل والاحسان اور یہ بات ظاہر ہے کہ اللہ تعالی رقت قلب سے پاک ہے۔

جواب یہاں رحمت کا حقیقی معنی مراد نہیں بلکہ مجازی اور لازمی معنی مراد ہے وہ اضافۃ الخیر اور احسان ہے۔

سوال صلوۃ اور دعاء یہ مترادفین ہے۔ اور جب دعا بصلہ علی ہو تو بددعا مراد ہوتی ہے تو لازما صلوۃ کا صلہ جب علی ہو تو اس سے مراد بھی بددعا ہوگی حالانکہ یہ بالکل حرام اور ناجائز ہے۔

جواب ۱ علی صلوۃ کا صلہ نہیں بلکہ نازلۃ محذوف کا صلہ ہے۔

جواب ۲ مترادفین میں سے ہر مترادف من کل الوجوہ مترادف نہیں ہوتا بلکہ بعض اعتبار سے مترادف ہوتا ہے اور یہاں پر بھی بعض اعتبار سے مترادف ہے۔

جواب ۳ علی کا ہر مقام پر بددعا والا معنی نہیں ہوتا بلکہ اہلسنت والجماعت کا مذہب یہ ہے کہ علی دعاء بالشر اور دعاء بالخیر دونوں کے لیے آتا ہے اور یہاں پر قرینہ مقام کی وجہ سے دعاء بالخیر کے لیے ہے جیسے قرآن پاک میں ہے ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی۔ اور درود شریف میں اللھم صل علی سیدنا محمد الخ۔

قال الشارح نبی لفظ نبی مشتق ہے۔ نبوۃ سے بمعنی بلندی اور نبیؐ کو نبی اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ تمام مخلوق سے بلند ہوا کرتا ہے۔ یا یہ مشتق ہے نباء سے بمعنی خبر دینا۔ نبیؐ بھی چونکہ اللہ کے احکام کی خبر دیتا ہے اس لیے نبی کہا جاتا ہے۔

اصطلاحی معنی النبی ھو انسان مذکر بعثہ اللہ الی الخلق لتبلیغ الاحکام۔

فائدہ عند البعض رسول اور نبی مترادفین میں سے ہیں اور عند البعض نبی عام ہے اور رسول خاص

ہےاس لیے کہ رسول کی تعریف یہ ہے من ارسل الیہ دین وکتاب اور نبی عام ہے خواہ اس کو کتاب دی گئی ہو یا نہیں۔

سوال مولانا جامی نے نام کی تصریح کیوں نہیں کی، حالانکہ یہ مقام مقام حمد ہے جس میں نام کا ذکر کرنا اولی تھا تاکہ محمود کا تعین ہو جائے۔

جواب نام ذکر کرنے میں سوء ادبی تھی تو تعظیما نام کو ذکر نہیں کیا اس لیے کہ یہ قاعدہ ہے کسی کے نام کے بجائے اس کی صفت کو ذکر کر دینا اچھا ہوا کرتا ہے جیسے استاد کا نام ذکر کرنے کی بجائے اسے استاد محترم کہا جائے تو یہ اس کی تعظیم ہوا کرتی ہے۔

سوال صفات تو اور بھی تھیں لیکن لفظ نبی کیوں خاص کیا اس کی بجائے علی رسولہ کہہ دیتے۔

جواب ۱ سجع بندی کی رعایت کرتے ہوئے ایسا کیا۔

جواب ۲ قرآن مجید کی اقتداء کی ہے ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی۔

جواب ۳ کہ نبی عام اور رسول خاص ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جو حکم عام پر لگا دیا جائے تو وہی حکم خاص پر بطریق اولی لگ جاتا ہے لہذا جب نبی پر یہ حکم لگ گیا تو بطریق اولی رسول پر بھی یہ حکم لگ جائے گا یعنی جب رسول اللہ صفت نبوت کے اعتبار سے صلوۃ کے مستحق ہیں تو صفت رسالت کی وجہ سے بطریقہ اولی مستحق ہیں۔

سوال نبیہ کی ضمیر کا مرجع کیا ہے جس میں دو احتمال ہیں۔ (۱) حمد ہو (۲) ولی اور یہ دونوں معنی غلط ہیں۔ اس لیے اگر حمد بنائے جائیں معنوی خرابی لازم آتی ہے کہ معنی فاسد ہوتا ہے، معنی یہ ہوگا کہ رحمت کاملہ نازل ہو حمد کے نبی پر حالانکہ حمد کا نبی نہیں ہوتا وہ تو اللہ کا نبی ہوتا ہے اور دوسری صورت میں انتشار ضمائر کی خرابی لازم آئے گی۔

جواب دونوں مرجع بنانا درست ہے۔

(۱) حمد مرجع بنایا جائے تو یہاں پر صنعت استخدام مراد ہوگی اور صنعت استخدام اسے کہتے ہیں کہ ایک لفظ ذکر کر کے ایک معنی مراد لیا جائے اور جب اس کی طرف ضمیر لوٹائی جائے تو دوسرا معنی مراد لیا جائے تو یہاں پر بھی ایسے ہے کہ الحمد میں حمد کو ذکر کر کے اس کا معنی مصدری لیا گیا اور جب ضمیر لوٹائی گئی تو حمد کا دوسرا معنی بمعنی محمود لیا گیا۔ اور اللہ کی ذات محمود ہے اب معنی یہ

ہوگا کہ رحمت کاملہ نازل ہو محمود کے نبی پر یعنی اللہ کے نبی پر اور دوسرا مرجع بنایا جائے لفظ ولی کو، تب بھی ٹھیک ہے۔ باقی رہا یہ سوال کہ انتشار ضمائر کی خرابی لازم آتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ انتشار ضمائر کلام واحد میں ناجائز ہے اور کلامین میں جائز ہے اور یہاں پر دو جملے اور دو کلام ہیں ایک جملہ الحمد لولیہ ہے اور دوسرا جملہ الصلوۃ علی نبیہ۔

قال الشارح **وعلى اله**

سوال ایک روایت رسول کی طرف منسوب کی جاتی ہے جس میں یہ ہے من فصل بيني وبين آلي بعلي فقد جفاني۔ جس نے میرے اور میرے آل کے درمیان کلمہ علی کے ساتھ فاصلہ کیا تو اس نے مجھے ناراض کیا اب اس روایت کا تقاضا یہ تھا کہ لفظ علی ذکر نہ کرتے بلکہ یوں کہتے وآلہ۔

جواب یہ (روافض) شعیوں کی تراشی ہوئی روایت ہے جس کی کوئی سند نہیں ہے۔

﴿بحث لفظ آل﴾

قال الشارح **آل لفظ آل** پر تین باتیں سمجھنی ہیں۔

آل کے معنی کیا ہیں۔ آل کے دو معنی آتے ہیں۔ (۱) آل بمعنی اہل بیت (۲) آل بمعنی متقی پرہیزگار۔

سوال وعلى اله واصحابه میں تخصیص بعد التعمیم ہے یا تعمیم بعد التخصیص ہے۔

جواب پہلے معنی کے مطابق تعمیم بعد التخصیص ہے اور دوسرے معنی کے مطابق تخصیص بعد التعمیم ہے۔

دوسری بات : کہ آل کی اصل کیا ہے جس کے بارے میں دو قول ہیں۔

(۱) کہ آل اصل میں اھل تھا ھا ہمزہ سے بدل دیا اور ہمزہ کو الف سے تبدیل کر دیا۔ آل ہو گیا یہ قول سیبویہ کی طرف منسوب ہے۔

(۲) امام کسائی کا ہے کہ آل اصل میں اول تھا واؤ کو الف سے تبدیل کیا تو آل ہو گیا۔

تیسری بات : آل اور اہل میں فرق۔ ال کے بارے میں دو تخصیصیں ہیں۔

(۱) آل کا لفظ عام طور پر ذوی العقول کے لیے بولا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ آل اسلام، آل

الدار کہنا صحیح نہیں ہے۔ بلکہ اهل الاسلام اور اهل الدار کہا جاتا ہے۔
(۲) آل کا استعمال ان لوگوں میں ہوا کرتا ہے جن میں شرافت ہو خواہ دنیوی ہو جیسے ال فرعون یا دونوں ہو جیسے آل محمد اور لفظ اہل میں یہ دو تخصیصیں نہیں۔

سوال لفظ آل میں دو تخصیصیں کیوں ہیں۔

جواب اس کی وجہ یہ ہے کہ مندرجہ بالا آل میں دو تغیر ہوئے تھے جس سے کچھ کمی واقع ہوئی تھی اور اس میں دو تخصیصیں کردی تا کہ جبر نقصان ہو جائے۔

قال الشارح واصحابه لفظ اصحاب جمع ہے جس کے مفرد میں تین قول ہیں۔ (۱) صاحب کی جمع اصحاب ہے جیسے طاہر کی جمع اطہار۔ (۲) صَحْبٌ کی جمع اصحاب ہے جیسے نَہر کی جمع انہار۔ (۳) یا صَحِب کی جمع اصحاب ہے جیسے نَمِر کی جمع انمار ہے۔

تعریف صحابی : صحابی ایسی ذات کو کہا جاتا ہے جس نے ایمان کی حالت میں نبی کی مجلس کو پایا ہو اور حالت ایمان ہی میں انتقال ہوا ہو۔

قال الشارح المتادبين بادابه المتادبين یہ نحوی لحاظ سے لفظ آل اور اصحاب ہر دونوں کی صفت ہے اور المتادبين بمعنی الموصوفين اور عادت بمعنی اوصاف کے ہیں اور بآدابه کی ضمیر راجع ہے رسول کی طرف تو المتادبين یہ مشتق سے تأدب باب تفعل سے بمعنی ادب سیکھنا، ترجمہ یہ ہوگا وہ صحابہ جو ادب سیکھنے والے ہیں۔ حضورؐ کے عادات کے ساتھ، حاصل معنی یہ ہوگا کمتخلقین باخلاقہ اور ادب کا اصطلاحی معنی ہے وضع كل شئى فى مرتبته اور شریعت میں ادب کہتے ہیں هو الورع والتقوى وفى اصطلاح الحكماء صيانة النفس عن الرزائل ۔ وقال التفتازانى تهذيب الاخلاق واصلاح العادات۔ الحاصل :حسن الاحوال فى الحركات والسكنات واجتماع الخصال الحميدة۔

ادب کی دو قسمیں ہیں۔(۱) ادب نفس وهو تخلية الظاهر والباطن عما لا يستحق شرعا وتحليتهما بما يستحق۔ (۲) ادب الدرس وهو تبليغ الكتاب والاحكام۔

سوال آداب جمع کا صیغہ ہے اور مضاف ہے ضمیر کیطرف اور قاعدہ ہے کہ جب صیغہ جمع کا مضاف ہو ضمیر کی طرف تو وہ اضافت استغراق کا فائدہ دیتی ہے اور اس قاعدہ کی بناء پر ترجمہ یہ ہوگا

کہ رحمت کاملہ نازل ہو آپ کی ایسی آل اور ایسے اصحاب پر جو متصف ہے آپ کے تمام اوصاف کے ساتھ حالانکہ یہ بات غلط ہے اس لیے کہ اس میں تو تین خرابیاں لازم آتی ہیں۔

پہلی خرابی: صحابہؓ کا آپؐ کے تمام اوصاف کے ساتھ متصف ہونا لازم آتا ہے جو کہ بالکل غلط ہے کیونکہ آپؐ کے اوصاف میں وصف نبوت اور رسالت بھی ہے جس سے صحابہؓ قطعاً متصف نہیں ہو سکتے تھے۔

دوسری خرابی : کہ تمام صحابہؓ کا باہمی طور پر مرتبہ میں مساوی اور برابر ہونا لازم آتا ہے حالانکہ صحابہؓ مراتب میں یقیناً مختلف ہیں۔

تیسری خرابی : یہ لازم آتی ہے کہ تمام صحابہؓ تصلیہ سے خارج ہو جائیں گے کیونکہ تصلیہ تو ان صحابہؓ پر ہے جو نبی کریمؐ کے تمام اوصاف کے ساتھ متصف ہوں اور یہ بات ظاہر ہے کہ کوئی صحابیؓ بھی ایسا نہیں ہے جو آپؐ کے تمام اوصاف کے ساتھ متصف ہو (**ظلمات بعضها فوق بعض**)۔

جواب آپ نے جو ضابطہ بیان کیا بالکل درست ہے لیکن یہاں پر جنس آداب مراد ہیں، جمیع آداب مراد نہیں اور جنس قلیل اور کثیر کو شامل ہوا کرتی ہے اب معنی یہ ہوگا رحمت کاملہ نازل ہو آپ کی ایسی آل اور ایسے صحابہؓ پر جو متصف ہے آپ کے جنس آداب کے ساتھ۔

سوال اوصاف تو اعراض ہے اور عرض کے متعلق یہ ضابطہ ہے کہ اعراض کا انتقال ایک جگہ سے دوسری جگہ پر بغیر اپنے محل کے نہیں ہو سکتا اور یہاں اوصاف کا محل حضورؐ ہیں لہذا اوصاف نبیؐ منتقل ہونا صحابہؓ کی طرف ناممکن ہے۔

جواب یہاں مضاف محذوف ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے **المتادبین بمثل آدابه** جس کا ترجمہ یہ ہے کہ رحمت کاملہ نازل ہو آپ کی ایسی آل اور ایسے اصحابؓ پر جو متصف ہے آپ کی اوصاف کے مثل کے ساتھ اور یہ معنی بالکل صحیح ہے۔

قال الشارح اما بعد

فائدہ ایک ہے اَمَّا ایک ہے اِمَّا ان کو پہچاننے کی علامت یہ ہے اگر مابعد فا ہو تو اَمَّا ہوگا اور اگر اس کے دوسرا اِمَّا ہو یا لفظ او موجود ہو تو لفظ اِمَّا ہوگا اور مذکورہ دونوں علامتیں نہ ہوں تو وہ اَمَّا ہوگا

یہاں پر اَمَّا شرطیہ ہے۔ فھذہ پر فاجزائیہ ہے۔

فائدہ اور جہات ستہ کی چار حالتیں ہیں۔ (۱) لفظ بعد کا مضاف الیہ مذکور ہو۔ (۲) محذوف ہو نسیا منسیا یعنی نہ ارادہ میں ہو اور نہ لفظوں میں۔ (۳) مضاف الیہ محذوف ہو لیکن نیت میں لفظ اور معنی دونوں باقی ہیں ان تینوں حالتوں میں معرب ہوگا۔ (۴) چوتھی حالت مضاف الیہ محذوف ہو اور نیت میں فقط معنی باقی ہو۔ اس صورت میں یہ مبنی ہوگا۔

سوال بعد مبنی کیوں ہے۔

جواب اس کی مشابہت ہے مبنی اصل کے ساتھ جو جس طرح حروف اپنے معانی میں محتاج الی الغیر ہوتی ہے اسی طرح بعد بھی اپنے معنی میں سمجھنے کے لیے محتاج الی الغیر ہوتی ہے۔

سوال بعد مبنی علی الحرکۃ کیوں ہے مبنی علی السکون کیوں نہیں جب کہ مبنی میں اصل مبنی بر سکون ہوتا ہے۔

جواب ایک بناء اصلی ہے اور ایک بناء عارضی ہے۔ بناء اصلی اور عارضی میں فرق کرنے کے لیے اس کو مبنی علی الحرکۃ کر دیا کیونکہ یہ بناء عارضی ہے۔

سوال بعد کو مبنی علی الحرکۃ ہی کرنا تھا تو مبنی علی الضم کیوں کر دیا مبنی علی الفتح یا مبنی علی الکسر کر دیتے۔

جواب کیونکہ بعد کا مضاف الیہ ارادہ میں موجود ہے لیکن لفظوں میں مذکور نہیں۔ لفظوں میں مذکور نہ ہونے کی وجہ سے اس میں کمی ہوئی ہے اس کو پورا کرنے کے لیے حرکت ضمہ لائے کیونکہ یہ تمام حرکتوں میں سے قوی ہے۔

قال الشارح فھذہ فوائدہ وافیہ مولانا جامی اس عبارت سے اپنی کتاب کا مختصر تعارف بیان کرنا چاہتے ہیں کہ یہ کتاب کافیہ کی شرح ہے مستقل متن نہیں۔

فائدہ فھذہ: ھذہ اسم اشارہ ہے اور اسم اشارہ مشار الیہ کا تقاضا کرتا ہے اور اس کے مشار الیہ میں سات احتمال ہیں۔

(۱) تنہا الفاظ (۲) تنہا معانی (۳) تنہا نقوش (۴) الفاظ اور معانی کا مجموعہ (۵) الفاظ اور نقوش کا مجموعہ (۶) معانی اور نقوش کا مجموعہ (۷) الفاظ اور

معانی اور نقوش کا مجموعہ۔

ان میں سے پہلے تین احادی اور دوسرے تین ثنائی ہیں اور ایک ثلاثی ہے۔ان سات احتمالات میں سے چار ساقط الاعتبار ہیں کیونکہ وہ مقصود مصنف نہیں باقی تین مقصود مصنف ہیں۔

(۱) تنہا الفاظ (۲) تنہا معانی (۳) الفاظ اور معانی کا مجموعہ

یہ یاد رکھیں کہ یہ تینوں بھی مطلقاً مقصود نہیں بلکہ بعد میں جو بیان ہے وہی مقصود ہے۔

سوال مشارالیہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ موجود فی الخارج ہو۔اور محسوس اور مبصر ہو لیکن ان تینوں احتمال میں کوئی موجود فی الخارج نہیں اور نہ ہی محسوس اور مبصر ہے۔

جواب اگر یہ تینوں احتمال موجودات خارجی میں سے نہیں لیکن بمنزلہ موجود خارج کے مراد لے کر ھذہ کا مشارالیہ بنا دیا گیا۔

سوال اس تنزیل میں یعنی غیر محسوس غیر مبصر کو محسوس اور مبصر کا درجہ دیا ہے اس تنزیل میں فائدہ کیا ہے۔

جواب متعلمین اور معلمین کو یہ شوق دلانا ہے کہ آنے والے مضامین یہ محسوسات کی طرح ہیں جس طرح محسوس چیز کا حاصل کرنا آسان ہے اسی طرح ان کا حاصل کرنا بھی آسان ہے

قال الشارح فوائد فوائد جمع ہے فائدہ کی۔

فائدہ کی تعریف: یہ ہے ہر ایسی چیز کو کہا جاتا ہے جو بولی جائے یا دی جائے خواہ اس کا تعلق مال سے ہو یا غیر مال سے۔فوائد غیر مال ہے اس سے مراد فوائد علمیہ ہے۔

قال الشارح وافیہ وافیہ بمعنی کثیر ہے اصل میں وافیہ کا معنی ہے وفا کرنے والی کیونکہ جو چیز زیادہ ہو وہ وفا بھی کرنے والی ہوتی ہے۔

قال الشارح بحل یہاں پر دو نسخے ہیں ایک تو با کے ساتھ اور دوسرا لام کے ساتھ لحل اور اس کا باب ہے حل یحل تحلیلا اگر ہے کھولنا،مولانا جامی نے کافیہ کے مشکل مسائل کی تشبیہ دی ہے اس چیز کے ساتھ جس میں گرہے لگی ہوئی ہوں اور یہ شرح کافیہ کی ان مشکل مسائل کا حل ہے یعنی اس شرح نے اس کے تمام مشکل مقامات کو حل کر دیا ہے۔

قال الشارح مشکلات مشکلات سے مراد کافیہ کے وہ مشکل مسائل ہیں جن میں بظاہر

خفاء، اشتباہ اور پوشیدگی ہو کیونکہ مسائل کو واضح کرنے کے لیے مولانا جامی نے شرح لکھی ہے تو اس شرح میں کافیہ کے جمیع مسائل کا حل نہیں بلکہ مشکل مسائل کا حل ہے اور وہ مشکل مسائل جس کو مولانا جامی نے مشکل سمجھا ہے اب پہلے نسخے کے مطابق معنی یہ ہوگا کہ یہ امور وفا کرنے والے فوائد ہیں جو کافیہ کے مشکل مسائل کے متعلق ہے دوسرے نسخے کے مطابق معنی یہ ہوگا یہ امور وفا کرنے والے فوائد ہیں جو کافیہ کے مشکل مسائل کے حل کے لیے ہے لہذا دونوں نسخے درست ہیں۔

سوال حل کی اضافت کرنا لفظ مشکلات کی طرف صحیح نہیں کیونکہ اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ شارح نے فقط مشکل مقام کو حل کیا حالانکہ غیر مشکل مقام کو بھی حل کیا ہے۔

جواب اول اولا بالذات شارح نے مشکلات کو حل کیا ہے لیکن ثانیا اور بالتبع غیر مشکل کو بھی حل کیا ہے۔

جواب ثانی اشکال بمعنی اشتباہ ہے تو جس طرح اشتباہ مشکلات میں ہوتا ہے اس طرح غیر مشکلات بھی ہوتا ہے لہذا جتنے بھی مشتبہ مقامات آئیں گے شارح حل کریں گے۔

قال الشارح الکافیہ

سوال کافیہ نام ہے کتاب کا جو مذکر ہے اور لفظ کافیہ مؤنث ہے لہذا اسم اور مسمی میں مطابقت نہ ہوئی حالانکہ مطابقت کا ہونا ضروری ہے اس لیے کہ کافیہ کتاب کی صفت ہے تو جس طرح موصوف صفت کے درمیان تذکیر و تانیث میں مطابقت ضروری ہوتی ہے تو یہاں بھی ہونا ضروری ہے۔

جواب اول کافیہ میں تاء تانیث کی نہیں بلکہ مبالغہ کی ہے لہذا دونوں مذکر ہوئے تو مطابقت پائی گئی۔

قال الشارح للعلامۃ

سوال صاحب کافیہ کو علامہ کہنا درست نہیں اس لیے علامہ کہا جاتا ہے من یکون عالما بالعلوم العقلیہ والنقلیہ اور صاحب کافیہ علوم نقلیہ کا تو ماہر تھا لیکن علوم عقلیہ کا نہیں۔

جواب صاحب کافیہ علامہ ابن حاجب جس طرح علوم نقلیہ میں ماہر تھا اسی طرح علوم عقلیہ میں بھی ماہر تھا البتہ علوم عقلیہ میں شہرت نہیں تھی لیکن عدم شہرت سے عدم علم لازم نہیں آیا کرتا۔

سوال علامہ یہ صفت ہے مصنف کی اور مصنف یہ مذکر ہے اور صفت یہ مونث ہے حالانکہ

موصوف صفت کی مطابقت تذکیر وتانیث میں ضروری ہوتی ہے۔ جو کہ یہاں موجود نہیں۔

جواب علامہ کی تاء تانیث کی نہیں بلکہ تاء مبالغہ کی ہے جس کا معنی ہے بہت جاننے والا۔

سوال بہت جاننے والی ذات تو خدا تعالی کی ہے تو لفظ علامہ کا اطلاق باری تعالی پر بھی کرنا چاہیے حالانکہ یہ جائز نہیں۔

جواب علامہ کا اطلاق باری تعالی پر جائز اس لیے نہیں اس میں شبہ تانیث ہے حالانکہ باری تعالی جس طرح تانیث سے پاک ہیں اسی طرح شبہ تانیث سے بھی پاک ہیں۔

سوال لفظ علام کا اطلاق باری تعالی پر ہوتا ہے حالانکہ اس میں بھی تذکیر کا شبہ موجود ہے تو اس شبہ کی وجہ سے علام کا اطلاق بھی باری تعالی پر نہیں کرنا چاہیے۔

جواب مذکر چونکہ اشرف ہے مونث سے اس لیے علام کا اطلاق اللہ پر کرنا صحیح ہے۔

سوال للعلامہ ترکیب میں کیا واقع ہے جس میں ترکیبی احتمال دو ہیں۔

(۱) یہ ظرف مستقر ہو کر کائنۃ سے متعلق ہو کر یہ صفت بنے الکافیہ کی۔

(۲) یہ حال بنے الکافیہ سے، یہ دونوں ترکیبیں غلط ہیں اول ترکیب اس لیے غلط ہے کہ اس ترکیب موصوف صفت میں تعریف وتنکیر کے لحاظ سے مطابقت نہیں ہے کہ موصوف الکافیہ معرفہ ہے اور صفت کائنۃ نکرہ ہے۔ اور دوسری ترکیب اس لیے غلط ہے کہ حال فاعل سے ہوتا ہے یا مفعول سے یہاں پر الکافیہ نہ تو فاعل ہے اور نہ مفعول۔

جواب دونوں ترکیبیں درست ہیں۔ البتہ پہلی ترکیب میں للعلامہ کو نکرہ کائنۃ کے متعلق نہیں کریں گے بلکہ معرفہ الکائنۃ کے متعلق کریں گے۔ اور دوسری ترکیب بھی درست ہے کیونکہ جس طرح فاعل اور مفعول سے حال بنتا ہے چند اور چیزوں سے بھی حال آیا کرتا ہے، ان چیزوں میں سے مضاف الیہ بھی ہے جس کی تفصیل ضوابط نحویہ میں دیکھیے۔

قال الشارح **المشتهر مشتهر** بمعنی مشہور ہے۔

سوال مولانا جامی نے المشتہر کی بجائے المشہور کیوں نہیں کہا۔

جواب المشتہر میں زیادہ مبالغہ ہے مشہور سے اور ماقبل کی مناسبت سے یہاں مشتہر ہی مناسب تھا کیونکہ پہلے بھی صیغہ مبالغہ ہے اب بھی صیغہ مبالغہ ہو۔ باقی رہا یہ سوال کہ العلامہ

موصوف صفت میں مطابقت نہیں اس کا جواب ہو چکا ہے کہ علامہ کی جو تاء ہے وہ تانیث کی نہیں، اب ترجمہ یہ ہوگا کہ امور وفاء کرنے والے فوائد ہیں کافیہ کے مشکل مسائل کے حل کے لیے جو کے ایسے علامہ کے ہیں جو مشہور ہو مشاق اور مغارب میں جن کا نام شیخ ابن حاجب ہے۔

قال الشارح **فی المشارق والمغارب**

سوال مشارق مشرق کی جمع ہے اور مغارب مغرب کی جمع، غروب آفتاب اور طلوع آفتاب یہ آسمان کے دو کنارے ہیں۔ ان تک علامہ کی رسائی نہیں تو المشتھر فی المشارق والمغارب کہنا کیسے صحیح ہوا۔

جواب یہاں مضاف محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے المشتھر فی بلاد المشارق والمغارب ۔ یعنی ایسے علامہ جو مشہور ہیں مشارق اور مغارب کے بلاد میں۔ مولانا جامی نے ذکر تو مشرق اور مغرب کو کیا ہے اور مراد پوری روئے زمین ہے اور روئے زمین پر بھی وہ حصہ جس پر اہل علم رہتے ہیں۔

سوال مشرق اور مغرب تو ایک ہی ہوتا ہے مولانا جامی کو مفرد کا صیغہ لانا چاہیے تھا جمع کیوں لائے۔

جواب درحقیقت آسمان بارہ برجوں پر مشتمل ہے۔ جیسے قرآن مجید میں ہے والسماء ذات البروج ۔ انہی بارہ برجوں میں سورج چلتا ہے۔ ان بارہ برجون میں ایک برج کا نام سرطان ہے اور ایک کا نام جدی ہے اور یہی کہا جاتا ہے کہ جب موسم گرما کا پہلا دن ہوتا ہے تو وہ آفتاب سرطان میں ہوتا ہے اور جب موسم سرما کا پہلا دن ہوتا ہے تو آفتاب جدی میں ہوتا ہے۔ اور لکھا ہے کہ سرطان اور جدی تک کے فاصلہ کو سورج ایک سو بیاسی دنون میں طے کرتا ہے تو ان ایک سو بیاسی دنوں میں سے ہر ایک دن کا مشرق بھی جدا ہوا اور مغرب بھی جدا ہوا لہذا صیغہ جمع لانے میں کوئی خرابی لازم نہیں آئے گی یہی وجہ ہے قرآن مجید میں بھی جمع کا صیغہ ہے رب المشارق والمغارب فرمایا گیا ہے۔ نیز چونکہ موسم سردی اور گرمی کا مشرق اور مغرب جدا ہے اسی وجہ سے قرآن مجید میں تثنیہ کا صیغہ بھی ہے۔ رب المشرقین ورب المغربین۔

قال الشارح **الشیخ ابن حاجب**

قال الشارح **للولد العزیز ضیاء الدین یوسف۔** للولد العزیز یہ جار مجرور متعلق

ہے ظلمت کے۔

سوال ان فوائد مذکورہ کو **سلك تقریر** اور **سمط تحریر** میں پرونے کا سبب اور باعث کیا ہے۔

جواب مولانا جامی کے ولد عزیز کا نام یوسف اور لقب ضیاء الدین ہے۔

فائدہ یوسف بالاتفاق غیر منصرف ہے۔لیکن اگر بفتح السین ہو تو اس میں دو سبب یہ ہوں گے ایک علمیت اور دوسرا وزن فعل ہے۔اور اگر بضم السین ہو تو دو سبب اس میں علمیت اور عجمہ ہوں گے۔

قال الشارح **حفظه الله سبحانه عن موجبات التلهف والتاسف** ۔

اس سے مولانا جامی کا مقصد اپنے بیٹے کے لیے دعا کرنا ہے اور موجبات بمعنی اسباب ہے۔ تلهف اور تاسف ان دونوں لفظوں میں علماء کرام کی کلام چلی ہے کہ ان دونوں کا معنی ایک ہے یا مختلف جس میں دو قول ہیں۔

پهلا قول: کہ دونوں لفظوں کا معنی ایک ہے رنج وغم۔

دوسرا قول: کہ دونوں کے معنی میں فرق ہے۔

پهلا فرق: کہ تلہف وہ حزن اور غم جو کہ ارتکاب حرام پر ہو اور تاسف وہ غم جو ترک واجب پر ہو۔

دوسرا فرق: تلهف وہ حزن جو شئی محبوب کے فوت ہونے پر ہو اور تاسف وہ جو امر مکروہ کہ نزول پر ہو۔

تاسف شدید ترین حزن کو کہا جاتا ہے جیسا کہ یا اسفی علی یوسف قرآن مجید میں ہے اور تلہف وہ حزن ہے جس میں شدت نہ ہو اب ترجمہ یہ ہوگا پرویا میں نے ان فوائد کو ایسی تقریر میں جو تقریر موتیوں کی لڑی کی طرح ہے اور اس تحریر میں جو موتیوں کی لڑی کی طرح ہے ولد عزیز ضیاء الدین یوسف کے لیے حفاظت کرے اللہ سبحانہ وتعالی اس کی رنج وغم کے اسباب سے۔

سوال مولانا جامی کے یہ الفاظ اپنی کتاب کے متعلق کہنا اس میں تو کبر اور خود پسندی معلوم ہوتی ہے۔

جواب ان الفاظ کو ذکر کرنا بطور کبر کے نہیں بلکہ ترغیبا للمتعلمین کی حیثیت سے ہے۔

قال الشارح **وسميتها بالفوائد الضيائيه** یہ جملہ مستانفہ سوال مقدر کا

جواب ہے۔

سوال ما اسمها یعنی ان فوائد کا نام کیا ہے۔

جواب سمیتها بالفوائد الضائیه یعنی مولانا جامی فرماتے ہیں کہ میں نے ان کا نام فوائد ضیائیہ رکھا ہے۔

قال الشارح **لانه لهذ الجمع والتالیف** مولانا جامی وجہ تسمیہ کو بیان کرنا چاہتے ہیں برائے دفع دخل مقدر۔

سوال آپ نے ان فوائد کا نام فوائد ضیائیه کیوں رکھا۔

جواب یہ فوائد منسوب ہیں ضیاء الدین کی جز اول کی طرف اس لیے اس کا نام فوائد ضیائیہ رکھا ہے۔

سوال ان فوائد کی نسبت ضیاء الدین کی طرف کیوں کی گئی ہے۔

جواب چونکہ اس کتاب کے لکھنے کا باعث اور سبب ضیاء الدین تھا تو وہ اس کتاب کے لکھنے کے لیے بمنزلہ علت غائیہ کے ہے اسی وجہ سے نسبت کی گئی ہے۔

سوال عام طور پر نسبت تو جزء ثانی کی طرف کی جاتی ہے مولانا جامی نے جز اول کی طرف نسبت کیوں کردی۔

جواب نسبت اس جزء کی طرف ہوتی ہے جو مقصود ہو اور ضیاء الدین میں مقصود جزء اول ہے اس لیے اس کی طرف نسبت کردی۔ معنی یہ ہوگا، اس لیے کہ ضیاء الدین اس جمع اور تالیف کے لیے بمنزلہ علت غائیہ کے ہے۔

سوال جب یوسف علت غائی ہے تو یوں کہنا چاہیے تھا لانـه لهذ' لـجـمـع والتالیف هوالعلة الـغـائیة۔ کالعلة کا کیا مطلب ہے۔اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یوسف حقیقتاً علت غائیہ نہیں بلکہ علت غائیہ کی طرح ہے۔

جواب جی ہاں واقعۃً یوسف علت غائیہ نہیں کیونکہ علت غائیہ وجود ذہنی کے اعتبار سے مقدم ہوتی ہے اور وجود خارجی کے اعتبار سے مؤخر ہوتی ہے۔ جب کہ ضیاء الدین وجود ذہنی اور وجود خارجی ہر دونوں کے اعتبار سے مقدم ہے اس لیے مولانا جامی نے کالعلة الغائیه کہا

سوال پھر حقیقتاً علت غائیہ کیا چیز ہے۔

جواب تعلم ضیاء الدین لهذا الکتاب۔

قال الشارح الجمع والتالیف اس میں بھی علماء کرام کی کلام چلی ہے کہ ان کا معنی ایک ہے یا مختلف۔ جس میں دو قول ہیں۔

پہلا قول : یعنی دونوں کا معنی ایک ہے یعنی یہ لفظ مترادفین ہیں۔

دوسرا قول : کہ ان دونوں کے معنی میں فرق ہے وہ یہ ہے کہ جمع عام ہے اور تالیف خاص ہے وہ اس طرح کہ جمع کے اندر جملوں میں مناسبت کا ہونا ضروری نہیں ہوتا اور تالیف میں مناسبت کا ہونا ضروری ہوا کرتا ہے۔ مولانا جامی نے جمع اور تالیف دونوں لفظ لا کر کسر نفسی کی ہے کہ اگر صرف تالیف کا لفظ لاتے تو یہ بات سمجھی جاسکتی تھی کہ یہ مولانا جامی کی اپنے تحقیقات اور تصنیفات ہیں۔ لیکن جمع کا لفظ ذکر کر کے اشارہ کر دیا کہ یہ فوائد علماء کے ہیں۔ جنہیں میں نے ایک خاص ترتیب سے لکھ دیا ہے۔

قال الشارح **نفعه الله تعالى بها وسائر المبتدئين من اصحاب**

مولانا جامی اس جملہ میں اپنے بیٹے اور تمام طلباء کرام کے لیے دعا کر رہے ہیں کہ اللہ تعالی ضیاء الدین اور سب مبتدی طلباء کو ان فوائد سے نفع بخشے۔

سوال سائر المبتدین میں ضیاء الدین بھی داخل تھا تو اس کو علیحدہ کیوں ذکر کیا ہے۔

جواب اول اس کے علت غائیہ ہونے کی وجہ سے اس کو علیحدہ ذکر کیا۔

جواب ثانی کہ یہ مقام دعا ہے جس میں تکرار مستحسن ہوا کرتا ہے۔

جواب ثالث کہ یہ سوال تو تب وارد ہوگا جب سائر بمعنی جمیع ہو جب کہ یہاں سائر بمعنی بقیہ ہے۔ فاندفع الاشکال۔

قال الشارح **وما توفيقى الا بالله وهوحسبى ونعم الوكيل** ۔ مولانا جامی نے دفع عجب کے لیے فرمایا ہے کہ یہ کتاب جو میں نے لکھی ہے یہ میرا ذاتی کمال نہیں بلکہ اللہ کی مدد اور نصرت سے ہے۔

سوال وهو حسبى یہ جملہ خبریہ ہے اور نعم الوکیل جملہ انشائیہ ہے تو انشاء کا خبر پر عطف ہو رہا

ہے جو کہ صحیح نہیں۔

جواب ونعم الوکیل میں واؤ عاطفہ ہے نعم الوکیل جملہ معطوفہ ہے اس کے معطوف علیہ میں دو قول ہیں۔

پہلا قول: ھو حسبی یہ جملہ معطوف علیہ ہے۔

دوسرا قول: کہ صرف حسبی معطوف علیہ ہے اور یہ دونوں قول صحیح نہیں اس طرح کہ اگر پہلا قول لیا جائے تو عطف الانشاء علی الخبر کی خرابی لازم آئے گی کیونکہ ھو حسبی ونعم الوکیل۔ یہ فعل مدح پر مشتمل ہونے کی وجہ سے جملہ انشائیہ ہیں اور اگر نعم الوکیل کا عطف صرف حسبی پر ہو تو پھر دو حال سے خالی نہیں یا تو حسبی یحسبنی کے معنی میں ہو تو پھر وہی خرابی لازم آئے گی عطف الانشاء علی الخبر کی اور اگر حسبی بمعنی یحسبنی کے نہ ہو تو پھر عطف الجملہ علی المفرد کی خرابی لازم آتی ہے تو بہر صورت عطف درست نہیں۔ علماء کرام نے اس کے بہت سارے جوابات دیئے ہیں۔

جواب اول نعم الوکیل سے پہلے مخصوص بالمدح مبتدا ھو محذوف ہے اب تقدیر عبارت یہ ہوگی ھو نعم الوکیل اب یہ جملہ خبریہ بن جائے گا تو عطف الخبر علی الخبر ہو جائے گا۔ اس جواب میں تاویل معطوف میں کی گئی ہے۔

جواب ثانی ھو حسبی یہ صورت جملہ خبریہ ہے لیکن معنا جملہ انشائیہ ہے اور نعم الوکیل صورتا بھی اور معنا بھی جملہ انشائیہ ہے۔ لہذا یہ عطف الانشاء علی الانشاء کے قبیل سے بنے گا نہ کہ عطف الخبر علی الانشاء کے قبیل سے۔ اس صورت میں تاویل معطوف میں کی گئی ہے۔

جواب ثالث یہ عطف القصہ علی القصہ کے قبیل سے ہے جس میں ایک جملہ کا عطف دوسرے جملہ پر کر دیا جاتا ہے قطع نظر اس بات سے کے یہ جملہ خبر ہے یا انشاء اور یہاں پر عطف القصہ علی القصہ کا معنی یہ ہے کہ ایک جملہ کی مضمون کے حاصل کا دوسرے جملے کے مضمون کے حاصل پر عطف کر دیا جائے قطع نظر کرتے ہوئے خبریت اور انشائیت سے۔

جواب ثالث نعم الوکیل یہ جملہ محل اعراب ہے اور یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ جو جملہ انشائیہ محل اعراب میں ہو ایسے جملہ انشائیہ کا عطف جملہ خبریہ پر صحیح ہوتا ہے لہذا اس اعتبار سے عطف

الانشاء علی الخبر بھی صحیح ہوا۔

قال الشارح اعلم ان الشیخ اس عبارت سے پہلے ایک فائدہ۔

فائدہ کہ مولانا جامی نے متن کے بعد جو عبارت ذکر کی ہیں اس کی چند اغراض ہیں۔

(۱) کافیہ کی عبارت کی تفصیل اور وضاحت بیان مقصود ہوتی ہے۔ جس میں کبھی تو لغوی تحقیق کبھی صرفی تحقیق کبھی نحوی تحقیق اسی طرح بسا اوقات ایک مسئلہ اختلافیہ میں دوسرے اقوال کی جمع کر دینا اور اسی طرح بسا اوقات مذہب راجح پر دلائل قائم کر دینا مقصود ہوتا ہے۔

(۲) دوسری غرض یہ ہوتی ہے کہ صاحب کافیہ پر وارد ہونے والے اعتراض کا جواب دینا مقصود ہوتا ہے جس کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔

(۱) کبھی تو سوال کو نقل کر کے جواب دیں گے اور کبھی سوال کی تقریر کو ذہن میں رکھ کر اس کا جواب عبارت میں ذکر کر دیں گے اور یہی صورت زیادہ مستعمل ہے۔

(۳) مولانا جامی کی غرض بعض شارحین کافیہ پر رد کا بیان کرنا مقصود ہوگا۔

(۴) کسی کسی مقام پر مولانا جامی کا مقصود صاحب کافیہ پر اعتراض کرنا ہوگا۔

تنبیہ: متن کے بعد جامی کی جو عبارت بھی ہو اس کی غرض سمجھنا ضروری ہوتا ہے بالخصوص لفظ ای کے ذریعے جو عبارت ذکر ہوگی اس کا مقصد سمجھنا بہت ضروری ہوگا۔

قال الشارح اعلم ان لشیخ مولانا جامی کی غرض صاحب کافیہ پر وارد ہونے سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال کہ صاحب کافیہ نے تسمیہ کی طرح تحمید کو اپنی کتاب کا جز نہ بنا کر سلف صالحین کے طریقے کی مخالفت کی ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ یہ مخالفت ایک قبیح چیز ہے جس کا ارتکاب صاحب کافیہ کے لیے مناسب نہ تھا۔

جواب سلف صالحین کے طریقے کی مخالفت دو طرح کی ہے۔

(۱) سلف صالحین کی مخالفت تکبراً ہو یہ تو یقیناً قبیح ہے۔

(۲) مخالفت تواضعاً ہو یہ قبیح نہیں اور صاحب کافیہ نے تحمید کو اپنی کتاب کا جز نہ بنا کر سلف صالحین کی مخالفت تواضعاً کی ہے۔

سوال تواضع کا سبب اور باعث کیا ہے۔

جواب مولانا جامی نے جواب دیا بتخییل کے ساتھ صاحب کافیہ نے یہ خیال کیا کہ یہ کتاب کافیہ اس حیثیت سے کہ یہ میری تصنیف شدہ ہے سلف صالحین کے کتب سے کم درجے کی ہے۔ یہ خیال کرتے ہوئے ماتن نے کسر نفسی کی ہے۔ عبارت کے لحاظ سے یہاں پر دو فائدے یاد رکھیں۔

فائدہ اولی ھضما لنفسه کو ضاد کے ساتھ بھی پڑھنا جائز ہے اور صاد کے ساتھ بھی۔ بہر صورت یہ ھضما مفعول لہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ باقی رہی یہ بات یہ کس کا مفعول لہ ہے اس میں عقلی احتمالات تین ہیں۔

(۱) لم یصدر کے لم کا مفعول لہ ہو۔ (۲) لم یصدر میں صرف یصدر کا مفعول لہ ہو۔

(۳) لم یصدر جس فعل کو متضمن ہو یہ اس کا مفعول لہ ہو۔

پہلا احتمال تو اس لیے صحیح نہیں کہ لم حرف ہے جس کے لیے مفعول نہیں ہو سکتا۔

دوسرا احتمال بھی صحیح نہیں اس لیے کہ اگر ھضما کو یصدر کا مفعول لہ بنایا جائے تو مقید ہوگا۔ ھضما لنفسه کی قید کے ساتھ۔ قاعدہ ہے جب کسی مقید بالقید پر نفی داخل ہو تو عمومی طور پر نفی کا تعلق قید سے ہوتا ہے مقید کے ساتھ نہیں۔ اب معنی یہ ہوگا کہ صاحب کافیہ نے تسمیہ کے بعد تحمید کو اپنی کتاب کا جز ھضما لنفسه کی وجہ سے نہیں بنایا بلکہ کسی اور وجہ سے بنایا۔ حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے کیونکہ صاحب کافیہ نے تحمید کو اپنی کتاب کا جز سرے سے بنایا ہی نہیں۔

تیسرا احتمال یہ ہے کہ ھضما مفعول لہ ہو اس فعل کا جس کو لم یصدر متضمن ہے اس میں پھر دو احتمال ہیں۔

(۱) لم یصدر جس فعل کو متضمن ہو وہ انتفی فعل ہے لیکن یہ احتمال اس لیے صحیح نہیں کہ اس صورت میں عبارت کی تقدیر یہ ہوگی کہ انتفی التصدیر ھضما لنفسه اور ضابطہ ہے کہ مفعول لہ سے لفظوں میں لام کے حذف کرنے کی شرائط میں سے ایک شرط مفعول لہ اور اس کا عامل کا فاعل ایک ہو یہ شرط یہاں موجود نہیں اور لم یصدر جس فعل کو متضمن ہے وہ ترک التصدیر ہے اب عبارت یہ ہوگی ترك التصدیر ھضما لنفسه یہ احتمال بالکل صحیح ہے کیونکہ یہاں مفعول لہ ھضما اور فعل ترك دونوں فاعل ایک ہے وہ صاحب کافیہ ہے۔ اور یہاں پر یہی احتمال مراد ہے۔

فائدہ ثانیہ جوحیثیت کی قید کے متعلق ہے۔ کہ حیثیت کی قید کوذکر کرنے کی کیا حکمت ہے۔

جواب اس بات پر تنبیہ کی یہ کتاب کافیہ کا اسلاف کی کتب سے کم مرتبہ ہونا یہ مسائل کے اعتبار سے نہیں بلکہ اس اعتبار سے کہ یہ مصنف کی طرف منسوب ہے۔ ورنہ واقعہ کے لحاظ سے کافیہ اسلاف کے کتب سے بھی بہتر ہے اس لیے کہ جتنی نکات علمیہ اور اسرار اور حقائق نحویہ اس میں بیان کیے گئے ہیں اور کسی کتاب میں نہیں۔ پھر حیثیت کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) اطلاقیه (۲) تقیدیه (۳) تعلیلیه

یہاں حیثیت تقیدیہ مراد ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہوگی من حیث انه تصنیفه۔

قال الشارح ولایلزم بداء بتعریف الکلمة مولانا جامی کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال ترک حمد ترک سنت اور ترک عبادت ہے۔ لہذا کسر نفسی کی وجہ سے کسی سنت و عبادت کو چھوڑنا یہ جائز نہیں۔

جواب اول حدیث میں حکم مطلقا ابتداء بالحمد کا ہے آگے عام ہے کہ وہ قولا ہو یا فعلا۔ لہذا اجزء کتاب نہ بنانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ماتن نے ابتداء بالحمد ہی نہ کی ہو کیونکہ ممکن ہے کہ صاحب کافیہ نے حمد باللسان یا بالقلب کی ہو۔

جواب ثانی مصنف نے ایک کتاب لکھی جس کے دو حصے ہیں اول شافیہ ثانی کافیہ۔ مصنفؒ اول حصہ کی شروع میں حمد لکھی تھی اور کافیہ چونکہ حصہ ثانیہ تھا تو پہلے حصے کی حمد پر اکتفا کرلی۔ لیکن یہ جواب درست نہیں کیونکہ شافیہ کے شروع میں ماتن لکھا ہے کہ میں نے پہلے کافیہ لکھی ہے۔

جواب ثالث کہ مصنف نے قرآن کی مخالفت نہیں بلکہ عین موافقت کی ہے۔ قرآن کی دو ترتیبیں ہیں۔

(۱) ترتیب نزول (۲) ترتیب جمعی۔

ترتیب نزول میں قرآن کی ابتداء فقط تسمیہ سے کیونکہ اقرا باسم ربك الذی الخ سب سے پہلے نازل ہوئی اور یہ مصنف کی بھی پہلی تصنیف ہے اس لیے ترتیب نزولی کے عین موافق ہے۔

جواب رابع مصنف نے سنت فعلی کو اپنایا ہے اس لیے کہ آپؐ خطبات کے شروع میں تو حمد فرمایا

کرتے تھے لیکن خطوط کے اوائل میں حمد نہیں لکھتے تھے گویا کہ مصنفؒ نے بھی اپنی کتاب کو علماء طلباء کے لیے ایک خط ہی سمجھا ہے۔

جواب خامس تسمیہ میں اسم ذات اور رحمان اور رحیم جیسے صفات کمالیہ ذکر کرنے سے حمد ہو ہی جاتی ہے اس لیے مصنف نے علیحدہ مستقل طور پر حمد کو ذکر نہیں کیا۔

جواب سادس کافیہ کے شروع میں خطبہ تھا لیکن بعد میں حذف کر دیا لہذا مصنف پر حمد کے ترک کرنے کا اور جزنہ بنانے کا اعتراض نہ ہوگا۔

جواب سابع کافیہ کے بعض نسخوں میں حمد موجود ہے۔

قال الشارح وبداء بتعريف الكلمة مولانا جامیؒ ایک تیسرے سوال مقدر کا جواب دینا چاہتے ہیں۔

سوال نحو کا موضوع کلمة اور کلام ہے تو قاعدہ یہ ہے کہ نفس موضوع سے بحث نہیں ہوتی بلکہ موضوع کے عوارضات سے بحث ہوتی ہے۔ تو مصنف نے کلمۃ اور کلام کی تعریف کیوں شروع کردی یہ خروج عن المبحث اور اشتغال بمالا یعنی ہے۔

جواب مولانا جامی نے جواب دیا کہ کلمۃ اور کلام کے احوال سے بحث کرنا اور ان کے احوال کی پہچان یہ موقوف ہے نفس کلمہ اور کلام کی معرفت پر لہذا نفس کلمۃ اور کلام کی معرفت اور پہچان یہ موقوف علیہ ہوئی اور کلمۃ اور کلام کے احوال کی پہچان موقوف۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ موقوف علیہ پہلے ہوتا ہے اور موقوف بعد میں اس لیے کلمۃ اور کلام کی تعریف کو مقدم کیا تا کہ پہلے نفس کلمۃ اور کلام کی تعریف سمجھی جائے پھر اس کے بعد احوال کا سمجھنا آسان ہو جائے گا۔

فائدہ سوال ضمناً میں یہ سوال ہوتا ہے کہ صاحب کافیہ نے جس طرح کلمۃ اور کلام کی تعریف کو مقدم کیا اسی طرح ان کی تقسیم کو بھی مقدم کیا ہے تو مولانا جامی کو چاہیے تھا کہ جس طرح انہوں نے تعریف کلمۃ اور کلام کو بھی مقدم کرنے کی وجہ بیان کی ہے اسی طرح کلمۃ اور کلام کی تقسیم کے مقدم کرنے وجہ بھی بیان کرتے۔

جواب مولانا جامی کی عبارت میں معطوف بمع حرف عطف مقدر ہے تقدیر عبارت یوں ہوگی۔ وبداء بتعريف الكلمة والكلام وبتقسيمهما تو جو وجہ تعریف کو مقدم کرنے کی ہے وہی

وجہ تقسیم کو مقدم کرنے کی ہے اس لیے کہ کسی شئی کی تقسیم شئی کی تعریف کا تتمہ ہوا کرتی ہے علیحدہ چیز نہیں ہوا کرتی۔

فائدہ اس عبارت میں متن لم یعرفا کا لفظ آیا ہے جس کو دو وجہ پڑھا جا سکتا ہے۔ تخفیف کے ساتھ لم یُعْرَفا۔ اس صورت میں یہ فعل معرفت سے ماخوذ ہوگا۔

(۲) تشدید کے ساتھ لم یُعَرَّفا اس صورت میں یہ تعریف سے ماخوذ ہوگا۔ اسی پر سوال یہ ہوگا۔

سوال کہ بظاہر دونوں احتمال غلط ہیں۔ پہلا احتمال اس لیے غلط ہے کہ پہلی صورت میں حاصل معنی یہ ہوگا۔ لولا معرفة الكلمة والكلام لا متنع البحث عن احوالهما کہ کلمہ اور کلام کی پہچان حاصل نہ ہو تو ان کے احوال سے بحث ممتنع ہوگا اور جملہ میں لولا معرفة الكلام والكلمة یہ مقدم ہے اور لامتنع البحث عن احوالهما تالی ہے تو یہ پورا جملہ قضیہ شرطیہ متصلہ لزومیہ ہے تو اس صورت میں مقدم اور تالی کے درمیان ملازمہ تو بالکل مسلم ہے لیکن تقریب تام نہیں یعنی دلیل دعوی کے موافق نہیں اس لیے کہ دعوی تو تھا کلمہ اور کلام کی تعریف مقدم کرنا ضروری ہے اور دلیل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کلمہ اور کلام کی معرفت کا مقدم کرنا ضروری ہے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ معرفت عام ہے اور تعریف خاص ہے تو مدعی خاص اور دلیل عام ہوئی اور معرفت کے مقدم ہونے سے تعریف مقدم نہیں ہوتی لہذا تقریب تام نہ ہوئی دوسرا احتمال بھی صحیح نہیں اس لیے کہ اس وقت حاصل معنی یہ ہوگا۔

لولا تعريف الكلمة والكلام لامتنع البحث عن احوالهما ۔ کہ اگر کلمۃ اور کلام کی تعریف معلوم نہ ہو تو کلمۃ اور کلام کے احوال سے بحث کرنا ممتنع ہوگا تو اس صورت میں مقدم اور تالی کے درمیان ملازمہ سرے سے ہی مسلم نہیں اس لیے کہ کلمۃ اور کلام کے بحث کا ممتنع ہونا یہ معرفت پر تو موقوف ہے تعریف پر موقوف نہیں۔

جواب پہلا احتمال بھی صحیح ہے دوسرا احتمال بھی صحیح ہے۔ پہلا احتمال کی صورت میں سوال یہ تھا کہ تقریب تام نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ دعویٰ کے اندر تعریف کلمہ و کلام کا ذکر مقصود ہونے کی حیثیت سے نہیں بلکہ مقصود کے حصول کا ذریعہ اور وسیلہ ہونے کی حیثیت سے ہے۔ کہ اصل مقصود تو کلمہ اور کلام کی معرفت کا مقدم ہونا ہے۔ اور دعویٰ بھی یہی ہے کہ کلمہ اور کلام کے احوال سے

بحث کرنا یہ موقوف ہے کلمہ اور کلام کی معرفت پر لہٰذا تقریب تام ہوئی، دلیل دعویٰ کے مطابق ہوئی۔ دوسرا احتمال بھی صحیح ہے باقی رہی یہ بات کہ اس صورت میں ملازمہ مسلم نہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں قید معتبر ہے علی وجه البصیرة کی۔ اب معنی یہ ہوگا کلمہ اور کلام کی بحث علی وجه البصیرة موقوف ہے کلمہ اور کلام کی تعریف پر۔ اور یہ معنی بالکل صحیح ہے۔

قال الشارح وقدم الكلمة مولانا جامی کی غرض متن پر وارد ہونے والے چوتھے سوال کا جواب دینا ہے۔

سوال: علم نحو کا موضوع کلمہ بھی ہے اور کلام بھی اور ان دونوں میں سے کلام زیادہ نفع بخش ہے اس لیے کہ افادہ اور استفادہ کلام ہی کے ذریعے ہوا کرتا ہے نہ کہ محض کلمہ سے۔ اس کا تقاضا یہ تھا کہ صاحب کافیہ کلام کو کلمہ پر مقدم کرتے جس طرح صاحب الفیہ نے کیا ہے۔

جواب: مولانا جامیؒ نے اس کا جواب دیا جس طرح کلمہ کے افراد ہیں اسی طرح کلام کے بھی افراد ہیں اور جس طرح کلمہ کا مفہوم ہے اسی طرح کلام کا بھی۔ اور کلمہ کے افراد یہ جزء ہیں کلام کے افراد کے اور بالکل ایسے ہی کلمہ کا مفہوم یہ جزء ہے کلام کے مفہوم کا اور قاعدہ یہ ہے کہ جزء کل پر طبعاً مقدم ہوتا ہے اسی لیے علامہ ابن حاجبؒ نے کلمہ کے بیان کو وضع میں بھی کلام پر مقدم کر دیا تاکہ وضع طبع کے موافق ہو جائے۔ باقی رہی یہ بات کہ کلمہ کے افراد کلام کے افراد کے جزء کیسے ہیں اور کلمہ کا مفہوم کلام کے مفہوم کا جزء کیسے ہے اس کا جواب یہ ہے

جواب: کہ مثلاً زید قائم کا مجموعہ کلام کا ایک فرد ہے اور اس مجموعہ میں تنہا زید اور تنہا قائم یہ کلمہ کے فرد ہیں تو اس سے واضح ہو گیا کہ کلمہ کے افراد کلام کے افراد کے جزء ہیں اور بالکل ایسے ہی زید قائم کلام کا مفہوم ہے ذات معینہ موصوفہ بالقیام اور اس مفہوم میں ذات معینہ یہ زید کا مفہوم ہے اور موصوفه بالقیام یہ تنہا قائم کا مفہوم ہے تو اس سے ثابت ہو گیا کہ کلمہ کا مفہوم کلام کے مفہوم کا جزء ہے۔ اور کلام کا مفہوم کل ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جزء طبعاً کل پر مقدم ہوتا ہے۔

فائدہ سوال آپ نے نحو کے موضوع دو بتائے ہیں کلمہ اور کلام حالانکہ قاعدہ ہے تعدد موضوع یہ مستلزم ہوتا ہے تعدد علوم کو لہٰذا علم نحو ایک علم نہیں رہے گا بلکہ دو علم ہو جائیں گے حالانکہ علم نحو ایک علم ہے دو نہیں۔

جواب تعدد موضوع کا مستلزم ہونا ہے تعدد علوم کو یہ اس وقت ہوتا ہے جب کہ موضوعات متعددہ کے درمیان کوئی امر مشترک نہ ہو۔ جب ان کے درمیان کوئی امر مشترک ہوتو اس وقت تعدد علوم کو مستلزم نہیں ہوا کرتا۔ جیسا کہ اصول فقہ کے موضوع چار ہیں۔ کتاب وسنت واجماع وقیاس۔ حالانکہ علم ایک ہے کیونکہ ان کے درمیان بھی ایک امر مشترک ہے اثبات حکم شرعی اس طرح یہاں پر بھی ایک امر مشترک ہے۔ جو لفظ موضوع ہے یعنی کلمہ اور کلام کے درمیان فقط موضوع ہونا مابہ الاشتراک ہے۔

﴿بحث الکلمۃ﴾

قال الشارح فقال الکلمۃ قیل ھی والکلام

سے لے کر اگلے متن تک مولانا جامیؒ الکلمۃ کی چند تحقیقات بیان کرنا چاہتے ہیں۔ کہ الکلمۃ کے تین اجزاء ہیں۔

(۱) الف لام (۲) کَلِم (۳) ۃ

مولانا جامیؒ ان تینوں اجزاء کی تحقیق بیان فرمائیں گے البتہ سب سے پہلے کَلِم کی تحقیق کو مقدم کیا ہے کیونکہ یہ اسم ہے باقی دونوں جزئیں حرف ہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ اسم کو اپنے دونوں قسیموں پر شرف حاصل ہے اسی وجہ سے اس کو مقدم کر دیا ہے۔ پھر کَلِم کے بارے میں دو تحقیقیں بیان فرمائیں گے۔ (۱) تحقیق اشتقاقی (۲)۔ تحقیق صیغوی

قال الشارح قیل ھی والکلام

سے لے کر وقیل جمع۔ کلم کی تحقیق اول تحقیق اشتقاقی کا بیان۔

تحقیق اشتقاقی : اس میں دو مذہب ہیں۔ جمہور کے نزدیک کلم، کلمہ، کلام یہ کلمات مستقلہ ہیں نہ مشتق ہیں اور نہ مشتق منہ اور بعض نحویوں کے نزدیک یہ مشتق ہے کَلْمٌ سے جس کو مولانا جامیؒ قیل سے بیان فرما رہے ہیں۔

قولہ ولتاثیر معانیہا۔ سوال مقدر کا جواب

سوال: کہ مشتق اور مشتق منہ کے درمیان جس طرح مناسبت لفظی کا ہونا ضروری ہے اسی طرح مناسبت معنوی کا ہونا بھی ضروری ہے لیکن یہاں پر مناسبت لفظی تو ہے کہ مادہ ایک ہے کاف،

لام، میم لیکن مناسبت معنوی نہیں اس لیے کہ کَلْمٌ کا معنی زخم ہوتا ہے اور کلمہ اور کلام کا معنی وہ ہے جس کو صاحب کافیہ خود بیان کریں گے۔

جواب جس کا حاصل یہ ہے کہ مناسبت معنوی کا پایا جانا عام ہے خواہ معنی مطابقی کے اعتبار سے ہو یا معنی تضمنی یا معنی التزامی کے اعتبار سے ہے۔ اور یہاں پر معنی التزامی کے اعتبار سے مناسبت موجود ہے بایں طور کہ کلمہ کلام کے معنی مطابقی کو تاثیر فی النفوس لازم ہے اسی طرح ان دونوں کے مشتق منہ کو تاثیر فی النفوس لازم ہے۔ لہذا مناسبت معنوی پائی گئی۔

قال الشارح وقد عبر بعض الشعراء

مولانا جامیؒ کی غرض ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال کہ اس قسم کی مناسبت کا اہل لسان اعتبار نہیں کرتے۔

جواب مولانا جامی نے جواب دیا کہ اس قسم کی مناسبت کا اعتبار اہل لسان نے کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک شاعر نے زبان کے لفظوں اور بولوں کو لفظ جرح سے تعبیر کیا جس طرح جرح کے اندر تاثیر فی النفوس ہے اسی طرح زبان کے اندر بھی تاثیر فی النفوس ہے چنانچہ کہا۔

جراحات السنان لها التیام   ولا یلتام ما جرح اللسان

اس شعر میں استشہاد ماجرح اللسان ہے تو شاعر نے تکلم کو جرح سے تعبیر کیا ہے۔

فائدہ مولانا جامی نے اسی مذہب کو قیل سے نقل کر کے ضعیف قرار دیا وجوہ ضعف چند ہیں

وجہ اول ان کو مشتق ماننے کی صورت مناسبت بعیدہ کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے۔

وجہ ثانی یہ مناسبت بعیدہ بھی تو کلام میں ثابت ہے لیکن کلمہ میں ثابت نہیں۔ کیونکہ کلمہ غیر مفیدہ ہوتا ہے۔

وجہ ثالث یہ مناسبت مطلق کلام میں بھی ثابت نہیں ہوتی بلکہ فقط کلام خبیثہ میں ثابت ہوتی ہے۔ نہ کہ کلام طیب میں۔

وجہ رابع کلم کے زخم سے درد ہوتا ہے اور کلام کے زخم سے غم ہوتا ہے اسی وجہ سے مولانا جامی نے جمہور کے مذہب کو راجح قرار دیا ہے۔

قال الشارح والکلم بکسر اللام سے واللام فیها لجنس

تک کلم کی تحقیق ثانی تحقیق صیغوی کا بیان ہے۔جس سے پہلے فائدہ جان لیں۔

فائدہ کہ جمع اور اسم جمع ،جنس اور اسم جنس میں کیا فرق ہے۔

جمع : وہ ہے جو دو سے زائد پر دلالت کرے اور اس کے مادہ سے مفرد ہو بعض نے وزن کی بھی شرط لگائی ہے۔

اسم جمع : وہ ہے جو دو سے زیادہ پر دلالت کرے لیکن اس کے مادہ سے اس کا مفرد نہ ہو جیسے رھط ، قوم۔

جنس: وہ ہے جو قلیل وکثیر پر صادق آئے جیسے ماء ، عسل ، تراب ۔

اسم جنس: وہ ہے جو علی سبیل البدلیة قلیل وکثیر پر صادق آئے جیسے رجل۔اب تحقیق صیغوی کا حاصل یہ ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ کلم جمع ہے یا جنس ہے جس میں دو مذہب ہیں **پہلا مذہب جمہور کا**: جمہور نحاۃ کے نزدیک یہ جنس ہے جمع نہیں۔

دلیل اول :قرآن مجید کی یہ آیت الیه یصعد الکلم الطیب ہے اس میں الکلم کی صفت الطیب آرہی ہے۔اگر الکلم جمع ہوتا تو اس کی صفت طیبة یا طیبات آتی اس لیے کہ مسلمہ ضابطہ ہے کہ ہر جمع سوائے جمع مذکر سالم کے بتاویل جماعۃ مؤنث ہوتی ہے لہذا الکلم کی صفت الطیب واحد مذکر آنا دلیل ہے اس بات کی یہ جنس ہے جمع نہیں۔

دلیل کی تلخیص بطریقہ قیاس استثنائی یوں ہوگی لو کان لفظ الکلم جمعا لوجب التانیث ولکن التانیث لم یجب فلفظ الکلم لیس بجمع تو لہذا جب جمعیت باطل ہوگئی تو جنسیت خود بخود ثابت ہوگئی کیونکہ جب کسی لفظ میں دو احتمال ہوں تو ایک کا بطلان دوسرے کے اثبات کو مستلزم ہوا کرتا ہے۔

قال الشارح **کمر وتمرة**

فائدہ مولانا جامی نے تمر کو تشبیہ کے لیے ذکر کیا ہے کہ یہ کلم کی طرح ہے لیکن تمرۃ کو کیوں ذکر کیا۔

جواب وہ بھی تشبیہ کے لیے اور اس کا مشبہ محذوف ہے یعنی الکلمة کتمرة اس تشبیہ سے مقصود اس بات کو بتانا ہے کہ ہر وہ لفظ جب اس لفظ اور اس کے مفرد کے درمیان فارق تاء ہو تو وہ لفظ جنس

ہوتا ہے جمع نہیں ہوتا۔ جیسا کہ تمرۃ اور تمر اسی طرح کلم اور کلمہ مولانا جامی نے تو جمہور کی یہ ایک دلیل پیش کی ہے اور بعض علماء نے اور دلائل بھی پیش کیے ہیں جن کو کاشفہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

قال الشارح **وقيل جمع حيث لايقع الا على الثلاث فصاعدا**

مولانا جامی اس میں دوسرا مذہب بعض نحاۃ کا نقل کر رہے ہیں کہ صاحب لباب، صاحب صحاح علامہ جوہری کے نزدیک یہ جمع ہے۔

دلیل : یہ ہے کہ کلام عرب میں کلم کا استعمال یہ خاص ہے مافوق الاثنین کے ساتھ اگر یہ جنس ہوتا تو مافوق الاثنین سے کم پر بھی کبھی اسکا اطلاق ہوتا۔ دلیل کی تلخیص بطریق قیاس یوں ہوگی۔

لوكان لفظ الكلم جنسا لصح اطلاقه على مادون الثلاثة ولكن اطلاقه على مادون الثلاثة ليس بصحيح فلفظ الكلم ليس بجنس ۔تو جب جنسیت باطل ہوگئی تو جمعیت خود بخود متعین ہوگئی۔

دلیل بعنوان ثانی : یہ ہے کہ لفظ کلم کا اطلاق تین اور تین سے زائد پر ہوتا ہے اور ہر وہ لفظ جس کا اطلاق تین اور تین سے زائد پر ہو۔ اور کم پر نہ ہو تو وہ جمع ہوتا ہے جنس نہیں ہوتا اب دلیل کی تلخیص بطریق قیاس یوں ہوگی

لفظ الكلم يقع على الثلاث صاعدا و كل ماهكذا شانه فهو جمع فلفظ الكلم جمع

قال الشارح **والكلم الطيب مؤل**

بعض نحاۃ کی جانب سے جمہور نحاۃ کے مذہب کی دلیل کا جواب ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ آیت کریمہ میں جو الکلم ہے اس کلم سے مراد بعض الکلم ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کلمات طیبہ جاتے ہیں نہ کہ کلمات خبیثہ۔ لہذا لفظ کلم معنی کے اعتبار سے مذکر ہوا اس لیے کہ اس کا معنی ہے بعض الکلم اور لفظ کلم لفظ کے اعتبار سے مؤنث ہے اس لیے کہ یہ جمع مذکر عاقل کے ماسوی جمع ہے اور قاعدہ وضابطہ یہ ہے کہ جو لفظ ایک اعتبار سے مذکر ہو اور دوسرے اعتبار سے مؤنث ہو تو ایسے لفظ کی طرف مذکر کی ضمیر بھی لوٹا سکتے ہین اور مؤنث کی بھی۔ جیسے ان رحمة الله قريب من المحسنين کہ اس میں رحمة لفظوں کے اعتبار سے مونث ہے اور معنی کے اعتبار سے مذکر کرتے اس لیے کہ رحمة کا معنی ہے احسان اور یہ مذکر ہے اسی لیے قریب میں جو ضمیر ہے وہ

مذکر کی ہے اور وہ لوٹ رہی ہر رحمۃ کی طرف جو معتا مذکر ہے۔
اسی طرح یہاں آیت میں الطیب کی جو ھو ضمیر الکلم کی طرف لوٹائی ہے یہ معنی کے اعتبار سے لوٹائی ہے۔ کیونکہ اس کا معنی ہے بعض الکلم۔

فائدہ یہاں آیت الیہ یصعد الکلم الطیب میں لفظ بعض مقدر نہیں۔ جیسے بعض نے اس کی تاویل اسی طرح کی ہے بلکہ کلم کا معنی ہی بعض الکلم ہے۔

فائدہ سوال مولانا جامیؒ نے جمہور نحاۃ کی جانب سے بعض نحاۃ کے مذہب کی دلیل کا جواب کیوں بیان نہیں کیا۔ حالانکہ جمہور نحاۃ کے مذہب کو راجح بھی قرار دیا ہے۔

جواب چونکہ اس کا جواب ظاہر تھا اس لیے اس کو بیان نہیں کیا جواب کا حاصل یہ ہے کہ ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ کلم کا اطلاق تین اور تین سے زائد پر ہوتا ہے کم پر نہیں ہوتا۔ لیکن یہ عرف کے اعتبار سے ہے اور عرف میں کلم کا اطلاق تین سے کم پر نہ ہونا یہ جنس کے لیے مانع نہیں ہے کیونکہ کلم کا اطلاق لغت کے اعتبار سے تین سے کم پر بھی ہوتا ہے۔

قال الشارح واللام فیھا للجنس تا لفظ

واللام فیھا سے لے کر لفظ تک تیسری بحث کا بیان ہے۔ جس میں تین باتوں کا بیان ہوگا۔
(۱) الکلمہ میں الف لام کی تعیین کا بیان کہ یہ الف لام کونسا ہے۔
(۲) الکلمہ کے آخر میں جو تاء ہے اس کی کیفیت کا بیان کرنا ہے۔
(۳) ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔
(۱)۔ پہلی بات کی تفصیل یہ ہے کہ الکلمہ میں جو الف لام ہے اس میں دو احتمال ہیں۔
(۱)۔ لام جنسی ہو (۲)۔ لام غیر خارجی ہو
پہلا احتمال یہ ہے کہ الف لام یہ جنسی ہے اور کلمہ سے ماہیت کلمہ مراد ہے۔

فائدہ اس پر یہ سوال ہوگا کہ الف لام کے جنسی ہونے کا قرینہ کیا ہے۔

جواب قرینہ یہاں یہ ہے کہ الف لام کا مدخول کلمہ ہے اور کلمہ معرّف بن رہا ہے اور معرّف ماہیت ہی ہوا کرتی ہے اور ماہیت کلمہ تب مراد لی جاسکتی ہے جب الف لام جنسی ہو۔ مولانا جامی لام کے دوسرے احتمال کے بیان کرنے سے پہلے تاء کی کفیت کو بیان کررہے ہیں۔

قال الشارح والتاء للاحدة

سے تاء کی کیفیت کو بیانہے۔ برائے دفع دخل مقدر۔

سوال کہ تاء کی متعدد قسمیں ہیں مثلاً کبھی تو تاء وحدت کیے ہوتی ہے وہ کبھی تانیث کے لیے کبھی نقل کے لیے اور کبھی مبالغہ وغیرہ کے لیے ہوتی ہے۔ یہاں پر کون سی قسم مراد ہے۔

جواب کہ کلمہ کے آخر میں تاء وحدت کی ہے۔

قال الشارح ولامنافاة

سوال کہ جب معلوم ہوا کہ لام جنس کا ہے تو جنس میں تو عموم و کثرت ہوتی ہے اور تاء وحدت کی ہے اور وحدت میں خصوص اور عدم کثرت ہوتی ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ عموم و خصوص میں تو منافات ہوتی ہے لہذا لازم آیا کہ جنس و وحدت میں بھی منافات ہو۔

جواب کہ ہم قطعاً اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ جنس اور وحدت کے درمیان منافات ہے بلکہ ان کے درمیان اتحاد بھی ہوسکتا ہے۔

دلیل : اس کی یہ ہے کہ جنس کا وحدت پر اور وحدت کا جنس پر حمل صحیح ہوتا ہے کہ جس طرح محاورہ عرب میں کہا جاتا ہے ھذا الجنس واحد اس میں ھذا الجنس یہ موضوع ہے اور واحد یہ محمول ہے اور اسی طرح کہا جاتا ہے۔ ھذا الواحد جنس اس میں ھذا الواحد یہ موضوع ہے اور جنس یہ محمول ہے اور ان دونوں کا آپس میں حمل صحیح ہونا دلیل ہے کہ ان دونوں کے درمیان اتحاد ہے۔ کوئی منافاة نہیں۔

فائدہ اس عدم منافات اور اتحاد کی اصل وجہ یہ ہے کہ وحدت کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) وحدت جنسیہ جیسے یوں کہا جائے الحیوان واحد ای جنس واحد۔

(۲) وحدت نوعیہ جیسے یوں کہا جائے الانسان واحد ای نوع واحد۔

(۳) وحدت شخصیہ جیسے یوں کہا جائے زید واحد ای شخص واحد۔

اب ہم کہتے کہ وحدت کی جو تیسری قسم ہے وحدت شخصیہ اسکے اور جنس کے درمیان تو یقیناً منافاة ہے لیکن وحدت جنسیہ اور نوعیہ اور جنس کے درمیان کوئی منافاة نہیں۔ اور یہاں وحدت سے وحدت شخصیہ مراد نہیں بلکہ یا تو وحدت جنسیہ مراد ہے یا وحدت نوعیہ اس لیے کہ جس طرح جنس

میں عموم وکثرت ہے اسی طرح وحدت جنسیہ اور نوعیہ میں بھی عموم وکثرت ہوتا ہے۔

قال الشارح ویمکن حملها

مولانا جامی نے الکلمة کے لام کے بارے میں دوسرا احتمال ذکر کررہے ہیں۔ کہ دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس کا لام عہد خارجی ہونا بھی ممکن اور صحیح ہے۔

قوله بارادة کلمة سوال مقدر کا جواب

سوال اس پر سوال ہوا کہ لام عہد خارجی کے مدخول سے مراد ایسا فرد ہوتا ہے جو خارج میں متعین ہوا اور یہاں کلمہ کا کوئی فرد بھی ایسا نہیں جو خارج میں متعین ہو اس لیے کہ کلمہ لغوی بھی ہے اور لغوی بھی ہے اور نحوی بھی ہے اور کلمہ اسلام بھی ہے۔

جواب مولانا جامی نے اس کا جواب دیا کہ یہاں کلمہ کا ایک خاص فرد خارج میں متعین ہے جو کہ کلمہ نحوی ہے اس لیے یہ کلمہ جاری علی السنة النحاة کلمہ نحوی ہی ہوسکتا ہے۔ جو نحاۃ کی زبان پر جاری ساری ہے اور مشہور ہے۔

فائدہ مولانا جامی نے اس دوسرے احتمال کو لفظ یمکن سے ذکر کرکے اس کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے وجہ ضعف کی یہ ہے کہ اس صورت میں لازم آتا ہے معرف کا فرد ہونا حالانکہ تعریف فرد کی نہیں ہوتی بلکہ ماہیت کی ہوتی ہے۔

فائدہ سوال پھر تو یہ دوسرا احتمال ممکن ہی نہ ہوا۔

جواب فرد کی تین قسمیں ہیں (۱) نوعی (۲) جنسی (۳)۔ شخصی

ان میں سے فرد شخصی کی تو تعریف نہیں ہوتی۔ البتہ فرد نوعی اور جنسی کی ہوسکتی ہے تو یہاں فرد شخصی مراد نہیں بلکہ نوعی یا جنسی مراد ہے۔

فائدہ ماقبل میں مولانا جامیؒ نے الکلمة کے لام کے بارے میں دو احتمال ذکر کیے ہیں۔ اس پر مزید سوال وارد ہوتا ہے کہ مولانا جامی نے صرف دو احتمالوں کو ذکر کیا ہے حالانکہ اس لام کے بارے میں دو احتمال اور بھی ہوسکتے ہیں۔ لام استغرقی اور لام عہد ذہنی تو ان کو ذکر کیوں نہیں کیا۔

جواب یہ دونوں احتمال صحیح نہیں تھے باقی رہی یہ بات کہ لام استغراقی صحیح کیوں نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ لام استغراقی کے مدخول سے مراد افراد ہوتے ہیں تو اس صورت میں معرّف کا افراد ہونا

لازم آئے گا۔ حالانکہ تعریف ماہیت کی ہوتی ہے افراد کی نہیں اور لام عہد ذہنی بھی صحیح نہیں جس کی دو وجہ ہیں۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ لام عہد ذہنی کے مدخول سے بھی فرد مراد ہوتا ہے تو اس صورت میں بھی فرد کی تعریف ہونا لازم آئے گی اور دوسری وجہ یہ ہے کہ لام عہد ذہنی کا مدخول نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے اور نکرہ مبتدا نہیں بن سکتا۔ لیکن یہاں الکلمۃ مبتدا بن رہا ہے۔ اور مبتدا معرفہ ہوتا ہے نکرہ نہیں ہوتا۔ اس لیے جو احتمال لام کے بارے میں صحیح تھے ان کو تو مولانا جامی نے ذکر کیا ہے لیکن باقی دو بیان نہیں کیے۔

﴿بحث لفظ﴾

قال الشارح اللفظ فی اللغة الرمی

اس عبارت میں لفظ کے لغوی معنی کا بیان ہے کہ لفظ کا لغوی معنی مطلق رمی ہے عام ازیں وہ رمی من الفم ہو یا من غیر الفم ہو۔

قال الشارح یقال اکلت التمرة ولفظت النواة

اس عبارت میں معنی لغوی پر استشہاد کا بیان ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ محاورہ عرب میں کہا جاتا ہے۔ اکلت التمرة ولفظت النواة۔

ترجمہ چھوارے کو میں کھالیا اور گھٹلی کو میں نے پھینک دیا۔ اس میں پھینکنے کو لفظت کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ لفظ کے معنی الرمی کے ہیں۔

قال الشارح ای رمیتھا

مولانا جامی کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: کہ تقریب تام نہیں یعنی استشہاد دعویٰ کے مطابق نہیں۔ اس لیے کہ دعویٰ تو یہ ہے کہ لفظ کے لغوی معنی ہے مطلق رمی۔ عام ازیں وہ رمی من الفم ہو یا من غیر الفم ہو۔ اور اس پر جو استشہاد پیش کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ کے معنی مطلقا رمی کے نہیں بلکہ رمی من الفم کے ہیں۔ تو دعویٰ عام ہوا اور دلیل خاص ہوئی۔

جواب: مولانا جامی نے جواب دیا کہ اس محاورہ میں جو لفظت ہے اس کے معنی مطلق رمی کے ہیں۔

فائدہ سوال اس کا قرینہ کیا ہے۔

جواب قرینہ عادت عرب۔ وہ یہ ہے کہ عرب چھوارا کھانے سے پہلے اس کو چیرتے ہیں اور گٹھلی کو پھینک دیتے ہیں پھر اس چھوارے کو کھاتے ہیں۔

قال الشارح ثم نقل فی عرف النحاة ابتداء

مولانا جامی نقل کی کیفیت کو بیان کرر ہے ہیں جس کی تفصیل یہ ہے کہ لفظ کو نحویوں کی اصطلاح میں معنی لغوی سے نقل کیا گیا ہے مایتلفظ به الانسان یعنی ملفوظ انسان کی طرف۔ جیسے صلوۃ بمعنی دعا کے ہے لیکن جب یہ صلوۃ کا لفظ اصطلاح شرع میں استعمال ہوتا ہے تو اس سے ارکان مخصوصہ مراد ہوتے ہیں اس نقل کے دو طریقے ہیں۔

(۱) نقل بلاواسطہ (۲) نقل بالواسطہ

(۱)۔ نقل بلاواسطہ کا مطلب یہ ہے کہ لفظ کو ابتداءً یعنی ملفوظ کے معنی میں کیے بغیر اس کو معنی لغوی یعنی مطلق رمی سے نقل کر دیا جائے ملفوظ انسان کی طرف۔ اس صورت میں منقول عنه مطلق رمی ہے اور منقول الیه وہ ملفوظ انسان ہے۔

فائدہ منقول عنه اور منقول الیه کے درمیان تو مناسبت ہوتی ہے تو سوال ہوتا ہے کہ ان کے درمیان کیا مناسبت ہے۔

جواب یہاں مناسبت سببیت ومسببیت کی ہے۔ اس میں رمی سبب ہے اور ملفوظ انسان یہ مسبب ہے کیونکہ جب تک رمی الحروف من المخارج نہیں ہوگی اس وقت تک ملفوظ انسان متحقق نہیں ہوگا۔ تو مطلق رمی سبب ہوئی اور ملفوظ انسان مسبب ہوا۔ اور مطلق رمی کو لغت میں لفظ کہتے ہیں اور جو نام رمی یعنی سبب کا تھا وہی نام ملفوظ انسان یعنی مسبب کا رکھ دیا تو یہ تسمیہ المسبب باسم السبب کے قبیل سے ہوا۔

(۲) نقل بالواسطہ کا مطلب یہ ہے کہ لفظ کو اولاً مطلق ملفوظ کے معنی میں کیا جائے جیسے مولانا جامی نے استشہاد پیش کیا کہ خلق بمعنی مخلوق۔ عام ازیں کہ وہ ملفوظ ملفوظ انسان ہو یا نہ ہو۔ پھر اس کو نقل کیا جائے مطلق ملفوظ سے ملفوظ انسان کی طرف۔ اس صورت میں مطلق ملفوظ منقول عنہ ہے اور ملفوظ انسان منقول الیہ ہے۔ اور اس صورت میں مناسبت عام وخاص والی ہے جو بالکل واضح ہے کہ مطلق ملفوظ عام ہے اور ملفوظ انسان خاص ہے۔ اور مطلق ملفوظ کو لفظ کہتے ہیں تو ملفوظ

انسان جو کہ خاص ہے اس کا نام بھی لفظ رکھ دیا۔
یہ تسمیۃ الخاص باسم العام کے قبیل سے ہے

فائدہ مولانا جامی نے ان دونوں طریقوں کو عبارت میں ذکر کیا ہے لیکن کوئی محاکمہ نہیں کیا کہ ان میں سے کونسا بہتر ہے۔ تو مولانا جامی نے ایسا کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ دونوں طریقوں میں سے ہر ایک میں خوبی بھی ہے اور نقص بھی۔

پہلے طریقے میں خوبی تو یہ ہے کہ تعدد نقل کی مشقت نہیں کرنی پڑتی اور نقص یہ ہے کہ مناسبت میں خفاء اور پوشیدگی ہے اور دوسرے طریقے میں مناسبت تو بالکل واضح ہے لیکن نقص یہ ہے کہ تعدد نقل کی مشقت کرنا پڑتی ہے۔ بہرحال اس میں اختیار ہے کہ جس طریقہ کو چاہو پسند کرلو۔

قال الشارح مایتلفظ به الانسان حقیقة

لفظ کے معنی اصطلاحی کا بیان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ نحویوں کی اصطلاح میں لفظ ایسی چیز کو کہا جاتا ہے جس کو انسان تلفظ کرے عام ازیں کہ وہ لفظ حقیقی ہو یا حکمی یا مہمل ہو یا موضوعی۔ مفرد ہو یا مرکب۔ لفظ کی یہ تعریف تعمیمات ثلاثہ پر مشتمل ہے۔

(۱)۔ حقیقتا اوحکما (۲)۔مهملا کان اوموضوعا (۳)۔ مفردا کان اومرکبا

پہلی تعمیم کی وجہ سے لفظ کی یہ تعریف الفاظ حقیقیہ اور الفاظ حکمیہ ہر دونوں کو شامل ہے اور دوسری تعمیم کے ذریعے یہ تعریف الفاظ مہملہ والفاظ موضوعہ ہر دونوں کو شامل ہے۔

اور تیسری تعمیم کے ذریعے یہ تعریف الفاظ مفردہ اور الفاظ مرکبہ ہر دونوں کو شامل ہے۔

ان تعمیمات ثلاثہ سے مقصود احاطہ، عموم وشمول کو بیان کرنا ہے تا کہ لفظ کی تعریف اپنے تمام افراد کو شامل ہو جائے۔ خواہ وہ افراد حقیقیہ ہوں یا حکمیہ، مہملہ ہوں یا موضوعہ، مفردہ ہوں یا مرکبہ۔

فائدہ عمومی طور پر لفظ کی تعریف میں موضوعا کی جگہ مستعملا کا لفظ ذکر کیا جاتا ہے لیکن یہاں مولانا جامی نے لفظ کی تعریف کرتے ہوئے موضوعا کو ذکر کیا ہے اس کی کیا وجہ ہے۔

جواب اس بات پر تنبیہ کرنا ہے کہ جس عبارت میں مستعملا کا لفظ ذکر کیا گیا اس سے مقصود بھی لفظ موضوع ہی ہوتا ہے حقیقۃ تا مرکبا پر تمام کان کی خبر ہونے کی بناء پر منصوب ہیں

قال الشارح والللفظی الحقیقی تا واضرب

واللفظی الحقیقی سے لے کر اذا لیس تک لفظ حقیقی ولفظ حکمی کی توضیح بالمثال کا بیان ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ لفظ کی تعریف جن تعمیمات ثلاثہ پر مشتمل تھی ان میں سے پہلی تعمیم سے یہ بات معلوم ہوئی کہ لفظ کی دو قسمیں ہیں۔ (۱)۔ لفظ حقیقی (۲) لفظ حکمی

لفظ حقیقی: ایسے لفظ کو کہا جاتا ہے جس کی ذات تلفظ میں آئے۔

لفظ حکمی: ایسے لفظ کو کہا جاتا ہے جو خود تلفظ میں نہ آئے البتہ لفظ حقیقی کے ساتھ احکام میں شریک ہو۔ جیسے فاعل اور مفعول وغیرہ بننا۔ چنانچہ مولنا جامی نے واللفظ الحقیقی سے توضیح بالمثال کر دی ان کی مثال زید اور ضرب ہے۔

سوال مولانا جامی نے لفظ حقیقی کی دو مثال کیوں ذکر کیں ہیں۔

جواب اس لیے کہ ممثل نہ متعدد تھے کہ لفظ حقیقی کی دو قسمیں تھیں۔ (۱) لفظ حقیقی اسم ہو۔ (۲) لفظ حقیقی فعل ہو۔ پہلی مثال اسم کی ہے اور دوسری مثال فعل کی ہے۔

سوال لفظ حقیقی جس طرح اسم اور فعل ہوتا ہے اسی طرح حرف بھی ہوتا ہے تو حرف کی مثال کیوں نہیں دی۔

جواب اول کون کہتا ہے کہ حرف کی مثال نہیں دی بلکہ حرف کی مثال بھی دی ہے اس لیے کہ کزید میں کاف حرف ہے۔

جواب ثانی لفظ حقیقی جو عمدہ تھے وہ فعل اور اسم تھے تو مولانا جامی نے تو ان کی مثال تو پیش کی ہے اور جو غیر عمدہ تھا وہ حرف تھا اس کی مثال ذکر نہیں کی۔ لیکن پہلا جواب زیادہ بہتر ہے۔

قال الشارح **والحکمی کالمنوی**

یہ لفظ حکمی کی مثال کے ذریعے توضیح کا بیان ہے کہ لفظ حکمی جیسے منوی ضمیر مستتر ہوتی ہے کہ زید ضرب میں ھو ضمیر ہے اور اضرب میں انت ضمیر جب ہم نے زید ضرب میں ضرب کو تلفظ کیا تو ھو ضمیر جو مستتر ہے اس کا تلفظ منوی ہو گیا اسی طرح اِضرِب میں انت کا اگر اَضرِبُ میں انا اور ضمیریں مستتر ھو، انا، انت ، کو لفظ حکمی کہیں گے۔

سوال مولانا جامی نے لفظ حکمی کی دو مثالیں کیوں دی ہیں۔

اس لیے کہ ممثل لہ متعدد تھے پہلی مثال مستتر جوازی کی ہے دوسری مثال مستتر وجوبی اور والحکمی

کالمنوی اصل عبارت یوں تھی۔مثال الحکمی کالمنوی۔

قال الشارح اذا لیس من مقولة

سے لے کروالمحذوف تک مولانا جامی کی غرض سمجھنے سے پہلے یہ بات سمجھ لیں کہ ماقبل میں مولانا جامی نے لفظ حکمی کی مثال میں منوی کو پیش کیا اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔

(ا) منوی لفظ حقیقی نہیں اس لیے کہ اس کو لفظ حقیقی کے مثال میں پیش نہیں کیا۔

(۲) منوی لفظ حکمی ہے اس لیے کہ اس کو لفظ حکمی کے مثال میں پیش کیا ہے تو گویا کے دو دعوے ہو گئے۔**پہلا دعویٰ**: المنوی اسم لیس بلفظ حقیقی ، یہ دعویٰ سلبی ہے۔

پہلا دعویٰ: المنوی لفظ حکمیٌ یہ دعویٰ ایجابی ہے۔

قال الشارح اذلیس من مقولة

سے لے کر انما عبروا تک دعویٰ اولی کے دلیل کے بعض مقدمات کا بیان ہے۔

واجروا علیه احکام اللفظ سے دعویٰ ثانی کی دلیل کے بعض مقدمات کا بیان ہے۔

فکان لفظا حکما سے دعویٰ ثانیہ کی دلیل کے نتیجے کی طرف اشارہ ہے۔

اور لاحقیقة سے دعویٰ اولی کے دلیل کے نتیجے کیطرف اشارہ ہے اور درمیان میں عبارت انما عبروا ۔ سے ایک سوال مقدر کا جواب ہے باقی رہی یہ بات کہ دعویٰ اولی کی دلیل اس عبارت سے کیسے ثابت ہے۔جسکا حاصل یہ ہے کہ

دعویٰ اولی کی دلیل: یہ دلیل مرکب ہے قیاس سے، اس قیاس کا صغریٰ یہ ہے

والمنوی لیس من مقولة الحرف والصوت ولم یوضع له لفظ اصلا۔

کہ منوی حرف اور صوت کے افراد میں سے نہیں اور نہ ہی اس کے لیے کوئی لفظ وضع کیا گیا ہے۔

اور کبری یہ ہے کل ماھکذا شانه فھولیس بلفظ حقیقی تو نتیجہ یہ نکلا فالمنوی لیس بلفظ حقیقی یہ نتیجہ بعینہ دعویٰ اولی ہے کہ منوی لفظ حقیقی نہیں۔اس ترتیب اور بیان کے مطابق یہ بات معلوم ہوئی کہ مولانا جامی کی عبارت میں دلیل کا صغری مذکور ہے کبری نہیں۔کیونکہ کبری بالکل واضح تھا اس لیے ذکر نہیں کیا

بعنوان آخر : یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ دعویٰ اولی کی دلیل مرکب ہے قیاس سے، جس قیاس

کا **صغری** یہ ہے وکل لفظ حقیقی من مقولة الحرف والصوت ۔ ہر لفظ حقیقی وہ حرف اور صوت کے افراد میں سے ایک فرد ہے۔

کبری: ولاشئ من المنوی من مقولة الحرف والصوت تو اس میں من مقولة الحرف والصوت حداوسط ہے تو **نتیجہ** یہ نکلا لاشئ من اللفظ الحقیقی بمنوی یہ نتیجہ سالبہ کلیہ ہے اور سالبہ کلیہ کا عکس مستوی بھی سالبہ کلیہ ہی ہوا کرتا ہے تو موضوع کو محمول اور محمول کو موضوع بنا دیا جائے تو اس کا عکس مستوی یہ ہوگا لاشئ من المنوی بلفظ حقیقی اور اس کا عکس مستوی یہ ہوگا لاشئ من المنوی بلفظ حقیقی اور یہ نتیجہ بعینہ دعویٰ اولی کا حاصل ہے کہ منوی لفظ حقیقی نہیں۔ اس عنوان کے مطابق مولانا جامی کی عبارت میں دلیل کا کبریٰ مذکور ہے۔ صغریٰ مذکور نہیں کیونکہ وہ انتہائی واضح تھا تب ہی ترک کر دیا۔

لاحقیقة سے دعویٰ اولی کی دلیل کے نتیجہ کی طرف اشارہ ہے۔

دعویٰ ثانیہ کی دلیل: دعویٰ ثانیہ کی دلیل بھی مرکب ہے قیاس سے۔

المنوی لیس بلفظ حقیقی ولکن اجرواعلیه احکام اللفظ وکل ماھکذا شانه فھو لفظ حکمی ۔ لہٰذا نتیجہ یہ ہوا فالمنوی لفظ حکمی ۔ اس بیان کے مطابق مولانا جامی کی یہ عبارت میں دلیل کا بعض حصہ یعنی قیاس کا صغری مذکور ہے اور صغری بھی کل مذکور نہیں بلکہ صغری کا بعض حصہ مذکور ہے۔

فائدہ مولانا جامی نے فکان لفظا حکما سے دعویٰ ثانیہ کی دلیل کے نتیجہ کی طرف اشارہ کیا ہے بعد میں لاحقیقة سے دعویٰ اولی کی دلیل کے نتیجے میں اشارہ کر دیا ہے تو ایسا کیوں کیا۔ حالانکہ کرنا تو ایسے چاہیے تھا جس طرح دعویٰ اولی کی دلیل کو مقدم کیا اس طرح دعویٰ اولی کی دلیل کے نتیجے کو مقدم کرنا چاہیے تھا۔

جواب: مولانا جامی نے دعویٰ ثانی کی دلیل کے نتیجے کو مقدم کر کے اس بات پر تنبیہ کر دی کہ اس مقام میں اصل مقصود یہی دعویٰ ثانیہ ہے نیز دوسری وجہ یہ بھی کہ کوئی نتیجہ دلیل کے متصل ہو جائے اگر ایسا نہ کرتے تو ہر نتیجہ اپنی دلیل سے جدا ہو جاتا۔

قال الشارح **وانما عبرواعنه باستعارة لفظ**

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال : ماقبل میں آپ نے کہا ولم یوضع لہ لفظ یعنی منوی کے لیے کوئی لفظ موضوع نہیں حالانکہ یہ کہا جاتا ہے کہ ضرب میں ھو منوی ہے اور اضرب میں انت منوی ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ انا، انت، ھو، الفاظ ہیں سے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ منوی کے لیے الفاظ موضوع ہے تو آپ کا یہ کہنا کیسے صحیح ہوا کہ ولم یوضع لہ لفظ۔

جواب ضرب میں ھو منوی نہیں بلکہ امر معنوی ہے اسی طرح اِضرب میں اور اَضربُ میں انت اور انا منوی نہیں بلکہ منوی تو امر معنوی ہے لیکن اس امر معنوی کو ان ضمائر منفصلہ کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے ورنہ ھو، انت، انا۔ یہ خود منوی نہیں بلکہ منوی کی تعبیر ہے اور یہ تعبیر بھی مجازی طور پر ہے حقیقی طور پر نہیں۔

قال الشارح **والمحذوف لفظ حقیقة**

سے فی بعض الاحیان تک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال کہ محذوف لفظ ہے یا نہیں اور لفظ ہونے کی صورت میں لفظ حقیقی ہے یا لفظ حکمی۔

جواب مولانا جامی نے جواب دیا کہ محذوف لفظ حقیقی ہے اس لیے کہ لفظ حقیقی کی تعریف اس پر صادق آتی ہے۔ اسلیے کہ بعض اوقات یقیناً انسان سمجھنے، سمجھانے کے لیے محذوف کا تلفظ کرتا ہے ور اسی کو لفظ حقیقی کہتے ہیں۔ جو خود تلفظ میں آئے واسئل القریة کہ اصل میں ہے واسئل اھل القریة اس میں اہل کا لفظ محذوف ہے جو کہ القریة کے لیے مضاف ہے اس کا تلفظ بھی کیا جارہا ہے۔

فائدہ قدیتلفظ پر کے بعد فی بعض الاحیان کا ذکر کرنا فضول اور مستدرک ہے اس لیے کہ قد فعل مضارع پر داخل ہو کر عمومی طور پر تقلیل کا فائدہ دیا کرتا ہے اب معنی یہ ہوگا کہ بعض اوقات محذوف کا انسان تلفظ کرتا ہے۔

فی بعض الاحیان یعنی بعض اوقات میں

جواب : اکثر طور پر قد مضارع پر تقلیل کا فائدہ دیتا ہے لیکن گاہے گاہے تحقیق کا فائدہ بھی دیتا ہے اور آیت کریمہ قدیعلم اللہ المعوقین۔ میں قد تحقیق کے لیے ہے۔ اسی طرح

قد یتلفظ میں بھی قد تحقیق کے لیے ہے لہذا فی بعض الاحیان کالانا فضول نہ ہوگا۔

قال الشارح وکلمات الله تعالی داخلة فیه

مولانا جامیؒ کی غرض ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: ماقبل میں لفظ کی تعریف کی تھی مایتلفظ به الانسان جس کی وجہ سے کلمات اللہ الفاظ کی تعریف سے خارج ہو گئے حالانکہ کلمات اللہ بھی الفاظ ہیں۔

جواب: کلمات الله میں دو اعتبار ہیں۔

(۱) ان کی نسبت اللہ کی طرف ہو توس ا اعتبار سے یہ لفظ کی تعریف میں داخل نہیں۔

(۲) ان کی نسبت انسان کی طرف ہو تو اس اعتبار سے لفظ کی تعریف میں داخل ہیں اس لیے کہ بعض اوقات انسان یقیناً کلمات اللہ کا تلفظ کرتا ہے جیسے قرآن کی تلاوت کرنا۔

قال الشارح علی هذا القیاس کلمات الملائکة والجن

ایک فائدہ کا بیان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ لفظ حقیقی کہ تحت جس طرح کلمات اللہ داخل ہیں اسی طرح کلمات الملائکة والجن بھی لفظ حقیقی کے تحت داخل ہے۔ اس لیے کہ بعض اوقات انسان یقیناً کلمات ملائکة اور کلمات جن کا بھی تلفظ کرتا ہے۔

قال الشارح والدوال الاربع وهی الخطوط

مولانا جامیؒ کی غرض سمجھنے سے پہلے ایک فائدہ جان لیں۔

فائدہ کہ دوال اربعہ چار چیزیں ہیں (۱) خطوط (۲) عقود (۳) نصب (٤) اشارات

خطوط خطوط جمع ہے خط کی، ان کی وضع ان نقوش کے لیئے ہے جو اوراق میں لکھے ہوئے ہیں اور **عقود** جمع ہے عقد کی ان گرہوں کو کہتے جو انگلیوں میں پائے جاتے ہیں ان کو اعداد سے اشارہ بناتے ہیں اور **نصب** ہے نصیبة کی کہ وہ علامات جو راستہ میں لگائی جاتی ہیں مسافات کو معلوم کرنے کے لیے اور **اشارات** جمع ہے اشارة کی کہ یہ سرخ یا سبز بتی ہے سرخ بتی سے اشارہ رکاوٹ کا ہوتا ہے اور سبز بتی اشارہ رکاوٹ نہ ہونے کا ہوتا ہے۔

ان چار چیزوں کے مجموعے کو دوال اربعہ کہا جاتا ہے۔ اب اس عبارت کی غرض سمجھیں۔ کہ مولانا جامی اس عبارت سے بعض شارحین کی تردید کرنا چاہتے ہیں جس کی تفصیل یہ ہے کہ

رضی کا سوال: نے صاحب کافیہ پر یہ اشکال کیا کہ کلمہ کی یہ تعریف ۔مانع نہیں اس لیے کہ دوال اربعہ پر صادق آرہی ہے کہ اس لیے کہ وہ بھی ایک معنی کے لیے وضع کیے گئے ہیں۔

فاضل ھندی کا جواب: نے اس کا جواب دیا کہ دوال اربعہ کو خارج کرنے کے لیے مزید قید کی ضرورت نہیں بلکہ وہ لفظ کی قید سے ہی خارج ہوجاتے ہیں۔ کیونکہ دوال اربعہ لفظ نہیں ہے۔

رضی کی تردید: نے رضی اس جواب کو رد کردیا کہ لفظ تو جنس ہے اور جنس تو عموم اور شمول کے لیے آیا کرتی ہے کسی چیز کو خارج کرنے کے لیے نہیں۔اب اگر اس سے دوال اربعہ کو خارج کروگے تو یہ تعریف جنس سے خالی ہوجائے گی اور تعریف ناقص ہوجائے گی۔ کیونکہ تعریف کامل وہ ہوتی ہے جو جنس وفصل پر مشتمل ہو۔

فاضل ھندی کا پھر جواب: نے پھر اس کا جواب دیا کہ جب کسی تعریف کے جنس اور فصل میں عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہو تو وہاں پر ہر ایک کو جنس بھی بنایا جاسکتا ہے اور فصل بھی بنایا جاسکتا ہے یہاں پر بھی لفظ اور وضع میں عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہے۔ مادہ اجتماعی زید ہے کہ لفظ بھی ہے اور وضع بھی ہے اور مادہ افتراقی۔

(۱) لفظ ہو وضع نہ ہو جیسے مہملات ۔مادہ افتراقی (۲) مادہ افتراقی کہ لفظ نہ ہو وضع ہو جیسے دوال اربع ۔لہذا جب لفظ اور وضع میں عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہوئی تو وضع کو جنس مان کر دوال اربعہ کو شامل کرلیا جائے اور لفظ کو فصل مان کر ان کو خارج کردیا جائے پھر لفظ کو جنس مان کر مہملات کو داخل کرکے وضع کو فصل مان کر ان کو خارج کردیا جائے۔

مولانا جامی کا جواب مولانا جامی نے رضی اور فاضل ہندی دونوں کا رد کردیا کہ اے رضی صاحب خروج تو فروع ہے دخول کی جب دوال اربعہ تعریف کلمہ میں داخل ہی نہیں تو خارج کیسے کریں گے اور اے فاضل ہندی صاحب جب رضی کا سوال ہی وارد نہیں ہوتا تو جواب کی کیا ضرورت ہے۔

قال الشارح وانما قال لفظ ولم يقل

مولانا جامیؒ کی غرض ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال کہ یہ کتاب کافیہ ماخوذ ہے مفصل سے اور مفصل میں عبارت یوں ہے الکلمۃ لفظۃ

تو صاحب کافیہ کو بھی چاہیے تھا کہ وہ بھی الکلمۃ لفظۃ کہتے تا کہ ماخذ اور ماخوذ میں موافقت ہو جاتی۔

جواب مأخذ اور مأخوذ میں موافقت تب ضروری تھی جب کہ دونوں مصنفوں کا مقصود ایک ہوتا۔ حالانکہ یہاں ایک مسئلہ میں اختلاف ہے کہ صاحب مفصل کے نزدیک کلمہ کے لیے وحدت شرط ہے اس لیے اس نے اپنے مذہب کو بتانے کے لیے اللفظۃ کہا ہے اور جب کہ صاحب کافیہ کے نزدیک وحدت شرط نہیں اس لیے وہ تاء نہیں لائے۔ اسکی وجہ ہے کہ مولانا جامی بعد میں بیان کریں گے کہ صاحب کافیہ کے نزدیک عبداللہ یہ کلمہ ہے کیونکہ تعریف کلمہ میں داخل ہے لیکن صاحب مفصل کے نزدیک یہ کلمہ کے تحت داخل نہیں کیونکہ لفظ ایک نہیں ہے

قال الشارح والمطابقۃ غیر لازمۃ لعدم الاشتقاق

مولانا جامیؒ کی غرض ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال مبتدا خبر کے درمیان تذکیر و تانیث کے اعتبار سے مطابقت کا ہونا ضروری ہے لیکن یہاں مطابقت نہیں اس لیے کہ یہاں پر الکلمۃ مبتدا مؤنث ہے اور لفظ خبر مذکر ہے۔

جواب مولانا جامی نے جواب دیا کہ مبتدا خبر میں مطابقت کا ضروری ہونا یہ مشروط ہے چند شرائط کے ساتھ، جن میں سے ایک اہم شرط یہ ہے کہ خبر مشتق ہو اور دوسری شرط یہ ہے کہ خبر ایسے ضمیر پر مشتمل ہو جو لوٹے مبتداء کی طرف۔ تیسری شرط یہ ہے کہ خبر ایسا لفظ نہ ہو جو مذکر مؤنث کے لیے برابر استعمال ہوتا ہو یہاں پر ان تینوں شرطوں میں سے کوئی شرط نہیں پائی جاری ہے۔ (۱) لفظ خبر ہے یہ مشتق نہیں بلکہ مشتق منہ اور مصدر ہے۔

(۲) جب مصدر ہے تو اس میں ضمیر بھی نہیں۔ (۳) وہ بھی مفقود ہے لفظ یہ خبر ایسا لفظ ہے کہ مذکر مؤنث کے لیے برابر بولا جاتا ہے۔ لیکن مولانا جامی نے ان شرائط میں پہلی شرط کو ذکر کیا ہے کیونکہ پہلی شرط ملزوم ہے اور دوسری دونوں لازم ہیں جب ملزوم نہیں ہوگا تو لازم بھی نہیں پائیں جائیں گے۔ باقی شرائط مطابقت وہ کاشفہ شرح کافیہ میں دیکھ لیجیے۔

قال الشارح مع کون اللفظ اخصر

مولانا جامیؒ کی غرض ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال آپ کی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ مبتداء خبر کی مطابقت ضروری نہیں لیکن مطابقت کا نہ ہونا بھی تو ضروری نہیں تو اس کی کیا وجہ ہے کہ صاحب کافیہ نے عدم مطابقت کو اختیار کیا ہے مطابقت کو نہیں۔

جواب یہاں عدم مطابقت میں فائدہ یہ ہے کہ عبارت میں اختصار ہے اور اختصار دو طرح سے حاصل ہوتا ہے۔

(۱) لفظ میں زیادہ اختصار ہے بنسبت لفظۃ کے۔

(۲) اگر لفظۃ کہتے تو آگے وضع کو بھی وضعت کہنا پڑتا اور یہ بات ظاہر ہے کہ وضع میں زیادہ اختصار ہے بنسبت وضعت کے اس لیے صاحب کافیہ نے عدم مطابقت کو ترجیح دی

«بحث وضع»

قال الماتن **وضع**

کلمہ کی تعریف کا دوسرا لفظ ہے۔

قال الشارح **الوضع تخصیص شئ**

سے متن تک اندر الکلمۃ کے تعریف کے اندر دوسرا لفظ وُضِعَ ہے یہ مشتق ہے الوضع سے جس کے دو معنیٰ ہیں۔(۱) لغوی معنیٰ (۲) اصطلاحی معنیٰ

وضع کا لغوی معنیٰ جعل الشئ فی حیزہ کسی شئ کو اس کے محل میں رکھ دینا۔لغوی معنیٰ کو فارسی زبان میں نھادن سے تعبیر کرتے ہیں۔اور اصطلاحی معنیٰ جس کو مولانا جامی نے تخصیص الشئ سے قیل تک نقل کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اصطلاح میں وضع کہا جاتا ہے کہ ایک شئ کو دوسری شئ کے ساتھ اس طور پر خاص کر دینا جب پہلی چیز کا اطلاق کیا جائے اگر وہ چیز اطلاقات کے قبیل سے ہو۔یا جب پہلی چیز کو محسوس کیا جائے جب کہ وہ محسوسات کے قبیل سے ہو تو دوسری شئ شئ خود بخود سمجھ میں آجائے اس کا نام وضع ہے۔اور یہ وضع کی تعریف وضع لفظ اور وضع غیر لفظ ہر دونوں کو شامل ہے۔وضع لفظ کی مثال جیسے زید کی وضع ذات زید کے لیے،وضع غیر لفظ کی مثال دوال اربعہ میں سے ہر ایک کی وضع اپنے مدلولات کے لیے،باقی رہی یہ بات کہ لغوی اور اصطلاحی معنیٰ میں مناسبت کیا ہے **جواب** ہے کہ مناسبت بالکل واضح ہے۔کہ جب کسی لفظ کو اپنے معنیٰ

کے ساتھ خاص کر دیا جائے تو گویا شئ کو اپنے محل میں رکھ دیا اور یہی لغوی معنی تھا جعل الشئ فی حیزہ لیکن مولانا جامی نے وضع کا اصطلاحی معنی بیان کیا ہے لغوی معنی بیان نہیں کیا۔ حالانکہ ماقبل میں لفظ کا لغوی معنی بھی بیان کیا اور اصطلاحی معنی بھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وضع کا لغوی معنی بالکل واضح تھا اور مشہور تھا تو مولانا جامی نے شہرت پر اکتفاء کر کے عبارت میں نقل نہیں کیا۔

قیل یخرج : سے واجیب تک مولانا جامی سوال نقل کر کے اجیب سے پہلا جواب اور لایبعد سے دوسرا جواب پیش کر رہے ہیں۔

سوال کہ وضع کی تعریف جامع نہیں اس لیے کہ وضع کی تعریف وضع الحرف کو شامل نہیں کیونکہ تعریف میں یہ کہا گیا ہے کہ جب بھی شئ اول کا اطلاق کیا جائے تو اس سے شئ ثانی سمجھی جائے اور کہ حرف کے اطلاق کرنے سے اس کا معنی سمجھ میں نہیں آتا جب تک کہ کوئی ضم ضمیمہ نہ ہو۔

جواب اول : واجیب سے جس کا حاصل یہ ہے کہ وضع کی تعریف میں متی اطلق سے جو اطلاق سمجھ میں آرہا ہے اس سے مطلق اطلاق مراد نہیں بلکہ اطلاق مقید اطلاق صحیح مراد ہے اب معنی ہوگا کہ جب شئ اول کا اطلاق صحیح ہو تو اس کا معنی سمجھ میں آجائے اور یہ بات ظاہر ہے کہ حرف کا اطلاق صحیح اس وقت ہوگا جب ضم ضمیمہ کے ساتھ ہو جب ضم ضمیمہ کے ساتھ اطلاق ہوگا تو اس کا معنی بھی سمجھ میں آجائے گا۔

جواب ثانی ولایبعد سے دوسرا جواب۔ کہ وضع کی تعریف میں جو اطلاق ہے اس اطلاق سے اطلاق خاص یعنی اہل لسان کا اطلاق مراد ہے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ جب بھی عرب اپنے محاورات میں حرف کا اطلاق کرتے ہیں تو وہ ضم ضمیمہ کے ساتھ کرتے ہیں لہذا جب بھی اہل لسان حرف کا اطلاق کریں گے اس کا معنی سمجھ میں آجائے گا۔

فائدہ دونوں جوابوں میں فرق یہ ہے کہ پہلے جواب میں قید زائد صحیح کی ضرورت پڑتی ہے لیکن دوسرے جواب میں قید زائد کی ضرورت نہیں پڑتی۔

فائدہ ولایبعد کے لفظوں سے جو جواب ذکر کیا جائے تو اس بات پر تنبیہ کرنا مقصود ہوتا ہے کہ اس جواب میں معمولی سابعد ہے زیادہ نہیں، با اور وہ معمولی سابعد کیا یہ ہے کہ متی اطلق سے

جو اطلاق سمجھ میں آرہا تھا اس اطلاق سے اہل لسان کا استعمال مراد لینا یہ مجاز متعارف ہے اور تعریفات کے اندر عموماً مجاز کو ذکر نہیں کرتے۔لہذا نفس مجاز کا ذکر کرنا یہ ایک بعد ہے پھر چونکہ یہ مجاز متعارف ہے اسلیے زیادہ بعد نہیں۔

فائدہ وضع کی تعریف پر ایک اعتراض وارد ہوا تھا جس کے دو جواب دیئے گئے تھے۔جس میں سے دوسرا جواب مختار تھا کیونکہ اس میں قید زائد کی ضرورت نہیں پڑتی تھی اور وضع کی اس تعریف پر ایک دوسرا اعتراض وارد ہوتا ہے جس سمجھنے سے پہلے چند باتیں سمجھ لیں۔

پہلی بات : معنی ایک ہو اور الفاظ کئی ہیں اس کو اصطلاح میں تراوف کہا جاتا ہے اور الفاظ میں سے ہر ایک لفظ کو دوسرے کے لیے مرادف بولا جاتا ہے۔جیسے لفظ اسد اور لیث ہے اور غضنفر ہے۔یہ لفظ تو متعدد ہیں لیکن معنی ایک ہے بمعنی حیوان مفترس۔

دوسری بات : لفظ ایک ہو اور معنی متعدد ہوں اور اس کو اصطلاح میں اشتراک کہا جاتا ہے اور ایسے لفظ کو مشترک کہا جاتا ہے جیسے لفظ عین جو کئی معنوں کے لیے استعمال ہوتا (۱) جاریہ کے لیے (۲) رقبہ کے لیے (۳) ذات کے لیے (۴) چشمہ کے لیے۔

تیسری بات : خص یخص خصوصا وخاصۃ کے مادہ میں حرف باء کا مدخول کبھی مقصور ہوتا ہے یعنی اس کو بند کیا جاتا ہے کسی دوسری چیز میں اور کبھی حرف باء کا مدخول مقصور علیہ ہوتا ہے یعنی اس پر کسی چیز کو بند کیا جاتا ہے۔

سوال جس کا حاصل یہ ہے کہ وضع کی تعریف میں کہا گیا کہ تحصیص الشیٔ بشیٔ پہلی شیٔ سے مراد لفظ ہے اور دوسری شیٔ سے مراد معنی ہے،ہم دریافت کرتے ہیں کہ حرف باء کا دخول مقصور ہے یا مقصور علیہ ہے۔اگر یہ کہا جائے کہ باء کا مدخول مقصور ہے تو اس صورت میں معنی ہوگا کہ یہ معنی بند ہے اسی لفظ پر یعنی یہ معنی اسی لفظ سے سمجھا جاتا ہے کسی اور سے نہیں سمجھا جاتا۔لہذا وضع کی تعریف سے وضع المرادف خارج ہو جائیں گے اس لیے کہ الفاظ مرادفہ میں جس طرح معنی اس لفظ سے سمجھا جاتا ہے اسی طرح اور لفظوں سے بھی سمجھا جاتا ہے۔اور اگر باء کا مدخول مقصود علیہ ہو تو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ لفظ اسی معنی پر بند ہے یعنی لفظ سے یہی معنی سمجھا جاتا ہے کوئی اور معنی نہیں سمجھا جاتا تو اس سے وضع المشترك خارج ہو گئے اس لیے کہ وضع المشترك

میں جس طرح اس لفظ سے ایک معنی سمجھا جاتا ہے اسی طرح دوسرے معنی بھی سمجھے جاتے ہیں۔تو خلاصہ سوال کا یہ ہوا کہ وضع کی یہ تعریف جامع نہیں کیونکہ باء کامدخول مقصور ہوتو وضع المرادف نکلتے ہیں اگر مقصور علیہ ہے تو پھر وضع المشترك خارج ہوتے ہیں حالانکہ تعریف کے لیے جامع ہونا ضروری ہوتا ہے۔

جواب تحصیص کا معنی مرکب ہے دو چیزوں سے اس لیے کہ خاصہ کی تعریف یہ ہے کہ مایوجد فیه ولا یوجد فی غیره جس میں پہلی جزء ایجابی ہے اور دوسری جزء سلبی ہے۔اب ہم یہ کہتے ہیں کہ تحصیص شئ بشئ میں جو تحصیص ہے وہ اس میں تجرید کرلی جائے جزء سلبی سے یعنی جزء سلبی مراد نہ لی جائے تو اب وضع المرادف، وضع المشترك دونوں وضع کی تعریف میں داخل ہو جائیں گے۔اب باء سے مدخول مقصور ہونے کی صورت ہونے میں مطلب یہ ہوگا کہ یہ معنی اس لفظ سے سمجھا جاتا ہے عام ازیں کہ دوسرے لفظ سے یہ معنی سمجھا جائے یا نہ سمجھا جائے اور باء کا مدخول مقصور علیہ ہونے کی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اس لفظ سے یہ معنی سمجھا جاتا ہے آگے عام ہے کہ اس لفظ سے دوسرا معنی سمجھا جائے یا نہ سمجھا جائے۔

فائدہ متی اطلق پر سوال یہ ہوگا کہ متی اطلق سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ فهم معنی کے لیے صرف لفظ کا اطلاق کافی ہے حالانکہ فهم معنی کے لیے لفظ کا اطلاق کافی نہیں بلکہ سماع بھی ضروری ہوا کرتا ہے۔

جواب اس عبارت میں معطوف مع حرف عطف محذوف ہے۔تقدیر عبارت یوں ہوگی متی اطلق وسمع۔

فائدہ وضع کی تعریف میں کلمہ (او) کا ذکر کرنا درست نہیں کیونکہ کلمہ او) عموماً تشکیک کے لیے آتا ہے جب کہ تعریف سے مقصود وضاحت ہوتی ہے اور یہ بات واضح ہے کہ تشکیک اور وضاحت میں تو منافات ہوا کرتی ہے۔

جواب کلمہ او جس طرح تشکیک کے لیے استعمال ہوا کرتا ہے اسی طرح تنویع اور تقسیم کے لیے بھی آتا ہے یہاں پر کلمہ او تنویع اور تقسیم کے لیے ہے۔جس سے مقصود یہ بات بتانا ہے کہ وضع کی دو قسمیں ہیں۔(۱) وضع لفظ (۲) وضع غیر لفظ۔

اطلاق سے اشارہ وضع لفظ کی طرف ہے اور احساس سے اشارہ وضع غیر لفظ کی طرف ہے جیسے دوال اربعہ میں ہر ایک کی وضع اپنے مدلول کے لیے۔

فائدہ او سات قسم پر ہے۔

(۱) تنویعیه جو انواع پر دلالت کرتا ہے جیسے العدد اما زهوج ائو فرد کہ عدد کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) جفت (۲) طاق۔

(۲) اباحتیه جو دلالت کرتا ہے ان دو چیزوں پر جن کا جمع کرنا جائز اور مباح ہے جیسے زوج هذه اوهذه۔

(۳) تخیریه یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان دونوں جزوں کا جمع کرنا منع ہے بلکہ کسی ایک کو اختیار کرو۔ جیسے زوج هذه اواختها۔

(۴) تعمیمیه جو عموم بیان کرنے کیلیے ہوتا ہے جیسے لاتطع منهم آثما اوكفورا۔

(۵) اضرابیه جو بمعنی بل کے آتا ہے جیسے انها لابل اوشاة ای بل شاة۔

(۶) تردیدیه جو شک کے لیے آتا ہے جیسے جاء نی زید اوعمرو۔

(۷) اوبمعنی الی ان عند الجمهور یا بمعنی الاان عند السیبویه جیسے لازمنك اوتعطینی حقی الی ان تعطینی حقی یا الا ان تعطینی حقی۔

فائدہ وضع کی تعریف مذکور جامع نہیں اس لیے کہ شئ کے سمجھنے کے لیے صرف اطلاق مع السماع اور احساس ہی کافی نہیں بلکہ علم بالتخصیص بھی ضروری ہے لہذا وضع کی تعریف میں علم بالتخصیص کی قید بھی ذکر کی جاتی۔

جواب علم بالتخصیص کی قید کو مولانا جامی نے اگرچہ صراحۃً ذکر نہیں کیا لیکن تخصیص شئ بشئ میں علم بالتخصیص موجود ہے لہذا صراحۃً ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ اب وضع کی تعریف کا حاصل یہ ہوگا

وضع کی تعریف :ایک شئ کی دوسری شئ کے ساتھ اسطور پر خاص کرنا کہ جب شئ اول کا اطلاق صحیح ہو جس وقت وہ اطلاقات کے قبیل سے ہو اور وہ مسموع بھی ہو یا شئ اول کو محسوس کیا جائے جب کہ وہ محسوسات کے قبیل سے ہو کہ شئ ثانی سمجھ میں آجائے بشرطیکہ علم بالتخصیص

پہلے سے حاصل ہو۔

پانچویں بات یہ ہے کہ وضع کی یہ تعریف انتہائی جامع ہے اس لیے کہ تعریف جس طرح وضع لفظ اور وضع غیر لفظ کو شامل ہے اسی طرح دیگر اقسام اربعہ کو بھی شامل ہے۔ وہ چار قسمیں یہ ہیں۔

(۱) وضع عام ہو یعنی موضوع بھی عام ہو اور موضوع لہ بھی عام ہو۔

(۲) موضوع بھی خاص ہو اور موضوع لہ بھی خاص ہو۔

(۳) موضوع عام ہو اور موضوع لہ خاص ہو۔

(۴) موضوع خاص ہو اور موضوع لہ عام ہو۔

باقی رہی یہ بات کہ وضع کی تعریف مذکوران اقسام اربعہ کو کیسے شامل ہے تو اس کا جواب ہے کہ وہ اس طرح ہے کہ تخصیص شئ بشئ میں شئ اول سے مراد موضوع اور شئ ثانی سے مراد موضوع لہ ہے۔ اور دونوں میں عموم خواہ دونوں ملحوظ بعمومہ ہوں یا دونوں ملحوظ بخصوصہ ہوں نیز شئ اد ملحوظ بعمومہ ہو اور شئ ثانی ملحوظ بخصوصہ ہو یا شئ اول ملحوظ بخصوصہ ہو اور شئ ثانی ملحوظ بعمومہ ہو۔ البتہ ان چاروں قسموں میں سے پہلی تین قسمیں متحقق اور مستعمل ہیں۔ چوتھی قسم احتمال عقلی ہے اور متحقق نہیں۔

(۱) اول کی مثال جیسے مرکبات کی وضع۔

(۲) ثانی کی مثال مفردات کی وضع جیسے زید کی وضع ذات زید کے لیے۔

(۳) ثالث کی مثال جیسے ضمائر۔

(۴) چوتھی متحقق ہی نہیں تو اس کی مثال بھی نہیں۔

فائدہ **اقسام اربعہ کی وجہ حصر** یہ ہے کہ موضوع لہ دو حال سے خالی نہیں امر واحد ہوگا یا امر متعدد اگر امر واحد ہو تو پھر دو حال سے خالی نہیں جزئی ہوگا یا کلی اگر جزئی ہو تو قسم اول یعنی وضع خاص اور موضوع لہ خاص جیسے اعلام مشخصہ معینہ زید عمرو بکر وغیرہ اور اگر امر واحد کلی ہو تو قسم ثالث یعنی وضع خاص موضوع لہ عام۔ خاص اس لیے کہ وہ امر واحد سے متعلق ہے اور عام اس لیے کہ امر واحد کلی ہے جیسے انسان کی وضع حیوان ناطق کے لیے اگر وضع امور متعددہ کے لیے ہو تو امور متعدد دو حال سے خالی نہیں۔ وہ جزئیات ہوں گے یا کلیات، جزئیا [illegible] م رابع یعنی

وضع عام موضوع لہ خاص۔ عام تو اس لیے کہ امور متعدد سے متعلق ہے اور خاص اس لیے کہ جزئیات ہے جیسے ضمائر موصولات بر مذہب متاخرین۔ جن میں سے میر سید بھی ہے اور اگر امور متعددہ کلیات ہوں تو قسم ثانی وضع عام اور موضوع لہ عام۔ وضع عام تو اس لیے کہ امور متعددہ سے متعلق ہے اور موضوع لہ عام اس لیے کہ وہ کلیات ہیں جیسے کہ مشتقات۔

فائدہ یہ بھی یاد رکھیں کہ مضمرات اور اشارات اور موصولات یہ امور جزئیہ ہیں یا امور کلیہ۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے متاخرین میں سے میر سید بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ یہ امور جزئیہ ہیں کیونکہ واضع نے انکو وضع کرتے وقت اگرچہ امور کلیہ کا تصور تو کیا ہے لیکن اس کو موضوع لہ نہیں بنایا بلکہ اس کے افراد مخصوصہ کو موضوع لہ بنایا ہے اور تصور معنی کلی موضوع لہ کو جو کہ افراد مخصوصہ ہے جاننے کا ایک آلہ ہے اور بس جیسا کہ ھذا اسکو واضع نے وضع کرتے وقت ایک امر کلی کا تصور کیا جو کہ کلی محسوس مبصر قریب ہے لہذا ھذا کو اس معنی کلی کے لیے وضع نہیں کیا گیا ہے بلکہ اس رجل محسوس یا کتاب محسوس کے لیے جو اس معنی کلی کے افراد میں سے ہے وضع کیا۔ اس طرح ھو ضمیر غائب وضع کرتے ہوا ایک معنی کلی کا تصور کیا گیا جو کہ کل واحد غائب ہے لیکن موضوع لہ رجل محسوس وغیرہ کو بنایا گیا اسی طرح انا ضمیر متکلم کو بھی اسی پر قیاس کرلو۔ خلاصہ کلام یہ ہوا کہ مضمرات اور اشارات وغیرہ کا موضوع لہ چونکہ افراد مخصوصہ اور مشخصیہ ہیں اس لیے کیہ جزئیات ہیں نہ کہ کلیات اور متقدمین اور علامہ تفتازانی کہتے ہیں کہ یہ کلیات ہیں کیونکہ ان کی وضع معنی کلی کے لیے ہے بشرط استعمال فی الجزئیات تو اس وقت یہ وضع عام اور موضوع لہ عام کی مثال بن جائے گی لیکن تحقیق مذہب اول ہی ہے۔ **کما قال صاحب سلم ویدخل فیہ ای فی جزئیات المضمرات واسماء الاشارات فان الوضع فیھما وان کان عاما لکن الموضوع لہ خاص علی ما ھو التحقیق**

﴿بحث معنی﴾

قال الماتن المعنی متن کے اندر کلمہ کی تعریف کا تیسرا لفظ معنی ہے۔

قال الشارح المعنی مایقصد بشیٔ

سے لے کر ھو اما مفعل تک لفظ معنی کا اصطلاحی معنی کا بیان ہے، اصطلاحی معنی مایقصد بشیٔ

کہ معنی ایسی چیز کو کہا جاتا ہے جو کسی شئ سے مقصود ہو، اس تعریف پر دو سوال وارد ہوتے ہیں۔

فائدہ سوال مایقصد بشئ سے متبادر الی الذھن مقصود صریح ہے اب تعریف کلمہ کا حاصل ہوگا کہ معنی ایسی چیز کو کہا جاتا ہے۔ جو کسی شئ سے مقصود صریح ہوا اور یہ بات ظاہر ہے کہ مقصود صریح صرف معنی مطابقی ہوتا ہے معنی تضمنی اور التزامی نہیں ہوتا لہذا یہ تعریف جب معنی التزامی اور تضمنی کو شامل نہ ہوگی تو تعریف جامع نہ رہے گی۔

جواب: مایقصد بشئ میں تعیم ہے خواہ مقصود صریح ہو یا مقصود غیر صریح ہو۔ تو لہذا اس تعیم کی بناء پر یہ تعریف معنی تضمنی اور معنی التزامی ہر دونوں کو شامل ہو جائے گی۔

فائدہ سوال مایقصد بشئ سے متبادر الی الذھن مقصود بحسب الوضع ہے اور مقصود بحسب الوضع فقط معنی حقیقی کو شامل ہے معنی مجازی کو نہیں۔ لہذا یہ معنی مجازی کو شامل نہ ہونے کی وجہ سے جامع نہ رہے گی۔

جواب: مایقصد بشئ میں تعیم ہے کہ شئ سے جو مقصود ہے خواہ وہ مقصود بحسب الوْضع ہو یا بحسب الوضع نہ ہو۔ لہذا اس تعیم کی بناء پر یہ تعریف معنی مجازی کو شامل ہو کر جامع ہو جائے گی۔

فائدہ سوال اس تعریف میں ان تعمیمات کے اعتبار کرنے کا قرینہ کیا ہے۔

جواب قرینہ یہاں موجود ہے کہ تعریف میں جامعیت اور عموم اور شمول ہونا چاہیے اگر ان تعمیمات کا اعتبار نہ کیا جائے تو تعریف جامع نہ رہے گی۔ اس لیے ان تعمیمات کا اعتبار کیا جائے گا۔

سوال مولانا جامی نے لفظ معنی کے اصطلاحی معنی کو مقدم کیا اور معنی لغوی کو مؤخر کیا اس کی کیا وجہ ہے۔ حالانکہ مولانا جامی ماقبل میں تو لغوی معنی کو مقدم کرتے رہے اور اصطلاحی کو مؤخر کرتے رہے۔

جواب لفظ معنی کا اصطلاحی معنی مختصر تھا اس لیے مقدم کر دیا بخلاف لغوی معنی کے اسی وجہ اس کو مؤخر کر دیا۔ اور طریقہ تعلیم بھی یہی ہے۔ جو مختصر ہوا کرتا ہے اسے مقدم کر دیا جاتا ہے۔ اس لیے مولانا جامی نے اصطلاحی معنی کو مقدم کر دیا۔

قال الشارح فهوا مامفعل اسم مكان

سے ولما كان تک لفظ معنی کا لغوی معنی بیان کیا جارہا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ لفظ معنی میں

صیغوی تین احتمال ہیں۔

پہلا احتمال : لفظ معنی مَفعَل کے وزن پر ظرف مکان ہو جسکا معنی ہوگا جائے قصد پھر اس معنی لغوی سے نقل کیا گیا معنی اصطلاحی مایقصد بشیٔ کی طرف۔

دوسرا احتمال : یہ مَفعَل کے وزن پر ہو کر مصدر میمی ہو اب لغوی معنی ہوگا قصد کرنا پھر اس لغوی معنی سے نقل کر کے اسم مفعول کی طرف بمعنی قصدر کیا ہوا پھر اسم مفعول سے نقل کیا گیا معنی اصطلاحی ماما یقصد بشیٔ کی طرف اس صورت میں نقل کے اندر تعدد ہوگا، کہ اولا تو لغوی معنی سے نقل اسم مفعول کی طرف پھر ثانیا اسم مفعول سے معنی اصطلاحی کی طرف۔

تیسرا احتمال : کہ یہ بمعنی مفعول ہو کر اسم مفعول ہو اور یہ تیسرا احتمال واضح ہے کہ معنی اصل میں معنوی تھا قویل قانون سے واو کو یاء کیا اور یاء کو یاء میں ادغام کر دیا پھر دُعِـیٌ والے قانون سے یاء کے ضمہ ماقبل کسرہ سے بدل دیا تو مـعـنـیٌ ہو گیا پھر سید والے قانون سے یاء کو حذف کر دیا تو معنی ہو گیا پھر دعـی والے قانون سے یاء کے کسرہ ماقبل فتحہ سے تبدیل کر دیا تو معنی ہو گیا پھر قال والے قانون سے یاء متحرک ماقبل مفتوح تھا الف سے بدل دیا تو معنان ہو گیا پھر التقاء ساکنین پہلا مدہ تھا تو اس کو حذف کر دیا تو معنیً ہو گیا۔

فائدہ مصدر میمی کی تعریف : **وهو المصدر الذی یدل علی الحد ث فقط وکان فی اوله میم۔**

قال الشارح ولما كان المعنی

مولانا جامی کی غرض ایک سوال مقدر کا جواب دینا چاہتے ہیں۔

سوال : یہ ہے کہ تعریف کلمہ میں مـعـنـیً کو ذکر کرنا عبث ہے اس لیے کہ وضع کے ضمن میں معنی کا ذکر آچکا ہے کیونکہ وضع کی تعریف میں شیٔ اول سے مراد لفظ اور شیٔ ثانی سے مراد معنی ہے

جواب : ہم تسلیم کرتے ہیں معنی کا ذکر ہو چکا ہے لیکن پھر معنی کو ذکر کرنا یہ تجرید پر مبنی ہے اور تجرید علم بدیع کی ایک اصطلاح ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی فعل یا شبہ فعل کو بعض معنی سے خالی کر کے بعد میں مستقلاً اس معنی کو ذکر کر دینا۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ہے۔ سبـحـن الـذی اسری بعبده لیلا ۔ اسری کے ضمن میں لیل کا ذکر تھا چونکہ اسری رات کے سفر کو کہا جاتا ہے

لیکن پھر تجرید کر کے ںیلا کو بعد میں ذکر کر دیا، یہاں بھی وضع کو معنی سے خالی کر کے بعد میں معنی کو مستقلا ذکر کر دیا گیا۔لیکن سوال کی دوسری تقریر جس کا حاصل یہ ہے کہ معنی کا تعلق اور ربط وضع کے ساتھ صحیح نہیں کیونکہ وضع کی تعریف تھی تخصیص شئ بشئ اس میں شئ اول سے مراد لفظ اور شئ ثانی سے مراد معنی ہے۔لہذا معنی کا ذکر تو وضع کی تعریف ہو چکا ہے پھر بعد میں معنی کا تعلق وضع کے ساتھ کرنا صحیح نہیں ہوگا۔

جواب کہ یہ بات آپ کی درست ہے لیکن معنی کا پھر ذکر کرنا یہ تجرید پر مبنی ہے لیکن سوال کی پہلی تقریر صحیح نہیں کیونکہ ماقبل میں معنی کا ذکر ضمنا ہوا اور بعد میں تصریحا ہو گیا تو یہ تصریح بما علم ضمنا کے قبیل سے ہوگا جس کو بے فائدہ اور لغو نہیں کہا جا سکتا۔

قوله فخرج به المهملات والالفاظ

سے فان قلت تکلمه کی تعریف میں لفظ جنس ہے جو کہ تمام الفاظ کو شامل ہے خواہ وہ الفاظ موضوعہ ہوں یا مہملہ مفردہ ہو یا مرکبہ اور وضع یہ پہلی قید ہے جس کے ذریعے دو قسم کے الفاظ خارج ہو جاتے ہیں۔

(۱) الفاظ مہملہ (۲) وہ تمام الفاظ جن کی دلالت علی المعنی بالوضع نہیں۔

خواہ وہ دلالت بالطبع ہو یا دلالت بالعقل ہو جیسے اح اح کی دلالت درد سینہ پر اور لفظ دیز کی دلالت جو دیوار کے پیچھے سنا جائے لافظ کے وجود پر۔ان کی وجہ خروج یہ ہے کہ الفاظ مہملہ میں وضع نہیں ہوتی اور الفاظ دالہ بالطبع ہوں یا دالہ بالعقل ہوں ان میں وضع اور تخصیص نہیں ہوتی حالانکہ کلمہ تو ایسے لفظ کو کہا جاتا ہے جس میں وضع بالتخصیص معنی کے لیے ہو۔

فائدہ سوال مولانا جامی نے تو صرف ان الفاظ کو خارج کیا جو دالہ بالطبع ہے دالہ بالعقل کو کیوں خارج نہیں کیا۔

جواب دالہ بالطبع کا ذکر کو تو بطور تمثیل کے ہے نہ کہ بطور حصر کے لہذا الفاظ دالہ بالطبع اور دالہ بالعقل دونوں خارج ہیں البتہ کلمہ کی تعریف میں حروف ہجاء باقی ہیں اس لیے کہ حروف ہجاء میں وضع بالتخصیص پائی جاتی ہے لیکن ان کی وضع للمعنی نہیں ہوتی بلکہ ان کی وضع غرض ترکیب کے لیے ہوتی ہے اور ترکیب تو کوئی معنی نہیں ہوتا اسلیے وہ للمعنی کی قید سے خارج

ہوں گے۔

فائدہ اگر حروف کو ان اسماء کے ساتھ ذکر کیا جائے تو ان کو حروف ہجاء کہا جاتا ہے جیسے الباء، التاء، السلام وغیرہ۔ جب ان حروف کے معانی بھی ہوں تو انہی کو حروف معانی کہا جاتا ہے۔ جیسے مررت بزید میں باء الصاق کے لیے ہے۔

فان قلت :قد وضع سے مولانا جامی سوال نقل کر کے قلنا سے جواب دے رہے ہیں۔

سوال کہ کلمہ کی تعریف جامع نہیں اس لیے کہ کلمہ کی تعریف میں یہ کہا گیا کہ وہ معنی کے مقابلہ میں موضوع ہوں حالانکہ بعض الفاظ ایسے ہیں جو دوسرے لفظوں کے مقابلے میں موضوع ہے۔ معنی کے مقابلے میں نہیں جیسے لفظ اسم یہ موضوع ہے زید، عمرو بکر وغیرہ کے مقابلہ میں اسی طرح لفظ فعل یہ وضع ہے ضرب، یضرب کے مقابلے میں اسی طرح لفظ حرف یہ وضع ہے۔ من، الی، فی کے مقابلہ میں۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ زید، عمرو، بکر اسی طرح ضرب یضرب اسی طرح من وغیرہ یہ الفاظ ہیں معانی نہیں حالانکہ یہ الفاظ کلمات ہیں لیکن کلمہ کی تعریف صادق نہیں آتی۔

جواب قلنا سے مولانا نے جواب دیا کہ ہم ماقبل میں یہ بتا چکے ہیں معنی کہا جاتا ہے مایقصد بشئ جس کے ساتھ قصد اور ارادے کا تعلق ہے عام ازیں کہ جس کیساتھ قصد ارادہ کا تعلق ہو وہ لفظ ہو یا غیر لفظ لہذا یہ الفاظ مذکورہ جو الفاظ کے مقابلے میں موضوع ہیں ان کو بھی کلمہ کی تعریف شامل ہو جائے۔

فائدہ سائل کے سوال کا منشاء معنی کے عموم میں غفلت اور سستی کرنے کی وجہ سے ہے اور **جواب** کا حاصل یہ ہے کہ معنی میں جو عموم ہے اس کا استحضار کر لیا جائے تو اعتراض وارد ہی نہ ہوگا۔

فان قلت قد وضع سے مولانا جامی سوال نقل کر کے قلنا سے جواب دے رہے ہیں۔

سوال کہ کلمہ کی تعریف پھر بھی جامع نہیں اس لیے کہ یہ تعریف ان کلمات کو شامل نہیں جو دوسرے الفاظ مرکبہ کے مقابلہ میں موضوع ہے جیسے لفظ **جملہ** یہ موضوع ہے مثلاً زید قائم کے مقابلہ میں اور لفظ **خبر** یہ بھی موضوع ہے۔ مثلاً زید قائم کے مقابلہ میں اور لفظ کلام یہ بھی مثلاً موضوع زید قائم کے مقابلہ میں اسی طرح لفظ **قضیہ** موضوع ہے مثلاً زید قائم مرکب کے مقابلہ میں حالانکہ یہ کلمات تو ہیں لیکن کلمہ کی تعریف ان پر صادق نہیں آتی۔

جواب وہ الفاظ مرکبہ جن کے مقابلے میں الفاظ مفردہ مثلاً جملہ اسی طرح خبر اور کلام اور قضیہ موضوع ہیں ان الفاظ مرکبہ میں دو اعتبار ہیں۔

(۱) ان الفاظ مرکبہ میں ان کے معانی کا لحاظ کیا جائے یعنی ان کی نسبت معنی کی طرف کی جائے

(۲) ان الفاظ مرکبہ میں موضوع لہ ہونے کا اعتبار کیا جائے یعنی اس بات کا لحاظ کیا جائے کہ الفاظ مفردہ ان کے مقابلہ میں موضوع ہیں اور یہ ان کا موضوع لہ ہیں اب ہم یہ کہتے ہیں کہ پہلے اعتبار سے یہ الفاظ معانی مرکبہ ہیں اور دوسرے اعتبار سے یہ معانی مفردہ ہیں اور کلمہ کی تعریف میں جو یہ کہا گیا۔ کلمہ ایسے لفظ کو کہا جاتا ہے جو معنی مفرد کے مقابلہ میں موضوع ہو اس سے یہ ضروری نہیں مفرد ہونا من کل الوجوہ ہو بلکہ من بعض الوجوہ بھی مفرد ہونا کافی ہے لہذا کلمہ کی تعریف صادق آ جائے گی۔ کیونکہ یہ الفاظ مرکبہ بھی ایک اعتبار سے تو مفرد ہی ہیں۔

فائدہ اس سوال کا تعلق **مفرد** کی قید سے تھا جو آگے آرہی ہے مگر چونکہ اس سوال کا منشاء پہلے سوال کا جواب ہے اسی مناسبت سے اسی مقام پر مولانا جامی نے ذکر کر دیا ہے۔

وقد اجیب مولانا جامی نے دونوں سوالوں کا وہ جواب نقل کر رہے ہیں جو سید رکن الدین صاحب متوسط نے دیا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ ہم اس بات کو قطعاً تسلیم ہی نہیں کرتے کہ لفظ لفظ کے مقابلہ میں وضع ہو۔ جیسا کہ سوال اول اور سوال ثانی کا حاصل ہے کہ لفظ لفظ کے مقابلہ میں موضوع ہوتا ہے بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ ہر لفظ ہمیشہ مفہوم کلی کے مقابلہ میں موضوع ہوتا ہے جس کے افراد الفاظ مفردہ بھی ہوتے ہیں اور الفاظ مرکبہ بھی ہوتے ہیں چنانچہ ہم اس بات کو قطعاً تسلیم نہیں کرتے کہ لفظ اسم موضوع ہے۔ زید، عمرو، بکر کے مقابلہ ہے بلکہ یہ لفظ اسم موضوع ہے مفہوم کلی کے مقابلہ میں اور وہ یہ ہے۔

کلمة تدل علی معنی فی نفسها غیر مقترن باحد الازمنة الثلاثة۔ اور زید، عمرو، بکر وغیرہ اس مفہوم کلی کے افراد ہیں اسی طرح فعل ضرب، یضرب، اضرب کے مقابلہ میں موضوع نہیں بلکہ مفہوم کلی کے لیے کلمة تدل علی معنی فی نفسها مقترن باحد الازمنة الثلاثة اور ضرب، یضرب وغیرہ اس مفہوم کے افراد ہیں۔ تیسرا لفظ حرف کی وضع کلمة لا تدل علی معنی فی نفسه کے مقابلے میں ہے جس کی افراد یہی من، الی الفاظ وغیرہ ہے لہذا لفظ کی وضع لفظ

کے مقابلہ میں نہ ہوئی بلکہ مفہوم کلی کے مقابلہ میں ہوا تو سوال اول مندفع ہوگیا اور ایسے ہی ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ لفظ جملہ اور کلام یہ الفاظ مرکبہ کے مقابلہ میں موضوع ہیں بلکہ یہ بھی مفہوم کلی کے مقابلہ میں موضوع ہیں کہ ماتضمن کلمتین بالاسناد اور زید قائم اس مفہوم کلی کا فرد ہے۔ اسی طرح لفظ خبر کی وضع ہے۔ کہ مفہوم کلی مایحتمل الصدق والکذب کے لیے ہے جس کا ایک فرد زید قائم ہے لہذا یہ بات واضح ہوگئی کہ الفاظ کی وضع الفاظ مرکبہ مقابلہ کے میں نہیں بلکہ مفہوم کلی کے لیے ہوا کرتی ہے فاندفع الاشکال الثانی۔ اور سابقہ دونوں سوال تب وارد ہوتے ہیں جب یہ تسلیم کیا جائے کہ لفظ کی لفظ کے مقابلہ میں وضع ہوتی ہے کی لفظ کے یہ جواب علی سبیل الانکار ہوا۔

قولہ ولا یخفی سے مفرد تک مولانا جامی مذکورہ بالا جواب کو رد کرنا چاہتے ہیں جو کہ صاحب متوسط نے دیا تھا۔ رد کا حاصل یہ ہے یہ جواب تمام مواد یعنی الفاظ میں جاری نہیں ہوتا البتہ بعض الفاظ میں تو جاری ہوتا ہے جیسا کہ آپ نے اسم، فعل، حرف، خبر، کلام، قضیہ وغیرہ میں جاری کیا ہے۔ لیکن بعض الفاظ میں یہ جواب جاری نہیں ہوسکتا اس لیے کہ جب اضمار کا مرجع الفاظ ہو عام ازیں کہ یہ الفاظ مرکبہ ہوں یا مفردہ تو ایسی ضمائر کے بارے میں یہ کہنا کیسے صحیح ہوگا کہ مفہوم کلی کے لیے موضوع ہیں اس لیے کہ ان میں وضع اگرچہ عام ہوتی ہے لیکن ان کا موضوع لہ خاص ہوتا ہے۔ لہذا جب موضوع لہ خاص ہوا تو مفہوم کلی نہیں ہوا بلکہ مفہوم جزئی ہوا لہذا مجیب کا یہ دعویٰ غلط ہوا کہ لفظ کی لفظ کے مقابلہ میں وضع نہیں ہوتی بلکہ مفہوم کلی کے مقابلہ میں موضوع ہوا کرتا ہے اسی وجہ سے مولانا جامی نے اس جواب کو مؤخر کیا کیونکہ مردود تھا۔ ورنہ اصولی اعتبار سے انکاری جواب مقدم ہوا کرتا ہے لیکن **صاحب متوسط** کی طرف سے مولانا جامی کو یہ جواب دیا گیا ہے کہ ہمارا جواب متقدمین کے مذہب پر ہے اور آپ نے جو وجہ ضعف بیان کی ہے وہ متاخرین کے مذہب پر ہے لہذا ہمیں متقدمین کا مذہب پسند ہے اس لیے آپ کو اعتراض کرنے کی اور یہ وجہ ضعف بیان کرنے کی زحمت نہیں کرنی چاہیے۔

فائدہ اسماء مضمرات، اسماء اشارات، اسما موصولات کے بارے میں دو مذہب ہیں متقدمین کا مذہب یہ ہے کہ ان کی وضع مفہوم کلی کے لیے ہے بشرط الاستعمال فی الجزئیات

اور متاخرین کا مذہب یہ ہے کہ ان کا وضع تو جزئیات محسوسہ کے لیے ہے مگر عندالوضع مفہوم کلی تصور کیا جاتا ہے۔ مصنفؒ نے متقدمین کا مذہب پسند کیا ہے اور مرسید سند نے متاخرین کا مذہب پسند کیا ہے۔

قال الماتن مفردا﴾

لفظ **مفردا** میں ترکیبی احتمال تین ہیں۔(۱) مرفوع (۲) منصوب(۳) مجرور

قال الشارح وھو ما مجرور علی انہ

لفظمفرد کی ترکیب میں پہلے احتمال کا بیان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مفرد مجرور لفظا صفت ہے معنی کی جو مجرور تقدیرا ہے۔ اب معنی یہ ہوگا کہ کلمہ اس لفظ کو کہا جاتا ہے کہ جو موضوع ہو معنی مفرد کے لیے اور معنی مفرد کہا جاتا ہے کہ لفظ کی جزء سے معنی کی جزء پر دلالت مقصود نہ ہو بلکہ مجموع کی دلالت مقصود ہو مجموع پر جیسے زید کا معنی ہے حیوان ناطق مع ھذا التشخص لیکن لفظ زید میں (ز۔ی۔د) یہ لفظ کی جزء معنی جزء پر دلالت قطعا نہیں کرتی بلکہ مجموعہ پر دلالت کرتی ہیں۔

قال الشارح وفیہ انہ یوھم

تک مولانا جامی ایک انتہائی اہم سوال نقل کر کے فینبغی سے اس کا جواب دینا چاہتے ہیں، سوال کے تقریر سے پہلے دو ضابطے سمجھ لیں۔

ضابطہ اولی: جب موصوف بالصفۃ کا تعلق اور نسبت فعل یا شبہ فعل کیساتھ ہو تو اولاً موصوف کا تعلق صفت سے ہوتا ہے ثانیاً اس کا تعلق فعل یا شبہ فعل سے ہوتا ہے۔ جیسے جاء نی رجل عالم تو رجل کا تعلق پہلے علم والی صفت سے ہوگا بعد میں محیثیت فعل کیساتھ ہوگا۔

ضابطہ ثانیہ: لفظ میں وضع مقدم ہوتی ہے اور افراد اور ترکیب مؤخر ہوتی ہے یعنی ہر لفظ پہلے وضع ہوا کرتا ہے پھر وہ مفرد یا مرکب ہوتا ہے ان دو ضابطوں کے بعد اب سوال کی تقریر یہ ہوگی کہ اگر مفرد کو معنی کے صفت بنا دیا جائے تو معنی موصوف ہوگا مفرد اس کی صفت ہو جائے گی لہذا ابناء بر قاعدہ اولی کہ معنی متصف ہوگا افراد و ترکیب والی صفت کے ساتھ قبل الوضع حالانکہ قاعدہ ثانیہ کا تقاضا یہ ہے کہ معنی اولا وضع کے ساتھ متصف ہو بعد میں افراد و ترکیب والی صفت کے ساتھ، اس لیے کہ اولا لفظ کو کسی معنی کے لیے وضع کیا جاتا ہے پھر دیکھا جاتا ہے کہ لفظ کا جزء معنی کی جزء پر دال

ہے یا نہیں اگر نہ ہو تو یہ افراد ہے اور اگر ہو تو یہ ترکیب ہے، سوال کا تلخیص بطریقہ قیاس یہ ہوگی۔

لو کان المفرد صفتا للمعنی للزم اتصاف المعنی بالافراد والترکیب قبل الوضع ولکن التالی باطل فالمقدم مثلہ۔

جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہاں مجاز بالمشارفۃ کا ارتکاب کیا گیا ہے اور مجاز بالمشارفۃ کہتے ہیں کسی چیز کا کسی وصف کے ساتھ متصف ہونا آئندہ زمانہ میں ہو لیکن اس کو پہلے ہی اس وصف کے ساتھ متصف کر دیا جائے بالکل ایسا ہی معنی نے وضع کے بعد افراد وترکیب والے صفت کے ساتھ متصف ہونا تھا لیکن اس کو وضع سے پہلے ہی افراد وترکیب والی صفت کے ساتھ متصف کر دیا گیا ہے۔ اور اس پر شاہد یہ کہ رسولؐ نے فرمان ہے کہ (من قتل قتیلا فلہ سلبہ) تو اس روایت میں جس زندہ کافر نے بعد میں مقتول ہونے والی صفت کے ساتھ متصف ہونا تھا اس کو پہلے ہی مقتول ہونے والی صفت سے متصف کر دیا گیا اور اسی طرح قرآن مجید میں ہے اعصر خمرا۔

قولہ مرفوع یہاں سے لفظ مفرد کی ترکیب میں دوسرا احتمال بیان کیا جا رہا ہے لفظ مفرد مرفوع ہو کر لفظ کی صفت ہے اب اس ترکیب کے مطابق کلمہ کی تعریف یہ ہوگی کلمہ ایک لفظ مفرد ہے جو وضع کیا گیا ہو معنی کے لیے اور لفظ مفرد کی تعریف شارح نے یہ کی کہ جزء لفظ جزء معنی پر دلالت نہ کرے کیونکہ اگر جز لفظ جزء معنی پر دلالت کرے گا تو وہ لفظ مرکب ہو گیا۔

قولہ ولا بد حینئذ سے مولانا جامی سوال نقل کر کے وکان سے جواب دے رہے ہیں۔

سوال اس دوسرے ترکیب کے مطابق لفظ کی دو صفتیں ہوں گی۔

(۱) وضع جس کو وضع سے تعبیر کیا جا رہا ہے۔ (۲) مفرد ہونا اور قاعدہ ہے جب کسی چیز کی دو صفتیں ہوں تو ان دونوں صفتوں کو ایک ہی انداز اور طریقے سے ذکر کرنا مستحسن ہوا کرتا ہے یعنی دونوں صفتوں کو یا تو بصورت جملہ ذکر کیا جائے یا دونوں کو بصورت صیغہ مفرد کے ذکر کیا جائے لیکن کیا وجہ ہے کہ صاحب کافیہ نے لفظ کی صفت اول کو تو بصورت جملہ ذکر کیا اور دوسرے صفت بصورت مفرد ذکر کیا۔

جواب دیا کہ وضع والی صفت بصورت جملہ ذکر کے اس بات پر تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ وضع مفرد پر مقدم ہوتی ہے۔

سوال باقی رہی یہ بات کہ یہ صفت بصورت جملہ ذکر کرنے میں یہ بات کیسے معلوم ہوتی ہے اس کا جواب دیا حیث اتی بہ سے کہ جس کا حاصل یہ ہے کہ اس جملہ میں فعل ماضی کو ذکر کیا گیا ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ فعل ماضی ہونے کی بناء پر تقدم پر دلالت کیا کرتی ہے

فائدہ سوال کہ فعل ماضی تو تقدم زمانی پر دال ہے اور وضع کا افراد پر مقدم ہونا یہ تقدم رتبی ہے تقدم زمانی تو نہیں ہے۔

جواب فعل ماضی اصل میں موضوع تو تقدم زمانی کو بیان کرنے کے لیے ہے لیکن یہاں پر فعل ماضی کو تقدم رتبی کے بیان کرنے کے لیے استعمال کیا گیا ہے اس سے ایک اور سوال کا جواب بھی معلوم ہو گیا۔

سوال جب لفظ کی دو صفتیں ہیں ایک مفرد اور ایک جملہ تو وضع کو مفرد پر کیوں مقدم کیا گیا ہے

جواب: وضع چونکہ رتبہ کے لحاظ سے مقدم تھی تو اس کو ذکر میں بھی مقدم کر دیا مفرد پر۔

قال الشارح واما نصبه

لفظ مفرد کی ترکیب کے بارے میں تیسرے احتمال کا بیان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ لفظ مفرد حال ہونے کی بنا پر منصوب ہے جس کے ذوالحال میں دو احتمال ہیں۔

(۱) وضع کے ضمیر ہو سے حال ہو۔

(۲) لفظ معنی سے حال ہو اگر وضع کی ضمیر سے حال ہو تو پھر تعریف یہ ہو گی کلمہ ایسے لفظ کو کہا جاتا ہے جو کہ کسی معنی کے مقابلہ میں موضوع ہو دراں حالیکہ وہ لفظ مفرد ہو۔ اور اگر معنی سے حال ہو تو پھر تعریف یہ ہو گی کلمہ ایسے لفظ کو کہا جاتا ہے جو موضوع ہو معنی کے مقابلہ میں درانحالیکہ وہ معنی مفرد ہو۔

سوال مولانا جامی نے تیسرے احتمال کو بیان کرتے ہوئے اپنے اسلوب کو کیوں بدلا ہے حالانکہ ماقبل میں کہا اما مجرور او مرفوع تو اس کے مناسب یہ تھا کہ یہاں پر یوں کہتے او منصوب

جواب وان لم یساعدہ۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ اس بات پر تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ تیسری ترکیب ضعیف ہے کیونکہ یہ رسم الخطی کے موافق نہیں کیونکہ رسم الخطی کا قاعدہ ہے جو چیز منصوب ہو اس کے آخر میں الف لکھتے ہیں جب کہ یہاں پر رسم الخط میں الف مکتوب نہیں بعض شارحین نے اس

کا جواب دیا ہے کہ رسم خط میں الف وہاں لکھا جاتا ہے جہاں صرف منصوب ہونے والا احتمال ہو۔اور بھی شرائط لکھی ہیں جیسے کاشفہ شرح میں احقر نے لکھ دیا ہے چونکہ مفرد میں منصوب ہونے کے علاوہ اور بھی احتمال تھے مجرور اور مرفوع ہونا اس لیے آخر میں الف نہیں لکھا ہوا۔

قال الشارح **فانه مفعول به بواسطة اللام**

مولانا جامیؒ کی غرض ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال آج تک تو یہ بات سنی اور سنائی جا رہی ہے کہ حال ہمیشہ فاعل سے ہوتا ہے یا مفعول سے لیکن معنیً نہ تو فاعل ہے اور نہ مفعول ہے بلکہ مجرور ہے تو یہ ذوالحال کیسے بن سکتا ہے مفردا کے لیے۔

جواب مفعول به میں تعمیم ہے خواہ خواہ وہ بالواسطہ ہو یا بلا واسطہ یہاں پر معنیً مفعول بہ بالواسطہ ہے کہ یہ اور جو بالواسطہ ہو تو اس کو مفعول بہ غیر صریح کہتے ہیں لہذا معنا کا ذوالحال بننا اور مفردا کا اس سے حال واقع ہونا درست ہوا۔

فائدہ سوال معنیً پر دوسرا اعتراض یہ وارد ہے کہ معنیً تو نکرہ ہے اور نکرہ کے ذوالحال ہونے کے لیے چند شرائط ہیں جن شرائط کا تفصیلی بیان تو حال کے بحث میں آئے گا لیکن یہاں پر ایک شرط سمجھیں کہ جب ذوالحال نکرہ ہو تو حال کا ذوالحال پر مقدم کرنا واجب ہوا کرتا ہے جب کہ یہاں پر ایسا نہیں ہے۔

جواب حال ذوالحال نکرہ سے اس وقت مقدم کرنا واجب ہوتا ہے جب ذوالحال مجرور نہ ہو اور یہاں چونکہ ذوالحال مجرور ہے اس لیے حال کا ذوالحال پر مقدم کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ اگر حال کو مقدم کریں تو دو صورتیں ہیں یا حال کو جا مجرور دونوں سے مقدم کیا جائے گا یا صرف مجرور سے اور یہ دونوں باطل ہیں اول اس لیے کہ مجرور خود اپنے جار سے مقدم نہیں تو اس کا تابع بطریق اولی مقدم نہیں ہوسکتا اور ثانی اس لیے کہ باطل ہے کہ اگر حال کو صرف مجرور پہ مقدم کریں تو جار مجرور کے درمیان فاصلہ لازم آئے گا جو کہ درست نہیں۔

فائدہ وما ارسلنك الا كافة للناس سے شبہ نہ کیا جائے کیونکہ کافۃ مجرور سے حال نہیں بلکہ کاف ضمیر خطاب سے حال ہے۔

قال الشارح **ووجه صحته**

مولانا جامیؒ کی غرض ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: یہ ہوتا ہے کہ مفردا کو نہ تو وضع کے ضمیر سے حال بنانا درست ہے اور نہ معنیً سے اس لیے کہ ضابطہ ہے حال اور ذوالحال کے عامل کے درمیان اتصال اور مقانۃ کا ہونا ضروری ہے لیکن یہاں پر مقارنہ نہیں اس لیے کہ لفظ مفرد خواہ وضع کے ضمیر مستتر

سے حال ہو یا معنیً سے حال ہو بعض تقدیر ذوالحال کا عامل وضع ہے اور یہ بات بیان ہو چکی ہے وضع مقدم ہوا کرتی ہے مفرد اور مرکب سے۔ تو لہذا مفرد مرکب ہونا مؤخر ہوا اور مؤخر مقدم کے درمیان اتصال اور مقارنت نہیں ہو سکتی۔

جواب جس کا حاصل یہ ہے کہ وضع اور مفرد کے درمیان اگرچہ مقارنت ذاتیہ نہیں لیکن مقارنت زمانیہ موجود ہے جس طرح کہ حرکت ید مقدم ہوتی ہے حرکت مفتاہ پر یہاں پر تقدم تاخر ذاتی ہے لیکن زمانے کے اعتبار سے مقارنت موجود ہے لہذا وضع اور مفرد دونوں کا زمانہ ایک ہے اور حال کے صحیح ہونے کے لیے صرف مقارنت زمانیہ کا پایا جانا کافی ہے

قال الشارح **قيد الافراد**

سے غیر کلامیۃ تک مولانا جامی کے غرض اس عبارت سے کلمہ تعریف میں جو مفرد کا لفظ ہے اس قید کے فائدے کا بیان کرنا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ صاحب کافیہ نے کلمہ کے تعریف میں مفرد کی قید لگا کر مطلقا مرکبات کو کلمہ کے تعریف سے خارج کر دیا گیا ہے عام ازیں کہ وہ مرکبات کلامیہ ہو یعنی مرکبات تامہ زید قائم یا مرکبات غیر کلامیہ ہو یعنی مرکبات ناقصہ ہو جیسے غلام زید۔

قال الشارح **فيخرج به عن حد الكلمة**

تک مولانا جامی کی غرض دو سوالوں کا جواب دینا ہے۔

سوال اول کلمہ کی یہ تعریف جامع نہیں اس لیے کہ الرجل ،قائمة ،بصری اور اس جیسی مثالوں پر صادق نہیں آتی کیونکہ یہ مذکورہ الفاظ مرکب ہیں کہ ان کا جزء لفظ جزء معنیٰ پر دلالت کر رہا ہے اس طرح کہ الرجل میں الف لام تعیین پر اور رجل ذات پر اور اسی طرح قائمة بغیر تاء کے

حالت قیام پر دال ہے۔ اور تاء دال ہے تانیث پر اور بصری میں بصرہ معین شہر پر دال ہے اور آخر میں یاء نسبت پر دال ہے تو ان پر یہ تعریف صادق نہ آئی حالانکہ ان میں کلمہ ہونے کہ علامت پائی جاتی ہے وہ ایک اعراب کا جاری ہونا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلمات ہیں۔

جواب اگر یہ الفاظ مذکورہ کلمہ کی تعریف سے خارج ہوتے ہیں تو خارج ہونے دیا جائے باقی رہے یہ اشکال کہ ان الفاظ مذکورہ میں کلمہ کی والی علامت پائی جاتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ شدت اتصال کی وجہ سے ان کو لفظ واحد شمار کرتے ہوئے ان پر اعراب واحد جاری کر دیا گیا باوجودیکہ حقیقتاً کلمہ نہیں۔

سوال اس جواب پر سوال ہوگا کہ اگر ان الفاظ مذکورہ میں شدت اتصال کا لحاظ نہ کیا جائے تو ان پر دو اعراب جاری ہوسکیں گے حالانکہ ان میں دو اعراب جاری ہو نہیں سکتے اس لیے کہ ان میں ایک جز تو ایسی ہے کہ وہ اعراب کے مستحق نہیں مثال الرجل میں الف لام اس طرح باقی الفاظ میں قائمة اور بصری میں جزء اول تو اعراب کے مستحق ہے لیکن جزء ثانی اعراب کے مستحق ہی نہیں ہے۔

جواب باعراب واحد س یمراد بکیفیة واحدة ہے یعنی اگر شدت اتصال نہ ہوتا تو یہ متکیف بکیفیتین ہوتیں۔(۱) بناء (۲) اعراب۔ چونکہ ان میں شدت اتصال ہے اس لیے یہ متکیف بکیفیة واحد ہ ہے۔

سوال ثانی کلمہ کی یہ تعریف دخول غیر سے مانع نہیں اس لیے کہ لفظ عبداللہ حالت علمی میں کلمہ کی تعریف میں داخل ہو جاتا ہے اس لیے کہ لفظ عبداللہ حالت علمی میں ایک ذات معینہ مراد ہوا کرتا ہے تو اس وقت لفظ کی جزء معنی کی جزء پر دال نہ ہوئے۔ لہذا عبداللہ مفرد ہوا باوجود یہ کہ اس میں مرکب ہونے کی علامت پائی جاتی ہے وہ دو اعراب کا جاری ہونا ایک مضاف پر اور دوسرا مضاف الیہ پر۔

جواب مولانا جامی نے اس کا جواب بقی عبد الله سے دیا اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر لفظ عبداللہ حالت علمی میں کلمہ کی تعریف داخل ہوتا ہے تو داخل ہونے دیا جائے باقی رہی یہ بات کہ اس میں مرکب ہونے والی علامت یعنی دو اعراب کا جاری ہونا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اعلام میں کبھی کبھی وضع سابق کا لحاظ کرتے ہوئے دو اعراب جاری کر دیا جاتے ہیں اور لفظ

عبداللہ علم ہونے سے قبل چونکہ مرکب اضافی تھا تو اس مرکب اضافی کا لحاظ کرتے ہوئے دو اعراب جاری کر دیے ہیں۔

قولہ ولا یخفی علی الفطن سے ما اوردہ تک مولانا جامی کی غرض صاحب کافیہ پر اعتراض کرنا ہے جس سے پہلے ایک بات سمجھ لی جائے کہ علم نحو کی غرض لفظ عربی کے احوال کی پہچان ہے معرب اور مبنی کے لحاظ سے اسی طرح مرفوع اور منصوب اور مجرور ہونے کے لحاظ سے لہذا علم نحو کے اندر لفظ کی رعایت ہونی چاہیے معنی کی نہیں۔ اور قائمۃ، اور بصری ان کے لفظ کی جزء معنی جزء پر دلالت کر رہی ہے اور لفظ عبداللہ میں نہیں اور یہ بات بھی سمجھ لی جائے کہ الرجل، قائمۃ اور بصری لفظ کے اعتبار سے مفرد ہیں کیونکہ دو لفظ ہیں ایک عبد اور دوسرا لفظ اللہ لیکن معنی کے اعتبار سے ایک ہے۔ اب اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ صاحب کافیہ نے جو کلمہ کے تعریف کی ہے اس میں دو خرابیاں اور دو فساد لازم آتے ہیں پہلی خرابی اور فساد یہ ہے کہ الرجل اور قائمہ اور بصری جیسے الفاظ کو معنی کا لحاظ کرتے ہوئے خارج کر دیا ہے حالانکہ لفظ کا اعتبار کر کے داخل کرنا چاہیے تھا کیونکہ نحویوں کا مقصود الفاظ کی رعایت کرنا ہے نہ کہ معنی کی دوسرے خرابی اور فساد یہ ہے کہ لفظ عبداللہ کو معنی کے لحاظ کر کے داخل کر دیا حالانکہ نحوی غرض کے اعتبار سے لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے اس کو خارج کرنا چاہیے تھا لہذا جو الفاظ خروج کے مستحق تھے ان کو داخل کر دیا اور جو داخل ہونے کے مستحق تھے انہیں خارج کر دیا۔

جواب صاحب کافیہ کی طرف سے مولانا جامی کو جواب دیا گیا ہے کہ آپ کا یہ کہنا کہ نحو میں فقط لفظ کی رعایت ہوا کرتی ہے یہ بات غلط ہے بلکہ لفظ عربی سے بحث کرنا ہوتی ہے۔ اس حیثیت سے کہ وہ موضوع للمعنی ہے تو لہذا علم نحو کی غرض میں جیسے لفظ کو دخل ہے اسی طرح معنی کو بھی دخل ہے۔

قولہ وما اوردہ سے واعلم تک مولانا جامی کی غرض صاحب مفصل نے کلمہ کی جو تعریف کی ہے اس پر تبصرہ کرنا ہے کہ اس تعریف میں ایک خوبی ہے اور ایک نقصان ہے کہ صاحب مفصل نے کلمہ کی یہ تعریف کی ہے کہ الکلمۃ لفظۃ دالۃ علی معنی مفرد بالوضع اور صاحب کافیہ نے کلمہ کی تعریف کی ہے الکلمۃ لفظ وضع لمعنی مفرد۔ مولانا جامی فرماتے ہیں کہ صاحب

مفصل کا بیان کردہ تعریف کلمہ میں ایک فائدہ اور خوبی ہے اور ایک نقصان ہے، فائدہ تو یہ ہے کہ جوالفاظ کلمہ کی تعریف سے خارج ہونے کے مستحق تھے ان کو لفظة کے تاء سے خارج کر دیا ہے جیسے لفظ عبداللہ حالت علمی میں کلمہ کی تعریف سے خارج ہونے کے مستحق تھے تو ان کو تاء کے ذریعہ سے خارج کر دیا اور نقصان یہ ہے جوالفاظ شدت اتصال کی وجہ سے داخل ہونے کے مستحق تھے جیسے الرجل اور القائمة اور بصری ان کو معنی کے ساتھ مفرد کی قید لگا کر کلمہ کی تعریف سے خارج کر دیا ہے اگر صاحب مفصل معنی کے ساتھ مفرد کی قید نہ لگاتے تو زیادہ بہتر تھا اس لیے کہ جوالفاظ خروج کے مستحق تھے وہ بھی خارج ہو جاتے اور جو دخول کے مستحق تھے وہ داخل ہو جاتے بخلاف صاحب کافیہ کے کہ اس میں دو نقصان اور دو خرابیاں ہیں۔

(۱) کہ صاحب کافیہ نے معنی کا لحاظ کرتے ہوئے ان الفاظ کو خارج کر دیا جو داخل ہونے کے مستحق تھے۔

(۲) اور معنی کا لحاظ کرتے ہوئے ان الفاظ کو داخل کر دیا جو خارج ہونے کے مستحق تھے۔ لہذا صاحب مفصل کی بیان کردہ تعریف میں ایک نقصان اور خرابی ہے بخلاف صاحب کافیہ کے کہ اس کی تعریف میں دو نقصان ہیں۔

جواب صاحب مفصل نے لفظ کا اعتبار بھی کیا اور معنی کا بھی، لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے عبداللہ جیسے الفاظ کو حالت علمی میں کلمہ کی تعریف سے خارج کر دیا اور معنی کا لحاظ کرتے ہوئے الرجل اور قائمة کو خارج کر دیا مفرد کی قید لگا کر بخلاف صاحب کافیہ کے کہ انہوں نے صرف معنی کا لحاظ کیا لفظ کا لحاظ نہیں کیا صاحب کافیہ کی طرف سے جواب دے دیا گیا ہے

قال الشارح واعلم ان الوضع

مولانا جامیؒ کی غرض ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال صاحب مفصل نے کلمہ کی تعریف میں دلالت کا ذکر کیا ہے جب صاحب کافیہ نے دلالت کا ذکر نہیں کیا اب سوال یہ ہے کہ دلالت کلمہ کی تعریف میں معتبر ہے یا نہیں اگر معتبر ہے تو صاحب کافیہ نے ذکر کیوں نہیں کیا جس سے کلمہ کی تعریف کا ناقص ہونا لازم آتا ہے اور اگر معتبر نہیں تو صاحب مفصل نے کیوں ذکر کیا ہے جس سے تعریف کا لغو اور بے فائدہ لفظ پر

مشتمل ہونا لازم آتا ہے۔

جواب جواب سے پہلے ایک فائدہ جان لیں وہ یہ ہے کہ وضع دلالت کو مستلزم ہے لیکن دلالت وضع کو مستلزم نہیں، وضع دلالت کو مستلزم ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ دلالت کہا جاتا ہے کون شئ بحیث یفهم منه شئ آخر۔ کسی چیز کا اس حیثیت سے ہونا کہ اس سے شئ آخر سمجھی جائے تو پہلے شئ دال ہے اور دوسری شئ مدلول ہوگی اور اس نسبت کا نام دلالت ہے اور وضع کی تعریف میں یہ کہا گیا ہے کہ تخصیص شئ بشئ جس میں شئ اول سے شئ ثانی کا سمجھنا بھی دلالت ہے لہذا وضع پائی جائے گی وہاں دلالت کا پایا جانا ضروری ہے لیکن دلالت وضع کو مستلزم نہیں۔ اس لیے کہ دلالت میں تعمیم ہے کہ دلالت بالطبع ہو یا دلالت بالعقل ہو یا دلالت بالوضع ہو۔ اور دلالت بالوضع میں تو دونوں چیزیں موجود ہیں دلالت بھی ہے اور وضع بھی ہے لیکن دلالت طبعیہ اور دلالت عقلیہ میں دلالت تو ہے لیکن وضع موجود نہیں اب جواب کا حاصل یہ ہے کہ کلمہ کی تعریف میں دلالت معتبر ہے باقی رہا یہ اشکال صاحب کافیہ نے دلالت کا ذکر کیوں نہیں کیا اس کا جواب یہ ہے کہ صاحب کافیہ نے کلمہ کی تعریف میں ابتداء وضع کو ذکر کیا ہے۔ اور چونکہ وضع کا ذکر دلالت کے ذکر کو مستلزم تھا اس لیے دلالت کو ذکر نہیں کیا بخلاف صاحب مفصل کے انہوں نے کلمہ کی تعریف میں ابتدا دلالت کو ذکر کیا ہے۔ اور دلالت چونکہ وضع کو مستلزم نہیں تھا اس لیے بعد میں وضع کو ذکر کرنا پڑا۔

قوله ﴿وهى اسم وفعل وحرف﴾

کلمہ کی تعریف کے بعد صاحب کافیہ کلمہ کی تقسیم بیان کر رہے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ کلمہ کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) اسم (۲) فعل (۳) حرف

فائدہ تعریف کے بعد تقسیم سے تین فائدے حاصل ہوتے ہیں۔

(۱) تعریف سے شئ کا وجود ذھنی معلوم ہوتا ہے اور تقسیم سے وجود خارجی معلوم ہوتا ہے۔

(۲) تعریف سے شئ کا مفہوم معلوم ہوتا ہے اور تقسیم سے مصداق معلوم ہوتا ہے

(۳) تعریف سے شئ کا اجمالا علم ہوتا ہے اور تقسیم سے شئ کا تفصیلا علم ہو جاتا ہے۔

قال الشارح ای الكلمه

مولانا جامیؒ کی غرض ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال ھی ضمیر کا مرجع کیا ہے جس میں دو احتمال ہیں۔

(۱) کلمہ کی طرف راجع ہو۔ (۲) مفہوم کلمہ کی طرف راجع ہو کلاھما باطلان لفظ کلمہ کی طرف راجع کرنا اس لیے باطل ہے کہ لفظ کلمہ اسم ہے یہ تقسیم اسم کے ہوگی کہ اسم کی تین قسمیں ہوں گی اسم ہے اور فعل ہے اور حرف ہے اس سے تقسیم الشئ الی نفسہ والی غیرہ کی خرابی لازم آئے گی اور مفہوم کلمہ کا مرجع ہونا اس لیے باطل ہے کہ راجع مرجع میں مطابقت نہیں رہتی کہ مفہوم کلمہ تو مذکر ہے جب کہ ضمیر مؤنث ہے۔

جواب اول ھی ضمیر کا مرجع لفظ کلمہ ہے لیکن تقسیم باعتبار مفہوم کلمہ کے ہے لہذا راجع مرجع میں مطابقت ہوگی اور تقسیم الشئ الی نفسہ والی غیرہ کی خرابی بھی لازم نہیں آئے گی۔

جواب ثانی ضمیر کا مرجع مفہوم کلمہ ہے اور یاد رکھیں ہر لفظ کا مفہوم مذکر نہیں ہوتا بلکہ مفہوم لفظ۔ لفظ کے تابع ہوتا ہے اگر لفظ مذکر ہو تو مفہوم بھی مذکر ہوگا اور اگر لفظ مؤنث ہو تو مفہوم بھی مؤنث ہوگا یہاں چونکہ لفظ کلمہ مؤنث ہے تو مفہوم بھی مؤنث ہوگا۔ تو لہذا راجع مرجع مطابقت پائی گئی۔

قولہ **ای منقسمۃ** یہ عبارت تین سوالات مقدرہ کا جواب ہے۔

سوال اول کہ ھی ضمیر مبتداء ہے اسم و فعل و حرف خبر ہے، ٹھیک ہے یہاں مبتداء خبر کے درمیان میں تذکیر و تانیث کے مطابقت کی شرائط موجود نہیں۔ لیکن پھر بھی شرائط نہ ہونے کے باوجود مبتداء اور خبر میں مطابقت مستحسن اور مستحب ہے یہاں پر اس استحباب کو ماتنؒ نے کیوں ترک کیا۔

سوال ثانی یہ ضمیر مبتداء ہے اور اسم و فعل و حرف بذریعہ عطف خبر ہے حالانکہ ان کا خبر ہونا درست نہیں کیونکہ خبر کا مبتداء پر حمل ہوتا ہے اور اسم و فعل و حرف کا مبتداء پر حمل درست نہیں۔ اس لیے کہ الکلمہ جنس ہے اور اسم و فعل و حرف نوع ہے اور نوع کا حمل جنس پر نہیں ہوسکتا ہے کیونکہ الحیوان انسان کہنا درست نہیں بلکہ جنس کا حمل نوع پر ہوتا ہے

سوال ثالث قاعدہ الضمیر اذا داربین الخبر والمرجع فرعایب الخبر اولی من المرجع۔ کہ جب ضمیر خبر اور مرجع کے درمیان دائر ہو تو خبر کے رعایت کے جاتے ہے مرجع کا

نہیں عقلی طور پر چار احتمال ہیں۔

(۱) مرجع اور خبر دونوں مذکر ہو تو ضمیر مذکر ہوتی ہے۔

(۲) مرجع اور خبر دونوں مؤنث ہوں تو ضمیر مؤنث ہوتی ہے۔

(۳) مرجع مذکر اور خبر مؤنث ہو تو ضمیر مؤنث لانی چاہیے۔

(۴) مرجع مؤنث خبر مذکر ہو تو ضمیر مذکر لانا چاہیے۔

یہاں پر مصنف نے مرجع کی رعایت کرتے ہوئے ضمیر مؤنث لائے ہیں حالانکہ خبر کے رعایت کرتے ہوئے ضمیر کو مذکر ہو لانا چاہیے تھا کیونکہ وہ مفید للسامع ہے اور داخل فی الکلام ہے۔

سوال اول کا جواب: کہ ہم تسلیم ہی نہیں کرتے کہ خبر اسم و فعل و حرف ہے بلکہ اس کی خبر محذوف ہے جو منقسمۃ الی ھذہ الاقسام اور پھر خبر بمع متعلقات حذف کر کے اسم و فعل و حرف کو اس کی جگہ رکھ دیا۔

سوال ثانی کا جواب: کہ جب خبر منقسمۃ محذوف ہے لہذا حمل النوع علی الجنس کی خرابی لازم نہیں آئے گی۔

سوال ثالث کا جواب: کہ جب خبر منقسمۃ محذوف ہے تو یہ اعتراض بھی مندفع ہوا کہ ماتن علیہ الرحمۃ نے مرجع کی رعایت کی ہے۔ خبر کی نہیں بلکہ خبر ہی کہ رعایت کرتے ہوئے ضمیر مؤنث لائے ہیں۔

فائدہ سوال ماتن علیہ الرحمۃ کی تقسیم باطل ہے کیونکہ اقسام کے درمیان حرف عطف واؤ کو لایا گیا ہے اور واؤ جمع سے کئی چیزوں کو جمع کیا جائے تو وہ لفظ جمع کی طرح ہوا کرتا ہے جیسے مسلمون کہا جائے یا یوں کہا جائے مسلم و مسلم و مسلم ان میں فرق نہیں اب اس قاعدہ کی بناء پر مطلب یہ ہوگا کہ کلمہ اسم اور فعل اور حرف کے مجموعے کا نام ہے یعنی یہ مجموعہ مل کر کلمہ کی قسم ہے، ہر ایک علیحدہ علیحدہ قسم نہیں حالانکہ ہر ایک کلمہ کا علیحدہ مستقل قسم ہے لہذا یہ تقسیم باطل ہے۔

جواب جس سے پہلے ایک فائدہ جان لیں۔

فائدہ کہ تقسیم دو قسم پر ہے۔

(۱) تقسیم الکلی الی الجزئیات جیسے انسان کی تقسیم زید، عمرو، بکر، وغیرہ کی طرف۔

(۲) تقسیم الکل الی الاجزاء جیسے البیت سقف وجدران اور جیسے السکنجبین ماء وخل وعسل ان دونوں میں تین فرق ہیں۔

(۱) شئ کی جزئیات شئ سے خارج ہوتی ہیں جب کہ اجزاء شئ کی شئ میں داخل ہوتی ہیں۔

(۲) کلی کا حمل جزئیات میں سے ہر ہر جزئی پر ہوتا ہے جیسے کہا جائے الانسان حیوان اسی طرح الفرس حیوان لیکن کل کا حمل اس کے اجزاء میں سے ہر ہر جزء پر نہیں ہوتا، یوں نہیں کہا جاتا کہ السکنجبین ماء۔

(۳) تقسیم الکلی الی الجزئیات میں حکم مقدم ہوتا ہے عطف مؤخر ہوتا ہے۔

اور تقسیم الکل الی الاجزاء میں عطف مقدم ہوتا ہے اور حکم مؤخر ہوتا ہے جیسے السکنجبین ماء وخل وعسل اس کا ترجمہ یہ ہوگا کہ شکنجی پانی اور سرکہ اور عسل ہے۔ یوں نہیں کہیں گے کہ شکنجی پانی ہے اور سرکہ ہے اور شہد ہے یعنی لفظ (اور) یہ عطف کا معنی ہے جو کہ مقدم اور لفظ (ہے) جو کہ حکم کا معنی ہے یہ مؤخر ہے اور تقسیم کلی کے مثال الانسان زید وعمرو وبکر اس میں حکم مقدم ہے کہ انسان زید ہے اور عمرو ہے اور بکر ہے۔ اس میں حکم لفظ (ہے) جو مقدم ہے اور عطف جو لفظ (اور) ہے وہ مؤخر ہے اور جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہ سوال آپ تب وارد ہوتا جب یہ تقسیم الکل الی الاجزاء ہوتی حالانکہ یہ تقسیم الکلی الی الجزئیات ہے جس میں حکم مقدم ہوتا ہے عطف مؤخر ہوتا ہے۔ اب ترجمہ اس طرح ہوگا کہ وہ کلمہ اسم ہے اور فعل ہے اور حرف ہے لہذا ہر ایک کا حمل کلمہ پر ہوگا اور کلمہ کا ہر ایک پر اطلاق ہوگا۔

فائدہ سوال کہ اقسام کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) اقسام اولیہ (۲) اقسام ثانویہ۔

اقسام اولیہ کی تعریف: ایسے اقسام کو کہا جاتا ہے جو شئ کے تقسیم کرنے سے بلاواسطہ حاصل ہو۔

اقسام ثانویہ کی تعریف: یہ ایسے اقسام کو کہا جاتا ہے جو شئ کے قسموں واسطے سے حاصل ہو۔ اب سوال ہوتا ہے کہ کلمہ کے اقسام ثلاثہ کون سے اقسام ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ کلمہ کہ یہ اقسام اقسام اولیہ ہیں تو اقسام اولیہ تو کلمہ کے تو صرف دو ہیں

(۱) دال علی المعنی فی نفسها ای مستقل۔

(۲) غیر دال علی معنی فی نفسها ای غیر مستقل اور اگر یہ کہا جائے کہ کلمہ کہ یہ اقسام اقسام ثانویہ ہے تو کلمہ کے اقسام ثانویہ تین نہیں بلکہ تین سے زائد ہیں یعنی معرب اور مبنی ہونا اسی طرح مرفوع اور منصوب اور مجرور ہونا یہ بھی کلمہ کے اقسام ہیں جو قسموں کے واسطے حاصل ہوتے ہیں تو الحاصل کہ یہاں اقسام سے کونسے اقسام مراد ہیں۔

جواب: یہ اقسام نہ تو کلمہ کے اقسام اولیہ ہونے کے اعتبار سے ہیں اور نہ ہی ثانویہ ہونے کے اعتبار سے بلکہ اسم اور فعل اور حرف کا کلمہ کے اقسام ثلاثہ ہونا مختلفۃ الاحوال ہونے کے ساتھ ساتھ کلام کا مادہ تام ہونے یا نہ ہونے کے اعتبار سے چنانچہ اسم کلام کا مادہ تام ہے کیونکہ کلام کے دونوں جزئیں بن سکتا ہے مسند اور مسند الیہ اور فعل کلام کا مادہ ناقصہ ہے کیونکہ یہ مسند تو بن سکتا ہے مسند الیہ نہیں اور حرف کلام کا نہ تو مادہ تامہ ہے اور نہ مادہ ناقصہ کیونکہ نہ یہ مسند بن سکتا ہے اور نہ مسند الیہ تو لہذا یہ مخلف الاحوال ہونے کے ساتھ ساتھ کلام کا مادہ تامہ ہونے یا نہ ہونے کے اعتبار سے ہے۔ کہ کلمہ کی تین قسمیں ہیں اسم کلام کا مادہ تامہ ہے اور فعل کلام کا مادہ ناقصہ ہے اور حرف کلام نہ مادہ تامہ ہے اور نہ مادہ ناقصہ۔

قال الشارح **وھی منحصرہ فیھا**

شارح علیہ رحمۃ کی غرض لانھا کا متعلق بتانا ہے برائے دفع دخل مقدر۔

سوال: لانھا سے دلیل حصر کا بیان ہے اور دلیل حصر تقاضا کرتی ہے دعویٰ حصر کا جو کہ یہاں مذکور نہیں تو دلیل کا ہے کی۔

جواب: لانھا میں جار مجرور کا متعلق منحصرۃ مقدر ہے لہذا اب دعویٰ حصر بھی مذکور ہو گیا جس کے لیے دلیل حصر کا ذکر کرنا درست ہوا، کہ کلمہ منحصر ہے اقسام ثلاثہ میں۔

فائدہ سوال اس بات پر قرینہ کیا ہے کہ یہاں پر منحصرۃ مقدر ہے۔

جواب: کا حاصل یہ ہے کہ مقام بیان میں سکوت کرنا یہ حصر ہوتا ہے کہ قاعدہ ہے کہ السکوت فی معرض البیان بیان تو ماتن علیہ الرحمۃ کا تقسیم کے مقام میں اقسام ثلاثہ کو بیان کرنے کے بعد خاموش ہونا قرینہ ہے اس بات پر کہ کلمہ منحصر ہے اقسام ثلاثہ میں۔

سوال: لانھا جار کا مجرور کا متعلق منقسمۃ کیوں نہیں بنایا جا سکتا۔

جواب: لانها یہ دلیل ہے اور منقسمة تقسیم ہے اور تقسیم تصورات کے قبیل سے ہے اور دلیل تصورات کے قبیل سے نہیں بلکہ تصدیقات کے قبیل سے ہوا کرتی ہے لہذا اس کا متعلق ایسے چیز کو بنایا جا سکتا ہے جو تصدیقات کے قبیل سے ہو اور وہ منحصرة ہے۔

سوال: حصر کی چار قسمیں ہیں (۱) حصر عقلی (۲) حصر قطعی (۳) حصر استقرائی (۴) حصر جعلی۔

وجه حصر: کہ صرف اقسام کے مفہوم کا ملاحظہ کرنا جزم بالانحصار کے لیے کافی ہوگا یا نہیں اگر کافی ہو تو یہ حصر عقلی ہوگا اس کی علامت اور نشانی یہ ہے کہ یہ اثبات اور نفی کے درمیان دائر ہوتا ہے۔ اور اگر صرف اقسام کے مفہوم کا ملاحظہ جزم بالانحصار کے لیے کافی نہ ہو تو یہ تین حال سے خالی نہیں۔ یا تو وہ دلیل کی طرف احتیاجی ہوگی یا تتبع اور تلاش کی طرف احتیاجی ہوگی یا قاسم یعنی تقسیم کنندہ کی طرف احتیاجی ہوگی۔ اگر دلیل کی طرف ہے تو یہ حصر قطعی ہے اور اگر تتبع اور تلاش کی طرف احتیاجی ہوگی تو یہ حصر استقرائی ہے اور اگر تقسیم کنندہ کی طرف احتیاجی ہوگی تو یہ حصر جعلی ہے۔ اب سوال کا حاصل یہ ہوگا کہ کلمہ کے انحصار ثلاثہ میں ان چاروں قسموں میں سے کون سی قسم ہے۔

جواب: اس میں شارحین کے دو قول ہیں۔

قول اول: یہ حصر عقلی ہے اس پر سوال ہوتا ہے کہ حصر عقلی تو نفی اور اثبات کے درمیان دائر ہوتا ہے جبکہ یہاں پر نفی اور اثبات کے اعتبار سے کلمہ کی صرف دو قسمیں نکل آتی ہیں (۱) دالـــه علی معنی فی نفسها (۲) غیر داله علی معنی فی نفسها تین نہیں بنتی لہذا حصر عقلی کہنا غلط ہے۔

جواب: کہ در حقیقت ایک تقسیم دو تقسیموں کی قوت میں ہے پہلی تقسیم الکلمة اما اسم اولیس باسم دوسری تقسیم مالیس باسم امافعل اولیس بفعل تو ہر دونوں تقسیمیں دائر ہو گئیں نفی اور اثبات کے درمیان۔

قول ثانی: کہ یہ حصر قطعی ہے اس لیے کہ الکلمة اما اسم اولیس باسم اور ما لیس باسم امافعل اولیس بفعل اور لیس بفعل کا حرف میں بند ہونا یہ دلیل کی طرف احتیاجی ہے اور یہی حصر قطعی ہے اور یہ چونکہ دلیل کی طرف محتاج ہوا کرتا ہے اس لیے ماتن صاحب کافیہ لانهـا سے

دلیل کو بیان کرر ہے ہیں۔

قولہ لانھا ای الکلمۃ مولانا جامیؒ کی غرض ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: دلیل اور دعویٰ میں مطابقت نہیں کیونکہ دلیل میں دلالت کا ذکر ہے اور کلمہ کی تعریف جو دعویٰ ہے اس میں دلالت کا ذکر نہیں۔

جواب: مطابقت موجود ہے کیونکہ تعریف کلمہ میں وضع کا ذکر ہے اور وضع مستلزم ہے دلالت کو لھذا دعویٰ میں بھی دلالت کا ذکر ہوا۔

قولہ اما من صفتھا ایک مشہور سوال کا جواب ہے۔

سوال: لانھا میں ھا ضمیر جو ان کا اسم ہے یہ کلمہ کے طرف راجع ہونے کی وجہ سے ذات ہے۔ ان تدل بتاویل مصدر اَن کی خبر ہے تو لازم آیا وصف کا حمل ذات پر جو کہ جائز نہیں ہوتا اس کے متعدد جواب دیے گئے ہیں سب سے پہلے وہ جواب جو مولانا جامی کو پسند تھا وہ نقل کرر ہے ہیں۔

مولانا جامی کا جواب اس کا حاصل یہ ہے کہ ان تدل خبر نہیں بلکہ مبتداء مؤخر ہے جسکی خبر من صفتھا مقدر ہے۔ اور یہ مبتداء خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر پھر خبر ہے اَن کی اور قاعدہ یاد رکھیں جملہ من حیث الجملہ ذات مع الوصف ہوا کرتا ہے اور ذات مع الوصف کا حمل ذات پر جائز ہوا کرتا ہے۔ اب عبارت کا حاصل یہ ہوگا الکلمۃ اما صفتھا الدلالۃ علی معنیً فی نفسھا اوصفتھا عدم الدلالۃ علی معنیً فی نفسھا۔

سوال: کلمہ من کو زائد کیوں کیا ہے۔

جواب: کلمہ من کو زائد کرکے اس بات پر تنبیہ کردی کہ کلمہ کے جملہ اوصاف دلالت و عدم دلالت اور اقتران بالزمان اور عدم اقتران بالزمان میں بند نہیں بلکہ اس کے اور بھی اوصاف ہیں۔ یہاں پر من تبعیضیہ ہے یعنی کلمہ کے یہ بعض اوصاف ہیں۔

جواب ثانی یہاں مضاف لفظ حال محذوف ہے اسم کی جانب میں۔ اب تقدیر عبارت یہ ہوگی ان حالھا اما ان تدل الخ۔ تو اب دلالت کا حمل کلمہ پر نہیں ہوگا بلکہ کلمہ کی حالت پر ہوگا۔ اور حالت بھی چونکہ کلمہ کی ایک وصف ہے۔ لہذا وصف کا حمل وصف پر ہوگا جو کہ صحیح ہے۔

جواب ثالث کہ یہاں مضاف لفظ دلالت اسم کی جانب میں محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی

لان دلالتها اما ان تدل۔ اب دلالت کا حمل دلالت پر ہوگا جو کہ وصف کا حمل وصف پر ہوا۔

جواب رابع کہ اسم کی بجائے خبر میں تاویل کرتے ہیں کہ خبر کی جانب میں لفظ ذات مضاف محذوف ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہوگی لانہا اما ذات دلالتھا علی معنیً فی نفسھا۔ اب معنی یہ ہوگا کہ کلمہ یا تو ذو دلالت علی معنیً فی نفسھا ہوگا یا ذو دلالت علی معنیً فی نفسھا نہیں ہوگا۔ اس صورت میں ذات مع الوصف کا حمل ہوگا ذات پر جو کہ جائز ہے۔

جواب خامس کہ ان تدل مصدر تاویلی ہو کر اسم فاعل دالۃ کے معنی میں ہے اور اسم فاعل چونکہ ذات مع الوصف ہوتا ہے اور ذات مع الوصف کا حمل ذات پر جائز ہوا کرتا ہے۔

جواب سادس میر سید شریف نے جواب دیا ہے کہ یہاں پر کسی لفظ کو مقدر ماننے کے ضرورت نہیں۔ مصدر کی دو قسمیں ہیں مصدر حقیقی اور مصدر تاویلی۔ اور وہ جو ضابطہ ہے کہ مصدر کا حمل ذات پر نہیں ہوتا وہ ضابطہ مصدر حقیقی کے بارے میں ہے اور یہاں پر مصدر تاویلی ہے جس کا حمل ذات پر جائز ہوتا ہے۔

اجوبہ خمسہ پر تبصرہ: پہلے دونوں جواب مرجوح ہیں جن کی ایک وجہ مشترک یہ ہے کہ حمل کی خرابی جب خبر میں ہے تو محذوف بھی اور تصرف خبر کے طرف ماننا چاہیے نہ کہ اسم کی جانب میں۔ یہ تو ایسے ہے کہ قصور کسی اور کا اور سزا کسی اور کو،

پہلے جواب کے مرجوح ہونے کے دوسری وجہ یہ ہے۔ اس تاویل میں تقسیم حال کلمہ کی ہوگی حالانکہ مقصود نفس کلمہ کی تقسیم ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اس تاویل میں کلمہ کے احوال کا منحصر ہونا لازم آئے گا دلالت اور عدم دلالت میں حالانکہ کلمہ کے اور بھی بہت سارے احکام ہیں اور دوسرے جواب کے مرجوح ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ مابعد کے اندر اولا تدل کے اندر یہ جواب جاری نہیں ہوسکتا کیونکہ اولا تدل بالواسطہ عطف کے خبر ہے اَنّ کی جس کا حاصل عدم دلالت ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی لان دلالتھا اما عدم الدلالۃ تو لازم آئے گا عدم دلالت کا حمل دلالت پر جو کہ اجتماع ضدین اور متنافین ہے۔

تیسرے جواب کہ مرجوح ہونے کہ وجہ یہ ہے کہ اس میں مجاز فی المجاز کی خرابی لازم آتی ہے کہ پہلے مضارع کو مصدر میں کے تاویل ہی کرنا پھر مضارع کو اسم فاعل کے تاویل ہی کرنا یہ

مجاز در مجاز ہوگا۔

جواب چہارم کے مرجوح ہونے کے وجہ یہ ہے کہ محققین نے اس فرق کو تسلیم نہیں کیا بلکہ ان کے نزدیک جس طرح مصدر حقیقی کا حمل ذات پر صحیح نہیں ہوتا اسی طرح مصدر تاویلی کا بھی جائز نہیں ہوتا۔

پانچویں جواب کے مرجوح ہونے کے وجہ یہ ہے کہ لفظ ذو محذوف ماننے میں سے خبر ذات بن جائے گی حالانکہ خبر میں صفت ملحوظ ہوا کرتی ہے۔

دوسری وجہ مرجوح ہونے کی یہ ہے کہ ذو ان مصدر یہ کے مقتضیٰ کے بھی خلاف ہے کیونکہ ان مصدر یہ ذات کو وصف بنانا چاہتا ہے اور لفظ ذو مصدر کو ذات بنانا چاہتا ہے لہذا جب یہ اجوبہ خمسہ مرجوح ہوئے تو مولانا جامی نے جو جواب نقل کیا ہے وہی راجح ہوا۔

قال الشارح کائن فی نفسھا

سے شارح علیہ رحمۃ نے فی نفسھا کی ترکیب بتادی کہ فی نفسھا ظرف مستقر ہو کر کائن کے متعلق ہے جس سے رضی اور فاضل ہندی پر رد بھی مقصود ہے وہ اس طرح کہ رضی نے کہا کہ فی نفسھا ظرف لغو ہے جو ان تدل کے متعلق ہے۔ شارحؒ نے رد کر دیا کہ ظرف لغو نہیں بلکہ مستقر ہے کیونکہ ظرف لغو بنانے کے صورۃ میں دو فساد لازم آتے ہیں۔ (۱) مجاز کا ارتکاب کرنا پڑے گا کہ فی کے بمعنی باء یا بمعنی علی کے کرنا پڑتا ہے اس لیے کہ دلالت کا صلہ باء یا علی ہوتا ہے۔ اور تعریف میں مجاز کا ارتکاب کرنا جائز نہیں ہوتا کیو کہ کہ تعریف سے وضاحت مقصود ہوتی ہے اور مجاز میں ابہام ہوتا ہے۔

(۲) دوسری وجہ کہ موصوف صفت کے درمیان فاصلہ بالاجنبی لازم آتا ہے اس لیے کہ معنی موصوف ہے اور فی نفسھا کی صفت ہے اس طرح لفظ کائن نکال کر شارح ہندی پر رد بھی کر دیا کہ اس نے فی نفسھا کو ظرف مستقر مان کر معنیٰ سے حال بنایا ہے اور کائنا کو بناء پر حالت منصوب پڑھتے ہیں اس کا ردیوں ہوتا ہے کہ تعریف میں عموم وشمول اور اطلاق اصل ہے اور حال ہونا اس کے منافی ہے کہ جو حال عامل ذوالحال کے لیے قید ہوا کرتا ہے۔

قال الشارح والمراد بالکون

مولانا جامیؒ کی غرض ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: فی نفسها کا ذکر بے فائدہ ہے اس لیے کہ فی نفسہا کا مطلب یہ بتانا ہے کہ معنی کلمہ کا مدلول ہے حالانکہ یہ مقصود ان تدل سے بھی حاصل ہوتا ہے۔

جواب: فی نفسها کا مطلب یہ ہے کہ کلمہ باعتبار ذات کہ اپنے معنی پر دلالت کرے بغیر کسی ضم ضمیمہ کہ اور ان تدل میں فقط یہ ہے کہ اپنے معنی پر دلالت کرے خواہ باعتبار ذات کے ہو یا باعتبار ضم ضمیمہ کے الحاصل ان تدل میں دلالت مطلقہ کا ذکر ہے اور فی نفسها میں دلالت مقیدہ کا ذکر ہے لہذا فی نفسها کا ذکر کرنا بے فائدہ اور مستدرک نہ ہوا۔

قوله **اولا**

قال الشارح من صفتها ان لا تدل علی معنی

شارح علیہ الرحمۃ حاصل عطف بیان کرر ہے ہیں۔

لا کا عطف ہوا ان لا تدل پر اور قاعدہ یہ ہے کہ جو عبارت معطوف علیہ کے متعلق ہوتی ہے وہی عبارت معطوف کے متعلق بھی ہوتی ہے اور جس طرح تدل معطوف علیہ سے پہلے من صفتها مقدر تھا اسی طرح معطوف سے پہلے بھی من صفتها مقدر ہوگا او من صفتها ان لا۔

سوال لا حرف اور تدل جملہ ہے اور لازم آ رہا ہے عطف حرف کا جملہ پر جو کہ جائز نہیں۔

جواب: یہاں عبارت مقدر ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی او من صفتها ان لا تدل لہذا اب جملہ کا جملہ پر عطف ہوا جو کہ جائز ہے اب دلیل حصر کا حاصل یہ ہے کہ کلمہ دو حال سے خالی نہیں یا تو اس کی صفت دلالت علی معنی فی نفسها ہوگی یا اس کے صفت عدم دلالت علی معنی فی نفسها ہوگی تو شق اول دلالت علی معنی فی نفسها ہوئی اور شق ثانی عدم دلالت ہوئی۔

قال الشارح بل علی معنی

سے تعین مراد مصنف کا بیان ہے برائے دفع دخل مقدر۔

سوال: اولا کے تحت دو صورتیں داخل ہیں (۱) کلمہ کے کسی معنی پر سرے سے دلالت ہی نہ ہو جیسے لفظ مہمل (۲) کہ کلمہ کے کسی معنی پر دلالت ہو لیکن معنی مستقل پر دلالت نہ ہو اور مابعد میں کہہ رہے ہیں کہ الثانی الحرف کہ ثانی کو اولا کے تحت داخل کیا تو اولا میں دو صورتیں داخل ہیں جس سے معلوم ہوا کہ دونوں صورتیں حرف ہیں حالانکہ اولا کے تحت جو دو صورتیں داخل ہیں ان میں سے

صرف دوسرے صورت حرف ہے نہ کی پہلی صورت۔

جواب شارح علیہ الرحمۃ نے جواب دیا کہ الثانی الحرف سے مراد اولا کے تحت جو دوسری صورت داخل ہے وہی مراد ہے کہ کلمہ معنی مستقل پر دال نہ ہو۔

قولہ وبجمی سے سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال شق اول میں تھا کہ معنی مستقل بالمفہومیت اور شق ثانی میں تھا معنی غیر مستقل بالمفہومیت ان کے کیا تحقیق ہے مولانا جامی نے جواب دیا کہ اس کی تحقیق اسم کے تعریف میں آئے گی انشاء اللہ تعالی۔

قولہ القسم الثانی الخ متن میں آیا ہے کہ الثانی حرف ہے۔

سوال : کہ ثانی اسم فاعل کا صیغہ ہے تو یہ اسم ہے حرف کیسے کہدیا یا مصنف نے جواب الثانی یہ صیغہ صفت کا ہے جس کا موصوف القسم محذوف اب معنی یہ ہوگا کہ قسم ثانی حرف ہے نیز ایک اور سوال کا جواب بھی ہو گیا جس کا حاصل یہ تھا کہ الثانی کلمہ کے صفت ہے اور کلمہ مؤنث ہے تو موصوف صفت میں مطابقت نہ ہوئی۔

جواب الثانی یہ صفت الکلمہ کی نہیں بلکہ الثانی صیغہ صفت کے لیے القسم موصوف محذوف ہے۔

قال الشارح هو مالا يدل

سے الثانی کے مصداق کا بیان ہے کہ الثانی سے مراد جو تقسیم کے شق ثانی میں مذکور ہے وہ نہیں بلکہ دلیل حصر میں جو ثانی مذکور ہے وہ مراد ہے وہ عدم دلالت علی معنی فی نفسھا ہے۔

قولہ کمن والی حرف کی توضیح بالمثال کا بیان ہے شارح نے حرف کی دو مثال بیان کی ہیں من والی۔

قولہ فان هما يحتاجان اس میں مثال کے انطباق کا بیان ہے کہ من والی حرف کیسے ہیں اس کا حاصل یہ ہے کہ من والی اپنے معنی پر دلالت کرنے میں محتاج ہیں دوسرے کلمہ کی طرف اور ہر وہ کلمہ جو اپنے معنی پر دلالت کرنے میں محتاج ہو دوسرے کلمہ کے طرف وہ حرف ہے لہذا من اور الی حرف ہیں اور من سے مراد ابتداء ہے لیکن مطلق ابتداء نہیں بلکہ خاص ابتداء مراد ہے کہ مطلق ابتداء تو اسم ہوتی اور الی سے مراد انتہا ہے لیکن مطلق انتہا نہیں بلکہ انتہاء خاص مراد ہے۔

قال الشارح ولما سمع الخ

حرف کی وجہ تسمیہ کا بیان ہے حرف کا معنی طرف اور کنارہ ہے جیسے جلست حرف الوادی ای طرف الوادی چونکہ حرف بھی کنارہ اور طرف میں واقع ہوتا ہے اسی وجہ سے اس کا نام حرف رکھ دیا ہے۔

قال الشارح ای جانب المقابل

مولانا جامیؒ کی غرض ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال : عام طور پر حرف وسط کلام میں واقع ہوتا ہے جیسے زید فی الدار۔ وجہ تسمیہ غلط ہوئی

جواب کہ طرف سے مراد جانب مقابل ہے کہ حرف اسم اور فعل کے جانب اور مقابل واقع ہوتا ہے۔ کہ جس طرح اسم اور فعل کلام میں عمدہ واقع ہوتے ہیں۔ حرف عمدہ واقع نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ حرف نہ تو مسند ہوتا ہے اور نہ مسند الیہ۔

قال الشارح القسم الاول وهو مایدل علی معنی فی نفسها

وجہ حصر میں جو شق اول تھی دلالت علی معنی فی نفسها اس کی تفصیل کا بیان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ دو حال سے خالی نہیں یا تو اقتران بالزمان ہوگا یا عدم اقتران بالزمان ہوگا اول کو فعل اور ثانی کو اسم کہتے ہیں۔

سوال : یہاں پر وہی سوال ہوا کہ اول یہ صفت ہے کلمہ کی تو موصوف صفت میں مطابقت نہ ہوئی جواب دیا شارح نے الاول کلمہ کہ صفت نہیں بلکہ اس کا موصوف محذوف ہے القسم لہذا وہ مذکر ہے تو صفت بھی مذکر ہے۔

قوله وهو مایدل الخ سے قسم اول کے مصداق کا بیان ہے کہ دلالت علی معنی فی نفسها مراد ہے۔

اما من صفتها یہ عبارت نکال کر اشکال کو حل کر دیا جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

قال الشارح ذلک المعنی

مولانا جامیؒ کی غرض ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال : یقترن کی هو ضمیر کے مرجع میں دو احتمال ہیں۔ (۱) یہ راجع ہو لفظ اول کی طرف (۲) یہ راجع ہو معنی کی طرف کلاهما باطل لفظ اول کا مرجع بننا اسلیے غلط ہے کہ معنی ہوگا لفظ اول

مقترن ہوتا ہے تینوں زمانوں میں سے کسی زمانے کے ساتھ حالانکہ لفظ اول تو اسم ہے وہ کس طرح مقترن ہوسکتا ہے اور معنی کو مرجع بنانا اس لیے غلط ہے کہ اس میں دو خرابیاں لازم آتی ہیں۔(۱) اضمار قبل الذکر کہ ماقبل کہ اس شق میں معنی کا ذکر ہی نہیں۔

(۲) خبر جملہ کا عائد سے خالی ہونا لازم آتا ہے کہ لفظ اول مبتداء ہے ان یقترن بتاویل مصدر خبر ہے اور قاعدہ ہے کہ جب خبر جملہ ہو تو اس میں عائد کا ہونا ضروری ہے یہاں پر عائد نہیں ہوگی۔

جواب ضمیر کا مرجع معنیٰ ہے باقی رہا آپ کا اشکال کہ اضمار قبل الذکر کی خرابی لازم آتی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ مرجع مذکور ہونے کہ دو صورتیں ہیں۔

(۱) صراحتاً مذکور ہو۔ (۲) ضمناً مذکور ہو۔ یہاں پر اگر چہ صراحتاً مذکور نہیں لیکن ضمناً مذکور ہے کیوکہ ماقبل میں الاول مذکور ہے جس سے مراد کلمہ ہے اور کلمہ دال ہے اور معنی مدلول ہے قاعدہ ہے کہ دال کے ضمن میں مدلول موجود ہوا کرتا ہے لہذا اضمار قبل الذکر کی خرابی لازم نہ آئی جس طرح اعدلوا ھو اقرب للتقوی۔ میں ضمیر راجع ہے عدل کی طرف جو کہا اعدلو کے ضمن میں موجود ہے لہذا مبتداء بھی بغیر عائد کے نہ رہے گا اس لیے کہ ضمیر کا مدلول کی طرف راجع ہونا بعینہ دال کے طرف راجع ہونا ہے۔

سوال : شارح نے لفظ ذالك کا اضافہ کیوں کیا جب کہ مرجع تو فقط المعنی ہے نہ کہ ذالك المعنی

جواب چونکہ ماقبل میں معنی کی دو قسمیں گزر چکی ہیں (۱) معنی مستقل (۲) معنی غیر مستقل اور معنی مستقل ان تدل میں اور غیر مستقل اولا میں چونکہ معنی غیر مستقل قریب تھا اور معنی مستقل بعید تو مصنف نے اسم اشارہ بعید لاکر اشارہ کردیا کہ یہاں معنی سے مراد معنی مستقل ہے جو کہ بعید ہے نیز اسم اشارہ سے بات اوقع فی النفس ہوجایا کرتی ہے کیونکہ اشارہ بمنزل وضع الید کے ہے گویا ہاتھ رکھ دیا گیا ہے۔

قال الشارح المدلول علیه بنفسها

مولانا جامیؒ کی غرض ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال : اس شق میں فعل کی تعریف کی جارہی ہے یقترن کی ھو ضمیر راجع ہے معنی کے طرف اس

معنی سے مراد معنی فعل ہیں اور معنی فعل مرکب ہے تین چیزوں سے (۱) حدث (۲) نسبت الی الفاعل (۳) زمان ۔جب کل معنی فعل کا مقترن باحد الازمنة الثلاۃ ہوگا تو لازماً تینوں اجزاء میں سے ہر ہر جزء مقترن ہوگی زمانہ کے ساتھ اوران اجزاء میں سے ایک جزء خودزمان بھی ہے تو وہ بھی مقترن ہوگا زمان کے ساتھ اس سے اقتران الزمان بالزمان ہوجائے گا جو کہ باطل ہے۔

جواب : یقترن کی ضمیر جس معنی کے طرف راجع ہے اس معنی سے فقط معنی حدثی معنی مصدری مراد ہے جو کہ معنی مستقل ہے اور کلمہ کا مدلول ہے کلمہ اس پر دال بنفسها ہے باقی رہا نسبت الی الفاعل اور زمان وہ یہاں مراد نہیں اب مطلب یہ ہوگا کہ وہ معنی مصدری مقترن ہوگا تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانے کے ساتھ لہذا اقتران الزمان بالزمان والی خرابی لازم نہ آئے گی۔

قال الشارح فی الفهم

مولانا جامیؒ کی غرض ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال : فعل کی تعریف مانع عن دخول الغیر نہیں کیونکہ یہ تعریف تمام مصادر پر صادق آتی ہے اس لیے کہ مصادر کا معنی کا تحقق کسی نہ کسی زمانہ میں ہوتا ہے مثلاً ضرب مصدر کا معنی مارنا ہے یہ بات ظاہر ہے اس کا تحقق تین زمانوں میں سے کسی زمانہ میں ہوگا تو اس سے لازم آئیگا کہ تمام مصادر افعال ہوجائیں جو کہ بالکل باطل ہے۔

جواب : فعل کی تعریف میں جو اقتران کا لفظ آیا اس کی دو قسمیں ہیں۔(۱) اقتران فی الفهم (۲) اقتران فی التحقق۔ اقتران فی الفهم کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح لفظ سے معنی سمجھا جائے تو زمانہ بھی معنی کے ساتھ سمجھا جائے گا بایں طور کہ وہ معنی کا جزء بن رہا ہو۔اور اقتران فی التحقق کا مطلب یہ ہے کہ جب معنی سمجھا جائے تو اس کے ساتھ زمانہ نہ سمجھا جائے یعنی زمانہ معنی کے جزء نہ بنے بلکہ وجود خارجی اور تحقق کے اعتبار سے تین زمانوں میں سے کسی زمانے کے ساتھ مقترن ہو۔اور فعل کی تعریف میں جو اقتران آیا ہے اس سے مراد اقتران فی الفهم ہے اور مصادر کے معنی میں جو اقتران ہے وہ اقتران فی التحقق ہے نہ کہ اقتران فی الفهم۔

قوله عنها مولانا جامیؒ کی غرض ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال : یہ تعریف دخول غیر سے مانع نہیں کہ یہ زید ضارب غدا میں ضارب پر صادق آتی ہے کیونکہ یہ مقترن ہے زمانہ استقبال کے ساتھ اور اقتران بھی اقتران فی الفھم ہے۔

جواب : آپ فعل کی تعریف نہیں سمجھے تو پھر سمجھیں۔ تعریف کا حاصل یہ ہے کہ فعل مقترن ہوتا ہے تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانے سے بایں طور کہ جس لفظ سے معنی سمجھا جارہا ہے زمانہ بھی اسی سے سمجھا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ معنی کسی اور لفظ سے اور زمانہ کسی اور سے سمجھا جائے جس طرح آپ کی پیش کردہ مثال میں ہے کہ معنی تو ضارب سے سمجھا جارہا ہے اور زمانہ لفظ غدا سے سمجھا جارہا ہے۔۔

قال الشارح اعنی الماضی والحال والاستقبال

مولانا جامیؒ کی غرض ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال : کہ فعل کی یہ تعریف مانع نہیں کیونکہ غبوق ،صبوح پر صادق آرہی ہے۔ غبوق کا معنی ہوتا ہے شام کے شراب کا وقت اور صبوح کا معنی صبح کے شراب کا وقت یہ دونوں زمانوں پر دلالت کررہے ہیں اور زمانہ بھی اقتران فی الفھم عنھا ہے تو تمام شرطیں موجود ہیں

جواب : احد الازمنة الثلاثه سے مراد مطلق زمانہ نہیں بلکہ مخصوص ازمنہ مراد ہیں۔ ماضی اور حال اور استقبال اور غبوق ،صبوح میں ان تینوں زمانوں میں سے کوئی زمانہ نہیں پایا جاتا

قال الشارح ای حین یفھم الخ

مولانا جامیؒ کی غرض ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال : فعل کی تعریف مانع نہیں لفظ ماضی ،حال، استقبال پر صادق آتی ہے کیونکہ یہ زمانہ پر دال ہیں پھر وہ زمانہ اقتران فی الفھم عنھا سے بھی ہے۔ اور دلالت بھی مخصوص زمانے پر ہے تو تمام شرائط موجود ہیں لہذا یہ افعال ہوں گے حالانکہ یہ اسماء ہیں افعال نہیں۔

جواب : فعل کی تعریف سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ فعل میں دو چیزیں ہوتی ہیں۔
(۱) معنی مصدر (۲) معنی کا اقتران زمانے کیساتھ جہاں یہ دونون چیزیں علیحدہ علیحدہ موجود ہوں تو اسے فعل کہا جائے گا اور یہ بات ظاہر کہ ماضی اور حال اور استقبال میں اس طرح نہیں بلکہ معنی اور زمانہ ایک ہے یعنی معنی عین زمانہ ہے جو معنی ہے وہی زمانہ ہے اور جو زمانہ ہے

وہی معنی ہے۔

قولہ اومن صفتها ان لا یقترن مولانا جامی نے حاصل عطف کو بتایا ہے جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ الحاصل اس کی بھی دو شقیں ہوگئی۔

(۱) اقتران بالزمان (۲) عدم اقترامن بالزمان

القسم الثانی وهو مایدل الخ۔ یہاں سے قسم ثانی کا مصداق کا بیان ہے دلیل حصر کی جو شق ثانی مذکور ہے وہ مراد ہے کہ ایسا کلمہ جو معنی فی نفسها پر دال ہو اور مقترن بالزمان نہ ہو تو وہ اسم ہے۔

قال الشارح وهو ماخوذ من السمو

مولانا جامی اسم کی وجہ تسمیہ کے بارے میں دو قول کو ذکر کر رہے ہیں پہلا قول یہ ہے کہ اسم ماخوذ ہے سمو سے بمعنی علو اور بلندی یہ ناقص واوی ہے آخر سے واو کو حذف کر دیا اور اس کی حرکت ماقبل میم کو دے دی تا کہ وقف صحیح ہو اور شروع میں ہمزہ وصلی لگا دیا تو اسم ہو گیا اور چونکہ اس کو اپنی نظرین سے بلندی حاصل ہے اسی وجہ سے اس کو اسم کہا جاتا ہے باقی رہی یہ بات کہ بلندی کیسے حاصل ہے وہ اس طرح کہ تنہا نوع اسم سے کلام بن جاتی ہے کیونکہ یہ مسند بھی ہوسکتا ہے اور مسند الیہ بھی ہوتا ہے اور کلام کے لیے ان دونوں کا ہونا ضروری ہے۔ بخلاف نوع فعل کے اور نوع حرف کے ان سے کلام تو نہیں بنتی اس لیے کہ فعل صرف مسند ہورتا ہے اور فقط مسند سے تو کلام نہیں بنتی اور حرف بیچارہ نہ وہ مسند ہوتا ہے اور نہ مسند الیہ تو اس سے کلام کیسے بنے۔ یاد رکھیں مولانا جامی یہ عبارت حیث یترکب منه وحده وحدت سے فقط اسم مراد نہیں بلکہ نوع اسم ہے۔

قولہ وقیل من الوسم دوسرے قول کا بیان کہ اسم مأخوذ ہے وسم سے بمعنی علامت۔ ابتداء سے واؤ حرف علت کو حذف کر دیا تو ابتداء بالکسون محال تھا اس لیے شروع میں ہمزہ وصلی لائے تو اسم ہو گیا۔ اور اس کو اسم اس لیے کہتے ہیں کہ یہ بھی اپنی معنی پر علامت ہوا کرتا ہے۔ پہلا قول بصریین کا ہے اور دوسرا قول کوفین کا ہے اور چونکہ پہلا قول زیادہ راجح تھا اس لیے مولانا جامی نے دوسرے قول کو قیل سے نقل کر کے ضعف کی طرف اشارہ کر دیا۔ باقی رہی یہ بات کہ پہلے قول کی راجح ہونے کی کیا وجہ ہے اور دوسرے کہ مرجوح ہونے کہ کیا وجہ ہے اس کا جواب یہ ہے کہ بصرین کی دلیل قوی ہے وہ یہ کہ اسم کی تصغیر آتی ہے سُمَیٌّ اور جمع مکسر آتی ہے اَسماء اور

قاعدہ ہے التصاغیر والتکاسیر تردان الاشیاء الی اصولها ۔لہذا اگر اصل وسمٌ ہوتا تو اس کا تصغیر وسیمٌ آتی اور جمع مکسر اوسام ہوتی اور اس کی تصغیر وسیمٌ اور جمع مکسر اوسام نہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ مذہب مرجوح ہے۔اور پہلا مذہب راجح ہے اور مذہب کوفیین کی دلیل کہ وجہ ضعف یہ ہے کہ جس طرح اسم اپنے مسمی پر علامت ہوتا ہے اسی طرح فعل اور حرف بھی اپنے مسمی پر علامت ہوتے ہیں تو ان کو بھی اسم کہنا چاہیے۔

والاول وهومايدل على : قسم اول کے مصداق کا بیان ہے ہ دلیل حصر کے اندر جو قسم اول مذکور ہے وہی مراد ہے یعنی ایسا کلمہ جو معنی فی نفسها پر دال ہو اور مقترن بالزمان ہو وہ فعل ہے۔

قال الشارح سمى به لتضمنه الفعل

فعل كى وجه تسميه: کا بیان ہے۔کہ فعل کی دو قسمیں ہے۔

(۱)فعل لغوی معنی مصدری کو کہا جاتا ہے(۲)فعل اصطلاحی یہ تین چیزوں سے مرکب ہوتا ہے

(۱)معنی مصدری (۲) زمان (۳) نسبت الی الفاعل۔چونکہ فعل اصطلاحی متضمن ہے فعل لغوی کو تو جو نام متضمَّن کا تھا وہی متضمِّن کا نام رکھ دیا یہ تسمية المتضمِن باسم المتضمَن کے قبیل سے ہوا۔

دوسری وجه تسميه : فعل اصطلاحی کل ہے اور فعل لغوی جزء ہے تو جو نام جزء کا تھا وہی نام کل کا رکھدیا لہذا یہ تسمية الكل باسم الجزء کے قبیل سے ہوا۔

تیسری وجه تسميه : فعل اصطلاحی فرع ہے اور فعل لغوی اصل ہے تو جو نام اصل کا تھا وہی نام فرع کا رکھدیا لہذا یہ تسمية الفرع باسم الاصل کے قبیل سے ہوا۔

چوتھی وجه تسميه : فعل اصطلاحی مشتمِل ہے اور فعل لغوی مشتمَل ہے تو جو نا مشتمَل کا تھا وہی نام مشتمِل کا رکھدیا یہ تسمية المشتمِل باسم المشتمَل کے قبیل سے ہوا۔

قوله وقد علم بذالك

صاحب کافیہ اس عبارت میں دلیل حصر کے مدح کو بیان کرر ہے ہیں کہ دلیل حصر اتنا عمدہ ہے کہ اقسام ثلاثہ میں سے ہر ایک قسم کی جامع اور مانع تعریف بھی معلوم ہو جاتی یہ یہاں پر دس باتیں سمجھے۔

پہلی بات کہ وقد علم میں واؤ کی کیفیت کا بیان۔ کہ واؤ کون سی ہے۔جس میں چار احتمال ہیں۔

احتمال اول یہ واؤ عاطفہ ہے باقی رہی یہ بات کہ اس کا معطوف علیہ مذکور نہیں۔اسکا

جواب: یہ ہے کہ یہاں ضمناً مذکور ہے تقدیر عبارت یوں ہے علم الانحصار منہ وقد علم الخ دلیل حصر سے انحصار بھی معلوم ہوگیا کہ کلمہ تین قسم میں بند ہے اور اقسام ثلاثہ میں سے ہر ایک کی جامع مانع تعریف بھی معلوم ہوگئی۔

سوال: معطوف اور معطوف علیہ میں مناسبت ہوتی ہے یہاں کیا مناسبت ہے۔

جواب: معطوف علیہ سے نفس انحصار معلوم ہوتا ہے اور معطوف سے انحصار کا نتیجہ معلوم کہ اقسام ثلاثہ میں سے ہر ایک قسم کی جامع مانع تعریف کا حاصل ہونا بھی نتیجہ ہے دلیل حصر کا **احتمال ثانی** کہ واؤ اعتراضیہ ہے اور یہ جملہ معترضہ دلیل حصر کی مدح کے لیے لایا گیا ہے

سوال: جملہ معترضہ تو معنیً دو متصل کلاموں کے درمیان واقع ہوتا ہے۔ یہاں پر اخیر کلام میں کیسے آ گیا۔

جواب اول: اول یہ جملہ معترضہ بھی معنیً دو متصل کلاموں کے درمیان واقع ہے کہ پہلی الکلمۃ لفظ ہے اور دوسری کلام الکلام ماتضمن ہے

جواب ثانی: وقد علم کا جملہ معترضہ ہونا ان علماء کا مذہب ہے جن کے ہاں جملہ معترضہ کلام کے اخیر میں بھی واقع ہوتا ہے جیسے حدیث میں ہے انا سید ولد آدم ولا فخر اس میں لافخر جملہ معترضہ ہے۔

احتمال ثالث: کہ واؤ حالیہ ہے اور مابعد جملہ حالیہ یہ اب تقدیر عبارت یہ ہوگی کہ علم الانحصار منہ حال کونہ وقد علم یعنی اس دلیل حصر سے انحصار معلوم ہوا اور آں حالیکہ اس دلیل حصر سے ہر ایک کے تعریف بھی معلوم ہوگئی۔

احتمال رابع: کہ واؤ استنافیہ ہو اور یہ بعد والا جملہ مستأنفہ سوال مقدر کا جواب ہو۔

سوال: کہ سائل نے یہ سوال کیا کہ کلمہ کی تعریف اور تقسیم اور وجہ حصر کو تو بیان کر دیا اقسام ثلاثہ کی تعریفیں بھی بیان کریں تو علامہ ابن حاجب نے جواب دیا کہ وقد علم

دوسری بات کہ صاحب کافیہ نے عُرِفَ کا لفظ نہیں لائے عُلِمَ کا لفظ کیوں لائے ہیں اس میں کیا فائدہ ہے۔

جواب علم اور معرفت میں کئی اعتبار سے فرق ہے۔

(۱) کہ علم کا اطلاق مرکبات اور کلیات کے علم پر ہوا کرتا ہے اور معرفت کا اطلاق جزئیات کی پہچان پر ہوتا ہے۔ اور مابعد میں حد کا لفظ آ رہا ہے اور حد جنس اور فصل سے مرکب ہوتی ہے تو یہ مرکبات ہوئے لہذا یہاں مناسب علم ہی کا لفظ تھا نہ کہ معرفت کا۔

تیسری بات وقد علم بذلك میں کیفیت (باء) کا بیان اس پر سوال یہ ہوتا کہ باء سے مراد باء سببیت کی ہوگی اب حاصل معنی ہوگا کہ دلیل حصر سبب ہے اقسام ثلاثہ کے علم بالحدود کے لیے حالانکہ دلیل حصر تو تصدیقات کے قبیل سے ہے اور حدود تصورات کے قبیل سے تو اس سے لازم آیا تصورات کا مستفاد ہونا تصدیقات سے حالانکہ منطق میں یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ تصور تصور سے اور تصدیق تصدیق سے حاصل ہوتی ہے نہ کہ تصور تصدیق سے

جواب یہ اعتراض تب وارد ہوتا ہے جب کہ باء سببیت کے لیے ہو۔ یہاں باء استعانت کے لیے ہے۔ اب تصدیقات کا تصور کے معلوم کرنے کے لیے مد اور معاون بننا لازم آئے گا جس میں کوئی حرج نہیں تو خلاصہ یہ ہوگا کہ دلیل حصر مد اور معاون ہے اقسام ثلاثہ کے حدود کو پہچاننے کے لیے

چوتھی بات ذالك کے مشار الیہ کا بیان یہ ذالك اسم اشارہ کے مشار الیہ میں دو احتمال ہیں (۱) اس کا مشار الیہ تقسیم کلمہ ہو (۲) اس کا مشار الیہ دلیل حصر ہو۔ اور یہ دونوں غلط ہیں پہلے احتمال میں معنوی خرابی لازم آتی ہے اس لیے کہ تقسیم کلمہ سے اقسام ثلاثہ کی تعریف معلوم نہیں ہوتی۔ اور اگر دلیل حصر کو بنایا جائے تو یہ بھی غلط ہے اس میں اگرچہ معنوی خرابی لازم نہیں آتی لیکن اس میں یہ خرابی لازم آتی ہے کہ ذالک اسم اشارہ بعید کے لیے ہوتی ہے اور دلیل حصر تو قریب ہے

جواب ذالك کا مشار الیہ دلیل حصر ہے اور بعد کی دو قسمیں ہے۔ (۱) بعد حسی اور (۲) بعد رتبی تو یہاں پر ذالك اسم اشارہ بعد کے لیے ذکر کیا گیا جیسے ذالك الكتاب۔

پانچویں بات کہ اسم اشارہ هذا قریب کے لیے موضوع ہے اس سے عدول ذالك اسم

اشارہ بعید کی طرف کرنے کا کیا فائدہ ہے۔

جواب: دلیل حصر کہ کمال عظمت پر تنبیہ کرنا مقصود کہ یہ دلیل حصر انتہائی رتبے والی ہے جب اور یہ فائدہ ھذا اسم اشارہ سے حاصل نہ ہوتا۔

چھٹی بات کہ ضمیر سے اسم اشارہ کی طرف کیوں عدول کیا کیونکہ قاعدہ مسلمہ ہے جب ایک چیز کا ذکر پہلے ہو جائے پھر دوبارہ ذکر کی جائے تو ضمیر کے ذریعے سے ذکر کی جاتی ہے

جواب: دلیل حصر کے کمال ظہور پر تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ دلیل حصر اتنا واضح ہے گویا کہ یوں سمجھو کہ یہ محسوسات کے قبیل سے ہے۔ جس میں کسی طرح کا خفاء نہیں اس طرح اس میں بھی کسی طرح کا خفاء نہیں یہ بات ظاہر ہے کہ یہ فائدہ ضمیر کے سے حاصل نہ ہوتا۔

ساتویں بات: کہ حد کل واحد میں دو اضافتیں ہیں پہلی اضافت لفظ حد کی کل کی طرف اور دوسری اضافت کل کی واحد کی طرف۔ پہلی اضافت میں تو کوئی اشکال نہیں وہ اضافت لامی ہے کیونکہ لام کو ظاہر کیا جاسکتا ہے حد لکل واحد البتہ دوسری اضافت کے لامیہ ہونے پر اشکال ہے کہ اضافت لامیہ تو وہ ہوتی ہے جن کا ذکر کرنا صحیح ہو یہاں پر لام کا ذکر کرنا صحیح نہیں۔

جواب: مولانا جامی مجرورات کی بحث میں یہ بیان کریں گے کہ اضافت لامیہ کے صحیح ہونے کے لیے لام کا لفظوں میں ذکر کرنا ضروری نہیں بلکہ لام کے مدلول جو مفاد اختصاص ہے اگر وہ حاصل ہو جائے تب بھی اضافت لامیہ ہونا صحیح ہوتا ہے۔ یہاں پر لام کا مدلول اور مفاد جو اختصاص ہے وہ یہاں حاصل ہے۔

آٹھویں بات حد کل واحد منھا کیفیت ھا کا بیان کہ ھا ضمیر کا مرجع اقسام ثلاثہ ہے جن کو مولانا جامی مابعد میں بیان کر رہے ہیں۔

نویں بات کہ منھا میں من تبعیضیہ ہے بیانیہ نہیں اس لیے کہ اقسام کا مجموعہ بمنزلہ کل کے ہے اور اس مجموعہ میں سے تنہا اسم اور تنہا فعل اور تنہا حرف یہ اس کی جزئیں ہیں لہذا مـــــن تبعیضیہ ہے بیانیہ نہیں۔

دسویں بات حدود اقسام ثلاثہ کی کیفیت کا بیان ہے۔ جس کو مولانا جامی وذالك لانه قد علم سے بیان کر رہے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ دلیل حصر دو تردیدوں پر مشتمل ہے تردید اول کلمه

معنی فی نفسھا پر دال ہوگا۔ یامعنی فی نفسھا پر دال نہ ہوگا۔ اگر معنی فی نفسھا پر دال ہوتو یہ تردیداول کی شق اول ہے اور اگر معنی فی نفسھا پر دال نہ ہوتو وہ تردیداول کی شق ثانی ہے۔ تردیدثانی اگر کلمہ معنی فی نفسھا پر دال ہوتو دوحال سے خالی نہیں اقتران بالزمان ہوگا یا نہیں۔ اگر ہوگا تو یہ تردیدثانی کی شق اول اور اگر نہ ہوتو یہ تردیدثانی کی شق ثانی ہے۔ اب ہم یہ کہتے ہیں کہ تردیداول کی شق ثانی سے فعل کی تعریف معلوم ہوگئی۔ کہ فعل ایسے کلمہ کا نام ہے جو معنی فی نفسھا پر دال ہواور مقترن بالزمان ہواور تردیدثانی کی شق ثانی سے اسم کی تعریف معلوم ہوگئی۔ کہ اسم ایسے کلمہ کا نام ہے جومعنی فی نفسھا پر دال ہواور مقترن بالزمان نہ ہو۔

سوال: مولانا جامی نے فعل کی تعریف میں لفظ لکنّ کا استعمال کیا ہے جو کہ استدراک کے لیے آتا ہے یعنی نہی کلام سے جو وہم پیدا ہوتا تھا اس کو دور کرنے کے لیے حالانکہ فعل کی تعریف میں کوئی وہم تھا ہی نہیں البتہ اسم کی تعریف میں وہم تھا کہ جس طرح فعل مقترن بالزمان ہو اسی طرح شاید اسم بھی مقترن بالزمان ہو۔ تو لفظ لکنّ کو اسم کی تعریف میں ذکر کرنا چاہیے تھا نہ کہ فعل کی تعریف میں۔

جواب: فعل کی تعریف میں بھی وہم تھا اس لیے کہ حرف کی تعریف یہ تھی کہ معنی فی نفسھا پر دال نہ ہوتو اس سے یہ وہم ہوسکتا تھا کہ شاید فعل بھی معنی فی نفسھا پر دال نہ ہوتو اس وہم کو دور کرنے کے لیے لفظ لکنّ کو ذکر کیا۔

قوله فالکلمه مشترکة سے لے کر فعلم لکل واحد تک اقسام ثلاثہ کے درمیان مابه الاشتراك اور مابه الامتیاز کا بیان ہے۔ جس میں مابه الاشتراك کلمہ ہے کہ اسم فعل وحرف ہر تینوں اس میں مشترک ہیں اور مابه الامتیاز مختلف ہے۔

قال الشارح والحرف ممتاز

یہاں سے حرف کہ مابه الامتیاز کا بیان ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ حرف کا مابه الامتیاز فعل اور اسم کے اعتبار سے عدم استقلال ہے۔ اس لیے کہ حرف کا معنی مستقل بالمفہومیہ نہیں ہوتا۔ بخلاف فعل اور اسم کے کہ ان کا معنی مستقل ہوتا ہے۔

قال الشارح والفعل ممتاز

اس میں فعل کے مابہ الامتیاز کا بیان ہے کہ فعل کا مابہ الامتیاز حرف کے اعتبار سے استقلال ہے اور اسم کے اعتبار سے اقتران بالزمان ہے۔

قال الشارح والاسم ممتاز

یہاں سے اسم کے مابہ الامتیاز کا بیان ہے کہ اسم کا مابہ الامتیاز حرف کے اعتبار سے استقلال ہے اور فعل کے اعتبار سے مابہ الامتیاز عدم اقتران بالزمان ہے۔

قال الشارح وعلم لکل واحد سے لیس المراد تک ماقبل پر تفریع کا بیان ہے کہ جب ہر ایک کا مابہ الامتیاز بھی معلوم ہوگیا اور مابہ الاشتراک بھی تو اب دلیل حصر سے ہر ایک کی جامع مانع تعریف حاصل ہوگئی کیونکہ ہر تعریف انہی دو چیزوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ (۱) مابہ الاشتراک (۲) مابہ الامتیاز۔

قال الشارح ولیس المراد بالحد

مولانا جامیؒ کی غرض ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: دلیل حصر سے ان اقسام ثلاثہ کی تعریفات کا جامع مانع ہونا تو معلوم ہو جاتا ہے لیکن ان تعریفات کا حد ہونا معلوم نہیں ہوتا کیونکہ حد اس تعریف کو کہتے ہیں کہ جس میں مابہ الاشتراک جنس ہو اور مابہ الامتیاز فصل ہو۔ اور ان اقسام ثلاثہ کی تعریف میں مابہ الاشتراک کلمہ جنس نہ ہو بلکہ عرض عام ہو اسی طرح مابہ الامتیاز استقلال اور عدم استقلال اقتران اور عدم اقتران فصل نہ ہو بلکہ خاصہ ہو لہذا صاحب کافیہ کو چاہیے تھا کہ حد کی جگہ تعریف کا لفظ بولتے۔

جواب: مولانا جامی نے جواب دیا کہ حد کا لفظ علم نحو میں ایسی تعریف کے لیے استعمال ہوتا ہے جو تعریف جامع مانع ہو یعنی یہاں پر یہی نحوی اصطلاح مراد ہے نہ کہ منطقی اصطلاح۔

قال الشارح ولله در المصنف

مصنفؒ کی مدح کا بیان اور دفع دخل مقدر

سوال: اقسام ثلاثہ کی تعریفات کو مصنف کے تین مرتبہ ذکر کیا۔ اولاً وجہ حصر میں۔ ثانیاً قد علم میں ثالثاً صراحۃً ہر ایک کی تعریف کی ہے یہ تکرار بلا فائدہ ہے جو کہ اختصار کے خلاف ہے

جواب: مولانا جامی نے جواب دیا کہ طلباء کے طبائع مختلف ہیں جس کی تین قسمیں ہیں۔
(۱) **ذکی** وہ ہے کہ جو بات کے سمجھنے میں تنبیہ کے محتاج نہ ہو۔
(۲) **متوسط** وہ جو بات کے سمجھنے میں تنبیہ کا محتاج ہو۔
(۳) **غبی** جو تصریحات کا محتاج ہو۔ تو صاحب کافیہ نے دلیل حصر میں جو تعریف ذکر کی ہے اس میں ذکی کی رعایت رکھی ہے وہ اس سے سمجھتا ہے اور قد علم سے متوسط کی رعایت رکھتے ہوئے اسے سمجھایا اور پھر مابعد میں ہر ایک کیعلیحدہ تعریف کر کے غبی کی رعایت رکھی ہے اس سے تو علامہ ابن حاجب کا انتہائی کمال درجہ کا ذکی، ذہین، فطین ہونا معلوم ہوتا ہے۔

سوال: در کے دو معنی ہوتے ہیں۔ (۱) دودھ (۲) بارش
اگر در الضرع ہو تو دودھ مراد ہوتا ہے اور اگر در الغیم ہو تو بارش مراد ہوتی ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ دونوں معنوں کے اعتبار سے مصنف کی طرف نسبت کرنا درست نہیں۔

جواب: در بمعنی لبن ہو یا بارش ہو۔ دونوں کو خیر کثیر لازم ہے، بارش میں خیر کثیر اس لیے ہے کہ بارش سے سبزہ وغیرہ ہو جاتا ہے اور لبن میں خیر کثیر کا ہونا بھی واضح ہے کہ عرب کا گزارہ اسی پر ہوا کرتا تھا۔ اور یہاں در سے مراد خیر کثیر ہے اب معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے مصنف کی خیر کثیر ہے لہذا ذکر تو در کا ہے لیکن مراد خیر کثیر ہے۔

سوال: جب خیر کثیر مصنف کی ہے تو اللہ کی طرف منسوب کیوں کی جاتی ہے۔

جواب: عربوں کی عادت تھی کہ جو عظیم کام ہوتا تو اس کی نسبت اللہ کی طرف کرتے تھے اس لیے کہ خیر کثیر کی توفیق اللہ ہی دیتے ہیں۔

قال الماتن الکلام علامہ ابن حاجب نحو کے موضوع اول کلمہ کی تعریف اور اقسام ثلاثہ اور ان کی وجہ حصر کے بیان سے فارغ ہونے کے بعد اب نحو کا دوسرا موضوع کلام کی تعریف اور تقسیم بیان کرنا چاہتے ہیں۔ کلام کی تعریف الکلام ماتضمن کلمتین بالاسناد کلام ایسے لفظ کو کہتے ہیں جو دو کلموں کو متضمن ہو بسبب اسناد کے عام ازیں کہ وہ دو کلمیں حقیقی ہوں یا حکمی ہوں یا ایک حقیقی ہو اور ایک حکمی۔

سوال: علامہ ابن حاجب نے کلام کی تعریف کو حرف عطف کے ساتھ کیوں ذکر نہیں کیا حالانکہ

حرف عطف کوذکر کرنا چاہیے تھا تا کہ ماقبل کے ساتھ ربط ہو جاتا۔

جواب: مصنف اگر حرف عطف ذکر کر دیتے تو اس سے یہ بات معلوم ہوتی کہ کلمہ نحو کا موضوع بالاصالت اور بالذات ہے اور کلام نحو کا موضوع ضمناً اور طبعاً ہے کیوں کہ یہ معطوف معطوف علیہ ہو جاتے اور قاعدہ ہے کہ معطوف علیہ اصل ہوتا ہے اور معطوف علیہ فرع ہوتا ہے حالانکہ جس طرح کلمہ نحو کا اصلاً مستقلاً موضوع ہے اسی طرح کلام بھی نحو کا موضوع اصلاً مستقلاً ہے۔

قال الشارح فی اللغۃ مایتکلم شارح علیہ الرحمۃ کلام کا لغوی معنی بیان کرنا چاہتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ کلام ایسا لفظ ہے جس کو تلفظ کیا جائے عام ازیں کہ قلیل ہو جیسے زید یا کثیر ہو جیسے زیدا قائم اور اصطلاحی معنی وہ بیان ہو چکا ہے۔اسی طرف اشارہ کیا مولانا جامی نے فی الاصطلاح سے۔

فائدہ کلام اصطلاحی اور کلام لغوی میں تین اعتبار سے فرق ہے۔

پہلا فرق : کلام لغوی عام ہے اور کلام اصطلاحی خاص ہے۔اس لیے کہ کلام لغوی مہمل کو بھی شامل ہے کہ اس کا تلفظ کیا جاسکتا ہے۔بخلاف کلام اصطلاحی کے کہ وہ مہمل کو شامل نہیں ہے۔

دوسرا فرق : کلام لغوی ایسے لفظ کو شامل ہے جو کسی نسبت پر مشتمل نہ ہو جیسے زید بخلاف کلام اصطلاحی نسبت پر مشتمل ہوتی ہے۔

تیسرا فرق : کلام لغوی مرکب تام اور مرکب ناقص کو بھی شامل ہے بخلاف کلام اصطلاحی کے کہ وہ فقط مرکب تام کو شامل ہے۔

قال الشارح ای لفظ تضمن مولانا جامیؒ کی غرض ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال اول: لفظ ما میں چار احتمال ہیں اور چاروں باطل ہیں۔

(۱) اس سے مراد لفظ ہو تو یہ تعریف نعم پر صادق آتی ہے اس لیے کہ نعم بھی زید قائم دو کلموں کو شامل ہے حالانکہ نعم کلام نہیں۔

(۲) اگر ما سے مراد شیٔ ہو تو یہ تعریف دیوار اور کاغذ پر صادق آئے گی جب کہ اس پر زید قائم لکھ دیا جائے حالانکہ دیوار اور کاغذ کلام نہیں۔

(۳) اگر ما سے مراد کلمہ ہو تب بھی غلط ہے اس لیے کہ ایک کلمہ دو کلموں کو کیسے متضمن ہوسکتا

ہے نیز حمل الجزء علی الکل کی خرابی بھی لازم آئے گی۔

(۴) اگر ما سے مراد کلام ہو تو اخذ المحد وفی الحد کی خرابی جو کہ دور ہے اور باطل ہے۔ کیونکہ معرف بھی کلام ہے اور تعریف میں بھی کلام کا ذکر آ گیا۔

جواب: ما سے مراد لفظ ہے باقی رہا یہ اشکال کہ یہ تعریف نعم پر صادق آتی ہے جواب یہ ہے کہ نعم دو کلموں کو متضمن نہیں بلکہ اس کے بعد دو کلمیں محذوف ہوتے ہیں۔

سوال ثانی: ضابطہ ہے کہ جب مبتداء اور خبر دونوں معرفہ ہو تو درمیان میں ضمیر فصل کا لانا ضروری ہوتا ہے یہاں پر دونوں معرفہ ہیں کہ الکلام بھی معرفہ ہے اور ما موصولہ بھی معرفہ ہے۔ ضمیر فصل کیوں نہیں لائی گئی۔

جواب: شارح نے لفظ نکرہ نکال کر جواب دیا کہ یہاں ما موصوفہ ہے موصولہ نہیں اور ما موصوفہ نکرہ ہوتا ہے تو لہذا جب خبر نکرہ ہے تو ضمیر فصل نہیں لائی گئی۔

قال الماتن: کلمتین

قال الشارح: حقیقتا اوحکما مولانا جامیؒ کی غرض ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال اول: کلام کی تعریف جامع نہیں اس لیے کہ یہ زید قائم ابوه اور زید ابوه قائم پر صادق نہیں آتی کیونکہ یہ دو کلموں کو متضمن نہیں بلکہ چار کلموں کو متضمن ہے۔

جواب: دیا کلمتین میں تعمیم ہے خواہ حقیقتا ہوں یا حکما ہوں۔

کلمہ حقیقی: اس کو کہتے ہیں جس میں تین چیزیں پائی جائیں۔

(۱) وضع بھی حقیقتا ہو۔ (۲) افراد بھی حقیقتا ہو۔ (۳) تلفظ بھی حقیقتا ہو

کلمہ حکمی: وہ ہے جس میں کوئی ایک چیز نہ ہو دوسری تعریف کلمہ حکمی وہ ہے جس کے قائم مقام کلمہ حقیقی واقع ہو سکے۔ مثال کے طور پر ھذا وغیرہ اب جواب کا حاصل یہ ہے کہ زید ابوه قائم اگرچہ حقیقتا دو کلمیں نہیں لیکن حکما دو کلمیں ہیں اس لیے کہ قائم ابوه یہ کلمہ حکمی ہے اس کی تاویل قائم الاب کے ساتھ کی جا سکتی ہے۔

فائدہ سوال اس تاویل کے باوجود پھر بھی تو تین کلمیں ہیں دو کلمیں نہیں۔

جواب: ترکیب اضافی میں مقصود مضاف ہوتا ہے نہ کہ مضاف الیہ۔

سوال ثانی: کلام کی تعریف جامع نہیں یہ جسق مہمل پر صادق آتی ہے اسی طرح دیز مقلوب زید پر بھی، اول میں جسق کا لفظ مہمل ہے اور ثانی مثال میں دیز کا لفظ مہمل ہے۔ جب یہ مہمل ہیں تو کلمہ ہی نہیں ہوا تو لہذا یہ کلام ایک کلمہ سے ہوئی نہ کہ دو کلموں سے۔

جواب: کلمتین میں تعمیم ہے خواہ وہ حکما ہو یا حقیقتا اور جسق اگر چہ حقیقتا کلمہ نہیں لیکن حکما کلمہ ہے کہ یہ بتاویل ھذا اللفظ ہو کر یہ کلمہ موضوع کے حکم میں ہے۔

سوال ثالث: کلام کی تعریف پھر بھی جامع نہیں یہ اضرب پر صادق نہیں آتی کیونکہ اس میں ایک کلمہ ہے دو کلمیں نہیں۔ حالانکہ یہ بالاتفاق کلام ہے۔

جواب: کلمتیں میں تعیم ہے کہ خواہ حقیقتا ہوں یا حکما ہوں اور اضرب میں ایک کلمہ حقیقتا ہے اور ایک اس میں حکما انت ضمیر مستتر ہے۔

قال الشارح **ای یکون کل واحدۃ** یہ عبارت سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: قاعدہ مسلمہ یہ کہ متضمن اور متضمن میں تغائر ہوا کرتا ہے شیٔ واحد نہیں ہوسکتی مثلا گلاس میں پانی ہو تو گلاس متضمِن اور پانی متضمَن ہوگا لیکن یہاں پر کلام کی تعریف میں اتحاد بین المتضمن بالمتضمن کی خرابی لازم آتی ہے کہ مثلا زید قائم یہ کلمہ ہونے کی وجہ سے متضمن ہے اور پھر وہی دو کلمیں متضمن بھی ہیں۔

جواب: تغائر کی دو قسمیں ہیں تغائر حقیقی اور تغائر حکمی اور یہاں پر تغائر حکمی موجود ہے کیونکہ زید قائم میں دو اعتبار ہیں۔ (۱) ہیئت اجتماعیہ۔ (۲) ہیئت انفرادیہ۔

زید قائم تو ہیئت اجتماعیہ کے اعتبار سے تو متضمن ہے اور ہیئت انفرادیہ کے اعتبار سے متضمن ہے۔

قال الماتن **بالاسناد**

قال الشارح **ای تضمنا** سے والاسناد تک تین باتوں کا بیان ہے۔ (۱) بالاسناد یہ ظرف مستقر حاصلاً کے متعلق ہو کر یہ صفت ہے تضمنا موصوف محذوف کی پھر یہ موصوف صفت مل کر یہ مفعول مطلق ہے تضمنا کے لیے تو عبارت یہ ہوگی ما تضمن کلمتین تضمنا حاصلا بالاسناد اور دوسری بات کہ بالاسناد میں باء سببیہ ہے اور تیسری بات الاسناد میں الف لام مضاف الیہ کا عوض ہے۔

قال الشارح **وهوالاسناد نسبة احد الکلمتین** کلام کی تعریف میں اسناد کے لفظ کا ذکر تھا اس لیے مولانا جامی اس کی تعریف کرنا چاہتے ہیں۔ اسناد کی تعریف یہ ہے کہ دوکلموں میں سے ایک کلمہ کا دوسرے کلمہ کے ساتھ اس طور پر ملنا کہ یہ انضمام مخاطب کو فائدہ تامہ کا فائدہ دے عام ازیں کہ دونوں کلمے حقیقی ہوں یا ایک حقیقی اور ایک حکمی ہو۔

سوال : نسبة احدی الکلمتین میں جونسبت کا لفظ آیا ہے اس کا معنی ہے ثبوت الشئ لشئ یاانتفاء شئ عن شئ اور نسبت بایں معنی تو معنی کی صفت ہے کلمہ کی نہیں لہذا نسبت کے لفظ کو کلمہ کی طرف نسبت کرنا صحیح نہیں۔

جواب اول: نسبة کا یہاں حقیقی معنی مرادنہیں بلکہ مجازی معنی مراد ہے۔

جواب ثانی : یہاں مضاف محذوف ہے تقدیر عبارت یوں ہوگی نسبة مدلول احدی الکلمتین اب تعریف کا حاصل یہ ہوگا کہ دوکلموں میں سے ایک کلمہ کے مدلول کی نسبت کرنا دوسرے کلمے کے مدلول کی طرف اس طور پر کہ یہ نسبت مخاطب کو فائدہ تامہ ہو لہذا نسبت کو کلمہ کی طرف منسوب کرنا درست ہو۔

فائدہ سوال اسناد کی یہ تعریف جامع نہیں اس لیے کہ یہ اس اسناد کو شامل نہیں جو جملہ شرطیہ میں پائی جاتی ہے کیونکہ جملہ شرطیہ میں ایک کلمہ کی دوسرے کلمہ کے ساتھ نسبت نہیں ہوتی بلکہ جملہ کی جملہ کی طرف نسبت ہوتی ہے۔ ان کان الشمس طالعة فالنهار موجود۔

جواب : اس بات میں اختلاف ہے کہ جملہ شرطیہ میں اسناد شرط وجزا کے مابین ہوتا ہے یا صرف جزا میں ہوتا ہے۔ اس میں دو مذہب ہیں۔

اهل منطق: کے ہاں جملہ شرطیہ میں اسناد شرط وجزا کے مابین ہوتا ہے۔

اهل عربیت : کے نزدیک اسناد صرف جزاء میں ہوتا ہے۔ شرط تو اس کے لیے بمنزلہ قید اور ظرف کے ہوتی ہے۔ جیسے ان کانت الشمس طالعة فالنهار موجود یہ جملہ شرطیہ ہے اس کی جزاء فالنهار موجود میں اسناد ہے اور شرط ان کانت الشمس طالعة یہ اس کے لیے بمنزلہ ظرف اور قید کے ہے، اب تقدیر عبارت یہ ہوگی النهار موجود وقت طلوع الشمس یہاں اہل عربیت کا مذہب مراد ہے، اور معترض کے اعتراض کا مدار اہل منطق کی اصطلاح ہے۔

فائدہ سوال اسناد کی یہ تعریف اس اسناد کو شامل نہیں جو اسناد ایسے جملہ میں پایا جائے جس میں جملہ کا تلفظ کے وقت مخاطب موجود نہ ہو اسی طرح اس اسناد کو بھی شامل نہیں جو ایسے جملہ میں پایا جائے جس میں جملے کا مفہوم مخاطب کو پہلے ہی سے حاصل ہو جیسے السماء فوقنا۔

جواب: افادة المخاطب سے بالفعل افادہ مراد نہیں بلکہ تعمیم ہے کہ افادة مخاطب بالفعل ہو یا فادہ مخاطب کی صلاحیت ہو اور یہ بات ظاہر ہے کہ ان جملوں میں اگرچہ بالفعل افادہ مخاطب نہیں لیکن افادہ کی صلاحیت ہے۔

فائدہ فائدہ تامۃ ایسے فائدہ کو کہا جاتا ہے جس پر متکلم کا سکوت صحیح ہو اور سکوت کے صحیح ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اہل لسان اس کے سکوت کو خطاء نہ سمجھیں تو ایسی صورت میں فائدہ تامہ ہوگا۔

قال الشارح ما یتناول المهملات اس عبارت میں مولانا جامی کلام کی تعریف میں جو قیود تھی ان کے فوائد بیان کر رہے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ اس تعریف میں ما جنس ہے جو موضوعات اور مہملات، مفردات اور مرکبات کلامیہ اور غیر کلامیہ سب کو شامل ہے۔ اور تضمن کلمتین یہ قید اول اور فصل اول ہے، اس کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے دو چیزیں نکل جاتی ہیں مفردات اور مہملات اور بالاسناد دوسری قید ہے اس کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے مرکبات ناقصہ خارج ہو گئے۔ مرکبات ناقصہ عام ہے مرکب اضافی ہو یا مرکب توصیفی اسی طرح مرکب بنائی ہو یا مرکب صوتی وغیرہ۔

بقیت المرکبات باقی اس تعریف میں مرکبات تامہ رہ گئے خواہ وہ مرکب تامہ خبریہ ہوں یا انشائیہ ہوں پھر خبریہ ہو کر عام ہے کہ جملہ اسمیہ ہو یا جملہ فعلیہ پھر فعلیہ ہو کر فاعل میں تعمیم ہے کہ خواہ فاعل مذکر ہو یا فاعل مؤنث۔ انشائیہ ہو کر تعمیم ہے کہ خواہ وہ امر ہو یا نہی ہو یہ تمام کلام کی تعریف میں داخل ہو جائیں گے۔

قال الشارح فان کل واحد منهما به انطباق المثال علی الممثل لہ کا بیان ہے برائے دفع دخل مقدر۔

سوال: اضرب اور لاتضرب ان کو کلام کہنا درست نہیں اس لیے کہ یہ ماتضمن کلمتین نہیں۔

جواب کلمتین سے مراد عام ہیں کہ خواہ وہ دونوں ملفوظ حقیقی ہوں یا ملفوظ حکمی ہوں جیسے اضرب

میں مسند تو ملفوظ حقیقی ہے اور مسند الیہ جو ضمیر انت ہے وہ ملفوظ حکمی ہے ایسے ہی لاتضرب میں تو جب اسناد پایا جاتا ہے اور دو کلمہ موجود ہیں لہذا یہ کلام ہوئے۔

قال الشارح وحیث کانت الکلمتان مولانا جامیؒ کی غرض ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: کلام کی تعریف جامع نہیں اس لیے کہ یہ اس کلام کو شامل نہیں کہ جس کلام میں مبتدا کی خبر جملہ اسمیہ ہو جیسے زید ابوہ قائم ایسے ہی کلام کی تعریف اس کلام کو بھی شامل نہیں جس میں مبتدا کی خبر جملہ فعلیہ ہو جیسے زید قام ابوہ۔ اسی طرح اس کو بھی شامل نہیں جس میں مبتدا کی خبر شبہ جملہ ہو جیسے زید قائم ابوہ اس لیے کہ تعریف میں کہا گیا کہ دو کلموں کو متضمن ہو اور یہاں تو تین کلموں کو متضمن ہے اسی طرح جسق مهمل کو بھی شامل نہیں اور ایسے ہی دیز مقلوب زید کو بھی شامل نہیں اس لیے کہ دیز اور جسق مہمل نہ ہونے کی وجہ سے کلمہ نہیں۔

جواب: ماقبل میں ہم تعمیم کر چکے ہیں کہ کلمتین سے مراد عام ہے اور ان کے جوابات بھی دیئے جا چکے ہیں۔

قال الشارح اعلم ان کلام المصنف ایک فائدہ کا بیان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ نحاۃ کا اس بات میں اختلاف ہے کہ مسند اور مسند الیہ کے متعلقات کا کلام میں دخل ہے یا نہیں۔ صاحب مفصل نے جو کلام کی تعریف کی ہے وہ یہ کی ہے الکلام ھو المرکب تو مبتدا خبر دونوں کو معرفہ لائے اور قاعدہ ہے کہ جب ضمیر فصل دو معرفوں کے درمیان آ جائے تو وہ حصر کا فائدہ دیا کرتا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ صاحب مفصل کے نزدیک کلام بند ہے دو کلموں میں لہذا متعلقات اور ملحقات کو کلام میں قطعاً دخل نہیں۔ مثلاً ضربت زیدا قائما میں کلام فقط ضربت ہے زیدا قائما یہ کلام سے خارج ہے اور صاحب کافیہ کی عبارت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ متعلقات کو دخل ہے کیونکہ تعریف میں کوئی حصر کا کلمہ نہیں لائے اور نہ ہی فقط کی قید لگائی ہے لیکن مولانا جامی نے لفظ ظاہر لا کر اشارہ کر دیا کہ ہو سکتا ہے کہ صاحب کافیہ کے ہاں فقط کی قید ملحوظ اور معتبر ہو۔

قال الشارح ثم اعلم ان صاحب المفصل سے متن تک ایک اور فائدے کا بیان

ہے جس سے پہلے ایک فائدہ جان لیں۔

فائدہ کہ اسناد کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) اسناد مقصود لذاتہ (۲) اسناد غیر مقصود لذاتہ۔

اسناد مقصود لذاتہ : وہ جس کے ساتھ متکلم اپنے مخاطب کو اولا بالذات فائدہ تامہ پہنچانا چاہے جیسے زید قائم۔

اسناد غیر مقصودی :وہ ہے جس سے مخاطب کو فائدہ تامہ پہنچانا مقصود نہ ہو بلکہ وہ ذریعہ ہو اس اسناد کے لیے جس سے مخاطب کو فائدہ تامہ پہنچانا مقصود ہو۔ مثلازید قائم ابوہ یہاں دو اسناد ہیں۔

(۱) زیداور قائم کے درمیان (۲) قائم اور ابوہ کے درمیان اول اسناد مقصودی ہے اور دوسرا اسناد غیر مقصودی ہے اسی طرح وہ جملہ جو مبتدا کی خبر واقع ہو رہا ہو جیسے زید قام ابوہ اور وہ جملہ جو صفت واقع ہو اور وہ جملہ جو حال واقع ہو اور وہ جملہ جو صلہ واقع ہو ان سب میں اسناد غیر مقصودی ہوا کرتا ہے۔ اب وہ فائدہ سمجھیں جو مولانا جامی نے بیان کیا ہے، کہ اس بات میں اختلاف ہے کلام اور جملہ میں فرق ہے یا نہیں جس میں دو مذہب ہیں۔

پہلا مذہب صاحب مفصل علامہ جاراللہ زمخشری اور صاحب لباب علامہ تاج الدین محمد بکی ان دونوں کا مذہب یہ ہے کہ کلام اور جملہ میں نسبت تساوی کی ہے اور یہ دونوں مترادف ہیں

دوسرا مذہب بعض نحاۃ کا ہے ان کے نزدیک جملہ اور کلام میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے یعنی کلام اخص ہے اور جملہ اعم ہے لہذا ہر کلام جملہ تو ہوسکتی ہے لیکن ہر جملہ کلام نہیں ہوسکتا۔

وجہ فرق یہ بیان کی جاتی ہے کہ ان کے نزدیک کلام میں اسناد مقصود لذاتہ شرط ہے اور جملہ میں تعمیم ہے کہ خواہ اسناد مقصودی ہو یا غیر مقصودی ہو لہذا وہ جملہ جس میں اسناد مقصود لذاتہ ہو۔ جس طرح ہم نے بیان کر دیا ہے زید ابوہ قائم وہ جملے تو ہوں گے مگر کلام واقع نہیں ہوں گے باقی رہی یہ بات کہ مصنف ابن حاجب کا کیا مذہب ہے مولانا جامی نے اس کا جواب دیا کہ مصنف کے کلام میں بڑا ہی کمال ہے کہ ان کے کلام کو دونوں مذاہب پر منطبق کیا جا سکتا ہے، پہلے مذہب پر اس طرح کہ صاحب کافیہ نے اسناد کو مطلق ذکر کیا ہے جس کے لیے مقصود لذاتہ کی قید نہیں ذکر کی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کلام اور جملہ کے درمیان نسبت تساوی کی ہے اور یہی پہلا مذہب ہے۔

اور دوسرے مذہب پر بھی انطباق کیا جاسکتا ہے کہ صاحب کافیہ نے بالاسناد میں الاسناد کو معرف بلام عہد خارجی ذکر کیا ہے جس سے اشارہ ہے کہ مطلق اسناد مراد نہیں بلکہ خاص اسناد مراد ہے یعنی اسناد مقصود لذاتہ، تو جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کلام اور جملہ میں عام اور خاص مطلق کی نسبت ہے اور یہی دوسرا مذہب ہے۔

قال الماتن **ولا يتاتى ذالک الا فى اسمين اواسم وفعل** مصنف علیہ الرحمۃ کلام کی تعریف سے فارغ ہونے کے بعد کلام کی تقسیم بیان کرنا چاہتے ہیں کہ کلام کی صرف دو قسمیں ہیں۔ (۱) جملہ اسمیہ (۲) جملہ فعلیہ، اسمین سے مراد جملہ اسمیہ ہے اور اسم و فعل سے مراد جملہ فعلیہ ہے۔

فائدہ سوال اسم و فعل سے جملہ اسمیہ مراد لیا جاسکتا ہے اس لیے کہ اگر اسم مقدم ہو اور فعل مؤخر ہو تو وہ جملہ اسمیہ ہوا کرتا ہے نہ کہ فعلیہ جیسے زید قام لہذا مصنف کی عبارت میں صرف ایک قسم مذکور ہے یعنی جملہ اسمیہ۔

جواب: کافیہ کے دو نسخے ہیں۔ (۱) جس میں ہے فعل واسم اور دوسرے نسخے میں ہے اسم و فعل۔ پہلے نسخے کے مطابق کوئی اشکال ہی نہیں ہوتا البتہ دوسرے نسخے کے مطابق اشکال وارد ہوتا ہے، اس کا یہ جواب دیا گیا کہ اس نسخے کے مطابق بھی مراد جملہ فعلیہ ہے لیکن اسم کی عظمت شان کو ملحوظ رکھتے ہوئے اسم کو مقدم کر دیا گیا ہے کہ اسم مؤخر بھی ہو جائے جملہ فعلیہ میں تب بھی مسند الیہ اسم ہوگا نہ کہ فعل۔

قال الشارح **ولا يحصل** مولانا جامیؒ کی غرض ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: یتاتی مأخوذ ہے اتیان سے بمعنی آمدن اور یہ تو ذی روح کی صفت ہے لہذا اس کی نسبت کلام کی طرف کرنا صحیح نہیں۔

جواب اتیان کے دو معنی ہیں۔ (۱) آمدن مشی بالاقدام یہ معنی حقیقی ہے۔ (۲) حصول، یہ معنی مجازی ہے اور اتیان پہلے معنی کے اعتبار سے ذی روح کی صفت ہے اور دوسرے معنی کے اعتبار سے غیر ذی روح کی صفت ہے اور یہاں پر دوسرا معنی مراد ہے حصول۔

قال الشارح **ذالک اى الكلام** مولانا جامیؒ کی غرض ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: ذالک کے مشار الیہ میں تین احتمال ہیں۔ (۱) اسناد (۲) تضمن (۳) کلام، ان میں سے مشار الیہ کیا ہے مشار الیہ کون ہے۔

جواب: جواب دیا کہ مشار الیہ کلام ہے تضمن اور اسناد نہیں جس دو وجہ ہیں۔ (۱) کہ یہاں کلام کی تقسیم ہے اور قاعدہ ہے تقسیم میں مقسم کا ذکر کیا جاتا ہے۔ (۲) ذالک اسم اشارہ بعید ہے اور کلام بنسبت تضمن اور اسناد کے بعید ہے لہذا اس کو مشار الیہ بنانا مناسب ہے۔

قال الشارح فی ضمن

سوال: فی ظرفیت کے لیے ہے جس کا مابعد ظرف اور ماقبل مظروف ہوا کرتا ہے اور قاعدہ ہے کہ ظرف اور مظروف میں تغایر ضروری ہوتا ہے جیسے الماء فی الکوز اور اگر ظرف مظروف ایک ہو جائے تو اس کو ظرفیۃ الشئ لنفسہ کہا جاتا ہے جو کہ باطل ہوا کرتا ہے اب سوال کا حاصل یہ ہے کہ فی کا ماقبل ذالک ہے جس سے مراد کلام ہے اور فی کا مابعد اسمین ہے اس سے مراد بھی کلام ہے تو حاصل عبارت یہ ہوگا ولا یتاتی الکلام الافی الکلام اور یہ ظرفیۃ الشئ لنفسہ ہونے کی وجہ سے باطل ہے۔

جواب: شارح نے لفظ ضمن سے اشارہ کر دیا کہ ظرف مظروف میں تغایر موجود ہے کیونکہ ماقبل مظروف کلام سے مراد کلام کلی ہے اور اسمین سے مراد کلام جزئی ہے، یا بعنوان دیگر کلام اول سے مراد کلام عام ہے اور اسمین سے مراد کلام خاص ہے تو مطلب ہوگا کہ وہ عام کلام یا کلام کلی اپنے جزئی میں حاصل ہوگی تو ظرفیۃ الشئ لنفسہ کی خرابی لازم نہیں آئے گی بلکہ دونوں میں تغایر موجود ہے۔

قال الشارح احدھما مسند والاخر مسند الیہ

سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: غلام زید میں دو اسم تو ہیں لیکن اسناد نہیں یعنی مسند اور مسند الیہ نہیں۔

قال الشارح فی ضمن اسم مسند الیہ وفعل مسند

مولانا جامیؒ کی غرض ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: جملہ فعلیہ کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں کہ یہ ضربک پر صادق آ رہی ہے۔ ضرب فعل ہے اور کاف ضمیر اسم حالانکہ یہ کلام نہیں۔

جواب: شارح نے کہ اسم سے مراد مسند الیہ ہے اور فعل سے مراد مسند ہے اور آپ کی پیش کردہ مثال میں کاف ضمیر اسم تو ہے لیکن مسند الیہ نہیں۔

قولہ وفی بعض النسخ اس عبارت میں اختلاف نسخ کا بیان ہے۔ جو سوال وجواب کے انداز میں گزر چکے ہیں۔

قال الشارح فان الترکیب مولانا جامیؒ کی غرض ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے

سوال: کہ علامہ ابن حاجب نے کلام کی تقسیم میں کلمہ حصر کو ذکر کیا جب کہ کلمہ کی تقسیم میں حصر کو ذکر نہ کیا اس کی کیا وجہ ہے۔

جواب: کلمہ کی تعریف میں حصر عقلی تھا کہ اقسام ثلاثہ کے علاوہ کوئی اور احتمال نہیں تھا اس لیے وہاں حرف حصر کے ذکر کی ضرورت ہی نہیں تھی اور جب کلام میں چھ احتمال تھے جن میں سے دو صحیح باقی مردود تھے اس لیے کہ کلمہ حصر کو ذکر کر دیا کہ کلام صرف دو قسموں سے حاصل ہوتی ہے، اور کلام کی اقسام میں عقلی طور پر چھ احتمالات یہ ہیں۔

(۱) دونوں اسم ہوں　　(۲) دونوں فعل ہوں

(۳) دونوں حرف ہوں　　(۴) ایک اسم ہو ایک فعل ہو

(۵) ایک اسم ہو اور ایک حرف ہو　　(۶) ایک فعل ہو اور دوسرا حرف ہو

ان چھ میں سے دو ہی احتمال صحیح تھے اس لیے کہ کلام میں اسناد ضروری ہے اور اسناد کے لیے مسند اور مسند الیہ کا ہونا ضروری ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ اسناد یعنی مسند اور مسند الیہ فقط ان دو ہی قسموں میں پائی جاتی ہے یعنی (۱) دونوں اسم ہوں۔ جیسے زید قائم جملہ اسمیہ ہے۔

(۲) فعل اور اسم ہوں جیسے قام زید۔

قال الشارح نحو یازید مولانا جامیؒ کی غرض ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: کلام کو دو قسموں میں منحصر کرنا باطل ہے اس لیے کہ یازید کلام ہے جو کہ صرف اور اسم سے مرکب ہے۔

جواب: یازید کلام نہیں بلکہ یا قائمقام ہے ادعو اور اطلب کے لہذا یہ فعل اور اسم سے مرکب ہوئی۔

﴿تعریف اسم﴾

قال المتن **الاسم مادل علی معنی فی نفسه** مصنف علامہ ابن حاجبؒ اسم کی صراحتاً تعریف کو بیان کر رہے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ اسم ایسے کلمہ کو کہا جاتا ہے جو معنی فی نفسہ یعنی معنی مستقل پر دال ہو اور وہ معنی تین زمانوں میں سے کسی زمانے کے ساتھ ملا ہوا نہ ہو۔

قال الشارح **کلمة دلت** مولانا جامیؒ کی غرض ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: لفظ ما میں چار احتمال ہیں اور چاروں باطل ہیں۔

(۱) ما سے مراد شیء ہو تو یہ تعریف دوال اربعہ صادق آئے گی کیونکہ وہ بھی ایک شیء ہے جو مستقل معنی پر دلالت کرتے ہیں اور مقترن بالزمان بھی نہیں۔ (۲) ما سے مراد لفظ ہو تو تعریف کلام پر صادق آئے گی مثلاً زید قائم کا مجموعہ لفظ ہے جو کہ مستقل معنی پر دال ہے اور مقترن باحد الازمنة الثلاثه بھی نہیں۔

(۳) ما سے مراد اسم ہو تو تعریف میں اخذ المحدود فی الحد کی خرابی لازم آتی ہے جو کہ دور ہے۔

(۴) ما سے مراد کلمة ہو تو راجع مرجع میں مطابقت نہیں اس لیے کہ دل میں ھو ضمیر راجع ہے ما کی طرف اور ما سے مراد کلمة ہے جو کہ مؤنث ہے پھر دل کی بجائے دلت کہنا چاہیے تھا۔

جواب: شارح نے جواب دیا کہ ما سے مراد کلمة ہے جس پر قرینہ یہ ہے کہ کلمہ مقسم ہے اور اسم اس کا قسم ہے اور قاعدہ ہے کہ اقسام میں مقسم معتبر ہوا کرتا ہے۔ باقی رہا اشکال کہ راجع مرجع میں مطابقت نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مطابقت موجود ہے اس لیے کہ ضابطہ ہے کہ جب ایک لفظ لفظ کے اعتبار سے مذکر اور معنی کے اعتبار سے مؤنث ہو تو لفظ کی رعایت بھی جائز ہے اور معنی کی رعایت بھی جائز ہے کیونکہ لفظ ما لفظ کے اعتبار سے مذکر تھا اس لیے مصنف نے مذکر کی ضمیر لوٹائی ہے۔ نیز مولانا جامی نے ما کی تفسیر کلمة نکرہ کے ساتھ کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ یہاں ما موصوفہ ہے موصولہ نہیں جس پر قرینہ یہ ہے کہ یہ مقام مقام خبر ہے اور مقام خبر میں اصل نکرہ ہونا ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ ما موصوفہ نکرہ ہوا کرتا ہے موصولہ نہیں۔

نیز تیسری بات کہ مولانا جامی نے دلت فعل نکال کر یہ بتا دیا کہ اصل مقام یہاں پر فعل مؤنث کا تھا

کیونکہ ضمیر راجع ہوتی تھی ما کی طرف اور ما سے مراد کلمۃ ہے جو کہ مؤنث ہے۔

قال الشارح کائن فی نفسہ مولانا جامی نے ترکیب کو بیان کیا ہے جس میں کئی احتمال ہیں پہلا احتمال کے فی نفسہ ظرف مستقر ہو کر متعلق ہو کائن کے جو صفت ہے معنی کی دوسرا احتمال یہ ظرف لغو متعلق ہے دل فعل مذکور کے۔ تیسرا احتمال یہ ظرف مستقر ہو کر معنی سے حال ہو۔ چوتھا احتمال فی نفسہ ظرف مستقر ہو کر دل فعل مذکور کی ضمیر مستتر ھو سے حال ہو۔ آخری دونوں احتمالوں کی صورت میں تقدیر عبارت یوں ہوگی کائنا فی نفسہ مولانا جامی نے پہلے احتمال کو متعین کر کے باقی احتمالوں کو رد کر دیا باقی رہی یہ بات کہ فی نفسہ ظرف لغو کیوں نہیں بن سکتی اس لیے کہ دلالت کا صلہ با یا علی ہوا کرتا ہے فی نہیں ہوتا اب فی کو با یا علی کے معنی میں لیا جائے گا یہ مجاز غیر مشہور ہے اور مجاز غیر مشہور کے تعریفات کے اندر ذکر کرنا صحیح نہیں ہوتا۔ اسی طرح فی نفسہ کو حال بنانا بھی صحیح نہیں نہ دل کی ضمیر سے اور نہ معنیٰ سے اس لیے اس سے کلمۃ کی دلالت مقید ہو جائے گی فی نفسہ کے ساتھ حالانکہ فی نفسہ یہ قید معنی کے مستقل ہونے کے لیے ہے نہ کہ کلمہ کی دلالت کی۔

قال الشارح ای فی نفس مادل یہاں سے مرجع کے تعین کا بیان ہے کہ فی نفسہ کی ضمیر کے مرجع میں کئی احتمال ہیں۔ (۱) ضمیر کا مرجع معنیٰ ہو۔ (۲) فی نفسہ کا مرجع اسم ہو۔ (۳) الکلمۃ ہو۔ (۴) ما ہو جو الاسم مادل میں ہے مولانا جامی نے متعین کر دیا کہ فی نفسہ کی ضمیر کا مرجع ما ہے باقی رہی یہ بات کہ دل فعل کو دوبارہ کیوں ذکر کیا اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ذکر موصوف صفت میں شدت اتصال کی وجہ سے ہے۔ باقی تین احتمال صحیح نہیں۔ پہلا احتمال تو اس لیے صحیح نہیں کہ اس میں ظرفیۃ الشیٔ لنفسہ کی خرابی لازم آتی ہے۔ اس لیے کہ تعریف کا حاصل یہ ہوگا کہ اسم ایسا کلمہ ہے جو ایسے معنی پر دال ہو جو معنی اس کی ذات میں ہو تو ظرف بھی معنی ہوا اور مظروف بھی معنی ہے۔ دوسرا احتمال اس لیے صحیح نہیں کہ اس میں اخذ المحدود فی الحد کی خرابی لازم آتی ہے اور تیسرا احتمال اسلیے صحیح نہیں کہ اس کے راجع مرجع میں مطابقت نہیں رہتی کیونکہ فی نفسہ کی (ہ) ضمیر مذکر ہے اور مرجع الکلمۃ مؤنث ہے۔

قال الشارح فتذکیر الضمیر مولانا جامیؒ کی غرض ایک سوال مقدر کا جواب

دینا ہے۔

سوال: جب ضمیر کا مرجع ما ہے اور ما عبارت ہے کلمۃ سے اور کلمۃ مؤنث ہے تو لازم آیا کہ راجع مرجع میں مطابقت کا نہ ہونا۔

جواب: مولانا جامی نے جواب دیا کہ لفظ ما میں دو اعتبار ہیں لفظ کے اعتبار سے ما مذکر ہے اور معنی کے اعتبار سے ما مؤنث ہے اور قاعدہ ہے کہ جب کوئی لفظ کے ذو اعتبارین ہو تو وہاں ضمیر مذکر بھی لوٹائی جاسکتی ہے اور مؤنث کی بھی لوٹائی جاسکتی ہے۔ اور یہاں پر بھی لفظ ما کا اعتبار کرتے ہوئے ضمیر مذکر کی لوٹائی گئی ہے۔

قال الشارح علی لفظ الموصول اس پر سوال ہوتا ہے

سوال: کہ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ما موصولہ ہے حالانکہ ماقبل میں مولانا جامی نے ما کی تفسیر نکرہ کے ساتھ کر کے بتایا تھا کہ ما موصوفہ ہے موصولہ نہیں تو بظاہر کلام میں تعارض ہے۔

جواب: اس قسم کی عبارتوں میں ما کا موصوفہ بننا بھی صحیح ہوا کرتا ہے اور ما موصولہ بھی بننا صحیح ہوتا ہے۔ چونکہ ما کا موصوفہ ہونا اولی تھا اس لیے اولا موصوفہ ہونے کی طرف اشارہ کر دیا اور ما کا موصولہ ہونا بھی صحیح تھا اس لیے ثانیا اس کے موصولہ ہونے کی طرف اشارہ کر دیا لہذا کوئی تعارض نہ ہوا۔

قال الشارح قالا المصنف فی الایضاح مولانا جامی صاحب کافیہ کے اس کلام کو نقل کرتے ہیں جس کو انہوں نے اپنی کتاب الایضاح مفصل کی شرح میں ذکر کیا ہے جس سے مقصود دو باتوں کا بیان ہے۔

(۱) المعنی فی نفسہ کا کیا مطلب ہے۔ (۲) فی نفسہ کی (ہ) ضمیر کا مرجع معنی بنانا بھی جائز ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ مصف کی کتاب ایضاح میں فی نفسہ کی (ہ) ضمیر کا مرجع معنی بنایا ہے اس پر سوال ہوگا۔

سوال: کہ اس صورت میں تو ظرفیۃ الشئ لنفسہ کی خرابی لازم آتی ہے۔

جواب: جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ اعتراض تب وارد ہوتا کہ فی ظرفیت کے لیے ہو حالانکہ یہاں فی ظرفیت کے لیے نہیں بلکہ فی بمعنی اعتبار کے ہے اب معنی یہ ہوگا کہ اسم ایسے کلمہ کو کہا جاتا ہے جو ایسے معنی پر دال ہو جو معنی معتبر فی نفسہ ہو یعنی ملحوظ بذاتہ ہو کسی دوسرے امر خارج کا اعتبر نہ ہو

کفولك الدار فی نفسها یہ استشہاد اور دلیل موجود ہے۔ عرب کا محاورہ ہے الدار فی نفسها حکمها کذا یعنی دار یک قیمت اپنی ذات کے اعتبار سے اتنی قیمت ہے قطع نظر کرتے ہوئے کسی امر خارج کے جس طرح اس محاورے میں فی بمعنی اعتبار کے ہے اسی طرح المعنی فی نفسه میں بھی فی اعتبار کے معنی میں ہے۔

قال الشارح **ای لاباعتبار امر خارج** مولانا جامیؒ کی غرض ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال : فی نفسه کو الدار فی نفسها کے ساتھ تشبیہ دینا صحیح نہیں اس لیے کہ فی نفسہ کو فی غیرہ بھی پڑھنا جائز ہے لیکن الدار فی نفسها کو الدار فی غیرها کہنا صحیح نہیں لہذا تشبیہ صحیح نہ ہوئی۔

جواب : یہ تشبیہ من کل الوجوہ نہیں بلکہ من بعض الوجه ہے کہ جس طرح الدار فی نفسها میں بعض اوقات امر خارج کا اعتبار ہوتا ہے۔ اور بعض اوقات امر خارج کا اعتبار نہیں ہوتا اسی طرح معنی فی نفسها میں بھی بعض اوقات امر خارج کا اعتبار نہیں ہوتا اور بعض اوقات امر خارج کا اعتبار ہوتا ہے اگر امر خارج کا اعتبار نہ ہو تو یہ معنی اسمی معنی مستقل ہوتا ہے اور اگر امر خارج کا اعتبار ہو تو یہ معنی حرفی یعنی معنی غیر مستقل ہوتا ہے۔

قال الشارح **ولذالک قیل الحرف** تائید کا بیان ہے کہ فی بمعنی اعتبار کے ہوتا ہے اسی وجہ سے تو نحاۃ حرف کی تعریف ،میں فی غیرہ کو ذکر کرتے ہیں۔

قال الشارح **ای حاصل فی غیرہ** یہاں سے فی غیرہ کی ظرف کی کیفیت کا بیان ہے کہ فی غیرہ ظرف مستقر حاصل کے متعلق ہو کر معنی کی صفت ہے۔

قال الشارح **ای باعتبار متعلقه** یہاں سے غیر کی تعیین کا بیان ہے کہ غیر سے یہاں مطلق غیر مراد نہیں بلکہ غیر متعلق کے معنی میں ہے۔

انتھی کلامه یعنی قال المصنف سے لے کر یہاں تک مصنف کی بیان کردہ بیان کی انتہا ہو گئی ہے۔

﴿بحث المحصول والحاصل﴾

قال الشارح **ومحصوله ماذكره بعض المحققين** سے لیکرواذ اعرفت تک یہ بحث جامی کی مشکل ترین اور معرکتہ الآراء بحث ہے جوکہ حاصل محصول کے بحث کے نام سے مشہور ہے۔اس سے پہلے چند فوائد جان لیں۔

فائدہ کہ محصول اور حاصل کہتے ہیں ماثبت من الشئ مابقی من الشئ کولیکن دونوں میں فرق ہے کہ محصول کہا جاتا ہے جوکسی شئ سے وقت اور تکلف سے حاصل ہواور حاصل کہا جاتا ہے جوکسی شئ سے آسانی کے ساتھ بلاتکلف حاصل ہو۔

فائدہ یہ تحقیق کس کی ہے مولانا عصام نے تو اسی پر زور دیا کہ یہ تحقیق مصنف کی نہیں بلکہ یہ تحقیق میر سید شریف کی ہے۔اور جامی کا حاشیہ۔ملا جلال نے یہ بیان کیا ہے کہ یہ تحقیق علامہ ابن حاجب ہی کی ہے۔مولانا جامی نے ماذکرہ بعض المحققین سے مراد میر سید شریف ہےاور مولانا جامی نے ماذکرہ کالفظ بولا ہے ماقالہ کالفظ نہیں بولا۔جس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ بحث میر سید کی نہیں بہر حال بعض المحققین سے مراد میر سید صاحب ہیں مولانا جامی نے ان کا نام ذکر کیوں نہیں کیااس کے متعدد جواب دیئے گئے ہیں۔

جواب اول: مولانا جامی ان کا نام نہ ذکر کر کے اس بحث کے عمدہ اور پسندیدہ ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

جواب ثانی: کہ میر سید شریف کی اسی میں تعظیم ہے اس لیے کہ انہیں مولانا جامی نے محققین سے شمار کیا ہے۔

جواب ثالث: کہ میر سید شریف کی یہ بحث اس قدر مشہور ہے کہ جس میں اس کے نام لینے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ حواشی مطول،حواشی رضی وغیرہ میں موجود ہے۔

فائدہ محصول کی بحث بنسبت حاصل کی بحث کے مشکل تھی اور محصول کی بحث میں ابہام تھا اسی وجہ سے پہلے محصول کے بحث کولایا جارہا ہے بعد میں حاصل کی بحث کو کیونکہ قاعدہ ہے کہ ابہام مقدم ہوا کرتا ہے اور تفصیل مؤخر ہوا کرتی ہے اسی طرح عسیر کو یسیر پر مشکل کو آسان پر مقدم کیا جاتا ہے۔

فائدہ اس ساری بحث کے تین حصے ہیں۔پہلا حصہ ومحصولہ سے لے کر فالا بتداء تک اور دوسرا

حصہ فالا بتداء سے لے کر والحاصل تک۔ تیسرا حصہ والحاصل سے لیکر واذا عرفت تک۔

خلاصہ حاصل و محصول : مقصود اس پوری بحث سے معنی اسمی اور معنی حرفی کے درمیان فرق کو بیان کرنا ہے، لیکن تین طریقوں سے فرق بیان کیا گیا ہے۔ محصولہ سے اس پہلے حصہ میں تشبیہ المعقول بالمحسوس کے ذریعہ فرق بیان کیا گیا ہے۔ اور فالابتداء سے والحاصل تک اس دوسرے حصہ میں ایک مثال جزئی کے ذریعہ معنی اسمی اور معنی حرفی کے درمیان فرق کو بیان کیا گیا ہے۔ اور والحاصل سے واذا عرفت تک وضع کے اعتبار سے معنی اسمی اور معنی حرفی کے درمیان فرق کو بیان کیا گیا۔

پہلا حصہ یعنی محصول کی بحث

اب سمجھیے پہلے حصہ کا مقصد وہ تو ہم نے عرض کر دیا ہے کہ ومحصولہ سے لے کر فالابتداء تک اس پہلے حصہ میں تشبیہ المعقول بالمحسوس کے ذریعے معنی اسمی اور معنی حرفی کے درمیان فرق بیان کرنا ہے اور اسی پہلے حصہ میں تین سوال مقدرہ کا جواب بھی دینا ہے۔ جس میں ملحوظا فی ذاتہ یہ عبارت پہلے سوال مقدر کا جواب اور یحصل ان یحکم دوسرے سوال مقدر کا جواب اور آلۃ لملاحظہ غیرہ تیسرے سوال مقدر کا جواب ہے۔

تشبیہ المعقول بالمحسوس کی تفصیل سمجھیے موجود کی ابتداءاً دو قسمیں ہیں۔

(۱) موجود خارجی (۲) موجود ذہنی

پھر اس میں سے ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں، موجود خارجی کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) موجود خارجی قائم بذاتہ جس کو جوہر کہتے ہیں۔ (۲) موجود خارجی قائم بغیرہ جس کو عرض کہتے ہیں۔ -

موجود خارجی قائم بذاتہ کا مطلب یہ ہے کہ اپنے وجود میں کسی محل کی طرف محتاج نہ ہو اس کو جوہر اور موجود فی حد ذاتہ بھی کہا جاتا ہے۔

موجود خارجی قائم بغیرہ کا مطلب یہ ہے کہ اپنے وجود میں کسی محل کی طرف محتاج ہو اس کو عرض اور قائم بغیرہ بھی کہتے ہیں۔ اس کی مثال جیسے رنگ ہیں شکلیں ہیں وغیرہ۔

اور موجود ذہنی بھی دو قسم پر ہیں۔

(۱) موجود ذہنی مدرک بالقصد ہو (۲) موجود ذہنی مدرک بالتبع ہو۔

موجود ذہنی مدرک بالقصد ہونے کا مطلب یہ ہے وہ اس کا ادراک اور تصور کسی غیر کے ادراک اور تصور کے تابع نہ ہو۔

موجود ذہنی مدرک بالتبع کا مطلب یہ ہے کہ اس کا ادراک اور تصور غیر کے ادراک اور تصور کے تابع ہو۔ دونوں کی مثال جیسے جب آئینہ میں چہرہ کو دیکھنا مقصود ہو تو چہرہ اور آئینہ دونوں مرئی ہیں لیکن چہرہ کا مرئی ہونا یہ بالقصد ہے اور آئینہ کا مرئی ہونا بالتبع ہے۔

موجود ذہنی کا قسم اول یہ مشابہ ہے موجود خارجی کے قسم اول سے، جس کی وجہ مشابہت یہ ہے کہ جس طرح موجود خارجی کا قسم اول اپنے وجود میں کسی محل کی طرف محتاج نہیں ہوتا اسی طرح موجود ذہنی کا قسم اول بھی اپنے ادراک اور تصور میں غیر کے ادراک اور تصور کے تابع نہیں ہوتا اور اسی طرح موجود ذہنی کا قسم ثانی موجود خارجی کے قسم ثانی کے مشابہ ہے، جس کی وجہ تشبیہ یہ ہے کہ جس طرح موجود خارجی کا قسم ثانی اپنے وجود میں محل کیطرف محتاج ہوا کرتا ہے اسیطرح موجود ذہنی کا قسم ثانی بھی اپنے ادرک اور تصور میں غیر کے ادراک اور تصور کیطرف محتاج ہوا کرتا ہے، ،

اب ہم یہ کہتے ہیں معنی اسمی موجود ذہنی کے قسم اول کے قبیل سے ہے اور معنی حرفی یہ موجود ذہنی کے قسم ثانی کے قبیل سے ہے لہذا چونکہ معنی اسمی موجود ذہنی کا قسم اول ہونے کی وجہ سے یہ مشابہ ہو جائے گا موجود خارجی کے قسم اول سے اور معنی حرفی موجود ذہنی کے قسم ثانی ہونے کیوجہ سے یہ مشابہ ہو جائے گا موجود خارجی کے قسم ثانی کے یہ ہے تشبیہ المعقول بالمحسوس۔ جس کا فائدہ یہ ہوگا جسطرح موجود خارجی کے قسم اول کی نسبت اپنے نفس کی طرف بذریعہ کلمہ فی کے کرنا صحیح ہے کہ موجود قائم فی نفسه کہا جائے اسی طرح معنی اسمی کی بھی اپنے نفس کیطرف کلمہ فی کی ذریعہ نسبت کرنا صحیح ہو جائے گا لہذا اسم کی تعریف یہ صحیح ہو جائے گی۔ الاسم مادل علی معنی فی نفسه اور جس طرح موجود خارجی کے قسم ثانی کی نسبت اپنے مقابل غیر کی طرف کرنا کلمہ فی کے ذریعے صحیح تھا کہ اس کو موجود فی غیرہ کہا جائے اسی طرح معنی حرفی کی نسبت بھی غیر کی طرف کلمہ فی کے ذریعہ کرنا صحیح ہوگا۔ لہذا حرف کی یہ تعریف بالکل صحیح ہو جائے گی۔ الحرف مادل علی معنی فی غیرہ اور معنی اسمی موجود ذہنی کا قسم اول یعنی مدرک بالقصد ہے اس لیے یہ معنی مستقل ہوا اور معنی حرفی موجود ذہنی کا قسم ثانی یعنی مدرک بالتبع تو یہ معنی غیر مستقل ہوا۔

قال الشارح ملحوظا فی ذاته پہلے سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: جس طرح معنی اسمی مدرك بالقصد ہوتا ہے اسی طرح معنی حرفی بھی مدرك بالقصد ہی ہوا کرتا ہے اسلیے کہ جب بھی مدرک حرف کے معنی کا ادراک کرے گا تو وہ اپنے قصد اور ارادے سے کرے گا۔ لہذا معنی حرفی بھی مدرك بالقصد ہونے کی وجہ سے اس کا معنی بھی معنی مستقل ہو جائے گا اور معنی اسمی اور معنی حرفی میں فرق ختم ہو جائے گا۔

جواب: جواب دیا کہ ملحوظا فی ذاته کہ مدرك بالقصد کا آپ نے مطلب نہیں سمجھا۔ مدرك بالقصد کا مطلب یہ ہے کہ مدرك بالقصد ملحوظ بالذات ہو یعنی جو اپنے تعقل اور ادراک میں غیر کا محتاج نہ ہو اور یہ بات ظاہر ہے کہ مدرك بالقصد ملحوظ بالذات معنی اسمی تو ہوا کرتا ہے معنی حرفی نہیں۔ کیونکہ وہ اپنے تعقل میں غیر کا محتاج ہوتا ہے۔ لہذا فرق باقی رہا۔

قال الشارح یصلح ان یحکم علیه وبه یہ دوسرے سوال مقدر کا جواب ہے کہ مدرک بالقصد اور ملحوظ بالذات مراد لینے سے تو اسماء متضایفہ جیسے لفظ اب اور ابن وغیرہ یہ اسماء کی تعریف سے نکل کر حرف کی تعریف میں داخل ہوں گے کیونکہ ان کا تعقل اور تصور ادراک غیر پر موقوف ہے۔ کیونکہ اب اس کو کہتے ہیں جس کے لیے ابن ہو اور ابن اس کو کہتے ہیں جس کے لیے اب ہو۔

جواب: ملحوظ بالذات ہونے کا مطلب یہ ہے کہ محکوم علیہ اور محکوم بہ یعنی مسند الیہ اور مسند بہ بننے کی صلاحیت ہو اور یہ بات ظاہر ہے کہ اسمائے متضایفہ میں سے ہر ایک میں محکوم علیہ اور محکوم بہ بننے کی صلاحیت موجود ہے لہذا ان اسماء پر معنی اسمی کی تعریف صادق آئے گی۔ اس پر سوال ہوگا۔

سوال: کہ مدرك بالقصد ملحوظ بالذات معنی مستقل کا یہ مطلب بیان کرنا کہ اس میں محکوم علیہ اور محکوم بہ بننے کی صلاحیت ہو اس سے تو لازم آئے گا کہ فعل مدرک بالقصد اور ملحوظ بذات نہ ہو اور اس کا معنی مستقل نہ ہو کیونکہ اس میں تو صرف محکوم بہ بننے کی صلاحیت ہوتی ہے محکوم علیہ کی نہیں ہوا کرتی حلانکہ بالاتفاق معنی فعل مدرک بالقصد ملحوظ بالذات اور معنی مستقل ہوا کرتا ہے۔ اس کے شارحین نے متعدد جواب دیئے ہیں۔

جواب اول: کہ وبه میں واو بمعنی او کے ہے مطلب یہ ہوگا کہ اس معنی میں محکوم علیہ یا محکوم بہ

بننے کی صلاحیت ہواور یہ بات ظاہر ہے فعل میں محکوم بہ بننے کی صلاحیت موجود ہے۔

جواب ثانی: قاعدہ اور قانون یہی ہے کہ ہر معنی مستقل میں محکوم علیہ اور محکوم بہ بننے کی صلاحیت ہوتی ہے اسی قاعدہ کی بناء پر فعل کا بھی چونکہ معنی مستقل ہوا کرتا ہے تو اس کا بھی محکوم علیہ اور محکوم بہ بننا صحیح ہونا چاہیے تھا لیکن واضع نے چونکہ فعل وضع کر دیا محکوم بہ کے لیے فقط اس لیے یہ قاعدہ بنا دیا گیا گویا کہ فعل میں محکوم علیہ بننے کی صلاحیت ہی نہیں تا کہ وضع کی مخالفت نہ آئے۔

جواب ثالث: فعل میں جو معنی مستقل ہے وہ معنی حدثی معنی مصدری ہے اور معنی مصدری کا محکوم علیہ اور محکوم بہ بننا صحیح ہے لیکن چونکہ یہ فعل کا معنی مطابقی نہیں تضمنی ہے اس اعتبار سے اس کا محکوم علیہ بننا صحیح نہیں۔

قال الشارح والۃ لملاحظۃ تیسرے سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: معنی حرفی کی یہ تعریف کرنا کہ یہ مدرک بادراک تبعی اور ملحوظ لملاحظہ تبعی ہوا کرتا ہے یہ درست نہیں۔ اس لیے کہ اس سے توابع اسم کی تعریف سے نکل کر حرف کی تعریف میں داخل ہو جائیں گے کیونکہ وہ بھی مدرک بادراک قصدی ہی نہیں ہوتے مدرک بادراک تبعی ہوا کرتے ہیں۔

جواب: مدرک بادراک تبعی ہونے کا مطلب یہ ہے جو غیر کے ملاحظہ کیلیے آلہ ہوں یہ بات ظاہر ہے کہ توابع غیر کے ملاحظہ کے لیے آلہ نہیں لہذا معنی حرفی کی تعریف توابع پر صادق نہیں آئے گی۔

قال الشارح فلایصلح لشیء منهما ماقبل پر تفریع کا بیان ہے کہ جب معنی حرفی مدرک بادراک تبعی اور ملحوظ بملاحظہ تبعیہ ہوا تو معنی حرفی نہ محکوم علیہ بننے کی صلاحیت رکھتا ہے اور نہ محکوم بہ بننے کی، اس لیے کہ محکوم علیہ اور محکوم بہ وہ چیز ہوا کرتی ہے جو مدرک بادراک قصدی ہو ملحوظ بملاحظہ ذاتی اور مستقل بمستقل ذاتی ہو، چونکہ یہ بحث مناطقہ کے طرز پر کی گئی ہے اسی لیے یہاں پر محکوم علیہ اور محکوم بہ کو ذکر کیا گیا ہے مسند الیہ اور مسند کو ذکر نہیں کیا گیا تا کہ تعبیر بھی مناطقہ کی طرز پر ہو جائے۔

دوسرا حصہ فالابتداء مثلا یہاں سے دوسرا حصہ شروع ہے جس میں مثال کے

ذریعے موجود ذہنی کی دونوں قسموں کے مابین اور اسی طرح معنی اسمی اور معنی حرفی کے مابین فرق کی وضاحت بیان کرر ہے ہیں، اس لیے کہ مثال کے ذریعہ قاعدہ کلیہ کا سمجھنا سہل اور آسان ہو جاتا ہے۔

مثال کی تعریف کی جاتی ہے۔ذکر الجزء یت لتوضیح الکلیة، جس کا حاصل یہ ہے کہ مفہوم ابتداء بمعنی آغاز کردن اس معنی میں دو حیثیتیں ہیں۔ (۱) کہ یہ مدرک بالقصد ہو ملحوظ بالذات ہو یعنی اس کو کسی دوسری چیز کے ملاحظہ کے لیے آلہ نہ بنایا جائے تو اس وقت یہ موجود ذہنی کی قسم اول ہوگی اور معنی مستقل بالمفہوم ہوگا اور معنی اسمی ہوگا اور محکوم علیہ اور محکوم بہ بننے کی صلاحیت رکھتا ہوگا اور اس حیثیت اور اعتبار سے یہ لفظ ابتداء کا مفہوم اور معنی ہوگا اور لفظ ابتداء اس معنی پر دلالت کرنے میں کسی دوسرے کلمہ سیر، بصرہ وغیرہ کا محتاج نہ ہوگا۔ دوسری حیثیت یہ ہے کہ مفہوم ابتداء مدرک بالتبع ہو ملحوظ بالتبع ہو یعنی اس کا تصور اس طور پر کیا جائے کہ یہ ایک حالت ہے سیر اور بصرہ کے درمیان اور اس کو اس کے حالات کے معلوم کرنے کا آلہ بنایا جائے تو اس وقت یہ موجود ذہنی کی قسم ثانی ہوگی غیر مستقل بالمفہوم ہوگا ورمحکوم علیہ اور محکوم بننے کی صلاحیت نہیں رکھے گا۔اور یہ معنی حرفی ہوگا اور لفظ مـــن کا مدلول ہوگا کہ اس کے متعلق مخصوص کو جب تک ذکر نہ کیا جائے تو اس کے معنی سمجھ میں نہیں آتے۔

خلاصہ یہ ہوا چیز ایک ہی ہے لیکن اس میں اعتبار دو ہیں۔

قال الشارح **ولزمه تعقل** سوال کا جواب ہے

ســوال : جس طرح معنی حرفی اپنے تعقل اور تصور میں غیر محتاج ہے اسی طرح معنی اسمی بھی تعقل میں اپنے متعلق کا محتاج ہے لہذا معنی اسمی اور معنی حرفی میں فرق کرنا باقی نہ رہا۔ نیز جب مطلق ابتداء کے مفہوم کو اس کے متعلق کا تصور لازم ہے اور متعلق سے مراد مـا منـه الابتداء ہے تو یہ استقلال معنی کے منافی ہے۔

جـواب : ہم یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ مطلق ابتداء کے مفہوم کو متعلق کا تصور لازم ہے لیکن متعلق کے تصور کا لازم ہونا دو قسم پر ہے۔ (۱) مطلق ابتدا کے مفہوم کو اس کے متعلق کا تصور لازم ہو اجمالا۔ (۲) متعلق کا تصور لازم ہو تفصیلا اور متعلق کے تصور کا اجمالا لازم ہونا یہ استقلال معنی

کے قطعا منافی نہیں اس لیے کہ اس صورت میں متعلق کی طرف توجہ اور التفات تو بالتبع اور بالعرض ہوا کرتی ہے بالذات نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ اور ان کو لفظوں میں ذکر کرنا بھی ضروری نہیں ہوتا البتہ دوسری قسم متعلق کے تصور کا لازم ہونا تفصیلا یہ یقیناً معنی کے استقلال کے منافی ہے کیونکہ اس صورت میں متعلق کی طرف التفات اور توجہ بالذات ہوا کرتی ہے اسی وجہ سے اس کو لفظوں میں ذکر کرنا ضروری ہوتا ہے لیکن یہ معنی اسمی میں نہیں ہوتا بلکہ یہ تو معنی حرفی میں ہوا کرتا ہے جیسے سرت من البصرة الی الکوفة۔

خلاصہ یہ ہوا کہ معنی اسمی میں بھی متعلق ہوتا ہے اور معنی حرفی میں بھی لیکن فرق یہ ہے کہ معنی اسمی میں متعلق کا تعقل اور تصور اجمالا اور تبعا ہوتا ہے اسی وجہ سے اس کے ذکر کی ضرورت نہیں ہوتی جب کہ معنی حرفی میں متعلق کا تعقل اور تصور بالذات اور تفصیلا ہوا کرتا ہے۔

قال الشارح هذا هو المراد سے ماقبل پر تفریع کا بیان کہ نحاۃ کا ایک مشہور مقولہ ہے۔ ان للاسم والفعل معنی کائنا فی نفس الکلمة دالة علیه کہ اسم اور فعل میں ایک ایسا معنی ہے جو نفس کلمہ میں ثابت ہے اور وہ کلمہ دال ہے اس پر تو نحاۃ کے اس قول کا یہ مطلب قطعا نہیں کہ اسم اور فعل کا معنی یہ کلمہ کا مدلول ہے تو اسم اور فعل کے معنی کی تخصیص ختم ہو جائے گی بلکہ ان کے قول کا مطلب یہ ہے کہ اسم و فعل کا معنی یہ ملحوظ بالذات ہوتا ہے اور مستقل بالمفهومية ہوتا ہے یعنی عقل معنی اسمی اور معنی فعلی کا ادراک اور تصور بالذات کرتی ہے بالتبع نہیں بخلاف حرف کے کہ وہ ملحوظ بملاحظہ تبعیہ ہوتا ہے بالذات نہیں ہوتا۔

قال الشارح اذا لاحظه العقل اس میں مفہوم ابتداء کے ملحوظ بملاحظہ تبعیہ ہونے کی صورت کا بیان ہے کہ جب مفہوم ابتداء ملحوظ بملاحظہ تبعیہ ہو یعنی عقل اس کا ادراک بالتبع کرے بایں طور کہ یہ ابتداء طرفین یعنی مبداء اور مبداء منہ کے احوال کے پہچاننے کیلیے آلہ اور وسیلہ ہو تو اس صورت میں یہ مفہوم ابتداء موجود ذہنی کی قسم ثانی ہے اور معنی حرفی ہے یعنی غیر مستقل بالمفهومية ہے اور لفظ من کا مدلول ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے سمجھنے پر صراحتا لفظوں میں اس کے متعلق کو ذکر کر دیا جاتا ہے۔ جیسے یوں کہا جاتا ہے سرت من البصرة الی الکوفة لیکن یاد رکھیں لفظ مثلاً ذکر کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ ابتداء کا ذکر مثال کے طور پر ہے، بطور حصر نہیں۔

تیسرا حصہ بحث حاصل

قال الشارح والحاصل ان لفظ الابتداء یہ تیسرا حصہ ہے جس میں فالابتداء والی کلام کے حاصل کا بیان ہے جس سے مقصود معنی اسمی اور معنی حرفی کے درمیان اور اسی طرح لفظ ابتداء اور لفظ من کے درمیان وضع کے اعتبار سے فرق بیان کرنا چاہتے ہیں۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ لفظ ابتداء یہ موضوع ہے مفہوم کلی مطلق ابتداء کے لیے اور یہ مفہوم کلی متعقل بتعقل قصدی ہونے کی وجہ سے مستقل بالمفہومیۃ ہے اور محکوم علیہ اور محکوم بہ بننے کی صلاحیت رکھتا ہے اور ہر وہ مفہوم جو متعقل بتعقل قصدی ہو اور محکوم علیہ اور محکوم بہ بننے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو تو وہ معنی اسمی ہوتا ہے لہذا مفہوم کلی بھی معنی اسمی ہوا۔ اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔

(۱) معنی اسمی مفہوم کلی کا نام ہے۔ (۲) لفظ ابتداء یہ مفہوم کلی کے لیے موضوع ہے جزئیت کیلیے نہیں اور لفظ من موضوع ہے مفہوم کلی کی جزئیات مخصوصہ یعنی ابتداءات خاصہ کے لیے اور یہ جزئیات مخصوصہ متعقل بتعقل تبعیہ ہونے کی وجہ سے غیر مستقل بالمفہومیۃ ہے۔ اور نہ ہی اس میں محکوم علیہ بننے کی صلاحیت ہے اور نہ محکوم بہ بننے کی، باقی رہی یہ بات ان میں محکوم علیہ اور محکوم بہ بننے کی صلاحیت کیوں نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ محکوم علیہ اور محکوم بہ کے درمیان نسبت کا ہونا ضروری ہے اور نسبت تب پائی جا سکتی ہے جب ان میں سے ہر ایک ملحوظ بملاحظہ ذاتیہ اور متعقل بتعقل قصدی ہو اور یہ جزئیات مخصوصہ تو اپنے متعلقات کے احوال کے پہچاننے کے لیے آلہ اور وسیلہ ہونے کی وجہ سے متعقل بتعقل قصدی نہیں اور ہر وہ مفہوم جو متعقل بتعقل قصدی نہ ہو وہ محکوم علیہ اور محکوم بہ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ لہذا یہ جزئیات مخصوصہ بھی نہ محکوم علیہ بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور نہ محکوم بہ بننے کی۔

بل تلک الجزیات : ماقبل سے ترقی کا بیان کہ جزئیات مخصوصہ کا تعقل بغیر متعلقات کے ہو سکتا ہی نہیں اور ہر وہ مفہوم جو محکوم علیہ اور محکوم بہ بننے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو وہ معنی حرفی ہوتا ہے اس سے بھی دو باتیں معلوم ہو گئیں کہ معنی حرفی مفہوم جزئی ہے کلی نہیں۔ لفظ من جزئیات کے لیے موضوع ہے کلیات کے نہیں۔

سوال : کہ حاصل اور ذوالحاصل یعنی ابتداء والی کلام میں موافقت نہیں ہے بلکہ مخالفت

موجود ہے حالانکہ موافقت کا ہونا ضروری تھا، اس طرح ہے کہ ذوالحاصل یعنی ابتداء والی کلام میں یہ کہا گیا تھا کہ لفظ ابتداء اور لفظ من دونوں موضوع ہے ایک ہی چیز یعنی مفہوم ابتداء کیلیے لیکن اعتبار دو ہیں۔ اگر مفہوم ابتداء میں متعقل بتعقل قصدی ہونے کا لحاظ کیا جائے تو یہ معنی اسمی ہے اور لفظ ابتداء کا مدلول ہے اور اگر متعقل بتعقل تبعی کا لحاظ کیا جائے تو یہ معنی حرفی ہے اور لفظ من کا مدلول ہے اور یہاں پر الحاصل والی کلام میں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ لفظ ابتداء اور لفظ من کی وضع الگ الگ ہے۔ لفظ ابتداء کی وضع مفہوم کلی کے لیے ہے اور لفظ من کی وضع مفہوم جزئی کے لیے ہے۔

جواب: کہ الحاصل والی کلام میں جو یہ کہا گیا کہ لفظ من یہ موضوع ہے مفہوم کلی کی جزئیات کے لیے ان جزئیات سے مراد جزئیات حقیقیہ نہیں بلکہ جزئیات اضافیہ ہیں اور جزئیات حقیقیہ اور کلی کے درمیان تغایر ہوتا ہے لیکن جزئیات اضافی اور کلیات کے درمیان تغایر نہیں ہوتا یہ آپ کا سوال تب وارد ہوتا جب جزئیات حقیقیہ مراد ہوں لہذا الحاصل اور ذوالحاصل ایک ہی ہوئے کہ لفظ ابتداء اور لفظ من کا موضوع ایک ہی ہے لیکن اعتبار اس میں دو ہیں۔

سوال: الحاصل سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ معنی اسمی معنی کلی ہے اور معنی حرفی اس معنی کلی کی جزئیات ہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ جزئیات اپنے مفہوم کلی کے افراد ہوتے ہیں تو لازم آیا معنی حرفی کا معنی اسمی کے افراد میں سے ایک فرد ہونا لہذا ان میں تباین نہیں ہوگا حالانکہ اسم اور فعل اور حرف میں تباین ہوتا ہے۔

جواب: ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ یہ اقسام متباینان ہیں لیکن بسا اوقات تباین کے باوجود معانی کے درمیان اتحاد ہوسکتا ہے جیسے اسم اور فعل یہ متباینین ہیں لیکن اسکے باوجود ان کے معانی میں اتحاد ہے کہ دونوں کا معنی مستقل ہے اسی طرح اسم اور حرف یہ بھی نوعین متباینین ہیں لیکن اس کے باوجود اس کے معانی میں اتحاد ہوسکتا ہے لیکن اس معنی میں دو اعتبار ہیں۔ (۱) اعتبار سے معنی اسمی (۲) اعتبار سے معنی حرفی

بعنوان دیگر الحاصل کی تقریر یوں بھی کی جاسکتی ہے، یہ تین سوالات مقدرہ کا جواب ہے۔

سوال اول: کہ جب آپ نے کہا کہ ابتداء ایک اعتبار سے جزئی ہے اور معنی حرفی ہے اور ایک

اعتبار سے معنی اسمی ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ معنی اسمی اور معنی حرفی میں تغایر اعتباری ہے حالانکہ ان کے درمیان تغایر ذاتی ہے۔

سوال ثانی: جب ابتداء میں دو اعتبار ہو گئے کہ ایک اعتبار سے معنی مستقل اور دوسرے اعتبار سے معنی غیر مستقل تو لازم آیا شیٔ واحد کا مستقل اور غیر مستقل ہونا یہ تو اجتماع ضدین اور متنافیین ہے۔

سوال ثالث: جب ابتداء مستقل ہے تو لفظ من کو بھی مستقل ہونا چاہیے کیونکہ اس کا معنی بھی تو ابتداء ہے۔

جواب الحاصل سے ان تینوں سوالوں کا جواب دیا جا رہا ہے پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ معنی اسمی اور معنی حرفی کے درمیان تغایر ذاتی ہے۔ وہ اس طرح کے ابتداء کے دو معنی ہیں۔ (۱) معنی کلی یعنی مطلق شروع کرنا۔ اس بات سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ کس جگہ سے کس مقام سے شروع کرنا ہے۔ (۲) اس کا معنی جزئی ہے یعنی کسی مخصوص جگہ سے شروع کرنا، مثال کے طور پر لاہور سے پشاور سے تو اب ہم یہ کہتے ہیں کہ مطلق ابتداء کلی کی جزئیات مخصوصہ ہیں اور معنی کلی مدلول ہے لفظ ابتداء کا اور معنی جزئی مدلول ہے من کا اور معنی کلی ملحوظ فی ذاته اور مستقل بالمفهومية ہونے کی وجہ سے معنی اسمی ہے متعلق کا محتاج نہیں اور جب معنی جزئی ملحوظ بالتبع غیر مستقل بالمفهومية ہے کیونکہ یہ آلہ ہے متعلقات کے احوال کے پہچاننے کا اسی وجہ سے محکوم علیہ اور محکوم بہ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا لہذا جب معنی کلی معنی اسمی ہے اور معنی حرفی معنی جزئی ہے تو واضح ہو گیا کہ ان کے درمیان تغایر ذاتی ہے لہذا اجتماع متنافیین اور ضدین بھی لازم نہیں آئے گا کیونکہ معنی مستقل ایک جہت سے ہے اور غیر مستقل ہونا دوسرے جہت سے ہے۔ تو دوسرا اشکال بھی رفع ہو گیا۔ اور تیسرا اشکال بھی رفع ہو گیا وہ اس طرح کہ لفظ ابتداء خود اسم ہے تو اس کا مدلول معنی مستقل معنی کلی ہے اور لفظ من حرف ہے کیونکہ اس کا مدلول معنی غیر مستقل ابتداء جزئی ہے۔

قال الشارح **وهذا هو المراد بقولهم** تائید کا بیان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ نحاۃ کا یہ مقولہ الحرف كلمة تدل على معنى فى غيرها اس کا یہ مطلب قطعا نہیں کہ حرف کا معنی حرف کے غیر کا مدلول ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حرف کا معنی ملحوظ بملاحظہ تبعیہ ہوتا ہے

كلى

الابتداء

مُستقِل بالمَفهُومِيّة
صالح للمحكوم عليه وبه

- الابتداء من البصرة — جزی
- والكوفة — جزی
- ومكة — جزی
- والمدينة — جزی
- والبغداد — جزی

غیر المستقل بالمفهومية غیر صالح للمحكوم عليه وبه

مَوْجُوْد فِی الْخارِج

ومَحصُوله حَامی ص۲۶

- قَائِمٌ بذَاتِہٖ — قلم
- قَائِمٌ بِالغَیرِ — اِملغ

مَعْقول فِی الذّهن

مدرکٌ قصدًا
- ملحوظ فی ذاته
- الصّالح للمحكوم عليه وبه
- المُستقل بالمفهومية
- الملزوم للمتعلق الاجمالی
- غیر المذکور المتعلق
- غیر المحتاج الی ضم الضمیمة

مثال

مطلق شروع کرنا

الابتداء اشد من الانتهاء

الاشد من الانتهاء هو الابتداء

مدرکٌ تبعًا
- ملحوظ فی غیره
- غیر صالح لهما
- غیر المستقل به
- الملزوم للمتعلق التفصیلی
- المذکور المتعلق
- المحتاج الی ضم ضمیمة

مثال

خاص شروع کرنا

سرت من البصرة الی الكوفة

اور غیر مستقل بالمفہوم ہوتا ہے۔

قال الشارح **واذا عرفت هذا** یہ وہ عبارت ہے جس کے سمجھانے کیلیے مولانا جامی نے حاصل ومحصول کی بحث کوذکر کیا ہے گویا کہ الحاصل و المحصول کی بحث اس کے لیے مقدمہ ہے اور یہ عبارت سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: اے مولانا جامی آپ نے فی نفسه کی (ہ) ضمیر کا مرجع ما کو بنایا ہے۔ اور ما عبارت ہے کلمہ سے تو آپ نے مرجع کلمہ کو بنایا ہے جب کہ صاحب کافیہ نے الایضاح میں یہ متعین کردیا کہ اس کا مرجع معنی ہے تو آپ نے صاحب کافیہ کی مخالفت کیوں کی۔

جواب: مولانا جامی نے یہ جواب دیا کہ حقیقت کے اعتبار سے کوئی مخالفت نہیں اس لیے کہ اگر مرجع معنی ہو جیسے صاحب کافیہ کا مذہب ہے تو حاصل یہ نکلے گا کون المعنی فی نفس المعنی اور اگر مرجع ما ہو تو پھر حاصل یہ نکلے گا کون المعنی فی نفس الکمة تو کینونة المعنی فی نفس المعنی اور کینونة المعنی فی نفس الکلمة۔ دونوں کا مآل اور مرجع ایک ہی چیز ہے وہ یہ ہے کہ معنی کا مستقل بالمفہومیۃ ہونا اور معنی کا مستقل بالمفہومیۃ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ معنی کا ادراک اور تصور غیر کے ادراک اور تصور پر موقوف نہیں لہذا مخالفت فقط لفظوں میں ہے حقیقت اور واقع میں کوئی مخالفت نہیں۔

قال الشارح **قوله ففی هذا الکتاب الضمیر المجرور** مولانا جامیؒ کی غرض ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: جب ہر دونوں کا مرجع اور مآل ایک ہی چیز ہے تو پھر مخالفت کیوں کی گئی ہے، اس کی کیا وجہ ہے۔

جواب: کہ اصل میں کافیہ کے اندر فی نفسہ کی (ہ) ضمیر کا مرجع میں کل دو احتمال ہیں۔

(۱) (ہ) ضمیر کا مرجع ما ہو جو عبارت ہے کلمہ ہے۔

(۲) (ہ) ضمیر کا مرجع معنی ہو ان میں سے پہلا احتمال راجح ہے اس لیے کہ ماقبل میں دلیل حصر کے ذریعے اسم کی جو تعریف ضمناً معلوم ہوئی تھی اس میں (ہ) ضمیر کا مرجع کلمة کو بنایا تھا لہذا جب اجمال میں (ہ) ضمیر کا مرجع کلمہ ہے تو تفصیل میں بھی اسے بنانا چاہیے تا کہ تفصیل اجمال کے

موافق ہو جائے یعنی اسم کی تعریف صریح تعریف ضمنی کے موافق ہو جائے۔

قال الشارح لكن عبارة المصنف ظاهرة مولانا جامیؒ کی غرض ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: کہ جس طرح کافیہ میں ضمیر کے مرجع میں دو احتمال تھے ایسے ہی کتاب مفصل کے اندر بھی ضمیر کے مرجع میں دو احتمال ہوں تو وہاں پر صاحب کافیہ نے ضمیر کا مرجع معنی کو کیوں متعین کر دیا۔

جواب: کتاب مفصل میں چونکہ اسم کی تعریف سے پہلے وجہ حصر وغیرہ کا بیان نہیں جس میں ضمیر کلمۃ کی طرف راجع کی جا چکی ہو تو اس لیے اس کو ظاہر پر محمول کر کے ضمیر کا مرجع معنی کو متعین کر دیا ہے۔

قال الشارح وبما سبق من التحقيق مولانا جامیؒ کی غرض ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: اسم کی تعریف جامع نہیں اور حرف کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں، اسم کی تعریف اسماء لازمة الاضافة پر صادق نہیں آتی کیونکہ اسم کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ اسم وہ ہے جسکا معنی اپنے تعقل اور تصور میں غیر کے تعقل کیطرف محتاج نہ ہو حالانکہ ان اسماء لازمۃ الاضافۃ کا معنی اپنے تعقل اور تصور میں مضاف الیہ کے تعقل اور تصور کی طرف محتاج ہوتے ہیں۔ لہذا یہ اسم کی تعریف سے نکل کر حرف کی تعریف میں داخل ہو گئے۔

جواب: مولانا جامی نے جواب دیا کہ سابقہ تحقیق سے اس کا جواب معلوم ہو گیا ہے۔ اس لیے کہ ماقبل میں یہ بات کہی گئی ہے کہ مطلقا بتداء کا تصور اپنے متعلق کے تصور اجمالی کی طرف محتاج ہونا یہ مطلق ابتداء کے مستقل بالمفہوم ہونے اور مفہوم کلی ہونے کے اسی طرح ملحوظ بذات اور معنی اسمی ہونے کے منافی نہیں۔ بالکل ایسے ہی اسماء لازمۃ الاضافۃ کے معانی کا تعقل اور تصور مضاف الیہ کے تصور اور تعقل اجمالی کی طرف محتاج ہونا ان کے مفہومات کلیہ اور مستقل بالمفہوم اور معنی اسمی کے لیے منافی نہیں۔

سوال: کہ جب ان اسماء کے معانی مفہومات کلیہ ہیں اور مستقل بالمفہومیۃ ہے تو یہ معنی اسمی ہوئے تو ان کو محکوم علیہ محکوم بہ بننا چاہیے حالانکہ یہ نہ محکوم علیہ بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں نہ محکوم بہ

بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں بلکہ یہ مفعول فیہ ہوتے ہیں۔

جواب: ان اسماء لازمة الاضافة کے معانی کا مفہومات کلیہ ہونے کا مقتضی تو یہی تھا کہ یہ محکوم علیہ محکوم بہ ہو لیکن ان کے معانی کو ظرفیت والے معنیٰ کے عارض ہونے کی وجہ سے یہ نہ محکوم علیہ بن سکتے ہیں نہ محکوم بہ۔ الحاصل ان اسماء لازمة الاضافة کا محکوم علیہ اور محکوم بہ نہ بننا یہ مضاف الیہ کی وجہ سے نہیں بلکہ ظرفیت والے معنیٰ کے عارض ہونے کی وجہ سے ہے اور معنیٰ اسمی ہونے کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ وہ اپنے ذات کے اعتبار سے محکوم علیہ اور محکوم بہ بننے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔

قال الشارح **لکن لما جرت العادة** مولانا جامیؒ کی غرض ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: جب ان اسماء لازمة الاضافة کے معانی مستقل بالمفہومیۃ ہیں تو ان کا استعمال بغیر مضاف الیہ کے ذکر کے صحیح ہونا چاہیے حالانکہ ایسے نہیں یہ تو معنیٰ حرفی کی علامت ہے۔

جواب: کہ ان اسماء لازمة الاضافة کی وضع سے مقصود متعلقات مخصوصہ کا فہم ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ متعلقات مخصوصہ کے ذکر کے بغیر ان کا فہم کیسے ہوسکتا ہے تو خلاصہ یہ ہوا متعلقات مخصوصہ کا ذکر اسماء لازمة الاضافة کے معانی کے فہم کے لیے نہیں بلکہ متعلقات مخصوصہ کے فہم کے لیے ہے اور یہ معنیٰ مستقل بالمفہومیہ کے منافی نہیں بخلاف معنیٰ حرفی کے ان میں متعلقات مخصوصہ کا ذکر معنیٰ حرفی کے فہم کے لیے ہوتا ہے۔

قال الشارح **ولما کان الفعل دالا** مولانا جامیؒ کی غرض ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: اسم کی تعریف میں غیر مقترن باحد الازمنة الثلاثه یہ قید لغو اور بے فائدہ ہے۔ کیونکہ اس سے مقصود فعل کا اخراج ہے حالانکہ فعل کا اخراج علی معنی فی نفسه کی قید سے ہوجاتا ہے وہ اس طرح کہ فعل مرکب ہے تین چیزوں سے۔ (۱) معنی حدثی۔ (۲) زمان (۳) نسبت الی الفاعل سے ان میں سے معنیٰ حدثی تو مستقل ہے لیکن نسبت الی الفاعل یہ غیر مستقل ہے اور قاعدہ ہے جو چیز مرکب ہو مستقل اور غیر مستقل سے وہ چیز غیر مستقل ہوتی ہے

لہذا فعل کا معنی غیر مستقل ہوا تو جس طرح فی نفسہ کی قید سے حرف خارج ہوتا ہے اسی طرح فعل بھی خارج ہو جاتا ہے۔

جواب: کہ معنی فی نفسہا سے معنی میں تعمیم ہے کہ خواہ وہ معنی مستقل معنی مطابقی کی وجہ سے یا معنی تضمنی کی وجہ سے لہذا فعل کا معنی مستقل ہے معنی تضمنی کے اعتبار سے لہذا فعل معنی فی نفسہا میں داخل ہوا تو اس کو خارج کرنے کے لیے غیر مقترن کی قید کی ضرورت پڑی لہذا یہ قید لغو اور مستدرک نہ ہوئی۔

فائدہ سوال جس طرح فعل اپنے معنی تضمنی یعنی معنی حدثی کے اعتبار سے مستقل ہے اسی طرح اپنے معنی تضمنی زمانہ کے اعتبار سے مستقل ہے تو پھر معنی حدثی کا اختصاص کیوں کیا گیا۔

جواب: زمانہ کے مستقل ہونے میں اختلاف ہے کہ یہ زمانہ مستقل ہے یا نہیں جب کہ معنی مصدری کے مستقل ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے اسی وجہ سے اس کا اختصاص کیا نیز اس بات میں بھی اختلاف ہے کہ زمانہ فعل کا مدلول بھی ہے یا نہیں۔ راجح قول یہ ہے کہ زمانہ فعل کے مادہ کا تو مدلول نہیں ہوتا البتہ ہیئت کا مدلول ہوتا ہے اسی لیے مولانا جامی نے اپنے قول میں زمانہ کا ذکر نہیں کیا۔

قال الشارح غیر مقترن اس میں ترکیبی احتمال تین ہیں۔

(۱) مرفوع ہو کر خبر ہو مبتدا محذوف کی جو ھو ہے۔

(۲) لفظ معنی سے حال ہونے کی بناء پر منصوب ہو۔

(۳) مجرور ہو کر صفت ہو لفظ معنی کی۔

فی الفھم اس کے ساتھ عدم اقتران کی تخصیص اس لیے کی تاکہ مصدر کے ساتھ اشکال نہ وارد ہو تفصیل گزر چکی ہے۔

عن لفظہ الدال علیہ یہ تخصیص اس لیے کی تاکہ زید ضارب الآن غدا سے اشکال وارد نہ ہو تفصیل گزر چکی ہے۔

فھو صفۃ بعد صفۃ یہ ترکیب کا بیان ہے کہ مجرور ہو کر معنی کی صفت ہے۔

فبالصفۃ یہ قیودات کے فوائد کا بیان ہے کہ اسم کی تعریف میں دو قیدیں ہیں۔

پہلی قید معنی فی نفسہ سے حرف کو خارج کر دیا اور فعل کو اپنے معنی مطابقی کے اعتبار سے

خارجکردیا۔
دوسری قید غیر مقترن اس سے فعل کو معنی تضمنی کے اعتبار سے خارج کر دیا۔
قال الشارح فالمراد بعدم الاقتران سے سوال کا جواب ہے۔
سوال : اسم کی تعریف میں عدم اقتران بالزمان معتبر ہے جیسے آپ نے پڑھ لیا لیکن اسمائے افعال کے معانی زمانہ کے ساتھ مقترن ہوا کرتے ہیں کہ بعض اسماء افعال فعل ماضی کے معنی میں ہونے کی وجہ سے زمانہ کے معنی کے ساتھ مقترن ہوتے ہیں، بعض امر حاضر کے معنی میں ہونے کی وجہ سے استقبال کے ساتھ مقترن ہیں تو لہذا اقتران بالزمان موجود ہے۔
جواب : کہ یہاں دو چیزیں ہیں وضع اول اور وضع ثانی۔ اسم کی تعریف میں جو عدم اقتران بالزمان معتبر ہے وہ وضع اول کے اعتبار سے ہے اور ان اسماء افعال میں جو اقتران بالزمان موجود ہے وہ وضع ثانی کے اعتبار سے ہے جو ان کے اسماء ہونے کی منافی نہیں۔
سوال : تمہارے پاس کیا قرینہ ہے کہ وضع اولی کے اعتبار سے اسماء فعال کے معانی مقترن بالزمان نہیں۔
جواب : مولانا جامی نے لان جمیعھا سے جواب دیا کہ ہمارے پاس دلیل موجود ہے کہ یہ اسماء سب کے سب منقول ہیں اور منقول ہونے کے اعتبار سے چار قسم پر ہیں۔
(۱) بعض اسماء افعال منقول ہیں مصادر اصلیہ سے۔
(۲) بعض اسماء افعال منقول ہیں مصادر غیر اصلیہ سے۔
(۳) بعض اسماء افعال منقول ہیں ظرف سے۔
(۴) بعض اسمائے افعال ایسے ہیں جو منقول ہیں جار مجرور سے۔ پھر اسمائے افعال جو مصادر سے منقول ہیں ہو دو قسم پر ہیں۔ (۱) منقول بنقل صریحی
(۲) منقول بنقل غیر صریحی۔
منقول بنقل صریحی : کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے معنی مصدری میں استعمال ہوں یعنی اس کا استعمال اپنے معنی مصدری میں بھی ہو جیسے روید بہ ارواد مصدر کی تصغیر ہونے کی وجہ سے منقول ہے جو کہ امھل فعل امر حاضر کے معنی میں ہے۔ جیسے قرآن پاک میں ہے امھلھم رویدا۔

منقول بنقل غیر صریحی: کا مطلب یہ ہے کہ اس کا استعمال اپنے معنی مصدری میں نہ ہو جیسے هیهات بمعنی بعد یہ اپنے معنی مصدری میں بالکل مستعمل نہیں۔ البتہ زیادہ سے زیادہ یہ مصدر کے وزن پر ہے جیسے فوقات یہ فوفی فعل کا مصدر ہے اصل میں تھا فوفية قال والے قانون سے فوقات ہو گیا اسی طرح هیهات اصل میں هيهية تھا یا مصادر غیر اصلیہ سے منقول ہوں جیسے اسماء اصوات جیسے صه یہ منقول ہے اسکت فعل امر حاضر کی طرف یا منقول ہوں ظرف سے جیسے امامك زيدا۔ منقول ہوں جار مجرور سے جیسے علیك بمعنی الزم لہذا اسماء افعال کے معانی وضع اول کے اعتبار سے مقترن بالزمان نہیں اور اگرچہ ان میں وضع ثانی کے اعتبار سے اقتران بالزمان موجود ہے۔ لیکن یہ ان کے معنی اسمی کے منافی نہیں۔

قال الشارح وخرج عنه الافعال المنسلخه مولانا جامیؒ کی غرض ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: اسم کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں کہ یہ افعال منسلخ عن الزمان یعنی افعال مقاربہ افعال مدح وذم پر صادق آتی ہے کیونکہ ان میں اقتران بالزمان موجود نہیں ہے۔ حالانکہ یہ افعال ہیں اسماء نہیں۔

جواب: اصل میں دو چیزیں ہیں۔ (۱) وضع اولی (۲) وضع ثانی، اسم کی تعریف میں عدم اقتران بالزمان پایا جاتا ہے البتہ وضع ثانی کے اعتبار یعنی استعمال کے لحاظ سے اقتران بالزمان نہیں ہے اور ہم وضع اول کا اعتبار کریں گے۔ لہذا وضع ثانی کے اعتبار سے مقترن بالزمان نہ ہونا اسماء ہونے کو مستلزم نہیں اور اسی طرح فعل ہونے کی منافی نہیں۔ اسلیے اسماء ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ وضع اولی کے اعتبار سے عدم اقتران بالزمان ہو۔

قال الشارح وخرج عنه المضارع مولانا جامیؒ کی غرض ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: کہ اسم کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں کہ یہ فعل مضارع پر صادق آتی ہے اس لیے کہ اسم کی تعریف میں کہا گیا کہ اسم وہ کلمہ ہے جو معنی مستقل بالمفہوم پر دال ہو اور تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانہ کے ساتھ ملا ہوا نہ ہو اور فعل مضارع کا معنی مستقل بھی ہے اور زمانہ ایک

کے ساتھ نہیں اقتران بلکہ دوزمانوں کے ساتھ اقتران ہے۔

جواب: فعل مضارع میں اختلاف ہے۔ پہلا مذہب یہ ہے کہ فعل مضارع حال میں حقیقت ہے استقبال میں مجاز ہے۔ دوسرا مذہب اس کے برعکس ہے۔ تیسرا مذہب یہ ہے کہ دونوں میں مشترک ہے۔ مولانا جامی فرماتے ہیں کہ پہلے دونوں مذہب کی بناء پر تو کوئی سوال وارد نہیں ہوتا البتہ تیسرے قول کی بناء پر سوال وارد ہوتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ جب دوزمانوں کے ساتھ اقتران ہوگا تو دوسرے زمانے کے ضمن میں ایک زمانہ بھی پایا جائے گا۔ تو ایک زمانہ کے ساتھ اقتران پر بھی پایا گیا لہذا فعل مضارع پر اسم کی تعریف صادق نہیں آئے گی۔

قال الشارح: اذ لایقدح مولانا جامیؒ کی غرض ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: کہ آپ نے کہا فعل مضارع دوزمانوں پر دلالت کرتا ہے فعل مضارع دوزمانوں پر کیسے دلالت کرسکتا ہے اس سے تو عموم مشترک لازم آتا ہے جو کہ جائز نہیں۔

جواب: عموم مشترک کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) عموم مشترک بحسب الدلالۃ۔ (۲) عموم مشترک بحسب الارادہ۔ عموم مشترک بحسب الدلالۃ کہ لفظ کی دلالت کئی معانی پر ہو جیسے لفظ عین کی دلالت ذھب پر اس طرح شمس پر اسی طرح گھٹنے وغیرہ پر یہ عموم مشترک جائز ہے بحسب الدلالۃ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ لفظ مشترک اپنے تمام معانی پر دال ہوتا ہے۔ لیکن عموم مشترک بحسب الارادۃ یہ جائز نہیں۔ یعنی متکلم ایک لفظ سے متعدد معانی مراد ہیں اور فعل مضارع میں جو عموم ہے وہ عموم مشترک بحسب الدلالۃ ہے یعنی فعل مضارع کی دلالۃ زمانہ حال پر بھی ہوتی ہے اور زمانہ استقبال پر بھی۔ لیکن یہ قطعاً نہیں کہ جس وقت اس سے ہم زمانہ حال مراد لیں اور اس وقت زمانہ استقبال بھی مراد لیں۔ بلکہ جب زمانہ حال مراد لیں گے تو زمانہ استقبال مراد نہیں لے سکتے اور جب استقبال لیں گے تو حال مراد نہیں لے سکتے۔

قال الشارح: ولما فرغ من بیان حد الاسم مولانا جامی کافیہ کی آنے والی عبارت کا ماقبل کے ساتھ ربط بیان کرنا چاہتے ہیں برائے دفع دخل مقدر۔

سوال: طریقہ تو یہ ہوتا ہے کہ اولاً شئ کی تعریف کی جاتی ہے ثانیاً اس کی تقسیم بیان کی جاتی ہے۔ جیسا کہ ماقبل میں کلمہ کی تعریف کے بعد کلمہ کی تقسیم کی تو علامہ ابن حاجب کو چاہیے تھا کہ اسم کی

تعریف کے بعد تقسیم کرتے حالانکہ تعریف اور تقسیم کے درمیان خواص کو ذکر کردیا حالانکہ یہ اشتغال بمالایعنی ہے جوکہ مناسب نہیں۔

جواب: خواص کا ذکر کرنا یہ اجنبی نہیں بلکہ بیان خواص اسم کی تعریف کا تتمہ ہے۔

﴿بحث خواص الاسم﴾

قال الشارح فقال من خواصه دفع دخل مقدر۔

سوال: خواص یہ جمع کثرت کا صیغہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ اسم کے خواص دس یا دس سے زیادہ بیان ہوں گے اور شروع من تبعیضیہ لائے جو قلت پر دال ہے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ قلت اور کثرت میں منافاۃ ہے۔ تو مصنف کے کلام میں تعارض ہوا اور مصنف کا قول منافاۃ کو مستلزم ہوا۔

جواب: مولانا جامی نے جواب دیا کہ خواص جمع کثرت ذکر کر کے اس بات پر تنبیہ کی کہ واقعہ نفس الامر کے اعتبار سے اسم کے خواص بہت ہیں۔ چنانچہ اپنے مقام میں ۳۲،۳۰ تک تعداد بیان کی گئی ہے اور من تبعیضیہ یہ خواص کے قلیل ہونے پر دال ہے یعنی کتاب میں ان میں سے بعض کو بیان کیا جائے گا۔

منبھا یہ حال ہے قال کے فاعل ضمیر سے۔

فائدہ صاحب کافیہ نے پانچ خواص کو ذکر کیا۔

(۱) لام تعریف (۲) جر (۳) اضافت (۴) تنوین (۵) اسناد الیہ

وجہ حصر: کہ خاصہ دو حال سے خالی نہیں خاصہ لفظی ہوگا یا معنوی اگر خاصہ لفظی ہے تو پھر دو حال سے خالی نہیں اس کا محل ورود ابتداء اسم ہوگا یا آخر اسم ہوگا اگر ابتداء اسم ہو تو یہ لام تعریف ہے اگر اسم کے آخر میں ہو تو پھر دو حال سے خالی نہیں۔ متبوع ہوگا یا تابع اگر متبوع ہو تو جر ہے اگر تابع ہو تو تنوین اور اگر خاصہ معنوی ہو تو پھر دو حال سے خالی نہیں یہ مرکب تامہ ہوگا یا مرکب ناقص اگر مرکب تامہ ہے تو مسند الیہ ہے اور اگر مرکب ناقص ہے تو اضافت۔

فائدہ سوال خواص جب بہت تھیں اگر ان میں سے بعض کو بیان کرنا تھا تو ان میں سے ان پانچ خواص کو کیوں بیان کیا ہے۔

جواب: یہ پانچ خواص یہ متضمن ہیں خواص کثیرہ کو مثلاً حرف تعریف لام متضمن ہے اپنے انواع کو

اور جر متضمن ہے حرف جارہ کو اور تنوین متضمن ہے اپنے انواع کو اسی طرح اضافت مضاف اور مضاف الیہ کو اور تعریف وتخفیف وتخصیص کو اور اسناد الیہ موصوف ذوالحال وغیرہ پر مشتمل ہیں۔

نیز علم معانی میں بھی ان کے لیے ایسے خواص کثیرہ مذکور ہیں جو کہ ان کے غیر میں موجود نہیں۔

قال الشارح **وهی جمع خاصة وخاصه شئ مایختص به ولا یوجد**

خاصہ کی تعریف : خاصہ کسی شئ کا وہ ہوتا ہے جو اس کے ساتھ خاص ہو اس کے غیر میں نہ پایا جائے۔

فائدہ سوال اول: کہ خاصہ کی تعریف میں یختص کا ذکر کرنا یہ تو اخذ المحدود فی الحد کی خرابی لازم آتی ہے جو کہ دور ہے اس لیے کہ اختصاص کا سمجھنا موقوف ہے خاصہ پر اور خاصہ کا سمجھنا موقوف ہے اختصاص پر۔

جواب: دور کا منافی ہونا یہ تعریف حقیقی میں ہوتا ہے جب کہ یہ تعریف لفظی ہے۔

فائدہ سوال ثانی: یختص مأخوذ ہے اختصاص سے۔ اختصاص کہا جاتا ہے مایوجد فیه ولا یوجد فی غیره۔ لہٰذا ما یختص به کے بعد ولا یوجد فی غیره کا ذکر مستدرک ہے۔

جواب: لایوجد فی غیره یہ تصریح بما علم ضمنا کے قبیل سے ہیں جو کہ ممنوع اور مستدرک نہیں ہوتا۔

سوال ثالث: خاصہ کی مشہور تعریف مایوجد فیه ولا یوجد فی غیره ہے۔ تو مولانا جامی نے خاصہ کی تعریف مشہور سے عدول کیوں کیا۔

جواب: مولانا جامی یہ بتانا چاہتے ہیں کہ خاصہ کی ایسی تعریف کی جائے جس سے اس کی وجہ تسمیہ بھی معلوم ہو جائے اور مولانا جامی کی بیان کردہ تعریف سے وجہ تسمیہ بھی معلوم ہو جاتی ہے لیکن یہ وجہ تسمیہ تعریف مشہور سے معلوم نہیں ہوتی۔

قال الشارح **وهی اما شاملة** خاصہ کی تقسیم کا بیان۔ (۱) خاصہ شاملہ (۲) خاصہ غیر شاملہ

خاصہ شاملہ : ایسے خاصہ کو کہا جاتا ہے جو ذوالخاصہ کے ہر ہر فرد پر صادق آجائے جیسے کاتب بالقوۃ یعنی کاتب ہونے کا امکان انسان کے ہر ہر فرد میں پایا جاتا ہے۔

خاصہ غیر شاملہ: ایسے خاصہ کو کہا جاتا ہے جو کہ ذوالخاصہ کے ہر ہر فرد میں نہ پایا جائے۔ بلکہ بعض میں پایا جائے اور بعض میں نہ پایا جائے جیسے بالفعل کاتب ہونا انسان کے لیے۔

فمن خواص الاسم خواص کو دوبارہ ذکر کر کے یہ بتادیا کہ (ہ) کا مرجع اسم ہے۔

فائدہ من خواصہ کی دو ترکیبیں ہوسکتی ہیں۔ (۱) من خواصہ خبر مقدم ہو اور دخول اللام مبتداء مؤخر ہے۔

(۲) من بمعنی بعض کے ہو کر مضاف ہو خواص کی طرف اور پھر یہ مضاف مضاف الیہ ہو کر یہ مبتداد خول اللام اس کے لیے خبر ہو جس طرح قرآن مجید میں ومن الناس من یقول ہے۔

قال الشارح ای لام التعریف مولانا جامیؒ کی غرض ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: ہم اس بات کو تسلیم ہی نہیں کرتے کہ دخول لام اسم کا خاصہ ہو کیونکہ یہ لام خاصہ تب ہوتا جب اپنے غیر میں نہ پایا جاتا حالانکہ یہ لام فعل پر بھی داخل ہوتا ہے جیسے لیضرب اور حرف پر بھی داخل ہوتا ہے جیسے لقد جب یہ اسم کے ساتھ مختص ہی نہیں تو اسم کا خاصہ کیسے بن سکتا ہے۔

جواب: ہماری مراد لام سے مطلق لام نہیں بلکہ لام تعریف ہے۔ اور لام تعریف صرف اسم پر داخل ہوتا ہے۔

سوال: یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہاں لام سے مراد لام تعریف ہے۔

جواب: دو وجہ سے (۱) کہ یہ الف لام عوض مضاف الیہ کے ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی دخول لام التعریف پھر مضاف الیہ حذف کر کے اس کے عوض شروع میں الف لام داخل کر دیا۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ لام عہدی ہے جس سے اشارہ ہے لام تعریف کی طرف۔

قال الشارح ولو قال حرف التعریف مولانا جامیؒ کی غرض ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: کہ علامہ ابن حاجبؒ دخول حرف اللام کی بجائے دخول لام التعریف کہہ دیتے تو کلام میں عموم ہو جاتا اور اس میں میم بھی جو حرف تعریف ہے وہ بھی داخل ہو جاتی جیسا قبیلہ حمیری کے ایک آدمی نے حضورؐ سے سوال کیا الیس من مبر من مصیامفی امسفر۔ آپؐ نے فرمایا

لیس من مبر من مصیامفی امسفر یہاں میم تعریف کی ہے۔

جواب: کہ میم کا حرف تعریف ہونا غیر مشہور ہے تو عدم شہرت کی بناء پر اس کو ذکر نہ کیا۔

نیز میم کا حرف تعریف ہونا یہ صرف ایک لغت حمیری میں ہے لیکن جمیع لغات عرب میں نہیں پائی جاتی۔ تو اس کے قلیل ہونے کی وجہ سے اس کو ذکر نہیں کیا۔

قال الشارح فی اختیارہ مولانا جامیؒ کی غرض ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: لام تعریف کا نہیں ہوتا بلکہ الف لام تعریف کا ہوتا ہے تو مصنف کو یوں کہنا چاہیے تھا کہ دخول الالف واللام۔

جواب: کہ اس میں تین مذہب ہیں۔ (۱) سیبویہ کا مذہب (۲) خلیل کا (۳) مبرد کا

(۱) **مذہب خلیل:** کے نزدیک حرف تعریف الف لام یعنی ال ہے جیسے ھل۔

دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ تعریف ضد ہے تشکیک کی اور تشکیک کے لیے دو حرف کا مجموعہ ہے ھل اسی طرح حرف تعریف بھی دو حرف کا مجموعہ ہونا چاہیے۔

(۲) **مبرد کا مذہب:** یہ ہے کہ حرف تعریف فقط ہمزہ ہے اور لام تو ہمزہ تعریف اور ہمزہ استفہام کے درمیان فرق کرنے کے لیے لام کو زائد لایا گیا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ ہمزہ اصل ہے اور لام فرع ہے۔

(۳) **سیبویہ کا مذہب:** یہ ہے کہ لام تعریف کا ہے ہمزہ وصلیہ ابتداء بالسکون کی وجہ سے لایا جاتا ہے، تو صاحب کافیہ فقط لام کو ذکر کرے دخول لام کر کے ماھو الولمختار مذہب کو بیان کیا ہے کہ میرے نزدیک مختار مذہب سیبویہ کا ہے۔

سیبویہ کی دلیل اول: کہ تعریف ضد ہے تنکیر کی اور تنکیر کے لیے نون تنوین ہے جو حرف واحد ساکن ہے تو تعریف کے لیے بھی حرف واحد ساکن ہونا چاہیے۔ اور وہ لام ساکن ہے۔

دلیل ثانی حرف تعریف یہ علامت ہوتا ہے تعریف کی اور ضابطہ ہے والعلامۃ لاتحذف لہذا لام ہی علامت تعریف بن سکتا ہے کیونکہ یہ حذف نہیں ہوتا بخلاف ہمزہ کے کہ وہ حذف ہو جاتا ہے لہذا یہی مذہب راجح اور قوی ہوا اور خلیل کا مذہب ضعیف ہے اس لیے کہ اگر الف بھی تعریف کا ہوتا تو لام کی طرح کلام کے درمیان میں حذف نہ ہوتا حالانکہ حذف ہو جاتا ہے اور ابو العباس

مبرد کا مذہب اضعف ہے کیونکہ اس سے تو لازم آتا ہے اصل کا حذف ہونا اور فرع کا باقی رہنا اس لیے کہ ہمزہ حذف ہو جاتا ہے اور لام باقی رہتی ہے

قال الشارح **وانما اختص دخول حرف التعریف** مولانا جامیؒ کی غرض ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال لام تعریف کو اسم کا خاصہ کیوں بنایا گیا ہے۔

جواب لام تعریف وضع کیا گیا ہے معنی مستقل مطابقی کی تعیین کے لیے اور یہ بات ظاہر ہے کہ معنی مستقل مطابقی اسم ہی میں پایا جاتا ہے۔ کیونکہ فعل کا معنی مستقل تو ہے لیکن تضمنی ہے اور حرف کا معنی مستقل ہی نہیں لہذا اس کو اسم کا خاصہ بنا دیا گیا۔

قولہ **وھذہ الخاصۃ لیست شاملۃ** مولانا جامیؒ کی غرض ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال کہ ہم اس بات کو تسلیم ہی نہیں کرتے کہ لام تعریف اسم کا خاصہ ہو اس لیے خاصہ جو ہوتا ہے وہ شیئ کے تمام افراد میں پایا جاتا ہے حالانکہ کہ یہ لام تعریف اسمائے اشارات اور مضمرات اور موصولات میں داخل نہیں ہوتا۔

جواب کہ ہم ماقبل میں بتا چکے ہیں کہ خاصہ کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) خاصہ شاملہ (۲) خاصہ غیر شاملہ۔ اور یہاں پر خاصہ سے مراد خاصہ غیر شاملہ ہے۔ جو کہ بعض افراد میں پایا جاتا ہے۔

وکذالک سائر الخواص یہاں سے ایک فائدے کا بیان ہے کہ باقی خواص مذکورہ کا بھی یہی حال ہے کہ اسم کے خواص غیر شاملہ ہیں۔

ومنھا دخول الجر مولانا جامی نے حاصل عطف کو بیان کیا ہے کہ جر کا عطف ہے لام پر تو عبارت یوں ہوگی منہا دخول الجر معنی یہ ہوگا کہ اسم کا ایک خاصہ جر کا داخل ہونا ہے۔

فائدہ سوال کہ جر کا دخوال تو نہیں ہوتا کیونکہ جر آخر میں آتی ہے شروع میں نہیں آتی۔

جواب دخول کے دو معنی ہیں (۱) حقیقی معنی یہ ہے کہ کلمہ کی ابتداء میں آنا۔

(۲) مجازی معنی لحوق ہے کہ لاحق ہونا یہاں دخول کا معنی مجازی لحوق مراد ہے۔ اب معنی یہ ہوگا کہ اسم کا ایک خاصہ جر کا لاحق ہونا ہے۔

قال الشارح **وانما اختص دخول الجر** مولانا جامیؒ کی غرض ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: جر کو اسم کیوں بنایا گیا ہے۔

جواب: جر یہ اثر ہے حرف جارہ کا۔ خواہ حرف جر مذکور ہو جیسے مررت بزید یا حرف جر مقدر ہو جیسے اضافہ معنویہ میں حرف جر مقدر ہوتا ہے غلام زید اصل میں تھا غلام لزید لھذا جب حروف جارہ جو اسم کے ساتھ خاص ہیں تو ان کا اثر جر کو بھی اسم کے ساتھ خاص کر دیا تا کہ تخلف الاثر من المؤثر لازم نہ آئے یا بعنوان دیگر تا کہ نہ لازم آئے وجود الاثر بدون المؤثر۔

سوال: حروف جارہ کو اسم کا خاصہ کیوں بنایا گیا ہے۔

جواب: کہ حروف جارہ کی وضع اس لیے ہے کہ یہ فعل اور شبہ فعل کے معنی کو کھینچ کر اسم تک پہنچاتے ہیں۔ یہ تب ہو سکتا ہے جس وقت حروف جارہ کا مدخول اسم ہو۔

سوال: ہم دیکھاتے ہیں کہ تخلف الاثر عن المؤثر موجود ہے جیسے سورج اور قمر مؤثر ہیں جن کی ضوء اور روشنی زمین میں موجود ہے حالانکہ شمس اور قمر اس میں موجود نہیں۔ تو جود الاثر بدون المؤثر لازم آیا حالانکہ آپ نے اسے باطل قرار دیا ہے۔

جواب: مؤثر دو قسم پر ہے۔ (۱) مؤثر طبعی اور (۲) مؤثر کسبی۔ اول قوی ہے جو ہر حال میں مؤثر ہے اور ثانی ضعیف ہے اور ضابطہ مذکورہ مؤثر کسبی کے لیے مؤثر طبعی کے لیے نہیں اور آپ کے پیش کردہ مثال شمس و قمر یہ مؤثر طبعی ہیں۔

قال الشارح **اما الاضافة اللفظية** مولانا جامیؒ کی غرض ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: دعویٰ اور دلیل میں مطابقت نہیں جس کی تفصیل یہ ہے کہ جر کی دو قسم ہیں۔

(۱) وہ جر جو حروف جارہ کا اثر ہو اس کی پھر دو قسمیں ہیں کبھی حرف جار مذکور ہوتا ہے اور کبھی حرف جر مقدر ہوتا ہے۔ جیسے اضافۃ معنویہ میں۔

(۲) وہ جر جو حروف کا اثر نہیں ہوتا جیسے اضافت لفظیہ میں ضارب زید اس میں حرف جارہ نہ لفظا ہوتا ہے اور نہ تقدیرا ہوتا ہے۔ اب سوال کا حاصل یہ ہے کہ آپ کا دعویٰ یہ ہے کہ جر مطلقا خواہ حرف جر کا اثر ہو یا نہ ہو اسم کا خاصہ ہے۔ اور دلیل سے صرف اتنی بات ثابت ہوتی ہے کہ وہ جر اسم

کا خاصہ ہے جو حرف جار کا اثر ہے تو دعویٰ عام ہوا اور دلیل خاص ہوئی لہذ التعریف تام نہ ہوئی۔

جواب: اضافت لفظیہ میں دو مذہب ہیں۔

پہلا مذہب: اضافت لفظیہ میں حروف جارہ مقدر رہتا ہے اس مذہب کے اعتبار سے تو کوئی اشکال ہی نہیں ہوگا۔

دوسرا مذہب: کہ حرف جار اضافت لفظیہ میں مقدر نہیں ہوتا۔ پھر اصل سوال کا جواب یہ ہے۔ اضافت لفظی والی جر کا اختصاص اور خاصہ ہونا ایک اور دلیل سے ثابت کرتے ہیں۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ اضافت لفظیہ فرع ہے اضافت معنویہ کی اس لیے کہ اضافت معنویہ فوائد ثلاثہ پر مشتمل ہے۔ (۱) تعریف (۲) تخصیص (۳) تخفیف

اضافت لفظیہ سے صرف ایک فائدہ حاصل ہوتا ہے تخفیف کا۔ لہذا اضافت لفظیہ فرع ہوئی اضافت معنویہ کی۔ اور جب اضافت لفظیہ فرع ہوئی اضافت معنویہ کی تو بناء بر قاعدہ **الفرع لایخاف الاصل** تو اضافت لفظیہ بھی اسم کا خاصہ ہوگئی اس لیے کہ جو حکم اصل کا ہوتا ہے وہی حکم فرع کا ہوتا ہے تو چونکہ اصل یعنی اضافت معنویہ اسم کے ساتھ مختص تھی تو اضافت لفظیہ بھی اسم کا خاصہ بنادی گئی ورنہ تو فرع کی مخالفت لازم آئے گی اصل کے ساتھ۔ اور اصل کی مخالفت کی دو صورتیں ہیں۔

پہلی صورت یہ ہے کہ اضافت لفظیہ فعل کے ساتھ خاص ہو جائے۔

دوسری صورت اضافت لفظیہ عام ہو جائے یعنی فعل اور اسم دونوں پائی جائے اور مخالفت کی یہ دونوں صورتیں ناجائز ہیں۔ لہذا اضافت لفظیہ میں پائی جانے والی جر بھی اسم کے ساتھ خاص ہوگئی۔

قال الشارح ومنها دخول التنوین اس عبارت میں حاصل عطف کو بیان کیا ہے۔ کہ تنوین کا عطف دخول کے مدخول پر ہے اور یہاں پر بھی دخول لحوق کے معنی میں ہے اب معنی یہ ہوگا اسم کا ایک خاصہ تنوین کا لاحق ہونا ہے۔

قوله باقسامه الاتنوین الترنم مولانا جامیؒ کی غرض ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: تنوین کی پانچ قسمیں ہیں۔ (۱) تمکن (۲) تنکیر (۳) عوض (٤) مقابلہ

(۵) ترنم۔ ان پانچ قسموں میں سے تنوین ترنم کے سوا باقی چاروں قسمیں اسم کا خاصہ ہیں اور قاعدہ للاکثر حکم الکل کے تحت تنوین کو کسی خاص قسم کے ساتھ مقید نہیں کیا بلکہ مطلقا کہا کہ تنوین اسم کا خاصہ ہے۔

قولہ وسیجئی فی آخر الکتاب سے مولانا جامی نے یہ بیان کر دیا کہ تنوین کی تعریف اور اس کی اقسام اربعہ کے خاصہ ہونے کی وجہ اور تنوین ترنم کا خاصہ نہ ہونے کی وجہ یہ حروف کی بحث میں آئے گی۔ لیکن محشی نے چونکہ یہاں بیان کیا ہے اس لیے ہم بھی یہاں بیان کرتے ہیں۔

تعریف تنوین : التنوین نون ساکنة تتبع حرکت الاخر لالتاکید الفعل تنوین کے پانچ اقسام کے لیے شعر

تناوین پنج انداے پرغرض — تمکن، تنکر، ترنم، تقابل، عوض

(۱) **تنوین تمکن**: وہ ہے جو دلالت کرتی ہے کلمہ کے متمکن ہونے اور منصرف ہونے پر اور متمکن ہونا اور منصرف ہونا اسم کا خاصہ تھا تو اس کو بھی اس کو بھی اسم کا خاصہ بنا دیا۔

(۲) **تنوین تنکیر**: وہ تنوین ہے جو مدخول کے نکرہ ہونے پر دلالت کرتی ہے اور چونکہ نکرہ اور معرفہ ہونا اسم کا خاصہ تھا لہذا اس تنوین کو بھی اسم کا خاصہ بنا دیا۔

(۳) **تنوین عوض**: وہ ہے جو کسی کلمہ کے عوض میں ہو پھر اس کی تین قسمیں ہیں۔

(ا) عوض عن الجملہ جیسے حینئذ یومئذ۔ (۲) عوض عن المضاف الیہ جیسے کل فی فلك یسبحون۔ اصل میں تھا کل هما۔ (۳) عوض عن الحرف جیسے دواع اور حرف اور فعل مضاف ہی نہیں ہوتے۔ جب مضاف ہی نہیں ہوتے تو ان کا مضاف الیہ حذف کیسے ہوگا۔ جب حذف ہی نہیں ہوگا تو تنوین عوض کی لانے کی ضرورت کیا پڑے گی اس لیے یہ تنوین عوض کو اسم کا خاصہ بنا دیا گیا۔

(٤) **تنوین تقابل**: وہ جو جمع مؤنث سالم پر داخل ہوتی ہے۔ جمع مذکر سالم کے نون کے مقابلہ میں جیسے مسلمات اور جمع سالم چونکہ اس کیساتھ خاص تھا تو اس لیے تنوین تقابل کو بھی اسم کا خاصہ بنا دیا گیا۔

(۵)۔ **تنوین ترنم** :وہ جواشعار کے آخر میں تحسین صوت کے لیے لائی جاتی ہے یہ پانچویں قسم تنوین ترنم مشترک ہے یہ اسم پر بھی داخل ہوتی ہے اور فعل پر بھی۔

قال الشارح ومنها الاسناد وهو بالرفع حاصل عطف اور ترکیب کا بیان ہے جس کا حاصل یہ ہے۔کہ الاسناد الیہ مرفوع ہوکراس کا عطف ہے دخول پر نہ کہ دخول کے مدخول پر لہذا جس طرح معطوف علیہ مرفوع ہے اسی طرح معطوف بھی پھر معطوف علیہ اور معطوف مل کر مبتداء اور من خواصہ اس کے لیے خبر ہوگی۔

قال الشارح لان المتبادر من الدخول مولانا جامیؒ کی غرض ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: الاسناد کا عطف دخول کے مدخول لام پر کیوں نہیں ہوسکتا۔

جواب: اس صورت میں تقدیر عبارت یہ ہوگی ومنها دخول الاسناد الیه اور یہ غلط ہے کیونکہ دخول کے دو معنی ہیں معنی حقیقی کلمہ کے ابتداء میں داخل ہونا اور معنی مجازی کلمہ کے آخر میں لاحق ہونا اور دخول کا تعلق دونوں معنوں کے اعتبار سے الاسناد الیه کے ساتھ صحیح نہیں اس لیے کہا الاسناد الیه یہ دو چیزوں کے درمیان نسبت کا نام ہے۔اور یہ تو ابتداء کلمہ میں داخل ہوئی نہ کلمہ کے آخر میں لاحق ہوئی۔اس لیے اس کا عطف دخول کے مدخول پر نہیں ہوسکتا۔

وكذا فی الاضافة ایک فائدہ کا بیان ہے کہ مابعد میں اضافت کا لفظ آرہا ہے یہ بھی مرفوع ہے کہ اس کا عطف دخول پر ہے جس کی دلیل یہی ہے جو ابھی گزری ہے۔

قوله والمراد به کون الشیٔ مسند الیه یہ عبارت تین سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال اول: اسناد کو اسم کا خاصہ بنایا گیا ہے اور اسناد نام ہے نسبة بین المسند والمسند الیه کا تو اسناد کا خاصہ ہونا طرفین میں سے کس کے اعتبار سے ہے مسند الیہ کے اعتبار سے یا مسند کے اعتبار سے کلاهما باطل ۔اگر مسند کے اعتبار سے ہو تو اشکال ہوگا کہ مسند فعل بھی ہوتا ہے تو پھر اختصاص اسم کے ساتھ کیسے ہوا اور اگر مسند الیہ مراد لیا جائے تو پھر سوال یہ ہوگا کہ مسند الیہ ہونا بھی اسم کا خاصہ نہیں فعل بھی مسند الیہ واقع ہوتا ہے جیسے اذا قیل لهم اٰمنوا میں اٰمنوا فعل ہے اور مسند الیہ واقع ہوتا ہے۔

جواب: یہ ہے کہ اسناد مصدر مجہول ہے معنی یہ ہوگا کون الشئ مسندا الیه اور مسند الیہ ہونا اسم کا خاصہ ہے باقی رہا اذا قیل لهم آمنوا اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی تاویل کی جائے گی بتاویل ھذا لفظ مسند الیہ ہے۔

سوال ثانی: مسند الیہ ہونا ذات کے قبیل سے ہے حالانکہ خواص تو اعراض کے قبیل سے تو مسند الیہ کو اسم کا خاصہ کس طرح بنا دیا گیا نیز اس صورت میں تو لازم آئے گا عرض کا حمل ذات پر جو کہ جائز نہیں۔

جواب: یہاں پر اسناد بمعنی کون الشئ مسندا الیه کے ہے اور کون مصدر ہونے کی وجہ سے اعراض کے قبیل سے ہے تو خاصہ بننا بھی صحیح ہوگا نیز حمل العرض علی العرض ہوگا جو کہ جائز ہے۔

سوال ثالث: الاسناد الیه مبتداء ہے اور من خواصه خبر مقدم ہے۔ اور ضابطہ ہے الخبر یفید مالا یفید المبتداء، خبر کسی ایسے چیز کے فائدہ دے جو فائدہ مبتداء سے حاصل نہ ہو۔ یعنی خبر ایک فائدہ زائدہ پر مشتمل ہوتی ہے ورنہ وہ خبر باطل ہوا کرتی ہے۔ لیکن یہاں پر تو خبر فائدہ زائدہ پر مشتمل نہیں اس لیے کہ الاسناد الیه سے جو بات سمجھی جارہی ہے وہی بات من خواصه سے سمجھی جارہی ہے وہ اس طریقہ سے کہ الاسناد الیه میں ضمیر راجع ہے اسم کی طرف اب معنی یہ ہوگا الاسناد القائم بالاسم ۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ جو اسناد اسم کے ساتھ قائم ہوگا وہ غیر میں کیسے پایا جاسکتا ہے اس لیے کہ اسناد عرض ہے اور عرض جب ایک محل کے ساتھ قائم ہوتا ہے وہ دوسرے محل میں نہیں پایا جاسکتا ہے قیام العرض بالمحلین محال اور باطل ہوتا ہے۔ الحاصل الاسناد الیه سے یہ بات ثابت ہوگی کہ مسند الیہ ہونا یہ اسم کا خاصہ ہے اور من خواصه بھی یہی بات ثابت کر رہی ہے لہذا خبر لغو اور باطل ہوگی۔

جواب: کہ بسا اوقات ایک شئ کے مختلف اعتبارات کے ساتھ معتبر ہوتی ہے بعض اعتبار سے اس پر حکم لگانا صحیح ہوتا ہے اور بعض اعتبار سے حکم لگانا صحیح نہیں ہوتا۔ جیسے الانسان حیوان ناطق اس انسان میں دو اعتبار ہیں ایک حیوان ناطق ہونے کے اعتبار سے اور دوسرا جسم ہونے کے اعتبار سے۔ اول حیثیت کے اعتبار سے حیوان ناطق والا حکم لغو ہوگا کیونکہ خبر فائدہ زائدہ پر مشتمل نہیں لیکن اگر دوسری حیثیت جسم کا اعتبار کیا جائے پھر حیوان ناطق کے ساتھ انسان پر حکم لگانا

درست ہوگا۔ یہاں پر بھی ایسے ہے کہ اگر الیـــہ کے ضمیر کے مرجع اسم میں شئ کا اعتبار کیا جائے تو من خواصہ کا حکم لگانا درست ہوگا۔ کیونکہ خبر فائدہ زائدہ پر مشتمل ہے اور اگر اسم ہونے کا اعتبار کرلیا جائے پھر حکم لگانا غلط ہوگا۔

قولہ وانما اختص هذا المعنی سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: مسند الیہ ہونا اسم کا خاصہ کیوں ہے۔

جواب: فعل کی وضع اس لیے ہے کہ وہ ہمیشہ مسند ہوتا ہے اگر وہ مسند الیہ واقع ہو جائے تو یہ وضع کیخلاف ہے اور حرف نہ مسند ہوتا ہے اور نہ مسند الیہ تو لہذا یہ متعین ہوا کہ مسند الیہ ہونا اسم کا خاصہ ہے۔

قولہ منها الاضافة اسم کا پانچواں خاصہ اضافت ہے۔

قولہ کون الشئ مضافا تین سوال مقدرہ کا جواب ہے۔

سوال اول: اضافت اسم کا خاصہ ہے اس سے مضاف مراد ہے اور مضاف ذات ہے حالانکہ خواص وہ تو اعراض اور اوصاف کے قبیل سے ہوا کرتے ہیں لہذا مضاف کو اسم کا خاصہ شمار کرنا غلط ہے۔ ورنہ حمل العرض علی الذات لازم آئے گا جو کہ باطل ہے۔

جواب: شارح نے جواب دیا کہ اضافت مصدر بمعنی اسم مفعول ہے۔ کون الشئی مضافا اور مصدر اعراض کے قبیل سے ہوتا ہے لہذا مضاف کا خاصہ ہونا بھی صحیح ہو جائے گا اور حمل بھی درست ہو جائے گا۔

سوال ثانی: الاضافت کا عطف آیا الاسناد پر تو الیہ کا لفظ بھی ساتھ ملے گا یہ بات اس طرح بن جائے گی کون الشئی مضافا الیه حالانکہ مضاف الیہ ہونا اسم کا خاصہ نہیں۔

جواب: الاضافت کا عطف فقط الاسناد پر نہیں بلکہ مجموعہ پر ہے لہذا الیہ کا لفظ ساتھ نہیں ملے گا معنی یہ ہوگا کون الشئی مضافا کہ مضاف ہونا اسم کا خاصہ ہے۔

سوال ثالث: اضافت نام ہے اس نسبت کا جو مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان ہوتی ہے اب آپ بتائیں اضافت کا خاصہ ہونا باعتبار مضاف کے ہوگا یا باعتبار مضاف الیہ کا کلاهما باطل اس لیے کہ اگر مضاف مراد ہو تو سوال یہ ہوگا مررت بزید میں مررت مضاف ہے زید کی طرف

بواسطہ حرف جر کے تو مضاف ہونا اسم کا خاصہ نہ ہوا اگر مضاف الیہ مراد ہو تو مضاف الیہ فعل بھی جملہ بھی واقع ہوتا ہے جیسے یوم ینفع الصادقین صدقھم اور اگر دونوں مراد ہوں تو دو محظور لازم آئیں گے۔

جواب: الاضافت سے مراد مضاف ہے کون الشیٔ مضافا باقی رہا سوال کہ مدرت بزید اس میں مررت مضاف ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اضافت کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) اضافت بتقدیر حرف جر (۲) اضافت بذکر حرف جر۔ ثانی اسم کا خاصہ نہیں اور حقیقت میں وہ اضافت ہی نہیں بلکہ جار مجرور ہے اور پہلا قسم جس میں حرف جر مقدر ہو وہ اسم کا خاصہ ہوتا ہے۔

اور بعض کے نزدیک مضاف اور مضاف الیہ دونوں اسم کا خاصہ ہیں۔ وہ اس سوال کا جواب یہ دیتے ہیں کہ ینفع بتاویل مصدر ہے اس میں ان ناصبہ مصدر یہ مقدر ہے اور ضابطہ یہ ہے کہ جب ظرف مضاف الی الفعل ہو تو فعل مصدر کے معنی میں ہو جاتا ہے۔

الحاصل : بالاتفاق اسم کا خاصہ ہے اور مضاف الیہ میں اختلاف ہے عند المصنف دونوں اسم کا خاصہ ہیں اس اعتبار سے کہ مصنف نے اضافت کو مطلق ذکر کیا۔ اور شارح کے نزدیک فقط مضاف اسم کا خاصہ ہے اسی وجہ سے انہوں نے الاضافة کی کی تفسیر کی کہ کون الشیٔ مضافا سے اور مذہب ثانی کو مولانا جامی یقال سے ذکر کر کے اس کے ضعف کیطرف اشارہ کیا کیونکہ اس میں تکلفات بعیدہ کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے۔

انما خص الاضافت سے شارح نے اسی اختلاف کی تفصیلکو بیان کیا ہے۔

انما قیدنا بتقدیر حرف الجر مولانا جامی حرف جار کے مقدر ہونے کی قید کے فائدہ کو بیان کر رہے ہیں برائے دفع دخل مقدر۔

سوال: حروف جار کے مقدر ہونے کی قید کیوں لگائی۔

جواب: مررت بزید جیسی مثالوں کو خارج کرنے کے لیے کیوں کہ ان میں فعل کی اضافت ہو رہی ہے لیکن بواسطہ حرف جار ملفوظ کے۔

قولہ ووجہ اختصاصھا بالاسم سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: اضافت کو اسم کا خاصہ کیوں قرار دیا گیا ہے۔

جواب اضافت کے تین لوازمات ہیں۔

(۱) تعریف جب کہ مضاف الیہ معرفہ ہو۔

(۲) تخصیص جب کہ مضاف الیہ نکرہ ہو۔

(۳) تخفیف۔ جب یہ تینوں لوازمات اسم ہی کے ساتھ مختص تھے تو ملزوم جو اضافت ہے اس کو بھی اسم کا خاصہ بنا دیا۔ اس لیے کہ قاعدہ ہے **اختصاص اللازم یستلزم اختصاص الملزوم**۔

﴿بحث معرب﴾

قال الشارح وهو معرب ومبنی مصنف رحمہ اللہ اسم کی تعریف اور خواص سے فارغ ہونے کے بعد اسم کی تقسیم بیان کرنا چاہتے ہیں۔ اسم کی دو قسمیں ہیں۔ معرب اور مبنی۔

فائدہ معرب کی وجہ تسمیہ۔

(۱) معرب اعراب سے ہے اعراب کا معنی ہوتا ہے اظہار جیسے کہا جاتا ہے **اعرب الرجل عن مافی نفسه** تو معرب ظرف کا صیغہ ہے۔ معنی ہوگا ظاہر ہونے کی جگہ چونکہ اس پر اعراب ظاہر ہوتا ہے اس لیے اس کو معرب کہا جاتا ہے۔

(۲) معرب اعراب سے جس کا مجرد ہے۔ **عرب یعرب** بمعنی فساد جیسے کہا جاتا ہے۔ **عربت معدته** اس کا معدہ خراب اور فاسد ہو گیا۔ جب اس کو باب افعال پر لے گئے تو سلب مأخذ والی خاصیت سے اس کا معنی ہو گیا ازالہ فساد اب معرب اسم مفعول کا صیغہ ہوگا۔ بمعنی فساد دور کیا ہوا اور معرب پر چونکہ اعراب آتا ہے جس کی وجہ سے معنی کا اشتباہ کا فساد ختم ہو جاتا ہے اس لیے اس کو معرب کہا جاتا ہے۔

مبنی کی وجه تسمیه: کہ مبنی کو مبنی اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ مأخوذ ہے بناء سے بمعنی قرار اور عدم تغیر اور اس میں بھی کوئی تغیر اور تبدل نہیں ہوتا اس لیے اس کو مبنی کہتے ہیں۔

وهوالاسم لفظ اسم نکال کر مولانا جامی نے مرجع بتا دیا کہ **هو** ضمیر کے مرجع اسم ہے جس پر قرینہ وہ ضابطہ ہے کہ مقسم اپنی اقسام میں معتبر ہوا کرتا ہے لہذا اقسام اسم کے ہے تو لہذا ضمیر بھی اسم کی

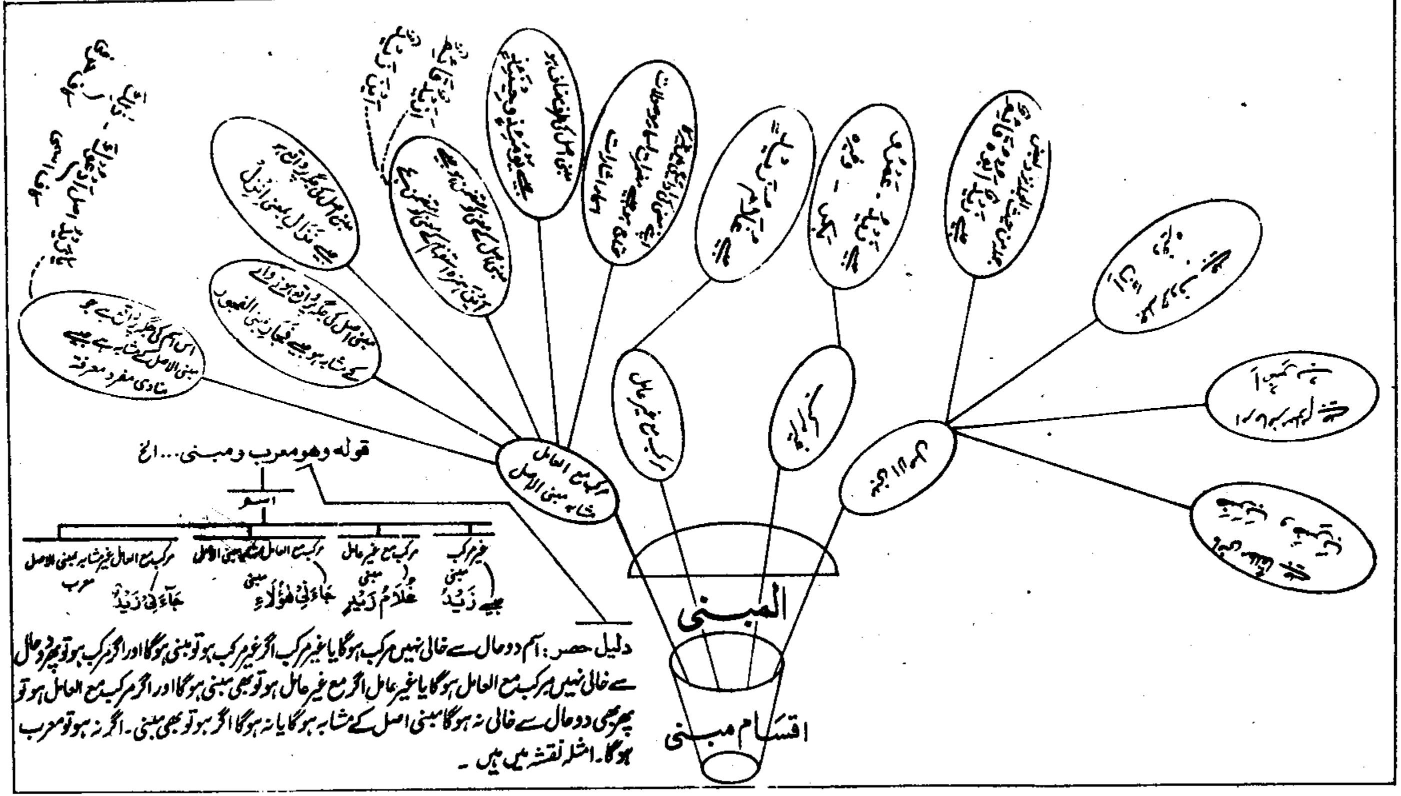

دلیل حصر: اسم دو حال سے خالی نہیں مرکب ہوگا یا غیر مرکب اگر غیر مرکب ہو تو مبنی ہوگا اور اگر مرکب ہو تو پھر دو حال سے خالی نہیں مرکب مع العامل ہوگا یا غیر عامل اگر مع غیر عامل ہو تو بھی مبنی ہوگا اور اگر مرکب مع العامل ہو تو پھر بھی دو حال سے خالی نہ ہوگا مبنی اصل کے مشابہ ہوگا یا نہ ہوگا اگر ہو تو بھی مبنی۔ اگر نہ ہو تو معرب ہوگا۔ امثلہ نقشہ میں ہیں۔

طرف راجع ہوگی۔

قوله فسمان سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال : هو معرب ومبنی میں معرب اومبنی حرف عطف کے واسطے سے خبر ہیں اسم کی اور ضابطہ یہ ہے کہ خبر کا حمل ہوتا ہے مبتداء کے ہر ہر فرد پر اب معنی ہوگا اسم کا ہر ہر فرد معرب ہے اور ہر ہر فرد مبنی ہے یہ تو غلط ہے اس لیے کہ اسم کے بعض افراد معرب ہیں اور بعض افراد مبنی ہیں۔

جواب : معرب ومبنی حقیقت میں مبتداء کی خبر نہیں بلکہ خبر مقدر ہے وہ فسمان ہے اور یہ اس کے متعلقات ہیں تقدیر عبارت یہ ہوگی هو منقسم الی قسمین نیز اس سے ایک اور سوال کا جواب بھی ہوگیا کہ جب اسم کی یہ دو قسمیں تھیں تو کلمہ حصر کو ذکر کرنا چاہیے تھا۔ تو فسمان سے جواب بھی ہوگیا کہ اس سے حصر مفہوم ہوتا ہے یا یوں کہا جائے کہ عطف حکم پر مقدم ہے جو کہ مفید حصر ہوا کرتا ہے۔

سوال : معرب کو مبنی پر کیوں مقدم کیا۔

جواب : چند وجوہ سے **وجه اول** معرب کی کہ تعریف وجودی اور مبنی کی تعریف عدمی تھی اور وجود اشرف ہوتا ہے عدم سے اس لیے اشرف کو ہم نے مقدم کر دیا۔

وجه ثانی معرب کی دلالت علی المعانی المعتورة اوضح ہوتی ہے بنسبت مبنی کے اور معانی متعورہ ہی مقصود ہیں لہذا معرب کو ہم نے مقدم کیا۔

وجه ثالث: معرب کی مباحث بنسبت مبنی کے کثیر ہیں اس لیے کہ یہ مقدمہ اور تین مقاصد یعنی مرفوعات اور منصوبات اور مجرورات پر مشتمل ہے۔ اور قاعدہ ہے العزة للتكاثر کے بناء پر ہم نے مقدم کر دیا۔

وجه رابعه : معرب اپنی اصل پر قائم ہے جب کہ مبنی اپنی اصل سے پھر چکا ہے اس لیے کہ اسماء میں اصل معرب ہونا ہے اور مبنی ہونا خلاف اصل ہے اسی وجہ سے یہ قاعدہ ہے۔

كل اسم رائيته معربا فهو على اصله وكل اسم رائيته مبنى فهو على خلاف اصله ۔ لہذا جب اسماء معربہ اصل ہوئے اس لیے ان کو مقدم کر دیا۔

لانه لايخلو دلیل حصر کا بیان ہے کہ اسم دو حال سے خالی نہیں مرکب مع الغیر ہوگا یا نہیں اگر ہو تو پھر دو حال سے خالی نہیں مبنی الاصل کے مشابہ ہوگا یا نہیں اگر مرکب مع الغیر ہو کر مبنی الاصل کے

مشابہ نہ ہو تو معرب ہے اس کے علاوہ تمام صورتوں میں مبنی ہیں اور وہ دو ہیں۔ (۱) مرکب مع الغیر نہ ہو۔

(۲) مرکب مع الغیر تو ہو لیکن مبنی الاصل کے ساتھ مشابہ ہو۔ تو اس وجہ حصر سے معرب کے پائے جانے کی ایک صورت اور مبنی کے پائے جانے کی دو صورتیں ہوئیں۔ یاد رکھیں ما عداہ مبتداء ہے اور مبنی یہ خبر ہے اور درمیان میں ماعدا کی دو صورتوں کا بیان ہے۔

فالمعرب معرب کی تعریف کا بیان کہ معرب ایسے اسم کو کہا جاتا ہے جو مرکب مع الغیر ہو اور مبنی الاصل کے ساتھ مشابہ نہ ہو۔ فالمعرب پر (فاء) تفصیلیہ ہے۔

قولہ الذی ھو قسم من الاسم ۔

سوال : اسم کی تقسیم معرب اور مبنی کی طرف غلط ہے کیونکہ ضابطہ ہے المقسم اعم من الاقسام جب کہ یہاں پر معاملہ برعکس ہے کہ مقسم خاص ہے اور اقسام عام ہیں اس طرح کہ اسم خاص ہے کہ یہ نہ فعل ہوتا ہے اور نہ ہی حرف ہوتا ہے اور معرب عام ہے یہ اسم بھی ہوتا ہے اور فعل مضارع بھی ہوتا ہے۔

جواب : یہ آپ کا سوال تب ہوتا کہ اسم کی تقسیم ہوتی مطلق معرب اور مبنی کی طرف حالانکہ یہ اسم کی تقسیم ہے اسم معرب اور اسم مبنی کی طرف۔ لہذا اسم مقسم عام ہوا اور اقسام خاص اسی وجہ سے المعرب اور المبنی صیغہ صفت کے ہیں ان کے لیے موصوف الاسم محذوف ہے۔

قولہ المرکب ای الاسم سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال : معرب کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں ضرب زید میں ضرب پر صادق آتی ہے۔ اس لیے کہ یہ مرکب ہے اور مبنی الاصل کے ساتھ مشابہ بھی نہیں۔ کیونکہ خود مبنی ہے۔

جواب : المرکب صیغہ صفت کا ہے جس کا موصوف محذوف ہے الاسم لہذا آپ کی پیش کردہ مثال فعل کی ہے لہذا اس پر تعریف صادق نہیں آئے گی۔

قولہ الذی رکب سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال المعرب مبتداء اور المرکب خبر ہے اور جب مبتداء خبر دونوں معرفہ ہوں تو درمیان میں ضمیر فصل کا لانا ضروری ہوتا ہے تا کہ صفت اور خبر میں التباس لازم نہ آئے۔ تو صاحب کافیہ ضمیر

فصل کیوں نہیں لائے۔

جواب اول: المرکب پر الف لام حرفی نہیں بلکہ الف لام اسمی ہے جو الذی کے معنی میں ہے اور اسم مفعول فعل ماضی مجہول کے معنی میں ہے جب یہ الف لام اسمی ہے اور قاعدہ ہے کہ الف لام اسمی مفید للتعریف نہیں ہوتا۔ لہذا جب خبر معرفہ ہی نہیں ہوئی تو ضمیر فصل کیسے لایا جاتا۔

جواب ثانی: ثانی کہ ضمیر فصل وہاں ذکر کی جاتی ہے جہاں التباس بین الصفت والخبر کا خوف ہو یہاں پر کوئی ایسا خوف نہیں کیونکہ المعرب محدود ہے المرکب حد ہے اور محدود وحد مبتداء خبر ہوتی ہے موصوف صفت نہیں اسی وجہ سے ضمیر فصل نہیں لائی گئی۔

قوله مع غيره سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: اسم معرب کی تعریف میں لفظ مرکب کا ذکر کرنا غلط ہے اس لیے کہ اسم معرب قسم ہے اسم کا اور اسم قسم ہے کلمہ کا اور کلمہ کی تعریف میں مفرد ہونا معتبر ہے اور قاعدہ ہے کہ جو چیز مقسم میں معتبر ہوتی ہے وہ قسم میں بھی معتبر ہوتی ہے۔ تو جب اسم میں مفرد ہونا معتبر تھا تو اس کی قسم اسم معرب میں بھی مفرد ہونا معتبر ہوگا۔ ادھر تم نے اسم معرب کی تعریف میں مرکب کو بھی ذکر کیا یہ تو اجتماع متنافین ہے جو کہ باطل ہے۔

جواب: کہ مرکب کے دو معنی ہوتے ہیں۔

(۱) مرکب بمعنی مضمون الی شئ یعنی کسی شئ کے ساتھ ملایا ہوا مرکب کے اس معنی کو لفظ مع کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے کہا جاتا ہے مرکب مع الغیر۔

(۲) مضمومین کا مجموعہ اس کو تعبیر کہا جاتا ہے لفظ من کے ساتھ یعنی مرکب من الغیر چنانچہ زید قائم کی ترکیب میں مرکب بالمعنی الاول تنہا زید ہے اور مرکب بالمعنی الثانی زید قائم کا مجموعہ ہے۔ اب ہم یہ کہتے ہیں کہ مرکب بالمعنی الثانی یہ تو مفرد ہونے کے منافی ہے یعنی مفرد کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے لیکن اسم معرب کی تعریف میں جو مرکب مذکور ہے وہ بالمعنی الاول ہے جو مفرد ہونے کے قطعا منافی نہیں اور مفرد کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے۔

قال الشارح تركيبا يتحقق مع عامله مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: اسم معرب کی یہ تعریف تو دخول غیر سے مانع نہیں کیونکہ یہ غلام زید میں لفظ غلام پر

صادق آتی ہے کہ یہ بھی مرکب مع الغیر ہے حالانکہ یہ معرب نہیں مبنی ہے عند المصنف۔

جواب: ترکیبا مع الغیر سے مراد ہے ایسی ترکیب جو مرکب مع عامل ہو یعنی کہ وہ اپنے عامل کے ساتھ مرکب ہو اور یہ بات ظاہر ہے کہ غلام زید میں لفظ غلام اپنے عامل کے ساتھ مرکب نہیں بلکہ اپنے مضاف الیہ کے ساتھ مرکب ہے۔

فائدہ سوال اب تو اسم کی تعریف جامع نہیں رہے گی اس لیے کہ زید قائم کی ترکیب میں زید معرب ہے لیکن اس کا عامل لفظی موجود ہی نہیں۔

جواب: عامل میں تعمیم ہے خواہ وہ عامل لفظی ہو یا عامل معنوی ہو اور یہ زید قائم مبتداء خبر کا عامل معنوی یقیناً ہے لہذا یہ مبتداء اور خبر بھی عامل کے ساتھ مرکب ہوئے۔

فیدخل فیه زید قائم سے تفصیل مذکور پر تفریع کا بیان ہے جس کا حاصل ہے کہ اسم معرب کی اس تعریف کے مطابق زید عالم میں جو زید ہے۔ اس تعریف میں داخل ہو جائے گا کیونکہ یہ مرکب مع الغیر اور اسی طرح قام هو لا۔ میں هو لا۔ وہ بھی اس میں داخل ہو جائے گا کیونکہ یہ مرکب مع الغیر ہے۔

بخلاف مالیس بمرکب اس عبارت میں اسم معرب کی تعریف میں جو مرکب کی قید ہے اس کے فائدے کا بیان ہے کہ مرکب کی قید ذریعے اسماء معدودہ اسم معرب کی تعریف سے خارج ہو جائے گی اور اسماء معدودہ وہ اسماء ہیں جن کو گنتی کے وقت بیان کیا جاتا ہے جیسے الف، باء، تاء اسی طرح زید، عمر، بکر یہ اس لیے خارج ہو جائیں گے کہ اسماء معدودہ مرکب مع الغیر نہیں اور اسی طرح اس قید کے ذریعے وہ اسماء بھی خارج ہو جائیں گے جو مرکب مع الغیر تو ہیں لیکن وہ اپنے عامل کے ساتھ مرکب نہیں جیسے غلام زید میں غلام یہ بھی مصنف کے نزدیک مبنیات میں سے ہے۔

قال الشارح **الذی لم یشبه ای لم یناسب** مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال اب معرب کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں اس لیے کہ یہ این زید میں این پر صادق آتی ہے کہ یہ مرکب ہے اپنے عامل کے ساتھ اور مبنی الاصل کے ساتھ مشابہ بھی نہیں کیونکہ

مشابہت کہا جاتا ہے اشتراک فی الکیفیات کو اور این کی مبنی الاصل میں سے کسی ایک ساتھ کیفیت میں مشابہت نہیں۔

جواب کہ مصنف نے ذکر تو مشابہت کا کیا ہے لیکن مراد اس سے مناسبت کو لیا ہے اب تعریف کا حاصل یہ ہوگا کہ معرب وہ ہے جو مرکب مع الغیر ہو اور مبنی الاصل کے ساتھ اس کی مناسبت نہ ہو اور یہ بات ظاہر ہے کہ این زید میں این کی مناسبت مبنی الاصل کے ساتھ موجود ہے اس طرح کہ این میں ھمزہ استفہام والا معنی پایا جاتا ہے۔

فائدہ سوال اس پر سوال ہوگا کہ مشابہت سے مناسبت مراد لینا یہ مجاز ہے اور تعریف میں مجاز کو کس طرح ذکر کر دیا گیا ہے۔

جواب جب معنی مجازی مراد لینے پر قرینہ موجود ہو تو پھر تعریف میں بھی مجاز کو ذکر کرنا صحیح ہوتا ہے یہاں بھی قرینہ موجود ہے وہ یہ ہے کہ اسم معرب یہ مقابل ہے اسم مبنی کے اور اسم مبنی کی بحث میں صاحب کافیہ علامہ ابن حاجب نے مناسبت کو ذکر کیا اور کہا المبنی ماناسب تو وہاں چونکہ مناسبت کا ذکر ہے تو اسی قرینہ سے یہاں پر بھی اسم معرب میں عدم مناسبت مراد ہوگی۔

قال الشارح مناسبتا مئوثرة مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال اسم معرب کی تعریف جامع نہیں اس لیے کہ یہ غیر منصرف پر صادق نہیں آتی۔ اس لیے کہ غیر منصرف کی مشابہت مبنی الاصل میں فعل ماضی کے ساتھ ہے جس طرح فعل ماضی میں دو فرعتین پائی جاتی ہیں اس طرح غیر منصرف میں بھی دو فرع پائی جاتی ہیں حالانکہ غیر منصرف اسم معرب ہوتا ہے نہ کہ مبنی۔

جواب مولانا جامی نے جواب دیا کہ مناسبت سے مراد مطلقا مناسبت کی نفی نہیں بلکہ مناسبت مؤثرہ فی منع الاعراب کی نفی مراد ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ غیر منصرف کی مناسبت فعل کے ساتھ وہ منع اعراب میں مؤثر نہیں بلکہ تنوین اور کسرہ میں مؤثر ہے۔

فائدہ مناسبت کی چار قسمیں ہیں۔

(۱) مجانست (۲) مماثلت (۳) مشابهت (٤) مشاکلت۔

(۱) **مجانست**: کا معنی ہے اشتراک الشیئین فی الجنس جیسے انسان اور فرس۔ حیوانیت میں

شریک ہیں۔

(۲) **مماثلت** :اشتراك الشيئين فى النوع جیسے زید عمرو بکر انسانیت میں شریک ہیں۔

(۳) **مشابهت** :اشتراك الشيئين فى الوصف جیسے اسد اور رجل شجاع وصف شجاعت میں شریک ہیں۔

(٤) **مشاكلت**: اشتراك الشيئين فى الشكل والصورت جیسے کاغذی شیر کی تصویر جو کہ اصل شیر کی صورت میں شریک ہے۔

فائدہ مناسبت مؤثرہ کی سات صورتیں ہیں۔

(۱) اسم تعداد حروف میں مبنی الاصل کے ساتھ مشابہ ہو جیسے کاف اسمی تعداد حروف میں کاف حرفی کے مشابہ ہے۔

(۲) اسم مبنی الاصل کے معنی کو متضمن ہو جیسے این ھمزہ استفہام کے معنی کو متضمن ہے۔

(۳) اسم اپنی معنی پر دلالت کرین میں محتاج الی الغیر ہو حرف کے طرح جیسے اسماء اشارات محتاج ہیں مشار الیہ کے۔

(۴) کوئی اسم مبنی الاصل کے محل یں واقع ہو جیسے نزال انزل امر کے جگہ پر واقع ہے۔

(۵) اسم اس اسم کا ہم وزن ہو جو کہ مبنی الاصل کے موقع پر واقع ہو۔ جیسے فجار بروزن نزال ہے اور نزال انزل کی جگہ پر واقع ہے۔

(٦) اسم اس اسم کے جگہ واقع ہو جو مشابہ مبنی الاصل کے ہو جیسے منادی مفرد معرفہ واقع (کاف) اسمی کی جگہ اور (کاف) اسمیں مشابہ کاف حرفی کے۔

(ے) اسم مبنی الاصل کے طرف مضاف ہو جیسے یومئذ اصل میں یوم اذ کان کذا اور جملہ میر سید شریف کے نزدیک مبنی الاصل ہے۔

قال الشارح اى المبنى الذى هوالاصل فى البنا

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال : کہ معرب کی تعریف جامع نہیں کہ یہ اسم فاعل پر صادق نہیں آتی کیونکہ اسم فاعل فعل مضارع کے مشابہ ہے تعداد حروف اور وجود زمانہ میں اور فعل مضارع مبنی الاصل ہے

کیونکہ فعل میں اصل بناء ہے۔

جواب مبنی الاصل کے دو معنی آتے ہیں۔

(۱) جس کی اصل بناء ہو یعنی اصل اس میں مبنی ہونا ہو کسی عارضی کی وجہ سے معرب ہو جائے۔

(۲) جو خود بناء میں اصل ہو یعنی اس کا مبنی ناصل ہو کسی عارضی کی وجہ سے مبنی نہ ہو اور یہاں اسم معرب کی تعریف میں مبنی الاصل سے مراد مبنی الاصل بالمعنی الثانی ہے اور مبنی الاصل بالمعنی الثانی تین ہیں۔

(۱) فعل ماضی (۲) امر بغیر لام (۳) مام حروف۔ اور اسم فاعل کی مشابہت ان تینوں میں سے کسی کے ساتھ نہیں لہذا اسم معرب کی تعریف اس پر صادق نہیں آتی البتہ اس کی مشابہت ہے مضارع کے ساتھ وہ مضارع مبنی الاصل ضرور ہے لیکن وہ بالمعنی الاول ہے وہ یہاں مراد نہیں۔

قال الشارح فالاضافه بیانیة

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال : آپ نے جو بیان کیا ہے اس اعتبار سے تو بناء اور اصل میں کوئی فرق نہیں بلکہ اتحاد ہے اور مبنی الاصل میں بناء کی اضافت ہے اصل کی طرف، حالانکہ ان میں مغائرت کا ہونا ضروری ہے۔

جواب اضافت کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) اضافت فویہ (۲) اضافت لامیہ (۳) اضافت بیانیہ۔ اضافت کی پہلی دو قسموں میں تغایر ہوتا ہے۔ لیکن اضافت بیانیہ میں تغائر نہیں ہوتا اور یہاں پر اضافت بیانیہ ہے۔

وهو الماضي مبني الاصل کے مصداق کا بیان ہے کہ مبنی الاصل تین چیزیں ہیں۔ (۱) فعل ماضی (۲) امر بغیر لام (۳) تمام حروف

سوال : امر کے ساتھ بغیر لام کے قید کیوں لگائی ہے حالانکہ نحویوں کے نزدیک امر ہوتا ہی وہی ہے جو بغیر لام ہو۔ بے لام کو وہ امر شمار ہی نہیں کرتے بلکہ اس کو مضارع مجزوم کہتے ہیں۔

جواب مبتدی طلبہ کی رعایت کرتے ہوئے مقید کیا کیونکہ صرفیوں کے نزدیک امر دو قسم پر ہوتے ہیں۔ (۱) امر باللام (۲) امر بغیر اللام۔ اگر مطلقا امر کہہ دیتا تو

مبتدی کے ذہن میں یہ بات آتی کہ امر باللام اور امر بغیر للام دونوں مبنی ہوتے ہیں۔

قال الشارح اعلم ان صاحب الکشاف

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: کتاب کافیہ ماخوذ ہے کتاب مفصل سے اور مفصل میں صاحب مفصل معرب کی تعریف میں مــرکــب کا لفظ ذکر نہیں کیا۔ تو چاہیے تھا کہ صاحب کافیہ بھی اسم معرب کی تعریف میں مرکب کو ذکر نہ کرتے تا کہ مأخذ اور مأخوذ میں مطابقت اور موافقت ہو جاتی۔

جــواب یہ تعریف کا اختلاف دراصل ایک اور اختلاف کا نتیجہ ہے وہ اختلاف اسماء معدہ کے بارے میں ہیں۔ علامہ جار اللہ زمخشری کے نزدیک اسماء معدودہ معرب ہیں اور علامہ ابن حاجب کے نزدیک مبنی ہیں۔ اس لیے علامہ جار اللہ زمخشری نے معرب کی تعریف کے لیے المرکب کی قید نہیں لگائی۔ تا کہ اسماء معدودہ معرب میں داخل ہو جائیں اور علامہ ابن حاجب نے الـمـرکـب کی قید کا اضافہ کیا تا کہ اسمائے معدودہ کا اخراج ہو جائے۔

قال الشارح ولیس النزاع فی المعرب

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سـوال: صاحب مفصل کا اسماء معدودہ کو معرب قرار دینا غلط ہے اس لیے کہ معرب کے لیے اعراب بالفعل کا ہونا ضروری ہے اور اعراب بالفعل تب ہو سکتا ہے جب وہ عامل کے ساتھ مرکب ہوں۔ لہذا جب یہ اسماء معدودہ عامل کے ساتھ مرکب نہیں تو ان پر اعراب بالفعل نہیں تو اس کو معرب کیسے قرار دیا جا سکتا ہے۔

جواب معرب کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) مُعرب لغوی (۲) معرب اصطلاحی

اس بات پر صاحب مفصل اور صاحب کافیہ کا اتفاق ہے کہ معرب لغوی کے لیے اعراب بالفعل کا پایا جانا ضروری ہے اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ معرب اصطلاحی کے لیے یہ ضروری نہیں کہ اعراب بالفعل جاری ہو مثلاً کوئی غلطی کرتے ہوئے جـاء نـی زید کہہ دیتا ہے تو سننے والا زید کو معرب ہی قرار دے گا حالانکہ اعراب بالفعل جاری نہیں تو معلوم ہوا کہ معرب اصطلاحی بنانے کے لیے اعراب بالفعل کا جاری ہونا ضروری نہیں تو صاحب مفصل نے جو اسماء معدودہ کو معرب قرار دیا وہ

معرب اصطلاحی قرار دیا معرب لغوی نہیں۔ اختلاف اس بات میں ہے کہ اسماء معدودہ معرب اصطلاحی ہیں یا نہیں صاحب مفصل کے نزدیک یہ معرب اصطلاحی ہیں اور صاحب کافیہ کے ہاں یہ معرب نہیں۔

قال الشارح فاعتبر العلامة مع الصلاحية سے مولانا جامی وجہ اختلاف بیان کررہے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ صاحب مفصل کے نزدیک معرب وہ ہے جس میں صلاحیت اور استعداد اعراب ہو یعنی بعد از ترکیب مع العامل اس پر اعراب آسکتا ہے خواہ بالفعل وہ مستحق اعراب ہو یا نہ ہو۔ چونکہ اسماء معدودہ میں بھی صلاحیت اور استعداد اعراب موجود ہے لہذا یہ معرب ہیں اور علامہ ابن حاجب کے نزدیک معرب وہ ہے جس میں صلاحیت اور استعداد اعراب کے ساتھ ساتھ وہ مستحق اعراب بھی ہو بالفعل اور یہ تعریف اسماء معدودہ پر صادق آتی تھی اس لیے ان کو خارج کرنے کے لیے المرکب کی قید لگادی، اختلاف کا حاصل یہ ہوا کہ صاحب مفصل کے ہاں اسماء معدودہ معرب بالفعل ہیں اور صاحب کافیہ کے نزدیک مبنی بالفعل اور معرب بالقوہ ہیں۔

قال الشارح وانما عدل المصنف مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: صاحب کافیہ نے اسم معرب کی تعریف مشہور بین الجمہور کے عدول سے کیوں کی اور مشہور تعریف ما اختلف اخره باختلاف العومل ہے۔

جواب مولانا جامی نے جواب دیا چونکہ تعریف مشہور بین الجمہور سے تقدم الشئی علی نفسہ کی خرابی لازم آتی تھی اسی وجہ سے اس تعریف سے عدول کیا اور فرمایا ھوالمرکب الذی لم یشبه مبنی الاصل باقی رہی یہ بات تقدم الشئی علی نفسہ کیسے لازم آتی ہے۔ مولانا جامی اس ملازمہ کو بیان کرنے کے لیے تین مقدمات بیان کررہے ہیں۔

مقدمہ اولی: علم نحو کی طرف احتیاج دو باتوں پر ہے۔ (۱) عدم تتبع (۲) عدم سماع۔

عدم تتبع کا مطلب یہ ہوا کہ علم نحو کیطرف وہ شخص محتاج ہوگا جو لغت عرب میں تتبع کرنے کی وجہ سے احکام کو حاصل نہ کرسکتا ہو۔ اور عدم سماع کا مطلب یہ ہے کہ علم نحو کی طرف وہ شخص محتاج ہوگا جس نے عربیوں سے سن کر بھی لغت عرب کے احکام کو معلوم نہ کرسکتا ہو۔ اس لیے کہ اگر کوئی شخص ایسا ہے جس نے لغت عرب کے تتبع کی وجہ سے یا عربوں سے سن کر لغت عرب کے

احکام معلوم کرلیا ہووہ علم نحو کی طرف محتاج نہیں بلکہ وہ علم نحو سے مستغنی ہوگا۔

سوال : اس پر سوال ہوگا کہ لغت عرب کے تتبع کی وجہ سے یا سماعت کی وجہ سے زیادہ سے زیادہ جزئیات کا علم حاصل ہوگا لیکن کلیات کا علم تو حاصل نہیں ہوگا لہذا ایسے شخص کو بھی کلیات کے علم کیحاصل کرنے کہ اعتبار سے علم نحو کی طرف احتیاجی ہوگی۔

مقدمہ ثانیہ : علم نحو کی تدوین سے مقصود ترکیب میں واقع ہونے والے کلمات کے آخر کے احوال کی معرفت ہے تاکہ یہ معلوم ہوجائے کہ کلمہ کا آخر مرفوع ہوگا یا منصوب یا مجرور۔

مقدمہ ثالثہ : علم نحو کے مسائل میں سے ایک مسئلہ معرب کا ہے لہذا ذات معرب کی معرفت سے مقصود بھی یہی ہوگا کہ اختلاف الاخر باختلاف العوامل کے معرفت تاکہ متکلم اپنی کلام کے آخر کو عربوں کے کلام کی طرح بنالیں، اان مقدمات ثلاثہ کے بعد اب ہم یہ کہتے ہیں کہ معرفت حاصل ہوگی اس تعریف اختلاف الاخر باختلاف العوامل سے تو ذات معرب معرّف ہوگا اور اختلاف الاخر باختلاف العوامل معرّف ہوگا اور قاعدہ ہے کہ معرّف کے معرفت مقدم ہوتی ہے معرّف کی معرفت پر لہذا اختلاف الاخر باختلاف العوامل مقدم ہوگی ذات معرب کی معرفت پر حالانکہ یہ اختلاف الاخر باختلاف العوامل معرب کی غرض اور غایت ہونے کی وجہ سے مؤخر ہے جو کہ شئی کی غرض شئی سے مؤخر ہوا کرتی ہے تو اختلاف الاخر باختلاف العوامل معرب کی تعریف ہونے کی وجہ سے مقدم اور غرض ہونے کی وجہ سے معرب سے مؤخر تو ایک ہی شئی اپنی ذات پر مقدم ہوگئی۔

دلیل بطریق قیاس : معرفة اختلاف الآخر باختلاف العوامل مقدمة علی ذات المعرب۔ یہ صغری بالکل صادق ہے کیونکہ اسم معرب کی یہ تعریف ہے اور تعریف مقدم ہوا کرتی ہے۔

کبری: ومعرفة المعرب مقدمة علی معرفة اختلاف الآخر باختلاف العوامل یہ کبری بھی صادق ہے اس لیے کہ معرب ذات ہے اور یہ اس کی غرض ہے اور غرض مؤخر ہوتی ہے۔ اب دونوں طرفوں سے حد اوسط معرفة المعرب گرادو نتیجہ یہ نکلے گا معرفة اختلاف الاخر باختلاف العوامل متقدمة علی معرفة اختلاف الاخر باختلاف العوامل تو یہ تقدم شئی علی نفسہ لازم آیا۔

بعنوان ثانی : کہ مقدمات ثلاثہ کے بعد ہم یہ کہتے ہیں اگر ذات معرب کے لیے اختلاف

الاخر باختلاف العوامل کوتعریف بنایا جائے تو ذات معرب معرَّف ہوگا اور یہ معرِّف اور یہ بات ظاہر ہے کہ معرِّف کی معرفت مقدم ہوتی ہے معرَّف کے معرفت پر حالانکہ اختـــلاف الاخر باختلاف العوامل معرب کی صفت ہے لہذا لازم آئے گا شئی کی صفت کا مقدم ہونا اپنی موصوف سے بطریقہ قیاس یوں کہا جاسکتا ہے معرفة اختلاف الاخر باختلاف العوامل متقدمة على المعرب یہ صغری ہے اور کبری ومعرفة المعرب متقدمة على معرفة الاخر باختلاف العوامل ۔ تو نتیجہ یہ نکل آئے گا معرفة اختلاف الاخر باختلاف العوامل متقدمة على معرفة اختلاف الاخر باختلاف العوامل۔

بعنوان ثالث : جس کی تفصیل یہ ہے کہ علم نحو کے مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ ہے کل معرب مما يختلف اخره باختلاف العوامل تو اس مسئلے کا موضوع اسم معرب ہے۔ اور محمول اختلاف الاخر باختلاف العوامل ہے۔ قاعدہ ہے مسئلہ کے موضوع کی تعریف سے مقصود ایسی وجہ کو حاصل کرنا جس وجہ کے ذریعے موضوع کی جزئیات کے لیے محمول والے حکم کو ثابت کیا جاسکے اور اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ مسئلہ کے موضوع کے جزئیات میں سے جس جزئی کا حکم معلوم کرنا مقصود ہو اس کو موضوع بناتے ہیں اور مسئلہ کے موضوع کو محمول بناتے ہیں جس سے ایک قضیہ تیار ہو جاتا ہے یہ قضیہ قیاس کا صغری بنا دیا جائے اور پوری مسئلہ کو قیاس کا کبری بنا دیا جائے پھر حد اوسط کو گرانے سے جو نتیجہ حاصل ہوگا وہی نتیجہ بعینہ جزئی مطلوب کا حکم ہوگا مثال کے طور پر نحو کا ایک مسئلہ ہے کل فاعل مرفوع اور اس مسئلے کے موضوع کی ایک جزئی ضرب زید میں زید ہے اب اس کا حکم معلوم کرنا ہے تو اس کو موضوع بنا دیا جائے اور مسئلہ کا موضوع جو فاعل تھا اس کو محمول بنا دیا جائے تو اس سے قضیہ تیار ہو جائے گا زید فاعل۔ اس کو صغری بنا دیا جائے اور کل فاعل مرفوع کو کبری بنا دیا جائے اب نتیجہ یہ نکل آئے گا زید مرفوع یہی اسی جزئی کا یعنی زید کا حکم ہوگا کہ زید مرفوع بالکل ایسے کل معرب مما يختلف اخره باختلاف العوامل مسئلے کا موضوع اسم معرب کی تعریف سے مقصود ایسی وجہ کو حاصل کرنا ہے جس وجہ کے ذریعے اسم معرب کی جزئیات کے لیے اس مسئلہ کے محمول والے حکم کو ثابت کیا جاسکے لیکن ایسی وجہ حصول جمہور کی بیان کردہ تعریف کے مطابق قطعا حاصل نہیں ہوتا مثال کے طور پر قام زید میں زید اسم معرب کی ایک

جزئی ہے اس کا حکم معلوم کرنا ہے مسئلہ کے موضوع یعنی معرب کو اس کا محمول بنا دیا جائے تو ایک قضیہ حاصل ہو جائے گا زید معرب اور جمہور کے بیان کردہ تعریف کے مطابق معرب کا معنی بیان کیا جائے اور یوں کہا جائے زید معرب ای زید یختلف اخرہ باختلاف العوامل یہ صغریٰ ہے اور قاعدہ کے مطابق پورے مسئلہ کو کبریٰ بنا دیا جائے کل معرب یختلف اخرہ باختلاف العوامل اب نتیجہ یہ نکل آئے گا زید یختلف اخرہ باختلاف العوامل ۔ یہ نتیجہ بعینہ صغریٰ ہے حالانکہ صغریٰ مقدم ہوتا ہے اور نتیجہ مؤخر ہوتا ہے تو یہ نتیجہ ہونے کی وجہ سے مؤخر ہے اور عین صغریٰ ہونے کی وجہ سے تقدم ہے تو یہ تقدم الشئ علی نفسہ ہے اور تقدم الشئ علی نفسہ کی دو صورتیں ہیں۔ (۱) لافی ضمن الدور (۲) فی ضمن الدور ۔ اگر یہ لحاظ کیا جائے کہ یہ نتیجہ ابتداء بلاواسطہ عین صغریٰ ہے یعنی دلیل کا لحاظ نہ کیا جائے کہ نتیجہ موقوف ہے دلیل پر اور دلیل موقوف صغریٰ پر لہذا یہ نتیجہ موقوف ہوگا صغریٰ پر اور اگر یہ لحاظ نہ کیا جائے تقدم الشئ علی نفسہ لافی ضمن الدور ہے اور اس دلیل کے واسطے ہونے کے لحاظ کیا جائے تو نتیجہ موقوف ہوگا دلیل پر اور دلیل موقوف ہوگی صغریٰ پر تو یہ تقدم الشئ علی نفسہ فی ضمن الدور ہے ۔ اور یہ تقدم الشئ علی نفسہ کی دونوں صورتیں باطل ہیں ۔ اس لیے مولانا جامی نے فیلزم الدور کے بجائے تقدم الشئ علی نفسہ کہا تا کہ یہ کلام تقدم الشئ علی نفسہ کی دونوں صورتوں کو شامل ہو جائے، بخلاف صاحب کافیہ کے بیان کردہ تعریف کے اگر اس پر کوئی فساد لازم نہیں آتا مثلاً قام زید میں زید اسم معرب کے ایک جزئی ہے اگر اس کا حکم معلوم کرنا ہے تو اس جزئی کو موضوع اور مسئلہ کے موضوع معرب کو محمول بنا دیا جائے تو قضیہ حاصل ہو جائے گا زید معرب اس کو صغریٰ بنا دیا جائے اور کبریٰ یہ ہو کل معرب مما یختلف اخرہ باختلاقف العوامل نتیجہ ہو گیا زید یختلف اخرہ باختلاف العوامل تو نتیجہ اور ہے صغریٰ اور ہے جس کی وجہ سے تقدم الشئ علی نفسہ کی خرابی لازم نہیں آئی ۔ نیز مولانا جامی نے اپنی اس تقریر سے یہ بھی اشارہ کر دیا کہ فساد اس شخص کی وجہ سے لازم آتا ہے جو شخص لفظ عربی کے تتبع کی وجہ سے یا سماعت کی وجہ سے لغت عربی کے احکام معلوم نہ کر سکتا ہو تو وہ شخص علم النحو کے طرف محتاج ہوگا چونکہ ایسے شخص معرب کو پہچانے گا معرب کی تعریف کے ذریعے سے اس لیے ایسی تعریف کی جائے جس میں فساد لازم نہ آئے ۔

سوال: اس تقریر کے مطابق تو جمہور کے بیان کردہ تعریف فاسد ہوئی تو جمہور نے یہ تعریف فاسد کیوں کی ہے۔

جواب جمہور کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ صغریٰ میں اجمال ہے اور نتیجہ میں تفصیل ہے۔ تو اجمال اور تفصیل کے اعتبار سے تغایر کا ہونا کافی ہے۔ لہذا تقدم الشئ علی نفسہ کی خرابی لازم نہیں آئے گی۔ لیکن صاحب کافیہ نے اس اجمال اور تفصیل کے اعتبار سے تغایر کو کافی نہیں سمجھا اس لیے نئی تعریف کر ڈالی۔

قال الماتن **وحکمه ان يختلف اخره باختلاف العوامل** معرب کی تعریف کے بعد حکم کا بیان کرنا مقصود ہے جس کا مختصر مطلب یہ ہے کہ معرب کا حکم یہ ہے کہ عوامل کے اختلاف وجہ سے اس کا آخر مختلف ہو جائے خواہ وہ اختلاف لفظی ہو خواہ تقدیری ہو اول کے مثال جاء نی زید ورایت زید ومررت بزید دوسرے کی مثال جاء نی موسی ورایت موسیٰ ومررت بموسیٰ۔

قال الشارح **ای من جملة احکام المرب**

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: حکم کی اضافت ضمیر کی طرف ہے اور عموما جب اسم ظاہر کے اضافت ضمیر کی طرف ہو تو وہ اضافت مفید استغراق ہوتی ہے اور عبارت کا مقصد یہ ہوگا کہ معرب کے تمام احکام منحصر ہیں اس میں کہ اسم کا آخر عوامل کے اختلاف سے مختلف ہو جاتا ہے حالانکہ یہ بدیہی البطلان ہے کیونکہ معرب کے اور بھی بہت سارے احکام ہیں مثلاً جب ابتداءً کوئی اسم معدود عامل سے مرکب ہو تو اس کا حکم اختلاف والا نہیں بلکہ اس کا حکم حدوث اعراب کا ہے۔

جواب شارح نے جواب دیا کہ یہ اضافت استغراقیہ نہیں بلکہ عہد خارجی کی ہے اور معہود معین حکم مراد ہے کہ اختلاف الاخر بسبب اختلاف العوامل اور من تبعیضیہ مقدر کر کے اس کی طرف اشارہ کر دیا کہ بعض حکم مراد ہیں نہ کہ کل۔ اور جملہ کا لفظ محض کلام کو فصیح بنانے کے لیے ذکر کیا گیا۔ اور احکام کا لفظ ایک شبہ کا جواب ہے شبہ یہ ہوتا تھا کہ شارح کے جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں من تبعیضیہ مقدر ہے حالانکہ من تبعیضیہ جمع پر داخل ہوتا ہے نہ کہ مفرد پر شارح نے احکام

کالفظ ذکر کر کے اشارہ کر دیا کہ مفرد سے جمع مراد ہے یا مفرد جمع کے معنی میں ہے۔

فائدہ سوال معرب کا یہ حکم جامع نہیں کہ یہ تمام افراد معرب پر صادق نہیں آتا۔ مثلاً ضربت زیدا میں زید معرب ہے مگر یہ حکم نہیں پایا جاتا کیونکہ یہاں تو سرے سے اختلاف عوامل ہی نہیں ہیں چہ جائے کہ اختلاف آخر ہو بلکہ یہاں تو ابتداء دخول عامل سے حدوث اعراب ہوا ہے۔ حالانکہ شئی کا حکم اس کا خاصہ ہوتا ہے اور خاصۃ الشئی اس کے تمام افراد میں پایا جاتا ہے۔

جواب جس طرح خاصہ کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) شاملہ (۲) غیر شاملہ

حکم شاملہ وہ حکم ہے جو تمام قسم کے افراد میں پایا جائے، حکم غیر شامل وہ ہے جو بعض افراد میں پایا جائے اور بعض میں نہ پایا جائے۔ اور یہ حکم معرب کا غیر شامل ہے۔ لہذا یہ بعض افراد میں نہیں پایا جا رہا ہے تو کوئی حرج نہیں۔

قال الشارح **و آثاره المترتبة عليه**

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: حکم کے آٹھ معنی آتے ہیں۔ (۱) الاثر المرتب علی الشی (۲) اسناد امر الی امر اخر (۳) خطاب الله تعالی المتعلق بافعال المكلفين اقتضاء اوتخييرا (٤) ماثبت بالخطاب (٥) نسبت تامه خبريه (٦) نسب تامه خبريه كا اذعان (۷) محمول (۸) مجموعه قضيه۔ ان مذکورہ معانی ثمانیہ میں سے یہاں کون سا معنی مراد ہے۔ خطاب الله تو مراد اس لیے نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ تو فقہ اور مسائل شرعیہ میں مراد ہوا کرتا ہے۔ اور نسبت تامہ وغیرہ بھی مراد نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ منطق میں مراد لیا جاتا ہے اس طرح اسناد امر بھی مراد نہیں لیا جا سکتا کیونکہ یہ معنی مرکب کلام میں پایا جاتا ہے جب کہ معرب مفرد کے اقسام میں سے ہے۔

جواب شارح نے جواب دیا کہ یہاں پر حکم کا اثر والا معنی مراد ہے اب معنی یہ ہوگا کہ اسم معرب کے آثار میں سے ایک اثر اختلاف الاخر باختلاف العوامل ہے۔

قال الشارح **المترتبة عليه** مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: اثر کی اضافت تو مؤثر کی طرف ہوتی ہے اور اختلاف آخر باختلاف العوامل یہ اثر

ہے جس کا موثر عامل اور اعراب ہے نہ کہ اسم معرب لہذا اس کی نسبت اسم معرب کی طرف درست نہیں۔

جواب یہاں پر اثر کی اضافت اسم معرب کی طرف ادنی تعلق کی بنا پر ہے وہ یہ ہے کہ چونکہ یہ اثر اسم معرب پر جاری ہوتا ہے اور اسی پر مرتب ہوتا ہے اسی وجہ سے بجائے عامل موثر کی طرف نسبت کرنے کے اسم معرب کی طرف کر دی گئی ہے۔

قال الشارح من حيث هو معرب مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال : معرب کا حکم جامع نہیں اس سے بہت سارے معرب خارج ہو جاتے ہیں مثلاً فاعل کا حکم رفع ہے۔ اور مفعول کا حکم نصب ہے اور غیر منصرف کا حکم عدم دخول الكسرة والتنوين ہے ان کا حکم اختلاف آخر نہیں، بلکہ علی سبیل الترقی ہے ہم کہتے ہیں کہ یہ حکم تو معرب کے کسی فرد ہی کا نہیں کیوں کہ ہر فرد معرب کے لیے ایک اعراب متعین ہے۔

جواب یہاں حیثیت کی قید معتبر ہے جو من حيث هومعرب ہے کہ معرب کا اثر معرب ہونے کی حیثیت سے اختلاف الاخر باختلاف العوامل ہے اب معنی یہ ہوگا کہ من جملہ ان کے احکام میں سے اور اس کے آثار میں سے وہ آثار جو اسم معرب پر معرب ہونے کی حیثیت سے مرتب ہوتے ہیں وہ اختلاف الاخر باختلاف العوامل ہے اور باقی رہا مرفوع اور منصوب اور مجرور ہونا وہ اور حیثیت سے ہے مثلاً اسم معرب کا مرفوع ہونا فاعل ہونے کی بناء پر ہے اور منصوب ہونا مفعول ہونے کی حیثیت سے فاندفع الاشکال۔

قال الماتن ان يختلف اخره

قال اى الحرف الذى هو دفع دخل مقدر۔

سوال : ہم تسلیم ہی نہیں کرتے کہ اسم معرب کا حکم اختلاف الاخر باختلاف العوامل ہے۔ اس لیے کہ جاء نی مسلمون ورائت مسلمين ومررت بمسلمين کہ یہاں پر عامل تو مختلف ہے لیکن معرب کے آخر میں کوئی تبدیلی نہیں۔

جواب اسم معرب کے آخر سے مراد اسم معرب کا آخری حرف ہے۔ اور جمع مذکر سالم کے آخری حرف نون نہیں بلکہ ماقبل والا حرف ہے۔

قال الشارح ذاتا بان يتبدل حرفا بحرف آخر یہاں سے اختلاف کی تقسیم کا بیان ہے اسم معرب کے آخر میں جو اختلاف ہے وہ دو قسم پر ہے۔ (۱) اختلاف ذاتی (۲) اختلاف صفتی۔ اختلافی ذاتی کہا جاتا ہے کہ ایک حرف کا دوسرے سے بدل جانا جیسے جاء ابوك ورایت اباك ومررت بابیك اذا کان اعرابه بالحرف یہ اختلاف ذاتی ہر ایسے مقام میں ہوگا جہاں اعراب بالحرف ہوگا جیسے اسماء سہ مکبرہ اسی طرح تثنیہ وغیرہ جمع میں۔ (۲) اختلاف صفتی کہا جاتا ہے کہ ایک صفت کے دوسرے صفت کے ساتھ تبدیل ہو جائے یعنی ایک حرکت کے دوسری حرکت سے تبدیل ہو جائے جیسے جاء نی زید ومررت بزید۔

قال اذا كان اعرابه بالحركة یہ اختلاف صفتی ہر ایسے مقام میں ہوگا جہاں اعراب بالحرکت ہو۔ پھر ان دونوں میں سے ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں۔ (۱) اختلاف ذاتی حقیقی (۲) اختلاف ذاتی حکمی۔ اسی طرح اختلاف صفتی کی بھی دو قسمیں ہیں۔ (۱) اختلاف صفتی حقیقی (۲) اختلاف صفتی حکمی۔

تو کل چار قسمیں ہوئیں ہر ایک کی تعریف یہ ہے۔

(۱) **اختلاف ذاتی حقیقی** ایسے اختلاف کو کہا جاتا ہے کہ ہر تینوں حالتون میں ایک حرف کے دوسر حرف کے ساتھ تبدیل ہو۔ جیسے جاء ابوك ورئیت اباك ومررت بابیك۔

(۲) **اختلاف حقیقی حکمی** ایسے اختلاف کو کہا جاتا ہے۔ کہ ایک حرف کی تبدیلی دوسرے حرف کے ساتھ بعض حالتوں میں ہو جیسے جاء نی مسلمون وایت مسلمین ومررت بمسلمین۔

(۳) **اختلاف صفتی حقیقی** ایسے اختلاف کو کہا جاتا ہے کہ ایک حرکت کے دوسرے حرکت کے ساتھ تبدیلی تینوں حالتوں میں ہو۔

(٤) **اختلاف صفتی حکمی** ایسے اختلاف کو کہا جاتا ہے کہ ایک حرکت دوسری حرکت کے ساتھ تبدیلی بعض حالتوں میں ہو جیسے جاء نی احمد ورائیت احمد۔ پھر ان چار میں سے ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں۔ (۱) اعراب لفظی (۲) اعراب تقدیری۔ تو اختلاف کی کل آٹھ قسمیں ہو گئیں جن میں سے چار کا بیان تو یہاں ہے اور بقیہ چار اقسام کا بیان مولانا جامی بعد

میں خود بیان فرمائیں گے۔

قال الشارح **ای بسبب اختلاف العوامل** شارح نے بتایا کہ باختلاف میں (باء) سببیت کی ہے اور عوامل کی جمع ہے۔ کیونکہ یہ عامل فاعل صفتی نہیں فاعل اسمی ہے فاعل صفتی کے جمع فواعل کے وزن پر نہیں آتے لیکن فاعل اسمی کے جمع فواعل کے وزن پر آتی ہے کہ اب نحویوں نے عامل نام رکھدیا ہے مایتقوم المعنی المقتضی للاعراب کا۔

قال الشارح **الدخلة علیه** شارح یہ بتانا چاہتا ہے کہ عوامل سے مراد مطلقا عامل نہیں بلکہ وہ عوامل مراد ہیں جو اسم معرب پر داخل نہ ہوں۔ اس لیے کہ عوامل کے ذریعے اسم معرب کے آخر میں اختلاف بغیر عوامل کے نہیں آسکتا۔

قال الشارح **فی العمل** مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: یہ معرب کا حکم منقوض ہے ان زیدا مضروب و ضربت زیدا و انی ضارب زیدا ان تینوں مثالوں میں عامل مختلف ہیں پہلی مثال میں عامل حرف ہے اور دوسری میں فعل تیسرے مثال میں عامل شبہ فعل ہے لیکن زید کا آخر مختلف نہیں ہوا۔

جواب اختلاف العوامل سے مراد اختلاف فی العمل ہے نہ کہ فی الذات اور یہاں عوامل مختلف فی العمل نہیں بلکہ متحد فی العمل ہیں کہ سب کا تقاضا نصب دینا ہے لہذا معرب کا آخر مختلف نہیں ہوا۔

قال الشارح **لفظا اور تقدیرا** مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: لفظاً اوتقدیراً دو حال سے خالی نہیں یا تمیز ہے یختلف اخرہ ایک نسبت سے یا مفعول مطلق ہے یختلف سے وکلاھا باطل۔ اول اس لیے کہ تمیز عن نسبت محول عن الفاعل ہوتی ہے یا محول عن المفعول ہوتی ہے یہاں ایسے نہیں کیونکہ یختلف کا فاعل آخرہ مذکور ہے۔ ثانی اس لیے نہیں کہ مفعول مطلق فعل سابق کا ہم معنی ہوتا ہے جب کہ لفظاً او تقدیراً یختلف کا ہم معنی نہیں۔

جواب دونوں ترکیبیں یہاں درست ہیں تمیز کا معنی بھی درست ہے اس لیے کہ دراصل یہ فاعل ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے یختلف لفظ آخرہ او تقدیر آخرہ۔ اور مفعول مطلق بھی صحیح

ہے اور یہاں پر مضاف محذوف ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے یختلف اخرہ اختلاف لفظ او تقدیر پھر مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ اس کا قائم مقام کر دیا گیا اور اس پر مضاف والا اعراب جاری کر دیا گیا اور اس کو منصوب بنزع الخافض کہتے ہیں۔ یادرکھیں احتمال اول یعنی تمیز بنانا راجح ہے اس لیے اس میں حذف کا ارتکاب نہیں کرنا پڑتا ہے نیز اس لیے کہ اس میں ابہام اور تفصیل ہے جو واقع فی النفس ہوتی ہے بخلاف احتمال ثانی کے۔

قال الشارح **والاختلاف لفظا** مولانا جامی اختلاف کی تقسیم کرنا چاہتے ہیں کہ اختلاف کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) لفظی (۲) تقدیری۔ لفظی تو زبان سے پڑھا جاتا ہے اور تقدیری جسے زبان سے نہ پڑھا جائے۔

قال الشارح **واختلاف اللفظی والتقدیری اعم** اختلاف لفظی اور تقدیری میں تعمیم کا بیان کہ اختلاف لفظی کی دو قسمیں ہیں حقیقی اور حکمی اس طرح اختلاف تقدیری کی بھی دو قسمیں ہیں حقیقی اور حکمی۔ یہ دفع دخل مقدر ہے۔

سوال: رایت احمد ومررت باحمد اسی طرح رایت مسلمَین ومررت بمسلمَین اسی طرح رایت مسلمِین ومررت بمسلمِین۔ ان تمام مثالوں میں عامل مختلف ہے لیکن اسم معرب کا آخر میں کوئی تبدیلی نہیں۔

جواب اختلارف لفظی اور اختلاف تقدیری میں تعمیم ہے کہ خواہ حقیقتا ہو یا حکما۔ ان مثالوں میں اختلاف اگر چہ حقیقتا تو نہیں لیکن حکما ہے کہ اگر فتحہ نصب کے بعد ہو تو نصب کی علامت ہے اور اگر فتحہ جر کے بعد ہو تو یہ جر کی علامت ہے۔

قال الشارح **فان قلت** مولانا جامی سوال نقل کر کے جواب دینا چاہتے ہیں۔

سوال: ہم اس کو تسلیم ہی نہیں کرتے کہ اختلاف آخر باختلاف عوامل اسم معرب کا حکم ہے اس لیے کہ یہ اسم معرب کے ہر ہر فرد میں نہیں پایا جاتا۔ مثلا اسماء معدودہ جب اپنے عامل کے ساتھ ابتداء مرکب ہوتے ہیں تو ان کا حکم اختلاف آخر نہیں بلکہ حدوث اعراب ہے۔

جواب قلت سے جواب کا بیان ہے کہ حدوث اعراب بدخول العامل اسم معرب کا مستقل حکم ہے۔ اور اختلاف آخر باختلاف عوامل اسم معرب کا مستقل حکم ہے لہذا ان میں سے اگر

ایک دوسرے میں داخل نہیں تو کوئی خرابی لازم نہیں آئے گی اس لیے کہ معرب کے حکم اور بھی بہت سارے ہیں۔ان میں سے یہاں پر صرف ایک کا بیان ہے باقی سب کا ذکر تو نہیں۔البتہ زیادہ سے زیادہ اتنی بات ہوگی کہ اختلاف آخر باختلاف العامل معرب کا حکم شاملہ نہیں بلکہ غیر شاملہ ہے۔اور ہم بھی اس کو حکم غیر شاملہ کہتے ہیں۔

قال الماتن **الاعراب ما اختلف آخره ليدل على المعانى المعتورة عليه**

علامہ ابن حاجب معرب کی تعریف اور حکم کے بیان کرنے کے بعد اعراب کی تعریف بیان کرتے ہیں۔جس کا حاصل یہ ہے کہ اعراب وہ شئی ہے کہ جس کی وجہ سے معرب کا حکم مختلف ہوتا کہ وہ اختلاف دلالت کرے ان معانی پر جو کہ پے در پے معرب پر وارد ہوتے ہیں یعنی معنی فاعلیت اور مفعولیت اور اضافت چونکہ یہ معانی مختلف اور متضاد ہیں،اور ہر ایک معنی تقاضا کرتا ہے علامت کو تو ہر ایک معنی کے لیے مستقل علامت مقرر کی گئی ہے معنی فاعلیت کیے لیے علامت رفع کو مقرر کیا گیا ہے اور معنی مفعولیت کے لیے نصب اور معنی اضافت کے لیے جر کو مقرر کیا گیا ہے اور اس علامت اور نشانی کا نام اعراب ہے۔

سوال : معرب کی تعریف کو اعراب پر کیوں مقدم کیا۔

جواب معرب ذات ہے اور اعراب وصف ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ ذات وصف پر طبعا مقدم ہوتی ہے تو ہم نے ذکرا بھی مقدم کیا تا کہ وضع طبع کے موافق ہو جائے۔

قال الشارح **اى حركتا اوحرفا** مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال : اعراب کی تعریف مذکور دخول غیر سے مانع نہیں اس لیے کہ یہ تعریف عامل اور معنی مقتضی پر صادق ہے کہ ان کی وجہ سے بھی معرب کا آخر تبدیل ہو جاتا ہے حالانکہ عامل اور معنی مقتضی اعراب نہیں۔

جواب اعراب سے مراد حرف اور حرکت ہے جس سے عامل اور معنی مقتضی خارج ہو جاتا ہے

فائدہ سوال ہم اتنی بات تو تسلیم کر لیتے ہیں کہ حرکت اور حرف مراد لینے کی صورت میں معنی مقتضی تو خارج ہو جائے گا اور عامل فعل اور عامل اسم بھی خارج ہو جائے گا لیکن عامل حرف پر پھر

بھی اعراب کی تعریف صادق آتی ہے کیونکہ عامل حرف بھی ایک حرف ہے جو معرب کے آخر کی تبدیلی کا سبب بنتا ہے۔ جیسے ان زید ا قائم۔

جواب حروف کی دو قسمیں ہوتی ہیں حروف معانی اور حروف مبانی اور اعراب کی تعریف میں جو حروف مذکور ہیں اس سے مراد حروف مبانی ہے اور جو حروف عامل بنتے ہیں وہ حروف معانی ہیں لہذا اعراب کی تعریف ان پر صادق نہ آئی، یہ جواب ضعیف ہے کیونکہ (ما) بمنزلہ جنس کے ہے اور جنس تو عموم وشمول کا فائدہ دیتی ہے لہذا اس سے عامل اور معنی مقتضی کا اخراج مناسب نہیں، اس کا بہتر جواب وہ ہے جس کو شارح ولوابقیت سے بیان کریں گے۔

قوله من حيث هومعرب یہاں سے یہ بتانا مقصود ہے کہ تعریف کے اندر حیثیت کی قید معتبر ہے۔ باقی اس قید کا فائدہ کیا ہے، مولانا جامی اس کو مابعد میں بیان فرمائیں گے۔

ذاتا اوصفتا سوال مقدر کا جواب ہے۔

قال الشارح لان المتبادر من الدخول اختلاف کی تعیم کا بیان ہے کہ وہ اختلاف خواہ ذاتی ہو یا صفتی ہو۔ عام ازیں کہ اختلاف ذاتی حقیقی ہو یا حکمی اسی طرح اختلاف لفظی ہو یا تقدیری۔

بسببه میں یہ بتا دیا کہ (باء) سببیت کی ہے اور ضمیر کا مرجع مـا ہے جو عبارت ہے حرف یا حرکت سے۔

قوله حين يراد بماالموصولة یہاں سے مولانا جامی ایک فائدہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ مـا موصولہ کی تفسیر حرکتہ اوحرف نکرہ کے ساتھ کی تاکہ عامل اور معنی مقتضی اعراب کی تعریف سے خارج ہو جائیں۔

سوال: ماقبل کی تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ ما موصوفہ ہے۔ اور یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ ما موصولہ ہے تو دونوں میں تعارض ہے۔

جواب اول اس قسم کی عبارتوں میں دونوں بنانا جائز ہیں تو مولانا جامی اولا (مـا) کے موصوفہ ہونے کی طرف اشارہ کر دیا اور ثانیا (ما) کے موصولہ ہونے کی طرف۔

جواب ثانی ما موصلہ سے مراد ما موصولہ عہد ذہنی ہے کہ جس طرح الف لام کی چار قسمیں

ہیں اسی طرح ما کی بھی چار قسمیں ہیں۔ اور ما موصولہ عہد ذہنی کی تفسیر نکرہ کے ساتھ ہی کی جاتی ہے لہذا کوئی تعارض نہ ہوا۔

قال الشارح ولوابقیت اس عبارت میں عامل اور معنی مقتضی کو اعراب کی تعریف سے نکالنے کے لیے دوسرے طریقے کا بیان ہے کہ (ما) کو اپنے عموم پر رکھا جائے کہ یہ (ما) بمعنی شئی کے ہو کر عامل اور معنی مقتضی کو شامل ہو پھر (باء) کے ذریعے ان کو خارج کر دیا جائے، اس لیے کہ (باء) سببیت کی ہے اور سبب سے مراد سبب قریب ہے کیونکہ قاعدہ ہے المطلق اذا اطلق یراد به الفرد الکامل۔ اور فرد کامل سبب قریب ہوتا ہے۔ اب اعراب کی تعریف کا حاصل یہ ہوگا کہ اعراب کہا جاتا ہے ایسی شئی کو جو اسم معرب کے آخر میں اختلاف کا سبب قریب ہو یعنی سبب بلا واسطہ ہو اور عامل اور معنی مقتضی یہ اعراب کا سبب قریب نہیں بلکہ سبب بعید ہیں، اس لیے کہ اختلاف کا سبب ہے دو واسطوں کے ساتھ۔ (۱) معنی مقتضی (۲) اعراب۔ یعنی عامل سبب ہے معنی مقتضی کا اور معنی مقتضی سبب ہے اعراب کا اور اعراب سبب ہے اختلاف کا اور معنی مقتضی اختلاف کا سبب ہے ایک واسطے سے وہ اعراب ہے یعنی معنی مقتضی سبب ہے اعراب کا اور اعراب سبب ہے اختلاف کا لہذا عامل اور معنی مقتضی اعراب کی تعریف سے خارج ہو گئے کیونکہ یہ سبب قریب نہیں۔ معنی مقتضی سبب بعید اور عامل سبب ابعد ہے۔

قال الشارح بقید الحیثیت شارح من حیث هو معرب کی قید کے فائدہ کا بیان برائے دفع دخل مقدر۔

سوال : کہ اعراب کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں اس لیے کہ یہ تعریف لفظ غلامی کے اندر میم کی حرکت پر صادق آتی ہے حالانکہ میم کی حرکت اعرابیہ نہیں باقی رہی یہ بات کہ کیسے صادق آتی ہے وہ اس طرح کہ ھذا غلام زید میں غلام پر رفع موجود ہے۔ رایت غلامی میں میم پر کسرہ آ گئی ہے تو غلام کا آخر تبدیل ہو چکا ہے حالانکہ میم کے کسرہ کو کوئی بھی اعراب نہیں کہتا۔

جواب مولانا جامی نے جواب دیا کہ یہاں حیثیت کی قید معتبر ہے اب تعریف کا حاصل یہ ہوگا کہ اعراب ایسے حرف یا حرکت کو کہا جاتا ہے جس کے ذریعے معرب کے آخر میں اختلاف ہو

معرب ہونے کی حیثیت سے اور غلامی کے اندر میم کی حرکت معرب ہونے سے نہیں بلکہ (یاء) متکلم ماقبل ہونے کی حیثیت سے ہے اور غلامی کی مثل سے مراد ہر وہ اسم ہے جو باء متکلم کی طرف مضاف ہو، باقی رہی یہ بات کہ حیثیت کی قید معتبر ہوا کرتی ہے جس کو شارح نے صراحتا میں ذکر کیا۔

سوال : اس حیثیت کی قید لگانے کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ اس قید سے مقصود غلامی کی حرکت کو اعراب کی تعریف سے خارج کرنا ہے حالانکہ یہ آخرہ کے (ہ) ضمیر سے خارج ہو جاتا ہے۔ کیونکہ (ہ) ضمیر راجع ہے اسم معرب کی طرف اور غلامی مبنی ہے۔

جواب لانہ معرب اس بات میں اختلاف ہے کہ غلامی مبنی ہے یا معرب بعض علماء کے نزدیک غلامی مبنی ہے لیکن صاحب کافیہ کے نزدیک غلامی معرب ہے۔ اس لیے عامل کے آنے سے قبل بھی غلامی کا کسرہ باقی رہتا ہے اس لیے اس کو اعراب کی تعریف سے خارج کرنے کے لیے حیثیت کی قید لگانے کی ضرورت ہے۔

قال الشارح بھذا القدر یہاں سے ایک فائدہ کا بیان ہے کہ اعراب کی تعریف ما اختلف آخرہ بہ تک جامع مانع ہو جاتی ہیں اور لیدل علی المعانی انمعتورة اس عبارت کو اعراب کی تعریف کے جامع مانع ہونے میں کوئی دخل نہیں۔

قولہ لکن المصنف اراد سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال : لیدل والی عبارت اعراب کی تعریف میں داخل نہیں تو پھر اس کو کیوں ذکر کیا ہے۔

جواب یہ ہے کہ اعراب کی تعریف میں اس عبارت کو ذکر کر کے اعراب کے وضع کرنے کا فائدہ بتایا ہے کہ اس کا فائدہ یہ ہے کہ یہ معانی معتورہ یعنی فاعلیت اور مفعولیت اور اضافت پر دلالت کرے۔

قال الشارح فکانہ اراد ھذا المعنی سے فاضل ہندی پر رد مقصود ہے۔ فاضل ہندی کے نزدیک یہ جملہ تعریف میں داخل نہیں اور اس کا کوئی تعلق نہیں بلکہ تعریف یہاں تک مکمل ہو گئی۔ اور یہ جملہ مستانفہ سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال : یہ ہوا لم وضع الاعراب تو اس کا جواب دیا لیدل سے۔

فاضل ہندی کی دلیل اول :اگر لیدل والی عبارت تعریف میں داخل ہوتو یہ قید احترازی بنے گی حالانکہ قید احترازی نہیں جب کہ تعریفات میں قیودات حترازی ہوا کرتی ہیں لہذا یہ تعریف میں داخل نہیں۔

دلیل ثانی: مصنف نے شرح الامالی میں اس جملہ کے بارے میں تصریح کردی لیس ھذا من تمام الحد تو اس سے صراحت ہوگئی یہ عبارت تعریف سے متعلق نہیں بلکہ امر خارج سے متعلق ہے۔ اور مولانا جامی کے نزدیک اس عبارت کا تعلق تعریف سے ہے کہ یہ علت ہے اختلاف کی۔

فاضل ہندی کی دلیل اول کا جواب : یہ ہے کہ تعریفات میں تمام قیودات کا احترازی ہونا کوئی ضروری نہیں بلکہ بعض قیودات سے وضاحت بھی مقصود ہوتی ہے۔ جس سے کسی فائدہ کو بیان کرنا ہوا کرتا ہے۔ یہاں بھی لیدل کی قید سے ایک عظیم فائدے پر تنبیہ مقصود ہے کہ وضع اعراب کے اختلاف کی حکمت کیا ہے ما فائدہ اختلاف وضع الاعراب۔ مصنف نے جواب دیا لیدل۔

دلیل ثانی کا جواب: یہ ہے کہ فاضل ہندی صاحب آپ نے مصنف کی عبارت کا مطلب ہی نہیں سمجھا مصنف کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اس عبارت کو تعریف اعراب کے جامع اور مانع ہونے میں کوئی دخل نہیں۔ اس کا یہ مقصد نہیں ہے کہ اس کا تعلق ہی نہیں ہے بلکہ تعلق تو ہے کہ یہ اس تعریف کی وضاحت کے لیے ہے اسی وجہ سے تو علامہ ابن حاجب نے یوں نہیں کہا کہ لیس ھذا من الحد بلکہ یوں ہے کہ لیس ھذا من تمام الحد یعنی یہ عبارت تعریف کے لیے نہ جنس ہے اور نہ فصل واقع ہے۔

قولہ لیدل علی الاختلاف اوما بہ الاختلاف شارح ھو ضمیر مستتر جو لیدل میں مستتر ہے مرجع بیان کرنا چاہتا ہے جس میں دو احتمال ہیں۔ (۱) الاختلاف (۲) ما بہ الاختلاف۔ یہاں دو احتمال بیان کر کے شارح رحمہ اللہ نے مذاہب کی طرف اشارہ کر دیا۔

پہلا مذہب: بعض نحاۃ کا مذہب ہے کہ اعراب نام ہے نفس اختلاف کا کیونکہ اعراب ضد ہے بناء کی اور بناء عبارت ہے عدم الاختلاف سے تو اعراب عبارت ہوگا اختلاف سے

دوسرا مذهب: بعض نحاۃ کا مذہب ہے کہ اعراب نام مابه الاختلاف کا کیونکہ اعراب علامت ہے معرب کی اور علامت میں اصل یہ ہوتا ہے کہ وہ متحققاور موجود ہو۔اور یہ بات ظاہر ہے کہ موجوداور متحقق مابه الاختلاف یعنی رفع اور نصب اور جر ہے نہ کہ نفس اختلاف۔ کیونکہ وہ امر معنوی ہے اور یہی مذہب دوسرا راجح ہے کیونکہ اگر اعراب نفس اختلاف کا نام ہو تو بعض اسماء معرب بلا اعراب رہ جائیں گے جیسے اسماء معدودہ جب ابتداءاً اپنے عامل سے مرکب ہوں تو وہ معرب تو ہیں لیکن اختلاف موجود نہیں اور اختلاف تو نام ہے ایک حرکت کا دوسری حرکت کے ساتھ تبدیل ہونے کا اسی طرح ایک حرف کا دوسرے حرف کے ساتھ تبدیل ہونے کا اور وہ یہاں نہیں پایا جاتا۔

قال الشارح **على المعنى اى الفاعلية** مولانا جامی نے اشارہ کردیا کہ المعانی پر جو الف لام ہے وہ الف لام عہد خارجی ہے اس سے مطلق معنی مراد نہیں بلکہ معانی مخصوصہ معانی ثلاثہ مراد ہیں۔

قال الشارح **المعتورة على صيغه اسم الفاعل** ضبط صیغہ کا بیان جس سے مقصود فاضل ہندی کی تردید ہے۔اس کا حاصل یہ ہے کہ المعتورہ اسم فاعل کا صیغہ ہے اسم مفعول کا نہیں اس لیے کہ معتورہ اعتوار سے ماخوذ ہے جس کا لغوی معنی ہے اخذ جماعة شيئا نوبة بنوبة متعاقبة لامجتمعة اس لغوی معنی سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ فاعل میں تعدد ہوتا ہے اور مفعول میں توحد اور فاعل میں تعدد اور مفعول میں توحد یہ اسی وقت ہی ہوسکتا ہے جب اس کو بصیغہ اسم فاعل المعتورہ پڑھا جائے نہ کہ بصیغہ اسم مفعول اس لیے کہ اگر اس کو بصیغہ اسم فاعل پڑھا جائے تو معنی یہ ہوگا کہ اسم معرب پر یکے بعد دیگرے آنے والے معانی یعنی کبھی فاعلیت والا معنی اسم معرب کو لیتا ہے تو وہ اسم معرب مرفوع ہو جاتا ہے کبھی اضافت والا معنی لیتا ہے تو ہو مجرور ہو جاتا ہے،اس صورت میں مفعول یعنی اسم معرب ایک ہی ہے لیکن فاعل مختلف ہیں اور اگر بصیغہ اسم مفعول پڑھا جائے تو معنی ہوگا کہ ایسے معنی جن کو یکے بعد دیگرے لیا جاتا ہے۔ یعنی کبھی اسم معرب فاعلیت والا معنی کو لیے لیتا ہے تو اسم معرب مرفوع ہوتا ہے کبھی اسم معرب مفعولیت والے معنی کو۔تو اس صورت میں مفعول میں تعدد ہوگا جو کہ معنی لغوی کے خلاف ہے یعنی اس صورت میں

فاعل تو ایک ہی رہا مفعول متعدد ہو گئے۔اس سے یہ معلوم ہوگا کہ یہ اسم فاعل کا صیغہ ہے اسم مفعول کا صیغہ نہیں۔لہذا افاضل ہندی کا المعتورہ کو اسم مفعول بمعنی ماخوذ کے لینا غلط ہوا۔

علیه ای علی المعرب ضمیر کے مرجع کا بیان کہ (ہ) ضمیر کا مرجع المعرب ہے اور یہ علیه جار مجرور المعتورہ کے متعلق ہے۔

قوله علی تضمین مثل الورود سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال اعتوار یہ متعدی بنفسہ ہوتا ہے۔اس کے صلہ میں (علی) کو کیوں ذکر کیا ہے۔

جواب اعتوار کے صلہ میں حرف جار علی کا ذکر ورود اور استیلاء کے معنی کے تضمین کے اعتبار سے ہے یعنی یہاں صنعت تضمین کا ارتکاب کیا گیا ہے۔

صنعت تضمین کی تعریف : یہ ہے کہ کسی فعل مذکور کے اندر کسی دوسرے فعل کے معنی کا لحاظ کر لیا جائے بایں طور کہ دوسرے فعل کے متعلق کو اس کے لیے ذکر کر دیا جائے بایں معنی کہ فعل اول مقید اور ثانی اس کی قید بن جائے یعنی فعل اول اپنے حال پر رہے اور ثانی فعل سے اسم فاعل نکال کر پہلے فعل یا شبہ فعل کی ضمیر سے حال بنایا جائے۔

اب جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہاں پر علی متعلق معتورة کے نہیں ہوسکتا تو مقام کے مناسبت سے ورود یا استیلاء کے تضمین کریں گی عبارت اس طرح ہوگی المعتورة واردة یامستولیا علیه اور واردة اور مستولیا متعدی بعلی ہوتے ہیں۔

قال الشارح ویقال اعتوروا یہاں سے المعتور کے لغوی معنی کا بیان ہے جس کا حاصل یہ ہے۔یہ تو باب افتعال سے اعتوار ہے یا باب تفاعل سے تعاور ہے۔کہا جاتا ہے اعتور الشئی، تعاور الشئی دونوں کا معنی ایک ہی ہے کہ کسی جماعت کا کسی چیز کو یکے بعد دیگرے باری باری لینا یعنی چیز تو ایک ہی ہے لیکن لینے والی جماعتیں متعدد ہیں اس سے معلوم ہوا کہ فاعل میں تعدد ہوتا ہے اور مفعول میں توحد ہوتا ہے اور معانی معتورہ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ ایسے معانی کہ یکے بعد دیگرے اسم معرب کو لینے والے ہوں کبھی فاعلیت والا معنی اسم معرب کو لے لیتا ہو تو وہ مرفوع ہو جاتا ہو۔کبھی مفعولیت والا لے لیتا ہوالخ۔

قال الشارح فاذا تداولت المعانی

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال : معانی معتورہ پر دلالت کرنے کے لیے ایک ہی اعراب کے وضع کافی تھی متعدد اعراب کے وضع کی ضرورت نہیں تھی تو وانواعه رفع و نصب و جر کیوں کیا گیا۔

جواب مولانا جامی نے جواب دیا چونکہ معانی معتورہ جو اعراب کے مدلولات ہیں ان میں اجتماعیت نہیں ہو سکتی تھی بلکہ تعاقب اور تناوبت ہے یعنی باری باری معرب پر وارد ہونے والے تو ان کا تقاضا یہ تھا کہ ان کے جو دال ہیں ان سب میں بھی اجتماعیت نہ ہو بلکہ وہ بھی علیحدہ علیحدہ علامت مقرر کیا جائے تا کہ ہر ایک کے لیے مستقلا علامت مقرر ہو جائے خلاصہ یہ ہوا کہ نفس اعراب کی وضع تو معانی معتورہ پر دلالت کرنے کے لیے اور اختلاف اعراب کے وضع اختلاف معانی معتورہ کی وجہ سے ہیں تا کہ جیسے مدلولات میں اجتماعیت نہیں اس طرح دوال میں بھی اجتماعیت نہ ہو اور ان دوال اور مدلولات میں توافق ہو جائے۔

فائدہ **فوضع اصل الاعراب** ماقبل پر تفریع کا بیان ہے جس سے پہلے ایک فائدہ سمجھ لیں کہ فوضع والی عبارت میں دو نسخے ہیں۔

(۱) مابعد میں وضع کے بعد اس کے ساتھ ضمیر ہو۔ (۲) اس کے ساتھ ضمیر نہ ہو۔ تو پہلی صورت میں جب ضمیر ہو تو یہ وضع مصدر کا صیغہ ہوگا اور اگر مابعد میں ضمیر نہ ہو تو یہ دونوں جگہ ماضی مجہول کا صیغہ پڑھا جائے گا اب تفریع کا حاصل یہ ہے کہ معانی میں دو حیثیتیں ہیں۔

(۱) معانی من حیث ھی ھی۔ قطع نظر کرتے ہوئے ان میں تضاد اور اختلاف سے کہ وہ تضاد ہے یا نہیں۔ (۲) معانی میں حیث الاختلاف یعنی تضاد ہو اور نفس معانی پر دلالت کرنے کے لیے نفس اعراب کو وضع کیا گیا۔ اور معانی من حیث الاختلاف پر دلالت کرنے کے لیے اعراب من حیث الاختلاف کو وضع کیا گیا تو جس طرح مدلولات میں دو حیثیتیں ہیں اسی طرح دال جو اعراب ہے اس میں بھی دو حیثیتیں ہیں۔

قال الشارح **وانما جعل الاعراب** مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال : اعراب کے محل اسم معرب کے آخر کو کیوں قرار دیا گیا ہے۔ ابتداء کو یا وسط کو محل کیوں نہیں بنایا گیا۔

جواب جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ ضابطہ تو مسلم ہے۔ کہ ذات مقدم ہوتی ہے اور وصف مؤخر ہوتی

ہے۔ لہذا دال علی الذات مقدم ہوگا دال علی الوصف پر اور ہم یہ کہتے ہیں کہ اسم معرب دال ہے ذات پر اور اعراب دال ہے اس کی صفت پر لہذا اسم معرب جو دال علی الذات ہے اس کو مقدم ہونا چاہیے اعراب پر جو دال علی الوصف ہے اور دال علی الوصف یہ مؤخر ہوگا دال علی الذات سے لہذا اعراب مؤخر ہوا اسم معرب سے لیکن یہ تأخر بھی ذاتی ہے اس لیے کہ جاء ابوك کے اندر کوئی لفظ ایسا نہیں کہ ہم کہیں کہ ذات یعنی اسم معرب مقدم ہے اور اعراب مؤخر ہے بلکہ یوں کہیں گے کہ یہ تو تأخر ذاتی ہے اور اعراب مؤخر ہے لیکن وہ تأخر مراد نہیں جو صفت کا موصوف سے ہوا کرتا ہے۔

قال الشارح **وھو ماخوذ من اعربه** سے شارح اعراب کا لغوی معنی اور وجہ تسمیہ بیان کررہے ہیں کہ جسمیں دو احتمال ہیں۔ (۱) یہ مشتق ہے اعراب باب افعال سے بمعنی اظہار اور واضح کرنا اور اعراب بھی چونکہ معانی مقتضیہ کو واضح کرتا ہے اس لیے اس کا نام اعراب رکھا گیا۔ (۲) یہ ماخوذ ہے عربت معدته سے بمعنی معدہ فاسد ہوگیا۔ پھر جب باب افعال کی طرف منتقل کیا اور ہمزہ سلب کے لیے بنایا گیا تو اعراب کا معنی ازالہ فساد ہوگیا اور اعراب کو اس لیے اعراب کہا گیا کہ یہ بھی بعض معانی کا بعض کے ساتھ التباس کے فساد کو زائل کرتا ہے۔

قال الماتن **وانوعه رفع ونصب وجر فلرفع علم الفاعلية والنصب** ماتن اعراب کی تعریف کے بعد اس کے انواع بیان کرنا چاہتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ اعراب کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) رفع (۲) نصب (۳) جر۔ رفع فاعل ہونے کی علامت ہے اور نصب مفعول ہونے کی علامت ہے اور جر اضافت کی علامت ہے۔

سوال : مصنف نے انواعه کہا ہے اقسامه کیوں نہیں کہا۔

جواب لفظ انواع سے اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ رفع ،نصب، جر ان میں سے ہر ایک مستقل نوع ہے جس کے تحت کئی افراد ہیں اور اقسام کا اطلاق صرف جزئیات پر ہوتا ہے اور فرد معین پر ہوا کرتا ہے۔

قال الشارح **ای انواع اعراب الاسم**

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال : اعراب کا حصر کرنا تین میں باطل ہے کیونکہ چوتھی قسم بھی موجود ہے جو جزم ہے۔

جواب کہ عبارت مذکورہ میں اسم کے اعراب کے انواع بتائی جارہی ہیں نہ کہ مطلق اعراب کے انواع اور یہ بات ظاہر ہے کہ اسم کے اعراب بھی تین ہیں۔ اور جزم وہ فعل کا اعراب ہے۔

قال الشارح ثلاثة مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: انواعه مبتداء ہے اور رفع ونصب و جر ان میں سے ہر ایک خبر ہے اور قاعدہ ہے کہ خبر کا مبتداء پر حمل ہوا کرتا ہے۔ یہاں حمل درست نہیں کیونکہ لازم آئے گا خبر مفرد کا جمع پر حمل ہونا جو کہ درست نہیں۔

جواب شارح نے جواب دیا ثـلاثة سے کہ یہاں عطف مقدم ہے ربط مؤخر ہے۔ اب معنی یہ ہوگا کہ اعراب کے انواع رفع اور نصب اور جر ہیں فاندفع الاشکال۔

سوال: اعراب کے اقسام ثلاثہ کی وجہ حصر کیا ہے۔

جواب اعراب دو حال سے خالی نہیں عمدہ کی علامت ہوگی یا فضلہ اگر عمدہ کی علامت ہو تو یہ رفع ہے۔ اگر فضلہ کی علامت ہو تو پھر دو حال سے کہ فضلہ پر بالذات دلالت کرے گا یا بالواسطہ اگر بالذات دلالت کرتا ہے تو یہ نصب ہے اور اگر بالواسطہ دلالت کرے تو یہ جر ہے۔

قال الشارح هذه الاسماء الثلاثة مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: صاحب کافیہ نے حرکات ثلاثہ کو رفع نصب جر کے ساتھ کیوں تعبیر کیا ضمہ اور فتحہ اور کسرہ کے ساتھ کیوں نہیں تعبیر کیا۔

جواب یہاں پر تین اصطلاحیں ہیں۔ (۱) رفع نصب جر (۲) ضمة وفتحه کسرة (۳) ضم وفتح وکسر، رفع، نصب، جر یہ اسماء مختص ہیں معرب کے ساتھ عام ازیں کہ حرکات اعرابیہ ہوں یا حروف اعرابیہ۔ یہاں بھی چونکہ بیان اسم معرب کا تھا اسی لیے ایسے اسماء کو ذکر کرنا مناسب تھا جو اس کے موافق ہوں اس لیے ان کو ذکر کیا بخلاف ضمـه، فتحـه، کسره کہ انکا اطلاق اکثر حرکات بنائیہ پر ہوتا ہے۔ اور قلیل درجہ میں حرکات اعرابیہ پر ہوتا ہے اور ضم، فتح، کسر بغیر تاء کے ان کا اطلاق حرکات بنائیہ پر ہوتا ہے۔

انواع ثلاثه کی وجه تسمیه : رفع کی وجہ تسمیہ تو یہ ہے کہ ان کے تلفظ کے وقت ارتفاع

الشفتین ہوا کرتا ہے اس وجہ سے اس کو رفع کہا جاتا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ رفع کے معنی ہیں بلندی اور چونکہ رفع عمدہ یعنی فاعل کی علامت ہے اس لیے اس کو رفع کہا جاتا ہے۔

اور نصب کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ نصب کا لغوی معنی ہے جمانا کھڑا کرنا اور نصب کو بھی نصب اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی ادائیگی کے وقت نیچے کا ہونٹ اپنی جگہ جمار ہتا ہے اس لیے اس کو نصب کہتے ہیں۔

اور جر کی وجہ تسمیہ کہ جر کا لغوی معنی کھنچنا اور اس کی ادائیگی کے وقت نیچے والا ہونٹ نیچے کی طرف کھنچ جاتا ہے۔ یا جر کو جر اس لیے کہتے ہیں کہ یہ فعل یا شبہ فعل کے معنی کو اپنی مدخول کی طرف کھینچ لاتا ہے جیسے مررت بزید اس لیے اس کو جر کہتے ہیں۔

فالرفع حركتا اوحرفا سے شارح نے اشارہ کر دیا کہ رفع سے مراد فقط پیش نہیں بلکہ ایک نوع ہے جس کے تحت حرکت اور حرف دونوں داخل ہے۔

قال الشارح **ای علامت كون الشی فاعلا**

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: علم کے تین معانی مستعمل ہیں اور یہاں تینوں مراد لینا غلط ہے۔ (۱) مکان مرتفع جیسے قرآن مجید میں ہے فی البحر کالاعلام تو یہ معنی یہاں مراد نہیں ہو سکتا۔ (۲) ما وضع لشئی معین غیرمتناول غیرہ بوضع واحد یہ معنی بھی یہاں مراد نہیں ہو سکتا کہ شئی کے علم اس شئی پر محمول ہوا کرتا ہے جیسے ھذا زید اور یہ بات ظاہر ہے کہ رفع فاعل پر محمول نہیں ہو سکتا کہ یوں نہیں کہا جا سکتا کہ الفاعل رفع۔ (۳) علم بمعنی علامت بھی درست نہیں ورنہ لفظ مشترک کے معانی کثیرہ متعددہ میں سے ایک کا ارادہ کرنا بلا قرینہ لازم آئے گا جو کہ جائز نہیں۔

جواب شارح نے جواب دیا کہ یہاں علم بمعنی علامت کے ہے اور باقی رہا کہ یہاں قرینہ کیا ہے وہ قرینہ یہاں موجود ہے کہ پہلے دو معانی کا متعذر ہونا یہ قرینہ کہ یہاں علم بمعنی علامت ہے۔

قال الشارح **كون الشئی فاعلا** مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: جب مصنف کا مقصود اختصار ہے تو پھر یہاں طوالت کیوں اختیار کی یوں کہتے فالرفع علم الفاعل اس میں اختصار تھا لہذا فاعلیت اور مفعولیت میں یاء اور تاء کا اضافہ بلاسود ہے۔

جواب مصنف نے یاء اور تاء مصدریت کی لگا کر اشارہ کر دیا کہ یہ رفع فاعل کی ذات کی علامت نہیں بلکہ ترکیب میں فاعل ہونے کی علامت ہے جیسے جاء زید میں زید فاعل ہے۔ورایت زیدا میں وہی ذات زید موجود ہے مگر رفع نہیں تو پتہ چلا کہ رفع فاعل ہونے کی علامت ہے نہ کہ ذات کی۔لہذا یہ اضافہ بہت ضروری ہوا۔

قال الشارح حقیقتا اوحکما مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال : علامت الشئی خاصہ ہوا کرتی ہے اور رفع خاصہ نہیں کیونکہ رفع غیر فاعل میں بھی پایا جاتا ہے جیسے مبتداء خبر وغیرہ میں۔

جواب کہ فاعل میں تعمیم ہے کہ خواہ حقیقتا ہو یا حکما اور مبتداء اور خبر اگر چہ فاعل حقیقی نہیں لیکن حکما فاعل ہیں اسلیے کہ جس طرح فاعل مسند الیہ ہوتا ہے اسی طرح مبتداء بھی مسند الیہ ہوتا ہے اور جس طرح فاعل کلام کی جزء ہوتا ہے خبر بھی کلام کا جزء ہوا کرتا ہے۔

یاد رکھیں یہی اشکال النصب علم المفعولیت والجر علم الاضافہ پر بھی ہوگا

قال الشارح واذا کانت الاضافة مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال : جب فاعل اور مفعول کے ساتھ (یاء تاء) مصدریت کی لائی گئی ہیں ایک نکتہ بتانے کے لیے تو اضافت کے ساتھ بھی لانی چاہیے تھی۔یہاں کیوں نہیں لائی گئی۔

جواب (یاء تاء) مصدریت کا یہاں پر لانا یہ تحصیل حاصل ہے اس لیے کہ (یاء اور تاء) سے مقصود مصدریت والا معنی پیدا کرنا ہے اور اضافت پہلے سے مصدر ہے لہذا جب یہاں ضرورت نہیں تو نہیں لائی گئی۔

قال الشارح انما اختص الرفع مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال : یہ ہوتا ہے کہ رفع فاعل کی اور نصب مفعول کی علامت کیوں مقرر کی گئی ہے برعکس کیوں نہیں کیا گیا۔

جواب رفع ثقیل ہے اور فاعل قلیل ہے۔قلیل چیز ثقیل کے متحمل ہوسکتی ہے لہذا رفع فاعل کو دے دیا گیا مفاعیل کثیر ہیں اور کثرت خفت کا تقاضا کرتی ہے تو اس کو نصب دے دی گئی اور باقی جر رہ گئی تو وہ اضافت کو دے دی گئی یاد رکھیں مولانا جامی کی اس عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ

رفع کا فاعلیت کی علامت ہونا اور نصب کا مفعول کی علامت ہونا مناسبت کی وجہ سے ہے لیکن جر کا مضاف الیہ کی علامت ہونا بغیر مناسبت کے ہے۔

قال الماتن مابه يتقوم المعنى المقتضى للاعراب

مصنف علیہ الرحمۃ اعراب کی تعریف اور انواع کے بیان کرنے کے بعد عامل کی تعریف کر رہے ہیں۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ عامل ایسی شئی کو کہا جاتا ہے جو معانیہ مقتضیہ للاعراب یعنی فاعلیت اور مفعولیت اور اضافۃ کے حصول کا آلہ اور ذریعہ ہو عام ازیں کہ وہ عامل لفظی ہو یا عامل معنوی۔

سوال: یہ تعریف فعل مضارع کے عامل پر صادق نہیں آتی کیونکہ اس کی وجہ سے معانی مقتضی پیدا نہیں ہوتے۔

جواب یہاں پر عامل اسم کی تعریف ہے نہ کہ عامل فعل کی لہذا اگر یہ تعریف فعل مضارع پر صادق نہیں آتی تو ٹھیک ہے۔ کہ آنی بھی نہیں چاہیے۔

قال الشارح لفظيا كان اومعنويا مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: العامل سے متبادر الی الذہن عامل لفظی ہے کیونکہ وہی فرد کامل ہے لہذا یہ تعریف صرف عامل لفظی کی ہوگی، جب یہ تعریف صرف عامل لفظی کی ہوگی تو یہ تعریف جامع نہیں رہے گی جیسے زید قائم ان کا عامل معنوی ہے۔

جواب شارح نے تعمیم کر کے جواب دیا کہ عامل سے مراد مطلق عامل ہے خواہ عامل لفظی ہو یا معنوی لہذا یہ تعریف دونوں کی ہوگی جس سے یہ تعریف جامع ہوگئی۔

سوال: عامل کی تعریف میں جار مجرور (بہ) کو اس کے متعلق یتقوم فعل سے مقدم کیا ہے جب کہ اعراب کی تعریف میں جار مجرور (بہ) کو مقدم نہیں کیا گیا اس میں کیا فائدہ اور کیا نکتہ ہے۔

جواب معنی مقتضی للاعراب صرف عامل سے حاصل ہوتا تھا اس لیے جار مجرور کو مقدم کر کے حصر کا معنی پیدا کیا ہے اور چونکہ معرب کا آخر کا اختلاف وہ اعراب کے ساتھ مختص نہیں تھا بلکہ عامل اور معنی مقتضی بھی سبب ہے اسی لیے وہاں جار مجرور کو مقدم نہیں کیا تا کہ حصر والا معنی پیدا نہ ہو۔

قال الشارح **ای یحصل** مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال : یتقوم قیام سے مشتق ہے۔ اب عامل کی تعریف کا حاصل یہ ہوگا کہ عامل ایسی چیز کو کہا جاتا ہے جس کے ساتھ معنی مقتضی للاعراب قائم ہو حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے اس لیے کہ معنی مقتضی یہ عامل کے ساتھ قائم نہیں ہوتا بلکہ معمول کے ساتھ ہوتا ہے جیسے جاء زید میں فاعلیت کا معنی جاء کے ساتھ بلکہ زید کے ساتھ قائم ہے الحاصل یہ تعریف معمول پر صادق آتی ہے۔

جواب یہاں قیام بمعنی حصول کے ہے۔ اب تعریف کا حاصل یہ ہوگا کہ عامل ایسی چیز کو کہا جاتا ہے جس کی وجہ سے معنی مقتضی للاعراب حاصل ہو اور یہ معنی بالکل درست ہے اس جواب سے ایک اور سوال کا جواب بھی ہو گیا کہ قیام تو ذی روح کی صفت ہے جب کہ عامل غیر ذی روح ہے تو قیام کی نسبت عامل کی طرف درست نہ ہوئی تو جواب یہی کہ یہاں قیام بمعنی حصول کے ہے۔

سوال : عامل کی تعریف اسناد پر صاق آتی ہے کیونکہ اسناد بھی معنی مقتضی للاعراب کے حصول کا سبب ہوا کرتا ہے۔ اس طرح یہ تعریف اسناد اور عامل کے مجموعہ پر بھی صادق آتی ہے اسی طرح یہ تعریف تینوں کے مجموعہ پر صادق آتی ہے حالانکہ تنہا عامل کے علاوہ کسی اور کو عامل نہیں کہا جاتا۔

جواب یہ اعتراض تب وارد ہوتا کہ جب یہ باء سببیت کی ہو حالانکہ العامل مابہ میں باء آلہ کی ہے اور آلہ اور سبب میں فرق ہوا کرتا ہے۔

قال الشارح **ای معنی** سے شارح علیہ الرحمۃ نے اشارہ کر دیا کہ المعنی میں جو الف لام ہے یہ عہد خارجی کا ہے۔

قال الشارح **ای معنی من المعانی المقتضیہ**

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال : عامل کی یہ تعریف دخول غیر سے مانع نہیں کہ یہ حروف مضارعت حروف اتین پر صادق آتی ہے کیونکہ حروف مضارعۃ بھی ایسی چیز ہیں کہ فعل مضارع پر داخل ہونے کی وجہ سے اس میں معنی پیدا کرتے ہیں۔ وہ معنی مشابہت باسم الفاعل ہے تعداد حروف اور حرکات سکنات میں تو یہ

معنی مقتضیہ ہوا۔ حالانکہ حروف مضارعت عامل نہیں۔

جواب مولانا جامی نے جواب دیا کہ المعنی پر الف لام عہد خارجی کا ہے جس سے مراد معانی مخصوصہ معانی ثلاثہ ہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ یہ مشابہت ان معانی ثلاثہ میں سے نہیں لہذا حروف مضارعت پر یہ تعریف صادق نہیں آئے گی۔

قولہ ففی جاء زید مثال کے ذریعے متن کی توضیح کا بیان ہے۔ جاء عامل ہے جس کی وجہ سے زید میں معنی فاعلیت حاصل ہوا جس نے علامت رفع کا تقاضہ کیا۔

﴿بحث اقسام اعراب اور اسمائے متمکنہ﴾

قال الماتن فالمفرد المنرف ماقبل کے ساتھ ربط یہ ہے کہ مصنف نے ماقبل میں اعراب کی تقسیم کو بیان کیا ہے اور ہر ایک کے تحت متعدد افراد پائے جاتے ہیں مثلا رفع کے تحت چند افراد ہیں کہ خواہ رفع حرف یا حرکت ہو اسی طرح اگر خواہ واؤ کے ساتھ ہو یا الف کے ساتھ ہو ہر ایک ی دو صورتیں خواہ وہ لفظی ہو یا تقدیری اسی طرح نصب کے تحت بھی متعدد افراد ہیں تو یہاں سے اعراب کی متعدد اقسام تو معلوم ہوگئی لیکن یہ معلوم نہیں تھا کہ اعراب کی قسموں میں سے کونسی قسم کے لیے اسم متمکن کی اقسام میں سے کونسی قسم محل ہے اس لیے مصنف یہاں سے اسم متمکن کی سولہ قسموں کے اعراب کو بیان کر رہے ہیں۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ مفرد منصرف اور جمع مکسر منصرف کا اعراب حالت رفع میں ضمہ لفظی کے ساتھ اور حالت نصبی میں فتحہ لفظی کے ساتھ اور حالت جری میں کسرہ لفظی کے ساتھ ہوگا۔

سوال : المفرد المنصرف کے ساتھ صحیح کی قید کیوں نہیں لگائی جیسا کہ بعض حضرات نے لگائی ہے۔

جواب اس لیے نہیں لگائی تا کہ جاری مجرائے صحیح داخل ہو جائے ، اگر یہ قید نہ لگاتے تو پھر جاری مجرائے صحیح اس میں داخل نہ ہوتا اس کو علیحدہ بیان کرنا پڑتا۔ جو اختصار کے خلاف ہے۔

قال الشارح ای الاسم المفرد الاسم نکال کر اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ المفرد صیغہ صفت کا ہے جس کا موصوف الاسم محذوف ہے۔

قال الشارح الذی لم یکن برائے دفع دخل مقدر۔

سوال : مفرد کئی چیزوں کے مقابلہ میں آیا کرتا ہے مثلاً مفرد کبھی جملہ کے مقابلہ میں ہوتا ہے کبھی مفرد مرکب کے مقابلے میں ہوتا ہے کبھی مضاف کے مقابلے میں ہوتا ہے کبھی شبہ مضاف کے مقابلے میں ہوتا ہے اور کبھی مفرد تثنیہ جمع کے مقابلے میں آتا ہے یہاں کس کے مقابلے میں ہے۔

جواب یہاں پر مفرد بمقابلہ تثنیہ جمع کے ہے۔ جس کا قرینہ مابعد میں تثنیہ جمع کا ذکر ہے۔

قال الشارح لاغیر منصرف منصرف کی قید کے فائدے کا بیان ہے۔ کہ اس قید کے ذریعے غیر منصرف کو خارج کر دیا کیونکہ اس کا ذکر مابعد میں مستقل طور پر آرہا ہے کہ کزید ورجل مثال دیدی زید اور رجل کی۔

سوال : صرف ایک ہی مثال کافی تھی دو مثالیں کیوں دی۔

جواب زید مفرد منصرف معرفہ کی مثال اور رجل نکرہ کی مثال ہے لہذا جب ممثل لہ دو تھے تو مثال بھی دو دے دیں۔

سوال : مصنف کو چاہیے تھا کہ یہاں پر کوئی ایسی قید لگاتے کہ جس سے اسماء ستہ مکبرۃ خارج ہوتے اس لیے کہ یہ بھی مفرد ہوتے ہیں لیکن ان کو اعراب یہ نہیں دیا جاتا۔

جواب اسماء ستہ مکبرہ خود بخود خارج ہو گئے کیونکہ ان کے اعراب کا ذکر مستقل طور پر بعد میں آرہا ہے۔

وکذا الجمع حاصل عطف کا بیان ہے کہ الجمع کا عطف ہے مفرد پر۔

سوال : المفرد المنصرف والجمع المکسرہ المنصرف کہا یوں کیوں نہیں کہا المفرد والجمع المکسر المنصر فان اس سے اختصار حاصل ہوتا اور مقصود بھی ادا ہوتا۔

جواب اگر دونوں کی ایک ہی صفتہ منصرفان لاتے تو پھر موصوف صفت میں اجنبیت کا فاصلہ لازم آتا۔

قال الشارح لم یکن بناء الواحد فیہ سالما

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال : المکسر کو الجمع کی صفت بنانا درست نہیں کیوں کہ مکسر کا معنی ہوتا ہے ٹوٹا ہوا تو الجمع المکسر کا معنی ہوگا ٹوٹی ہوئی جمع حالانکہ رجال جمع مکسر تو ہے لیکن ٹوٹی ہوئی نہیں ہے

کیونکہ مفرد توڑا جاتا ہے نہ کہ جمع۔

جواب مکسر کا یہاں لغوی معنی مراد نہیں بلکہ جمع مکسر کا اصطلاحی معنی مراد ہے یعنی ہر وہ جمع کہ جس کی واحد کی بناء سلامت نہ رہی ہو جیسے رجال کہ اس کا واحد رجل اور طلبة کا واحد طالب ہے تو اب رجل میں الف کا اضافہ ہوا اور طالب میں الف حذف ہوا اور تاء کا اضافہ ہوا تو واحد کی بناء ٹوٹ چکی ہے۔

قال الشارح **فالاعراب فی هذین القسمین**

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال : اس دو قسموں کے ساتھ یہ اعراب کیوں خاص کیا گیا ہے۔

جواب یہ دونوں قسمیں اپنے غیر کے اعتبار سے اصل ہے اس لیے کہ مفرد بمقابلہ تثنیہ و جمع کے اصل ہے اسی طرح صحیح غیر صحیح کے مقابلے میں اصل ہے اور اسی طرح جار مجرائے صحیح غیر صحیح کے مقابلہ میں اصل ہے اور جمع مکسر جمع سالم کے مقابلہ میں اصل ہے کیونکہ اصل تو یہ ہے کہ مفرد اور جمع میں تغائر تام ہو اور وہ تغائر تام جمع مکسر میں پایا جاتا ہے جب یہ تینوں قسم اصل ہوئے اور اعراب بالحرکۃ تینوں حالتوں میں تینوں اعراب دیا جانا یہ بھی اصل تھا تو ہم نے اصل کو اصل اعراب دے دیا۔

سوال : اعراب بالحرکۃ کی اصل ہونے پر کیا دلیل ہے۔ جواب

دلیل اول اعراب بالحرف پیدا ہوتا ہے اعراب بالحرکۃ سے کہ واو ضمہ سے پیدا ہوتی ہے اور الف فتحہ سے یاء کسرہ سے جب کہ ان کو لمبا کیا جائے۔

دلیل ثانی اعراب بالحرف عوض ہے اعراب بالحرکۃ کا اور یہ بات ظاہر ہے کہ معوض اصل ہوتا ہے اور عوض فرع ہوتی ہے۔

دلیل ثالث اعراب بالحرکۃ بسیط ہے کیونکہ ضمہ، فتحہ، کسرہ کسی سے مرکب نہیں ہوتا جب کہ اعراب بالحرف مرکب ہے کیونکہ دو ضمہ سے واو پیدا ہوتی ہے دو الف سے فتحہ اور دو کسرہ سے یاء پیدا ہوتی ہے۔

دلیل رابع اعراب بالحرکۃ خفیف ہے اور اعراب بالحرف ثقیل ہے۔ اور خفت اصل ہے اور

ثقل فرع ہے۔

قولہ فالاعراب فیھما بالضمة رفعا متعلق کا بیان ہے کہ بالضمة رفعا بصریین کے نزدیک متعلق ہے تعربان کے اور کوفین کے نزدیک متعلق ہے معربان کے۔

قال الشارح ای حالة الرفع اس عبارت میں شارح رفعا، و نصبا و جرا کی ترکیب کی طرف اشارہ کیا ہے جس کی تین ترکیبیں ہیں۔

پہلی ترکیب کہ یہ مفعول فیہ ہے باعتبار حذف مضاف کے تو تقدیر عبارت یوں ہوگی یعربان بالضمة حالة الرفع وباالفتحة حالة النصب وبالکسرة حالة الجر۔

دوسری ترکیب یہ بتاویل مرفوعین، منصوبین، مجرورین حال ہیں مفرد منصرف اور جمع مکسر سے تقدیر عبارت یوں ہوگی۔ یعربان بالضمة حال کونھما مرفوعین وبالفتحة حال کونھما منصوبین وبالکسرة حال کونھما مجرورین۔

تیسری ترکیب مفعول مطلق ہے باعتبار حذف مضاف کے یعربان اعراب رفع واعراب نصب واعراب جر۔ اور یاد رکھیں چوتھی ترکیب بھی ہوسکتی ہے کہ بناء بر تمیز منصوب ہو۔

قال الماتن جمع المونث السالم بالضمة والکسرة اعراب کی دوسری قسم کا بیان کہ رفع ضمہ کے ساتھ اور نصب اور جر کسرہ کے ساتھ یعنی تین حالتوں میں دو اعراب یہ اسماء متمکنہ میں سے تیسری قسم جمع مونث سالم کو دیا گیا ہے۔

قال الشارح وھوما یکون بالالف والتاء

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: یہ اعراب جامع بھی نہیں کیونکہ ثبون، ارضون، قلون جمع مونث سالم ہے لیکن ان کا اعراب یہ نہیں اور مانع بھی نہیں کیونکہ مرفوعات، منصوبات، مجرورات یہ جمع مونث سالم نہیں لیکن اعراب یہی دیا گیا ہے۔

جواب شارح علیہ الرحمۃ نے جواب دیا کہ جمع مونث سالم سے مراد وہ جمع ہے جو نحویوں کے نزدیک جمع اصطلاحی ہے یعنی وہ جمع جس کے آخر میں الف تاء ہو لہذا مرفوعات، منصوبات اس میں داخل ہو جائیں گے اور اس سے ثبون و ارضون و قلون خارج ہو جائیں گے۔

قال الشارح **واحترز به عن المكسر** اشارہ کر دیا کہ السالم قید احترازی ہے کہ جمع مونث مکسر سے احتراز ہو جائے گا کیونکہ اس کا اعراب جمع مکسر والا نہیں ہوتا ہے۔

قال الشارح **بالضمة رفعا والكسرة نصبا وجرا**

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: ہم یہ بات تسلیم ہی نہیں کرتے کہ جمع مونث سالم کا اعراب ضمہ اور کسرہ کے ساتھ ہو کیونکہ اس سے ایک حرف میں اجتماع الحرکتین المختلفتین لازم آئے گا جو کہ جائز نہیں۔

جواب کہ رفعا والکسرہ کے آگے نصبا وجرا محذوف ہیں جواب کا حاصل یہ ہوگا کہ جمع مونث سالم کی تین حالتیں ہیں ضمہ حالت رفع میں ہوگا اور کسرہ حالت نصب وجر میں ہوگا۔

قال الشارح **فان النصب فيه تابع للجر**

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: کہ جمع مونث سالم میں نصب کو جر کا تابع کیوں کیا گیا۔

جواب جمع مونث سالم فرع ہے جمع مذکر سالم کی، اور چونکہ اصل میں نصب جر کے تابع ہے تو فرع میں بھی ایسے ہی کر دیا تا کہ فرع کی اصل پر زیادتی لازم نہ آئے۔

سوال: پھر بھی فرع کی اصل پر زیادتی لازم آتی ہے کیونکہ جمع مذکر سالم جو کہ اصل ہے اس کو اعراب بالحرف اعراب فرعی دیا گیا ہے اور جمع مونث سالم کو اعراب بالحرکت جو کہ اصل ہے دیا گیا ہے۔

جواب جمع مونث سالم کو اعراب بالحرکۃ ضرورت کے تحت دیا گیا ہے کیونکہ اعراب بالحرف کے لیے معرب کے آخر کا صالح ہونا ضروری ہے اور چونکہ جمع مونث سالم کے آخر میں حرف علت نہیں اس لیے اس میں اعراب بالحرف کی صلاحیت نہیں تو مجبورا اعراب بالحرکت دے دیا گیا۔

جواب ثانی مطلقاً اعراب بالحرکت اصل نہیں بلکہ تین حالتوں میں تین اعراب دینا یہ اصل تھا جب کہ یہاں تین حالتوں میں دو اعراب دے گئے ہیں تو اس سے یہ اعراب بالحرکت بھی فرع بن چکا ہے لہذا جب اس کو بھی اعراب فرعی دیا گیا ہے تو فرع کی اصل پر زیادتی لازم نہ آئی۔

قال الشارح **غير المنصرف بالضمة والفتحة** اعراب کی تیسری قسم اور اسم متمکن کی پانچویں قسم غیر منصرف کا بیان ہے۔ کہ غیر منصرف کا اعراب رفع ضمہ کے ساتھ اور نصب اور جر فتحہ کے ساتھ ہوتا ہے۔

قوله **بالضمة رفعا والفتح نصبا وجرا** ضمہ کے بعد رفعاً اور فتح کے بعد نصبا جرا یہ عبارت نکال کر سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

قال الشارح **فالجر تابع النصب** مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال : غیر منصرف میں جر کو نصب کے تابع کیوں کیا۔

جواب غیر منصرف کی مشابہت تھی فعل کے ساتھ جس طرح فعل دو چیزوں کی فرع ہے۔ (۱) فاعل (۲) مصدر، اسی طرح غیر منصرف بھی دو چیزوں کی فرع ہے کہ اس میں بھی دو سبب پائے جاتے ہیں اور ہر سبب فرع ہوا کرتا ہے لہذا اس میں دو فرعتین پائی گئیں تو جس طرح فعل پر جر نہیں آتی تو اس پر بھی جر نہیں آتی اسی وجہ سے جر کو فتحہ کے تابع کر دیا گیا۔

سوال : غیر منصرف فرع ہے منصرف کی تو اس کو اعراب فرعی اعراب بالحرف دینا چاہیے تھا تو اعراب اصلی اعراب بالحرکت کیوں دیا گیا۔

جواب ماقبل میں ہم بتا چکے ہیں اعراب بالحرف کے لیے معرب کے آخر کا صالح ہونا ضروری ہے اور غیر منصرف کے آخر میں چونکہ حرف علت نہیں اس لیے اس میں صلاحیت نہیں پائی جاتی، اسی وجہ سے یہاں پر تین حالتوں میں دو اعراب دیئے گئے ہیں تا کہ فرعتین کی رعایت باقی رہے۔

سوال : جمع مونث سالم کو غیر منصرف پر کیوں مقدم کیا ہے۔ حالانکہ دونوں فرع ہیں۔

جواب چند وجوہ سے۔

وجہ اول جمع مونث اور غیر منصرف دونوں کی مخالفت ہے مفرد کے ساتھ لیکن جمع مونث کی مخالفت ایک چیز میں ہے کہ اس پر نصب نہیں آتی۔ تو اس کی مخالفت کم تھی اس لیے اس کو مقدم کر دیا بخلاف غیر منصرف کے کہ اس کی مخالفت زیادہ تھی اس لیے کہ اس کو مؤخر کیا ہے

وجہ ثانی جب جمع مونث سالم کا اعراب قائم دائم رہتا ہے بخلاف غیر منصرف کے کہ اس کا اعراب۔ (۱) ضرورت شعری (۲) تناسب (۳) اضافت (۴) الف لام

کی وجہ سے بدلتا رہتا ہے، اور اعراب کا قائم رہنا اصل ہے اور بدلنا فرع ہے اسی وجہ سے جمع مونث سالم کو مقدم کر دیا۔

وجہ ثالث جمع مونث سالم میں نصب کا جر کے تابع ہونا یہ مشہور اور شائع تھا اس لیے کہ تثنیہ میں اور جمع مذکر سالم میں بھی نصب کو جر کے تابع کیا گیا ہے تو اس لیے اس کو مقدم کر دیا بخلاف غیر منصرف کے کہ وہاں جر کا فتحہ کے تابع ہونا غیر مشہور تھا اس لیے اس کو مؤخر کر دیا۔

قال الماتن ابوک اخوک وحموک وھنوک وفوک وذمال مضافا الی مضمر بالواو والالف والیاء

مصنف اعراب بالحرکت حقیقی اور حکمی سے فراغت کے بعد اعراب بالحرف حقیقی اور حکمی کو بیان کرنا چاہتے ہیں، یہ اعراب کی چوتھی قسم ہے اور اسماء متمکنہ کی چھٹی قسم ہے۔ان کا اعراب رفع واو کے ساتھ ہوتا ہے اور نصب الف کے ساتھ جر یاء کے ساتھ۔ یہ اسماء متمکنہ میں سے چھٹی قسم اسماء ستہ مکبرہ کے ساتھ خاص کیا گیا ہے لیکن یاد رکھیں ان اسماء کے لیے یہ اعراب مشروط ہے چند شرائط کے ساتھ جس کا ذکر مولانا جامی خود کر رہے ہیں۔

قال الشارح بکسر الکاف لان الحم

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: ابوک، اخوک میں جس طرح اضافت کاف ضمیر واحد مذکر مخاطب کی طرف تھی اس طرح حموک میں بھی مذکر کے طرف ہوتی۔ مونث کی طرف کیوں کی گئی ہے۔

جواب حم کہتے ہیں عورت کے قریبی رشتہ دار کو لہذا چونکہ یہ رشتہ دار عورت کا ہی ہوتا ہے اس لیے ضمیر مونث لائی گئی ہے حموک۔

قال الشارح والھن الشئی المنکر ھن کا معنی ہوتا ہے ایسی ناپسندیدہ چیز جس کا ذکر قبیح ہو مثلاً عورت غلیظہ صفات ذمیمہ اسی طرح حسد بغض، کینہ اور افعال قبیح شراب زناء وغیرہ۔

قال الشارح وھذہ الاسماء الاربعۃ ان اسماء اربعہ کی **تحقیق صیغوی** کا بیان ہے کہ یہ اسماء اربعہ ناقص واوی ہیں۔ کہ یہ اصل میں اخو،ابو،حمو ھنو تھے پھر واؤ کو خلاف

قانون حذف کر دیا خفت پیدا کرنے کے لیے تو اب، اخ، حم، هن ہو گیا۔

قال الشارح **وهو اجوف واوی** اس میں فوك کا تحقیق صیغوی کا بیان ہے کہ فوك اصل میں فوه تھا جس پر دلیل اسکی جمع ہے اس کی جمع آتی ہے افواه اور تصغیر آتی ہے فویه اور قاعدہ ہے التصیغیر والتکسیر تردالاشیاء الی اصولها پھر ھاء کو خلاف قیاس حذف کر دیا فو ہو گیا، پھر اس کلمہ کے دو حرف باقی رہے جس کا آخر یحرف واؤ ضعیف تھا اس کو میم سے بدل دیا، تبدیل کرنے کی وجہ یہ ہے اگر اس کو میم کے ساتھ تبدیل نہ کرتے واؤ متحرک ماقبل مفتوح قال باع والا قانون جاری ہو جاتا جس سے واؤ الف سے بدل جاتی پھر الف بھی التقاء ساکنین سے گر جاتا تو لازم آتا کلمہ کا ایک حرف پر باقی ہونا جو کہ جائز نہیں تھا اس لیے اس واؤ کو میم سے تبدیل کر دیا تا کہ حذف والی علت پیدا ہی نہ ہو۔

قال الشارح **وهو لفیف مقرون** اس میں لفظ ذو کی تحقیق صیغوی کا بیان ہے کہ ذو اصل میں ذو وتھا۔ پھر ایک واؤ کو خلاف قانون حذف کیا خفت حاصل کرنے کے لیے، بعض کے نزدیک پہلے واؤ کو حذف کر دیا گیا ہے اور بعض کے نزدیک آخری واؤ کو اور یہی اصل ہے کیونکہ لام محل تغیر میں ہے پھر بناء بر خفت واؤ کو ساکن کیا ہے اور واؤ کے ماقبل کو واؤ کے رعایت کرتے ہوئے مضموم کر دیا گیا تو ذو ہو گیا۔

قال الشارح **وانما اضیف ذو** مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال : کہ ذو کی اپنے اخوات کی طرح ضمیر کی طرف اضافت کیوں نہیں کی گئی اسم ظاہر کی طرف کیوں کی گئی ہے کیا اس میں کوئی حکمت اور نکتہ ہے یا بغیر کسی نکتہ کے ایسے کیا گیا ہے۔

جواب ذو کی اضافت ضمیر کی طرف جائز ہی نہیں اسی لیے اسم ظاہر کی طرف کی گئی ہے۔

سوال ذو کی اضافت ضمیر کی طرف کیوں جائز نہیں۔

جواب ذو کی وضع اس لیے کی گئی تا کہ اس کے ذریعے اسم جنس کو ماقبل کسی صفت بنایا جا سکے، اسی وجہ سے ذو ہمیشہ اسم جنس کی طرف مضاف ہوتا ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ اسم جنس ضمیر واقع نہیں ہوسکتا، اسی لیے یہ ذو اسم ظاہر ہی کی طرف مضاف ہوا کرتا ہے ضمیر کی طرف نہیں۔

قال الشارح **فاعراب هذه لاسماء** سے اشارہ کر دیا کہ بالواو والالف کا متعلق تعرب یا

معربہ محذوف ہے۔

سوال : اخوك، ابوك وغیرہ پر بالواو والیاء سے حکم لگانا درست نہیں کیوں کہ یہ تو پہلے ہی معرب بالواوٗ ہیں تو پھر بالواوٗ کہنا کس طرح صحیح ہوگا نیز آگے بالیاء کہنا درست نہیں کیونکہ اخوك وغیرہ تو معرب بالواوٗ ہے تو واوٗ، یاء کس طرح جمع ہوسکتی ہیں۔

جواب کہ یہ اسماء ستہ مکبرہ سے مراد اسماء ستہ مکبرہ ہیں من حیث ھی ھی قطع نظر کرتے ہوئے واوٗ وغیرہ سے تو اس وقت یہ اعراب ان پر جاری ہوگا۔

قال الشارح لا مطلقا اس عبارت میں شرائط اعراب کا بیان مقصود ہے کہ ان اسماء ستہ کے لیے یہ اعراب مشروط ہے چار شرطوں کے ساتھ۔

پهلی شرط مکبر ہوں۔ اگر مصغر ہوں تو جاری مجری صحیح والا اعراب جاری ہوگا۔

دوسری شرط موحد ہوں۔ اگر موحد نہ ہوں تو پھر تثنیہ جمع ہوں تو تثنیہ جمع والا اعراب جاری ہوگا۔

تیسری شرط مضاف ہوں۔ ورنہ مفرد منصرف صحیح والا اعراب جاری ہوگا۔

چوتھی شرط یاء متکلم کی طرف مضاف نہ ہوں ورنہ غلامی والا اعراب جاری ہوگا۔

قال الشارح انما لم یصرح مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال : جب شرائط چار تھی تو مصنف نے صرف دو کو کیوں ذکر کیا ہے، دو کو کیوں ترک کیا ہے۔

جواب مکبرہ موحد والی دونوں شرطیں امثلہ سے سمجھی جاتی ہیں اس لیے ان کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ تو صاحب کافیہ نے ان کو صراحتاً بیان نہیں کیا۔

مضافة لانها سے وجہ شرط کا بیان ہے۔

قال الشارح ولم یکتفی هذا اشرط

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال : جس طرح پہلی دو شرطوں میں اکتفاء علی الامثلہ کیا گیا تو ان دو شرائط مذکورہ کو بھی نہ ذکر کرتے امثلہ پر اکتفا کر لیتے۔

جواب مصنف اگر امثلہ پر اکتفاء کرتے تو یہ شبہ لازم آتا کہ شاید ان اسماء میں اضافت الی

الضمیر شرط ہے حالانکہ ایسے نہیں لہذا اسی وجہ سے ان دو شرطوں کی تصریح کر دی۔

قولہ وانما جعل اعراب هذه اسماء مقدر کا جواب

سوال : جب اسماء ستہ مکبرہ مفرد ہیں تو مفرد اصل ہوا کرتا ہے تو ان کو اعراب بالاصل دینا چاہیے تھا۔ تو آپ نے اعراب بالحرف اعراب فرعی کیوں دیا ہے۔

جواب اول اعراب بالحرکت کے لیے آخر کا صالح ہونا ضروری ہے ان اسماء میں چونکہ آخری حرف علت ہے جس کی وجہ سے اعراب بالاصل کی صلاحیت نہیں رکھتے تو ان کو اعراب بالحرف دیا۔

جواب ثانی کہ مفرد، تثنیہ، جمع متحد بالذات اور متغائر بالاعتبار تھے کیونکہ تثنیہ اور جمع مفرد سے بنائے گئے ہیں۔ صرف تثنیہ میں الف اور نون کا اضافہ کیا گیا ہے اور جمع میں واؤ نون اضافہ کیا گیا ہے، اگر تمام مفردات کو اعراب بالحرکت دیا جاتا اور تثنیہ جمع کو اعراب بالحرف دیا جاتا تو ان میں منافرت تامہ اور وحشت بعیدہ پیدا ہو جاتی تو اسی بناء پر بعض مفردات کو اعراب بالحرف دے دیا گیا تا کہ ان کے درمیان منافرت تامہ نہ ہو بلکہ الفت ہو جائے۔

سوال : کہ منافرت اور بعد کو ختم کرنے کے لیے بعض تثنیہ اور جمع کو اعراب بالاصل دیدیتے تب بھی الفت پیدا ہو سکتی تھی۔ ایسا کیوں نہیں کیا گیا۔

جواب تثنیہ جمع کے اواخر اعراب بالحرکت کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے لہذا وہ صورت ممکن نہیں تھی۔

جواب ثالث اگرچہ اعراب بالحرکت اصل ہے خفت کی وجہ سے اعراب بالحرف سے لیکن اعراب بالحرف اقوی بھی تو ہے کیونکہ وہ حرف علت سے متحقق ہوتا ہے اور ایک حرف علت دو حرکتوں کے قائم مقام ہوا کرتا ہے۔ تو اس اعتبار سے اعراب بالحرف قوی ہوا۔ اب اگر ہر مفرد اور ہر اصل کو اعراب بالحرکت دیا جاتا ہے اور ہر فرع کو اعراب بالحرف دیا جاتا تو پھر بھی فرع کی اصل پر زیادتی لازم آتی اسی وجہ سے بعض مفردوں کو اعراب بالحرف دیدیا گیا تا کہ یہ قباحت یعنی فرع کی اصل پر زیادتی لازم نہ آئے۔

قال الشارح وانما اختار واسماء ستة

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال : دفع منافرت کے لیے ان اسماء ستہ کو کیوں منتخب کیا، پانچ کو یا سات کو منتخب کر لیتے

تب بھی وحشت ختم ہو ہی جاتی۔

جواب اول شارح نے یہ جواب دیا کہ تثنیہ جمع جو کہ فرع ہے ان کی چھ حالتیں تھی ہر حالت کے ساتھ مناسبت پیدا کرنے کے لیے اس کے مقابل ایک مفرد کو اعراب بالحرف دیا گیا تو کل چھ اسم ہو گئے۔

جواب ثانی تثنیہ کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) حقیقی (۲) معنوی (۳) صوری اسی طرح جمع کی بھی تین قسمیں ہیں تو چھ قسمیں ہو گئی تو ہر قسم کے مقابلے میں ایک مفرد کو اعراب بالحرف دیا گیا ہے۔

قال الشارح وانما اختاروهذه الاسماء

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال : اگر چھ اسموں کو منتخب کرنا تھا تو اس کے علاوہ کوئی اور چھ اسم منتخب کر لیتے ان کو کیوں منتخب کیا گیا ہے۔

جواب : ان چھ اسموں کو تثنیہ جمع کے ساتھ مشابہت ہے جس طرح تثنیہ جمع میں تعدد ہے تو اس طرح ان اسماء ستہ کے مفہوم میں بھی تعدد ہے۔ اس لیے ان چھ اسموں کا انتخاب کیا گیا ہے۔

قال الشارح ولو جود حرف صالح مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال : اور اسماء بھی تھے جن میں تعدد والا معنیٰ موجود تھا۔ جیسے زوج کہا جاتا ہے من له الزوجه ۔

جواب محض تعدد کافی نہیں تھا بلکہ تعدد کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری تھا کہ آخری حرف اعراب بالحرف کی صلاحیت رکھتا ہو اور یہ بات ظاہر ہے کہ زوج میں صلاحیت نہیں، خلاصہ یہ ہوا کہ ان اسمائے ستہ مکبرہ کو لفظاً و معنیً مشابہت ہے تثنیہ جمع کے ساتھ لفظاً اس لیے کہ اس کی آخر میں حرف صالح للاعراب ہے اور معناً اس طرح مشابہت ہے کہ اس میں تعدد ہے۔

قال الشارح بخلاف سائر الاسماء المخدوفته الاعجاز

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال : جس طرح اسماء ستہ مکبرہ لفظاً ورمعناً مشابہ ہیں تثنیہ جمع کے ساتھ اس طرح اسماء مخدوفة

الاعجاز بھی لفظاً ومعناً مشابہ ہیں تثنیہ جمع کے ساتھ، کیونکہ ان کے آخر میں بھی حروف علت صالح الاعراب موجود ہے اور تعدد بھی موجود ہے جیسے یــــد ذوالید کا تقاضا کرتا ہے دم ذودم کا تقاضا کرتا ہے۔

جواب آخر میں ایسے حرف کا ہونا ضروری ہے جو اعراب بالحرف کی صلاحیت بھی رکھے اور نیز بوقت اعراب اس کا اعادہ بھی ہو سکے اور یہ بات ظاہر ہے کہ اسماء محذوفۃ الاعجاز کا آخری حرف بوقت اعراب نسیا منسیا محذوف ہو چکا ہے کہ عرب سے اس کا اعادہ مسموع نہیں لہذا ان کی مشابہت تثنیہ جمع کے ساتھ نہ ہوتی۔

قال الماتن المثنى وكلامضافا الى مضمر واثنتان بالالف والياء

اعراب کی پانچویں قسم اور متمکن کی ساتویں اور آٹھویں اور نویں قسم کا بیان۔ اعراب بالحرف کی دوسری قسم ہے تین حالتوں میں دو اعراب، رفع الف کے ساتھ اور نصب اور جر یاء ماقبل مفتوح کے ساتھ یہ تین قسموں کا اعراب۔ (۱) تثنیہ حقیقی (۲) معنوی (۳) تثنیہ صوری۔

تثنیہ حقیقی : وہ ہے جس میں تین شرطیں پائی جائیں۔ (۱) تثنیہ والا معنی ہو۔ (۲) تثنیہ والا وزن ہو (۳) اس کے مادہ سے اسکا مفرد ہو جیسے رجلان۔

تثنیہ صوری : وہ جس میں دو شرطیں موجود ہوں۔ (۱) معنی تثنیہ والا ہو۔ (۲) تثنیہ والا وزن بھی ہو جیسے اثنتان واثنتان۔

تثنیہ معنوی : وہ ہے جس میں صرف ایک شرط ہو یعنی تثنیہ والا معنی ہو اور مادہ بھی نہیں مادہ سے مفرد بھی نہ ہو جیسے کلا کلتا۔

قوله مايلحق به سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال : المثنیٰ کے بعد کلا کا ذکر کرنا لغو ہے اس لیے کہ یہ بھی تثنیہ ہے۔ جو المثنیٰ میں داخل ہے۔

جواب مایلحق به کا اضافہ کر کے یہ بتا کہ کلا تثنیہ نہیں بلکہ ملحق بالتثنیہ ہے کیونکہ تثنیہ کے لیے تین شرطیں ہیں جب کہ اس میں ایک شرط موجود ہے۔

قال الشارح وكذاكلا كلتا مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال : جس طرح کلا معرب ہے اس اعراب کے ساتھ اس طرح کلتا کا بھی یہی اعراب

ہے تو کلا کوذکر کیا کلتا کوذکر کیوں نہیں کیا۔

جواب کلتا کا بھی یہی حکم ہے لیکن اس کو اس لیے ذکر نہیں کیا کہ وہ کلا کی فرع ہے اور قاعدہ ہے ذکر الاصل یستلزم ذکر الفرع اس لیے اس کو ذکر نہیں کیا۔

فائدہ کلا کا اصل کلو ہے داو کو الف سے بدل دیا تو کلا ہو گیا اور بعض نے اس کا اصل کلی بنایا ہے لیکن اول راجح ہے اس لیے کہ جب الف یاء سے تبدیل ہو تو پھر وہ یا بصورت یاء سے لکھا جاتا ہے جیسے توضی اجب کہ یہاں یاء سے تبدیل نہیں ہے بلکہ الف سے لکھا ہوا ہے۔

قال الشارح **حال کون کلا وکلتا** مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال جب معطوف اور معطوف علیہ کے بعد حال واقع ہو تو دونوں سے حال واقع ہوتا ہے اور یہاں مضافاً حال واقع ہے کلا سے اس طرح المثنی سے بھی حال واقع ہوگا۔ تو اب عبارت کا حاصل یہ ہوگا کہ تثنیہ کا اعراب مقید ہے اضافت الی مضمر والی قید کے ساتھ حالانکہ تثنیہ حقیقی کے لیے اضافت الی الضمیر کی قید نہیں ہے۔

جواب کہ مضافاً یہ حال صرف کلا سے ہے المثنی سے نہیں تو لہذا اضافت الی الضمائر والی قید صرف کلا کلتا کے لیے ثابت ہوگی۔

قال الشارح **وانما قید بذالک** مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال نہ تو یہ اضافت الی الضمیر والی قید تثنیہ حقیقی کے لیے ہے اور نہ تثنیہ صوری کے لیے تو پھر اس تثنیہ معنوی کلا کلتا کی شرط کیوں لگائی ہے۔

جواب تثنیہ حقیقی اور تثنیہ صوری کے لیے ایک ہی اعراب متعین تھا۔ لیکن تثنیہ صوری کے لیے دو اعراب تھے۔ اگر اسم ظاہر کی طرف اضافت ہو تو اعراب بالحرکت ہوتا ہے اور اگر ضمیر کی طرف اضافت ہو تو اعراب بالحرف، چونکہ اعراب دینے کے لیے اضافت الی الضمیر کی شرط تھی اس لیے اس شرط کو ذکر کر دیا۔

فائدہ سوال کلا کلتا کو دو اعراب کیوں دیئے گئے ہیں۔

جواب کلا کلتا میں دو اعتبار ہیں۔ لفظ کے اعتبار سے مفرد ہے اور معنی کے اعتبار سے تثنیہ ہے۔ کیونکہ تثنیہ والا معنی بھی موجود ہے اب لفظ کا تقاضا یہ تھا کہ ان کو اعراب بالحرکت ہونا چاہیے

اور معنی کا تقاضا یہ تھا کہ ان کو اعراب بالحرف ملنا چاہیے تو ہم نے دونوں کا لحاظ رکھتے ہوئے دو اعراب دے دیئے۔ البتہ اس کی صورت یہ بناڈالی کہ جب کلا کلتا اسم ظاہر کی طرف مضاف ہوں گے تو لفظ کی رعایت کرتے ہوئے ان کو اعراب بالحرکت دیا جائے گا کیونکہ اسم ظاہر بنسبت ضمیر کے اصل ہے۔ اور لفظ بنسبت معنی کے اصل ہوتا ہے تو اصل کو اصل والا اعراب دے دیا گیا اور جب یہ کلا کلتا ضمیر کی طرف مضاف ہوں گے تو معنی کی رعایت کرتے ہوئے اعراب بالحرف دیا گیا۔ کیونکہ اسم ضمیر فرع ہے اور کلا کے اندر معنی کا لحاظ کرنا یہ بھی فرع ہے اور فرع کو فرع والا اعراب دیا گیا البتہ پہلی صورت میں جب یہ اسم ظاہر کی طرف مضاف ہوں تو اس کا اعراب بالحرکت تقدیری ہوگا لفظ نہ ہوگا کیونکہ آخر میں الف ہے جو اعراب بالحرکت کی صلاحیت نہیں رکھتا جیسے جاء نی کلا الرجلان ورایت کلا الرجلین وصورت بکلا الرجلین۔

یاد رکھیں لان فی آخرہ الف تسقط بالتقاء لساکنین سے اعراب تقدیری پر استدلال کیا ہے حالانکہ التقاء ساکنین کی وجہ سے الف کا ساقط ہونا اعراب بالحرکت تقدیری پر دلالت نہیں کرتا بلکہ الف کا برقرار رہنا اعراب تقدیری پر دلالت کرتا ہے تو عبارت شارح میں تسامح ہے۔

قال الشارح **واثنان وکذا اثنتان** مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔ جو کلتا پر گزر چکا ہے

قال الشارح **فان ھذہ الالفاظ** مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: المثنی کے بعد اثنان کا ذکر کرنا مستدرک ہے۔ کیونکہ یہ بھی تثنیہ ہی ہے۔

جواب یہ تثنیہ حقیقی نہیں بلکہ صوری اور ملحق بالتثنیہ ہے۔ اس لیے ان کا ذکر کرنا ضروری تھا۔

قال الماتن **جمع المذکر السالم والواو عشرون واخوتھا بالواو والیاء**

اعراب کی چھٹی قسم اور اعراب بالحرف کی تیسری قسم کا بیان ہے اور اسماء متمکنہ میں سے دسویں اور گیارہویں اور بارہویں قسم کا بیان ہے، یہ اعراب بھی تین حالتوں میں دو اعراب ہیں۔ رفع واؤ کے ساتھ اور نصب اور جر یاء ماقبل مکسور کے ساتھ۔ یہ اعراب تین قسموں کو دیا گیا۔

(۱) جمع مذکر سالم حقیقی جیسے مسلمون۔ (۲) جمع معنوی جیسے الو۔ (۳) جمع صوری جیسے عشرون اور اس کے اخوت تسعون تک۔

قال الشارح والمراد ماسمی به مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال : یہ اعراب جامع نہیں اور مانع بھی نہیں جامع اس لیے نہیں کہ مرفوعات، منصوبات، سجلات، سفر جلالت پر یہ اعراب جاری نہیں ہوتا حالانکہ یہ جمع مذکر سالم ہیں اور مانع اس لیے نہیں کہ سنون ارضون قلون، یہ مونث سالم ہیں اور ان کو یہ اعراب دیا گیا ہے۔

جواب شارح نے جواب دیا کہ یہاں معنی لغوی مراد نہیں بلکہ معنی اصطلاحی مراد ہے کہ ہر وہ جمع جس کے آخر میں واو اور نون ہو خواہ اس کا واحد مذکر ہو یا مونث۔

قال الشارح ماالحق به یہ سوال کا جواب ہے جو گزر چکا ہے۔

قال الشارح جمع ذولاعن لفظه مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال : الوذو کی جمع ہے اس پر اعتراض وارد ہوا کہ الوجب ذو کی جمع ہے تو اس کو جمع حقیقی سے کیوں نہیں شمار کیا جاتا ملحق بالجمع کیوں شمار کیا جاتا ہے۔

جواب کہ الوجمع تو ہے لیکن حقیقی جمع نہیں کیوں کہ اس کے مادہ سے مفرد نہیں اور یہ جو ذو ہے یہ من غیر لفظه ہے۔

قال الشارح ای نظائرها السبع مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال : اخوات اخت کی جمع ہے اور اخت کا اطلاق ذی روح چیز پر ہوتا ہے۔ یہاں اخوات کا اطلاق ثلاثون سے تسعون تک ہے جو غیر ذی روح ہیں۔

جواب یہاں استعارۃً اخوات سے مراد نظائرات اور مشابہات ہیں۔ لہذا یہ ذکر مشبہ بہ کا ہے ارادہ مشبہ بہ کا ہے اس کو استعارہ مصرحہ کہا جاتا ہے۔

قوله ولیس عشرون جمع عشرة مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال : عشرون کا ذکر جمع مذکر سالم کے بعد لغو اور متدرک ہے کیونکہ عشرون جمع حقیقی ہے اس لیے کہ وزن بھی جمع والا ہے اور معنی بھی جمع والا ہے اس کے مادہ سے مفرد بھی موجود ہے کہ عشرون کا مفرد عشرة اور اسی طرح ثلاثون کا ثلاثة۔

جواب عشرون وغیرہ جمع صوری ہے حقیقی نہیں کیونکہ اس کے مادہ سے مفرد نہیں باقی رہا عشرۃ یہ عشرون کا مفرد نہیں بن سکتا ورنہ معنی فاسد ہوتا ہے۔ اس لیے کہ جمع کا اطلاق کم سے کم تین فرد پر ہوتا

ہے اور تین عشرۃ جمع ہو تو یہ تیس بنتے ہیں تو عشرون کا اطلاق تیس پر ہو جائے گا۔ اور حالانکہ عشرون کا معنی بیس ہوتا ہے لہذا ثابت ہوا عشرون عشرۃ کی جمع نہیں اور ثلاثون ثلاثۃ کی جمع نہیں۔

جواب ثانی جمع کا اطلاق مافوق الاثنین لاعلی التعیین پر ہوتا ہے کسی فرد معین پر نہیں ہوتا جب کہ عشرون کا اطلاق معین افراد پر ہے کم وبیش پر نہیں ہوسکتا۔

قال الشارح وانما فعل اعراب المثنی مع محلقاته

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال : جمع مذکر سالم اور تثنیہ کو اعراب بالحرکت کیوں نہیں دیا گیا۔ جمع مونث سالم کی طرح۔

جواب شارح نے جواب دیا کہ تثنیہ اور جمع فرع ہے مفرد کی اور اعراب بالحرف بھی فرع ہے لہذا ہم نے فرع کو فرع والا اعراب دیا ہے۔ یہ انصاف ہے۔ جرم نہیں۔

قال الشارح وفی آخرها حرف صالح للاعراب

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال : جمع مونث سالم بھی فرع تھی مفرد کی اس کو اعراب بالحرف کیوں نہیں دیا گیا۔

جواب ان کے آخر میں حرف صالح للاعراب الحرفی نہیں تھا اسی مجبوری سے ہم نے اس کو اعراب بالحرکت دیا۔

قال الشارح ولما جعل سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال : جب اعراب بالحرف دینا ہی تھا تثنیہ اور جمع کو تو تینوں حالتوں میں تین اعراب کیوں نہیں دیئے گئے۔

جواب اعراب بالحرف تین تھے جس کی دو صورتیں تھیں۔ (ا) پہلی صورت تو یہ تھی کہ یہاں اعراب بالحرف تثنیہ اور جمع دونوں میں مشترک کر دیتے۔ دوسری صورت یہ تھی کہ یہ اعراب بالحرف کسی ایک کو دے دیتے دوسرے کو محروم کرتے یہ دونوں صورتیں باطل تھیں کیونکہ اگر مشترک کر دیتے تو تثنیہ اور جمع میں التباس لازم آتا اور اگر ایک کو دیتے تو دوسرا بغیر اعراب کے رہ جاتا یہ بھی ناجائز تھا اس لیے ہم نے اعراب بالحرف کو تقسیم کر دیا۔ تثنیہ کو حالت رفع میں الف دے دیا اور جمع کو حالت رفع واو دے دی اور باقی رہی یاء اس کو نصب اور جر کی حالت میں دونوں کو دے دیا

تثنیہ کو بھی اور جمع کو بھی۔ اور پھر التباس سے بچنے کے لیے تثنیہ میں یاء کے ماقبل مفتوح کردیا اور جمع میں یاء کے ماقبل مکسور کردیا۔

سوال : حالت رفعی میں تثنیہ کو الف اور جمع کو واو کیوں دی برعکس کر لیتے۔

جواب فعل کی تثنیہ میں الف ضمیر فاعل ہوتا ہے اور جمع میں واو ضمیر فاعل ہوتی ہے تو ہم نے اسم کے تثنیہ جمع کو فعل کے تثنیہ جمع کے ساتھ مناسبت اور مشابہت دینے کے لیے یہاں بھی تثنیہ کو الف اور جمع کو واوٗ حالت رفعی میں دے دی ہے۔

سوال : کہ تثنیہ میں یاء کا ماقبل مفتوح جمع میں یاء ماقبل مکسور کیا جس سے مقصود فرق کرنا تھا تو فرق بالعکس بھی ہو سکتا تھا۔

جواب تثنیہ کثیر الاستعمال تھا اور فتح خفیف تھا اور کثرۃ خفت کا تقاضا کرتی ہے اس لیے تثنیہ کے ماقبل مفتوح کردیا۔ اور چونکہ رفع بھی ثقیل تھا اور جمع قلیل تھی اس لیے جمع میں یاء کے ماقبل مکسور کردیا۔

قال الشارح **حمل النصب** مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال : نصب کو جر کے تابع کیا گیا ہے اس طرح جر کو نصب کے تابع کیا جاتا ہے۔ لیکن رفع کو کسی کے تابع نہیں کیا جاتا اور نہ متبوع بنایا جاتا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے۔

جواب نصب اور جر میں مشابہت ہے کہ دونوں فضلہ ہونے کے اعتبار سے مساوی ہیں لیکن رفع کے ساتھ کسی کی مناسبت نہیں کہ وہ عمدہ ہے اس لیے نصب اور جر کو ایک دوسرے کے تابع کردیا لیکن رفع کو نہ کسی کا تابع کیا ہے نہ کسی کے متبوع بنایا ہے۔

قال الشارح **ولما فرغ من تقسیم الاعراب** سے ربط کا بیان اب تک اعراب بالحرکت اور بالحرف کے مواضع مختلف کو بیان کیا گیا ہے اب یہاں سے اعراب تقدیری اور لفظی کو بیان کیا جاتا ہے جس کی تقسیم کی طرف ماقبل میں اشارہ کیا گیا ہے۔

قال الشارح **ولما کان التقدیر اقل**

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال : اعراب لفظی اصل ہے اور اعراب تقدیری فرع ہے تو مقتضی قانون کا تو یہ تھا کہ اصل کو

مقدم کیا جائے فرع پر یہاں برعکس کیوں کیا۔

جواب کہ اعراب تقدیری اقل اور سہل الضبط تھا اس لیے کہ اس کے مواقع کم تھے بنسبت اعراب لفظی کے اور مصنف اختصار کے درپے تھا اور اسی میں اختصار تھا کہ اعراب تقدیری کے محل یعنی تعذر اور استثقال کے بیان کرنے کے بعد یوں کہہ دیا جائے کہ اس کے ماسواہ اعراب لفظی ہوگا۔

قال الشارح ای تقدیر الاعراب مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: التقدیر کا ذکر کرنا تو خروج عن المبحث لازم آتا ہے کیونکہ ہماری بحث تو اعراب میں چل رہی تھی، آپ نے تقدیر کا مسئلہ شروع کر دیا۔

جواب کہ یہاں التقدیر پر الف لام عہد خارجی کا ہے یا الف لام مضاف الیہ کا عوض ہے اصل عبارت یوں تھی ای تقدیر الاعراب تو یہاں مطلق تقدیر کی بحث نہیں جس سے خروج عن المبحث لازم آئے بلکہ اعراب تقدیری کا بیان ہے۔

اعراب تقدیری کا ضابطہ یہ ہے کہ جہاں اعراب لفظ متعذر اور ثقیل ہو تو وہاں اعراب تقدیری ہوتا ہے۔

فائدہ سوال شارح نے حذف مضاف الیہ کا قول کیا حالانکہ ایک اور احتمال بھی تھا کہ موصوف محذوف مانا جائے الاعراب التقدیر اس کو کیوں ترک کیا حالانکہ فاضل ہندی نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

جواب شارح کی تقدیر میں صرف مضاف الیہ کے حذف کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے جب کہ فاضل ہندی کے قول کے مطابق تقدیر عبارت میں حذف موصوف کے ساتھ ساتھ یاء نسبت کو بھی حذف ماننا پڑتا ہے اور قاعدہ مسلمہ ہے کہ قلة الحذف اولی من کثرته۔

قال الشارح فیما ای الاسم مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: فیما میں ما عام ہے معنی یہ ہوگا اعراب تقدیری اس جگہ میں ہوگا جہاں تعذر اور استثقال ہو تو اس میں ماضی اور امر حاضر اور حروف جو کہ مبنی الاصل ہیں داخل ہو جائیں گے کیونکہ ان میں اعراب متعذرہ جاتا ہے حالانکہ ان کو اعراب تقدیری نہیں دیا جاتا

جواب یہاں ما عام نہیں بلکہ اس سے مراد الاسم ہے لہذا فعل اور مبنی الاصل اس سے خارج

ہو جائیں گے۔

قال الشارح **ای المعرب** مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال : جاء نی ھذا میں ھذا اسم ہے اس پر اعراب متعذر ہے تو اس کا اعراب تقدیری ہونا چاہیے تھا حالانکہ اعراب تقدیری نہیں دیا جاتا۔

جواب شارح نے کہ المعرب ذکر کر کے بتا دیا کہ یہاں اسم معرب کی بحث ہے مبنی کی بحث نہیں۔ اور ھذا تو مبنی ہے۔

قولہ **تعذ الاعراب فیہ** سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال : تعذر ما کی ضمیر [illegible] اور دونوں کا بنانا غلط ہے اگر اعراب کی طرف راجع کیا جائے تو موصول بلا عائد رہے گا اور اگر راجع ہو ما موصولۃ کی طرف تو معنی فاسد ہوگا معنی یہ ہوگا کہ اعراب تقدیری اسم معرب میں ہوگا جو اسم معرب متعذر ہو۔

جواب یہ ضمیر راجع ہے اعراب کی طرف اور عائد یہاں محذوف ہے جو کہ فیہ ہے۔

قال الشارح **ای امتنع** مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال : تعذر کا معنی ہے کہ جس کی طرف وصول ممکن ہی نہ ہو مگر مشقت اور کلفت کے ساتھ حالانکہ اسم مقصور عصی میں اور غیر جمع مذکر سالم مضاف ہو یاء متکلم کی طرف جیسے غلامی ان میں اعراب کی طرف وصول ممکن ہی نہیں محال ہے لہذا مثال ممثل لہ کے مطابق نہیں رہے گی۔

جواب کہ یہاں تعذر بمعنی امتنع کے ہے تو اس سے مثال ممثل کے مطابق ہو جائے گی

قال الشارح **ظھورہ فی لفظہ** مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال : تقدیر الشئی یہ فرع ہے ثبوت اور وجود کی تو جب اعراب سرے سے ممتنع ہے تو اس کا وجود ہی نہ ہوگا اس لیے کہ ممتنع ہمیشہ معدوم ہوا کرتی ہے جس طرح شریک الباری ممتنع ہے تو معدوم بھی ہے جب وجود ہی نہیں تو اب اس کو اعراب تقدیری کیسے کہیں گے۔

جواب یہاں امتناع سے مراد یہ ہے کہ اعراب کا ظہور لفظوں میں ممتنع ہو۔ اس سے امتناع وجود مراد نہیں لہذا اعراب تقدیری ہوگا اور بعنوان آخر یوں سوال کیا جا سکتا ہے کہ جب ان دونوں میں اعراب ممتنع ہے تو اس کو مبنی ہونا چاہیے۔

جواب ظہور اعراب ممتنع ہیلیکن تقدیر اعراب ممتنع نہیں او مبنی میں دونوں ممتنع ہوتے ہیں۔ لہذا یہ معرب ہوں گے۔نہ کہ مبنی۔

قال الشارح وذالک اذا لم یکن الحرف مولانا جامی اس عبارت سے تعذر کی وجہ سے اعراب تقدیری کے کئی محل بیان کرر ہے ہیں اس کے لیے ضابطہ ہے کہ تعذر اعراب وہاں ہوگا جہاں معرب کے آخر میں حرکت اعرابیہ کی صلاحیت نہ ہو اور ایسے معرب میں فقط دو مقام ہیں۔

پہلا مقام ایک وہ اسم معرب جس کا آخر الف مقصورہ ہو عام ازیں کہ وہ الف مقصورہ موجود ہو جیسے یا محذوف ہو جیسے عصا۔ جو التقاء ساکنین کی وجہ سے گر گیا ہے باقی رہی یہ بات کہ یہاں اسم مقصور میں اعراب بالحرکۃ کی صلاحیت کیوں نہیں ہوتی۔

جواب اس کا جواب یہ ہے کہ اسم مقصور میں الف ساکن ہے اور الف بالکل اعراب بالحرکت کے قبول کرنے کی صلاحیت بالکل نہیں رکھتا۔

دوسرا مقام ہر ایسا اسم معرب جو غیر جمع مذکر سالم ہو کر مضاف ہو یاء متکلم کی طرف جیسے غلامی باقی رہی یہ بات کہ یہاں اس پر اعراب کا نام متعذر کیوں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں یاء متکلم کی طرف مضاف ہونے کی وجہ سے یاء کی مناسبت سے عامل کے آنے سے پہلے میم پر کسرہ آچکی ہے تو اب اس پر عامل کی وجہ سے دوسری حرکت کا آنا ممتنع ہے خواہ وہ پہلے حرکت کے موافق ہو یا مخالف ہو ورنہ لازم آئے گا توارد العلیتین المستقلین علی معمول واحد جو کہ جائز نہیں۔

قال الشارح کما فی الاسم المعرب بالحرکت

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال : کعصا میں کاف مثل کے معنی میں ہے اس کی اضافت ہوئی ہے عصا کی طرف اور یہ اضافت معنوی ہے اضافت معنوی کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) فوی (۲) لامی (۳) منی یہاں پر کوئی قسم نہیں بن سکتی۔ فوی بنانا اس لیے غلط ہے کہ وہ تو ظرف زمان یا مکان ہوتی ہے اور یہاں پر ظرف نہیں۔ لامی اس وجہ سے نہیں بن سکتی کہ اس میں مضاف اور مضاف الیہ میں تغایر ہوتا ہے اور مقصود مضاف ہوتا ہے تو اس سے لازم آئے گا کہ مثل کا داخل ہونا اور عصا اور غلامی کا خارج ہونا جو کہ بالکل غلط ہے اور اگر اضافت بیانیہ ہو تو اس میں مقصود مضاف الیہ ہوتا ہے تو غلامی اور

عصا داخل ہو جائیں گے اور لفظ مثل خارج ہو جائے گا۔ یہ بھی درست نہیں۔

جواب یہ اضافت لامی ہے یا بیانیہ ہے لیکن لفظ مثل کی اضافت سے مقصود ایک قاعدہ کلیہ کی طرف اشارہ کرنا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ عصا سے مراد ہر وہ اسم جس کے آخر میں الف مقصورہ ہو اور غلامی سے مراد ہر وہ اسم غیر جمع مذکر سالم ہے جس کی اضافت ہو یاء متکلم کی طرف اور ما قبل مکسورہ ہو جیسے غلامی۔

قال الشارح فانه لما اشتغل اعراب تقدیری کی دلیل کا بیان ہے جو گزر چکی ہے۔

قال الشارح فما ذهب اليه (غلامی) کے بارے اختلاف ہے کہ یہ معرب ہے یا مبنی، بعض کے نزدیک غلامی مبنی ہے۔

دلیل غلام مضاف ہے یاء ضمیر متکلم کی طرف جو کہ مبنی ہے اور جو اسم مبنی کی طرف مضاف ہو وہ مبنی ہوا کرتا ہے لہذا غلام مبنی ہے تو اس کا اعراب مبنی ہونے کی وجہ سے اعراب محلی ہوگا۔

جمہور علماء کے نزدیک یہ معرب ہے پھر ان میں دو جماعتیں ہیں۔ ایک جماعت کے نزدیک اس کا اعراب دو حالتوں میں تقدیری ہے اور ایک حالت میں جری میں لفظی ہے یہ صاحب الفیہ کا نظریہ ہے۔ دوسری جماعت کے نزدیک یہ معرب ہے اور تینوں حالتوں میں اس کا اعراب تقدیری ہے اور یہ مذہب علامہ صاحب کا ہے اور راجح بھی یہی ہے اور اول دونوں مرجوح ہیں۔ پہلے مذہب کے مرجوح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اضافت جہت اسمیت کو قوی کرتی ہے کیونکہ اسم کے خواص میں سے ہے اور جب جہت اسمیت قوی ہوگئی تو اسم میں اصل معرب ہونا ہے لہذا غلامی معرب ہے دوسرے مذہب کی مرجوح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اگر غلامی کی جر عامل کی وجہ سے مان لی جائے تو اس سے پہلے یاء ضمیر متکلم کی وجہ سے بھی کسرہ مان چکے ہیں تو لازم آئے گا دو علتوں کا معلول واحد میں وارد ہونا یعنی موثر دو ہو اور اثر ایک ہو یہ جائز نہیں۔

قال الشارح مطلقا ای فی احوال الثلث

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: مطلقا کی نصب دو حال سے خالی نہیں یا تو مفعول مطلق ہونے کی بنا پر ہے یا مفعول فیہ ہونے کی بنا پر، کلاهما باطل اول کا بطلان اس وجہ سے ہے کہ مفعول مطلق اپنے فعل کا مظہر ہوتا

ہے اور یہاں فعل ماقبل میں ہے ہی نہیں جو اس کے ہم معنی ہو اور دوسرے کا بطلان اس وجہ سے ہے کہ مفعول فیہ ظرف زمان یا مکان ہوتا ہے مطلقا نہ تو ظرف زمان ہے نہ مکان تو مفعول فیہ کیسے بن سکتا ہے۔

جواب یہ مفعول فیہ ہے کہ یہ قائمقام فی الاحوال ثلاث کے جو کہ ظرف ہے لہذا مفعول فیہ بنانا درست ہے۔

قولہ کون الاسم تقدیریا مولانا جامی کا یہاں سے مقصود یہ بتانا ہے کہ مطلقا کا تعلق عصا اور غلامی دونوں سے ہیں کہ دونوں پر اعراب تقدیری ہر حال میں ہوگا تینوں حالتوں میں۔

خلاصہ لفظ مطلقا کے ذکر میں دو فائدے حاصل ہوئے ایک تو بعض نحاۃ کی تردید ہوگئی جو غلامی کی حالت جری کو لفظی کہتے ہیں

دوسرا فائدہ اس سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ فرق بتا دیا تعذر اور استثقال کا کہ تعذر میں تینوں حالتوں میں اعراب تقدیری ہوگا اور استثقال میں ایسا نہیں

قال الشارح او استثقل عطف علی تعذر حاصل عطف کا بیان کہ استثقل کا عطف ہے تعذر پر، عبارت یوں ہوگی التقدیر فیما تعذر اوفی الاسم الذی استثقل ظهور الاعراب فی لفظه۔

قال الشارح وذالک اذا کان یہاں سے استثقال کے لیے محل اور ضابطہ بتا رہے ہیں کہ ہر وہ معرب جس میں حرکت اعرابیہ کو قبول تو کرے لیکن اس کا اعراب ظاہر کرنا زبان پر ثقیل ہو تو وہاں پر اعراب تقدیری ہوگا جیسے اسم منقوص ہے اور اسم منقوص ایسے اسم کو کہا جاتا ہے جس کے آخر میں یاء ماقبل مکسور عام ازیں کے یاء موجود ہو جیسے القاضی

یا التقاء الساکنین کی وجہ سے ساقط ہوگئی ہو جیسے قاض ۔

قال الشارح رفعا وجرا ای فی حالة الرفع والجر

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال رفعا و جرا کی نصب کس وجہ سے ہے مفعول فیہ یا مفعول مطلق یا حال کی بناء پر یا تمیز کی بناء پر۔

جواب مفعول فیہ کی بنا پر منصوب ہے باقی رہی یہ بات کہ یہ نہ ظرف زمان ہے نہ مکان ہے نہ

مکان تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں مضاف محذوف ہے ای فی حالۃ الرفع۔

قولہ لافی حالۃ النصب سے اشارہ کر دیا کہ رفعا وجرا کی قید احترازی ہے اس سے نصب خارج ہوگئی کیونکہ فتحہ اور کسرہ تو یاء پر ثقیل ہوتے ہیں البتہ نصب چونکہ ثقیل نہیں اس لیے فتحہ لفظی ہوگی۔ جیسے راءیت القاضی یا راءیت قاضیا۔

قال الشارح ونحو مسلمی استثقال کا دوسرا محل اور ضابطہ کا بیان جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر جمع مذکر سالم جو یاء متکلم کی طرف مضاف ہو حالت رفعی میں اس کا اعراب ثقل علی اللسان ہونے کی وجہ سے تقدیری ہوگا۔

قال الشارح عطف علی قولہ کقاض

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: لفظ نحو کا ذکر کرنا یہاں عبث اور لغو ہے کیونکہ نحو مسلمی کا عطف ہے قاض پر اور قاض پر کاف جارہ داخل ہے اور یہ معطوف ہے اور وہ معطوف علیہ اور قاعدہ ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ کا حکم ایک ہوتا ہے لہذا نحو مسلمی پر بھی کاف جارہ ہوگا عبارت یوں ہوگی۔ کنحو مسلمی۔

جواب نحو مسلمی کا عطف قاض پر نہیں بلکہ کقاض کے مجموعہ پر ہے تو اس صورت میں یہ کاف کا مدخول نہ ہوگا تو لفظ نحو کا ذکر عبث اور لغو بھی نہ ہوگا۔ اور نیز مولانا جامی نے اس عبارت سے فاضل ہندی کی تردید بھی کر دی کہ اس نے نحو مسلمی کا عطف قاض پر کیا ہے۔

قال الشارح بمعنی تقدیر الاعراب الاستثقال

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: کہ ماتن نے اعراب تقدیری تعذری کی دونوں مثالیں اعراب بالحرکت کی بیان کی ہیں اور اعراب تقدیری استثقالی کی بھی دو مثالیں بیان کی ہیں لیکن ایک مثال اعراب بالحرکت ہے اور دوسری مثال اعراب بالحرف ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے۔

جواب اعراب تقدیری تعذری صرف اعراب بالحرکت کے ساتھ مختص ہے اس لیے دونوں مثالیں اعراب بالحرکت کی ذکر کی اور اعراب تقدیری استثقالی یہ اعراب بالحرکت کے ساتھ

مختص نہیں تھا بلکہ اعراب بالحرف کے ساتھ بھی آتا تھا اسی وجہ سے ایک مثال اعراب بالحرکت کی دے دی اور دوسری مثال اعراب بالحرف کی دی ہے۔

قال الشارح **رفعا یعنی تقدیرا لاعراب** مولانا جامی کا مقصود یہ بتانا ہے کہ مسلمی کا اعراب حالت رفع میں تقدیری ہے۔جیسا کہ جاء نی مسلمی۔

قال الشارح **فان اصله** یہاں سے مولانا جامی صرف حالت رفعہ میں اعراب تقدیری ہونے کی اور باقی دو حالتوں میں اعراب لفظی ہونے کی وجہ اور دلیل بیان کرر ہے ہیں اس کا حاصل یہ ہے کہ مسلمی اصل میں مسلمون تھا یاء کی طرف اضافت ہوگئی تو نون گر گیا تو مسلموی ہوگیا پھر قویل والے قانون سے واؤ کو یاء کیا اور یاء کو یاء میں ادغام کیا تو مسلمی پھر دعی والے قانون سے یا کے ضمہ ماقبل کو کسرہ سے بدل دیا تو مسلمی ہوگیا اور یہ چونکہ جمع مذکر سالم اور جمع مذکر سالم میں رفع واؤ کے ساتھ آتا ہے واؤ موجود نہیں تو اس صورت میں اعراب تقدیری ہوگیا تو حالت رفع میں اور حالت نصبی وجری میں یاء کے ساتھ ہے اور یاء موجود ہے اس لیے اعراب لفظی ہوگیا ان دونوں حالتوں میں۔

قال الشارح **وقد یکون الاعراب بالحروف**

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال : کہ کبھی تو اعراب بالحرف احوال ثلاثہ میں بھی تقدیری ہوتا ہے جیسا کہ اسمائے ستہ مکبرہ مضاف ہوں معرف باللام اسم ظاہر کی طرف تو ان کا اعراب بالحرف تینوں حالتوں میں تقدیری ہوا کرتا ہے جیسے جاء نی ابو القوم ورایت ابالقوم ومررت بابی القوم۔

جواب مولانا جامی نے قد برائے تقلیل لاکر جواب دیا کہ ایسا ہونا شاذ و نادر ہے اور مصنف نے کتاب میں شاذ و نادر کو بیان نہیں فرمایا۔

قولہ **واللفظی** مصنف اعراب تقدیری کے محل سے فراغت حاصل کرنے کے بعد اب اعراب لفظی کی محل کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ ان مقامات مذکورہ جن کا ذکر التقدیر کے ضمن میں ہوگیا ان کے علاوہ باقی سب مقامات پر اعراب لفظی ہوا کرتا ہے۔

قال الشارح **ای الاعراب المتلفظ به**

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: متن کا کالفظی فی ماعداہ کہنا غلط ہے اس لیے کہ اعراب لفظی جیسے ماعداہ میں ہوتا ہے اسی طرح مقامات مذکورہ میں بھی ہوتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ماعداہ میں اعراب لفظی حقیقتا ہوتا ہے اوران مقامات میں اعراب لفظی حکما ہوتا ہے اس لیے کہ ان پر بھی لفظی حقیقی کے احکام جاری ہوتے ہیں۔ یعنی جس طرح اعراب لفظی حقیقی فاعلیت فاعل اور مفعولیت مفعول وغیرہ دلالت کرتا ہے اسی طرح ان مقامات مذکورہ کا اعراب بھی انہی چیزوں پر دلالت کرتا ہے جیسے جاء نی زید میں زید کا رفع فاعلیت زید پر دلالت کرتا ہے اسی طرح جاء نی موسی میں بھی موسی کا رفع تقدیری بھی فاعلیت موسی پر دلالت کرتا ہے لہذا متن کا واللفظی فیما عداہ کہنا درست نہ ہوا۔

جواب: مولانا جامی نے الملتفظ بہ سے جواب دیا کہ ہم مانتے ہیں کہ اعراب لفظی کا اطلاق حقیقی حکمی دونوں پر ہوتا ہے لیکن یہ اطلاق اس وقت تھا جب لفظ بتاویل اسم مفعول نہ ہو ورنہ اس کا اطلاق طرف حقیقی پر ہوتا ہے، حکمی پر نہیں اور یہاں پر بتاویل مفعول ہے۔

قال ارحمہ اللہ: ای فیما عداہ ماذکر مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: پہلے دو قسم کے اعراب کا ذکر تھا۔ (۱) اعراب تعذری (۲) اعراب استثقالی۔ تو ان کے لیے ضمیر بھی تثنیہ لانی چاہیے تھی لہذا مصنف کا ماعداہ ضمیر مفرد لانا درست نہیں کیونکہ راجع مرجع میں مطابقت موجود نہیں۔

جواب: ٹھیک ہے ماقبل میں دو چیزیں ہیں لیکن بتاویل ماذکر کے ہے جس سے راجع مرجع میں مطابقت ہو جاتی ہے۔

فائدہ: اعراب کے اقسام کا اور اسمائے متمکنہ کے ۱۶ قسموں کے تقسیم کا خلاصہ یہ ہے کہ اعراب دو قسم پر ہیں۔ (۱) اعراب بالحرکت (۲) اعراب بالحرف پھر ہر ایک دو دو قسم پر ہے۔

(۱) اعراب لفظی (۲) اعراب تقدیری۔ پھر ہر ایک کی دو قسمیں ہیں حقیقی اور حکمی کل آٹھ قسمیں ہو گئیں۔

(۱) اعراب بالحرکت لفظی حقیقی (۲) اعراب بالحرکت لفظی حکمی

(۳) اعراب بالحرف لفظی حقیقی (۴) اعراب بالحرف لفظی حکمی
(۵) اعراب بالحرکت تقدیر حقیقی (۶) اعراب بالحرکت تقدیر حکمی
(۷) اعراب بالحرف تقدیری حقیقی (۸) اعراب بالحرف تقدیر حکمی

اعراب بالحرکت لفظی حقیقی تین مقام پرآتا ہے۔ (۱) مفرد منصرف صحیح (۲) جاری مجری صحیح (۳) جمع مکسر منصرف۔

اور اعراب بالحرکت لفظی حکمی دو مقام پرآتا ہے۔(۱) جمع مونث سالم (۲) غیر منصرف اور اعراب بالحرف لفظی حقیقی ایک مقام پر آتا ہے اسمائے ستہ مکبرہ میں اور اعراب بالحرف لفظی حکمی یہ چھ مقام پرآتا ہے۔

(۱) تثنیہ (۲) ملحق بالتثنیہ (۳) مشابہ تثنیہ
(۴) جمع مذکر سالم حقیقی (۵) جمع صوری (۶) جمع معنوی

اور اعراب بالحرکت تقدیری حقیقی دو مقام پرآتا ہے۔
(۱) اسم مقصور جیسے موسیٰ (۲) غیر جمع مذکر سالم جو مضاف ہو یاء متکلم کی طرف جیسے غلامی اور اعراب بالحرکت تقدیر حکمی ایک مقام پرآتا ہے وہ اسم منقوص ہے اور اعراب بالحرف تقدیری حقیقی ایک مقام پر ہوتا ہے اسمائے ستہ مکبرہ جب مضاف ہو معرف باللام کی طرف جیسے جاء نی ابو القوم، ورایت باالقوم ومررت بسابی القوم اور اعراب بالحرف تقدیری حکمی بھی ایک مقام پرآتا ہے جب کہ جمع مذکر سالم یاء متکلم کی طرف مضاف ہو جیسے جاء نی مسلمی۔

قال الشارح **ولما ذکر فی تفصیل المعرب المنصرف** اس عبارت سے مولانا جامی کی دو غرضیں ہیں۔ (۱) ماقبل سے ربط دینا۔ جس کا حاصل یہ ہے چونکہ محل اعراب کی بحث میں مصنف نے منصرف اور غیر منصرف کا اجمالا ذکر کیا تو مصنف کے لیے ضروری تھا کہ غیر منصرف کی تفصیل بھی بتائیں تو یہاں سے غیر منصرف کی بحث بیان فرما رہے ہیں جس سے منصرف خود بخود سمجھ آجاتا ہے اور دوسری غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال : اسم معرب میں اصل منصرف ہونا ہے تو مصنف کو چاہیے تھا کہ منصرف کو تفصیل سے بیان

کردیتے جس سے غیر منصرف خود بخود سمجھ میں آجاتا مصنف نے برعکس کیوں کیا ہے

جواب غیر منصرف بنسبت منصرف کے اقل تھا تو مصنف نے اسی ضابطہ کی بناء پر کہ اقل سہل الضبط ہوتا ہے اور اختصار بھی اسی میں ہوتا ہے اسی لیے غیر منصرف کی بحث ذکر کر کے منصرف کو چھوڑ دیا۔

﴿بحث غیر المنصرف﴾

قال الماتن **غیر المنصرف مافیه علتان من تسع او واحدة تقوم**

غیر منصرف کی تعریف۔ غیر منصرف ایسے اسم معرب بالحرکت کو کہا جاتا ہے جس میں علل تسعہ میں سے دو علتیں یا ایک ایسی علت پائی جائے جو دو علتوں کے قائمقام ہو۔ اس سے غیر منصرف کی دونوعیں معلوم ہوئی۔

نوع اول غیر منصرف ایسے اسم معرب بالحرکت کو کہا جاتا ہے جس میں علل تسعہ میں سے دو علتیں پائی جائیں۔

نوع ثانی غیر منصرف ایسے اسم معرب بالحرکت کو کہا جاتا ہے جس میں علل تسعہ میں سے ایک ایسی علت پائی جائے جو دو علتوں کے قائمقام ہو۔

قال الشارح **ای اسم معرب** مولانا جامی تین باتوں کو بیان کر رہے ہیں جس سے تین اعتراض مندفع ہو جاتے ہیں۔ (۱) ما عبارت ہے اسم سے نہ کلمة سے لہذا اس سے یہ سوال مندفع ہو جائے گا کہ ضربت میں تانیث بھی ہے اور وزن فعل بھی تو غیر منصرف کی تعریف صادق آرہی ہے حالانکہ یہ غیر منصرف نہیں۔

جواب یہ سوال تب وارد ہوتا جب ما سے مراد کلمة ہوتا حالانکہ یہاں ما سے مراد اسم ہے لہذا ضربت فعل ہونے کی وجہ سے خارج ہوتا ہے۔ (۲) کہ یہ بتائی کہ اسم سے مراد مطلق اسم نہیں بلکہ اسم معرب ہے لہذا اس سے یہ سوال مندفع ہو جائے گا کہ حضار ستارہ کا نام ہے اور طمار بلندی کا۔ ان میں دو سبب پائے جاتے ہیں۔ علمیت اور تانیث، تو ان کو غیر منصرف ہونا چاہیے تو اس کا جواب بھی ہو گیا۔

جواب کہ یہ سوال تب وارد ہوتا جب کہ مطلق اسم مراد ہو حالانکہ یہاں اسم معرب مراد ہے اور حضار اور طمار اسم مبنی ہے۔لہذا ان پر تعریف صادق نہیں آئے گی۔

(۳) ما کی تفسیر نکرہ کے ساتھ کر کے یہ بتا دیا کہ ما موصوفہ ہے اب اس سے یہ سوال مندفع ہو گیا کہ غیر المنصرف مبتداء تو نکرہ ہے اور ما موصولہ ہے جو معرفہ ہے تو خبر کا درجہ بڑھ گیا اور مبتداء گھٹیا ہو گیا حالانکہ قانون کا تقاضا یہ ہے کہ مبتداء کو اعلی ہونا چاہیے خبر کو گھٹیا ہونا چاہیے تو یہ سوال بھی مندفع ہو گیا۔

جواب کہ یہ آپ کا سوال تب وارد ہوتا جس وقت ما موصولہ ہوتی حالانکہ یہاں ما موصوفہ ہے۔

فائدہ سوال غیر المنصرف کا مبتداء بننا صحیح نہیں اس لیے کہ لفظ غیر ایسے اسماء متوغلہ فی الابہام میں سے ہیں جن میں معرفہ کی طرف مضاف ہونے کے باوجود ان میں تعریف پیدا نہیں ہوتی حالانکہ مبتداء کے لیے معرفہ ہونا ضروری ہے۔

جواب لاتقربوا الصلوۃ والا کام نہ کیجیے قاعدہ کا اگلا حصہ بھی پڑھ لیجیے جہاں یہ قاعدہ لکھا ہے وہاں یہ قاعدہ بھی لکھا ہوا ہے کہ جب لفظ غیر کا مضاف الیہ ایسی چیز ہو جس کی ضد بند ہو لفظ واحد میں وہاں لفظ غیر میں تعریف پیدا ہو جاتی ہے اور یہاں بھی لفظ غیر کا مضاف الیہ منصرف ہے جس کی ضد صرف ایک ہے غیر منصرف تو لہذا یہاں لفظ غیر میں تعریف پیدا ہو جائے گی تو یہ معرفہ بن کر مبتداء بننا صحیح ہو گا۔

فائدہ منصرف اور غیر منصرف کے وجوہ تسمیہ۔

(۱) منصرف صرف سے ہے اور صرف کا معنی ہے پھرنا چونکہ منصرف بھی عامل کی وجہ سے پھرتا رہتا ہے اس لیے اس کو منصرف کہتے ہیں اور غیر منصرف بعض حالت میں نہیں پھرتا اسی لیے اس کو غیر منصرف کہا جاتا ہے۔

(۲) صرف کا معنی ہے خالص اور چونکہ منصرف فعل کی مشابہت سے خالص یعنی خالی ہوتا ہے اس لیے اس کو منصرف کہا جاتا ہے اور جب کہ غیر منصرف غیر خالص ہوتا ہے یعنی فعل کی مشابہت سے خالی نہیں ہوتا اس لیے اس کو غیر منصرف کہا جاتا ہے۔

(۳) صریف کا معنی ہے سیٹی بجانا چونکہ منصرف کے آخر میں تنوین ہونے کی وجہ سے سیٹی کی آواز

پیدا ہو جاتی ہے اس لیے اس کو منصرف کہا جاتا ہے اور غیر منصرف میں تنوین نہ ہونے کی وجہ سے سیٹی کی آواز پیدا نہیں ہوتی اس لیے اس کو غیر منصرف کہا جاتا ہے۔

قال الشارح **تنوثران باجتماعها** مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال : غیر منصرف کی مذکورہ بالا تعریف سے دو نوعیں معلوم ہوتی تھی جس پر سوال یہ ہے کہ حبلی اور مصابیح پر ظاہر نوع اول کی تعریف صادق آتی ہے کیونکہ ان میں دو سبب موجود ہیں۔ حبلی میں علمیت اور تانیث ہے اور مصابیح میں علمیت اور جمعیت ہیں

حالانکہ حقیقت اور واقعہ نفس الامر تو یہ دونوں مثالیں نوع ثانی میں سے ہیں۔

جواب مولانا جامی نے توثران سے جواب دیا ہے کہ دونوں علتیں مؤثرہ ہوں اور ان اسماء میں ایک علت تو مؤثر ہے لیکن دوسری علت موثرہ نہیں۔ حبلی میں صرف تانیث مؤثرہ ہے اور مصابیح میں جمعیت مؤثرہ ہے تو لہذا یہ نوع ثانی کے تحت داخل ہوں گی۔

قال الشارح **مع استجماع شرائطهما**

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال : یہ تعریف دخول غیر سے مانع نہیں اس لیے کہ نوح پر صادق آتی ہے۔ جس کے اندر دو علتیں مؤثرہ موجود ہیں۔ (ا) علمیت (٢) عجمہ۔ حالانکہ یہ منصرف ہیں۔

جواب دو علتیں مؤثرہ کا پایا جانا کافی نہیں بلکہ ان کے شرائط کا پایا جانا بھی ضروری ہے۔ اور یہاں عجمہ کی ایک شرط موجود نہیں وہ احد الامرین یعنی متحرک الاوسط یا زائد علی الثلاث ہو لہذا یہ منصرف ہے۔

قال الشارح **اثرا** یہ مفعول مطلق ہے تؤثران فعل کے لیے۔ جس سے شرح جامی سوال مقدر کا جواب دینا چاہتے ہیں۔

سوال : ہم اس بات کو تسلیم ہی نہیں کرتے کہ متحرک الاوسط اور زائد علی الثلاث عجمہ کے لیے شرط ہوں۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ مشروط کا وجود بغیر شرط کے محال ہوتا ہے حالانکہ نوح کے اندر شرط کے بغیر عجمہ پایا جا رہا ہے۔ کیونکہ یہ نہ تو متحرک الاوسط ہے اور نہ زائد علی الثلاث ہے۔

جواب یہاں شرائط سے مراد شرائط وجود نہیں بلکہ شرائط تاثیر مراد ہیں یعنی عجمہ کے مؤثر فی

منع الصرف ہونے کے لیے شرطیں ہیں نہ کہ اس کے موجود ہونے کے لیے۔

قال الشارح **من علل تسع** مولانا جامی نے علل کا لفظ نکال کر بتادیا کہ یہ مرکب توصیفی ہے مرکب اضافی نہیں، جیسے شیخ رضی نے ردکیا ہے کہ اس نے اس کو مرکب اضافی بنادیا ہے من تسع علل باقی رہی یہ بات کہ مولانا جامی نے ترکیب توصیفی کو اختیار کیا ہے
اس کی کیا وجہ ہے۔

جواب وہ اس لیے کہ مابعد کے ساتھ مناسبت بھی اسی صورت میں ہوسکتی ہے کہ جب مرکب توصیفی ہو کیونکہ مابعد میں واحدۃ کا لفظ ہے یہ اسمائے عدد میں سے ہے جو ہمیشہ صفت واقع ہوسکتا ہے۔لہذا اس کے لیے موصوف محذوف ہے علت اب یہ اگر مرکب توصیفی بنایا جائے تو کلام لاحق کلام سابق کے موافق ہوسکتی ہے۔لیکن مرکب اضافی کی صورت میں نہیں۔

قال الشارح **من تلک التسع** اس میں ضمیر مرجع کی تعین ہے کہ منہا میں ھا ضمیر کا مرجع تسع ہے۔

قولہ **ھذہ العلۃ** سے ضمیر کے مرجع کا بیان ہے کہ ضمیر راجع ہے علت واحدۃ کی طرف۔

قال الشارح **مقامھما ای مقام ھاتین** سے ھما ضمیر کے مرجع کا بیان ہے۔

قولہ **بان تؤثر وحدھا تاثیرھما** سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال : کہ قیام تو ذی روح کی صفت ہے علل تو ذی روح نہیں لہذا قیام کی نسبت کرنا اس کی طرف صحیح نہیں۔

جواب کہ قیام کا معنی یہاں اثر ہے۔

قال الشارح **العلل التسع مجموع مافی ھذین البیتین**
مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال : ھی ضمیر مبتداء ہے اور عدل وصف یہ خبر ہے اور ھی ضمیر کا مرجع علل تسعہ ہیں تو مبتدا متعدد ہوا اب معنی یہ ہوگا کہ علل تسعہ عدد ہیں اور علل تسعہ وصف ہیں تو لازم آیا عدل اور وصف وغیرہ میں سے ہر ایک کا علل تسعہ ہونا حالانکہ عدل تو علل تسعہ میں سے ایک علت ہے علی ھذا القیاس خلاصہ یہ ہوا سوال کا کہ خبر کا حمل مبتدا پر صحیح نہیں۔

جواب مولانا جامی نے جواب دیا کہ یہ سوال تب وارد ہوتا جب خبر میں ربط مقدم ہو عطف پر حالانکہ یہاں عطف مقدم ہے ربط پر اب معنی یہ ہوگا کہ علل تسعہ عدل اور وصف الی آخرہ کا مجموعہ ہے یعنی مجموعہ معطوفات مل کر خبر ہے مبتداء کی۔ اب حمل درست ہوگا۔

قال الشارح من الامور التسعه مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: مجموعہ بیتین میں تو زائد چیزیں بھی ہیں کہ اس میں واؤ ہے اس طرح ثم ہے وغیرہ تو لازم آئے گا واؤ ثم وغیرہ کا اسباب منع صرف میں سے ہونا۔ جو کہ بالکل غلط ہے۔

جواب مولانا جامی نے من الامور التسعه نکال کر جواب دیا کہ یہ بیتین کا ہر ہر لفظ علل تسعہ نہیں بلکہ صرف علل تسعہ مراد ہیں۔

قال الشارح والعدل فی عطف مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: کہ بیتین میں پہلے پانچ علتوں کو واؤ حرف عطف کے ذریعہ ذکر کیا پھر ثم کو ذکر کیا پھر بعد میں واؤ حرف عطف کو ذکر کر دیا تو درمیان میں واؤ سے ثم کی طرف عدول کرنے کی کیا وجہ ہے۔ جب کہ تناسب بین الکلمتین ضروری ہے۔

سوال ۲: درمیان میں ثم کو ذکر کیا ثم تو تراخی کے لیے آتا ہے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ پہلے عجمہ ہو تو پھر جمع غیر منصرف کا سبب بنے گا حالانکہ ایسا نہیں کہ جمع کے سبب بننے کے لیے عجمہ وغیرہ کا ہونا کوئی ضروری نہیں۔

جواب واؤ سے ثم کی طرف عدول کرنا وزن شعری کو برقرار رکھنے کے لیے ہے۔ اس سے یہ قطعاً مقصود نہیں کہ ثم سے تراخی والا معنی مراد ہو یعنی جمع غیر منصرف کا سبب اس وقت بنے گی جب کہ پہلے عجمہ ہو اور باقی یہ بات کہ تناسب بین الکلمتین یہ اس وقت ضروری ہوتا ہے جب کہ ضرورت نہ ہو اور ضرورت کی بناء پر تناسب بین الکلمتین سے اعراض کرنا بھی جائز ہوا کرتا ہے۔ اور یہاں پر ضرورت ہے وزن شعری کو برقرار رکھنا۔

قال الشارح زائدة مولانا جامی لفظ زائدة جو شعر میں آیا ہے اس کی ترکیب بیان کرنا چاہتے ہیں کہ زائدة حال ہے النون سے اور حال ہونے کی بناء پر منصوب ہے۔

سوال: حال تو فاعل یا مفعول سے آیا کرتا ہے اور النون نہ فاعل ہے اور نہ مفعول۔

جواب یہاں عبارت مقدر ہے تقدیر عبارت یہ ہے۔ تمنع النون الصرف حال کونھا زائدۃ تو النون فعل مقدر تمنع کا فاعل ہوا۔ تو لہذا اس سے حال بنانا صحیح ہوا۔

سوال تمنع فعل کو مقدر ماننے پر آپ کے پاس یہاں کیا قرینہ ہے۔

جواب شاعر کا بیت اول ہے۔ جو یہ ہے موانع الصرف تسع کل ما اجتمعت۔ ثنتا ن منھا فما للصرف تصویب تو اس شعر میں جو لفظ موانع قرینہ ہے اس بات پر کہ یہاں فعل تمنع مقدر ہے۔

سوال تو پھر صاحب کافیہ نے اس بیت اول کو کیوں ذکر نہیں کیا۔ جس میں تعریف ہے۔

جواب کہ صاحب کافیہ کا مقصود غیر منصرف کی کامل تعریف کرنا ہے جس میں غیر منصرف کی دونوں نوعیں شامل ہوئیں۔ اور شاعر نے جو بیت اول میں غیر منصرف کی تعریف کی ہے ناقص ہے کیونکہ وہ نوع اول کو شامل ہے نوع ثانی کو شامل نہیں اس لیے صاحب کافیہ نے بیت اول جو غیر منصرف کی تعریف میں تھا اس کو ذکر نہیں کیا۔

قال الشارح **الف فاعل** مولانا جامی الف کی ترکیب بیان کر رہے ہیں کہ اس کی ترکیب میں دو احتمال ہیں۔

(۱) الف ظرف مقدم کا فاعل ہو اور مرفوع تقدیر عبارت یوں ہوگی ثابت من قبلھا الف۔

(۲) احتمال یہ ہے الف مبتداء مؤخر ہونے کی بناء پر مرفوع ہو اور ظرف مقدم اس کی خبر ہو۔

قال الشارح **ولا یخفی انه الف** کی ترکیب مذکور پر سوال کر رہے ہیں۔

سوال اس ترکیب میں الف کا زائد ہونا معلوم نہیں ہوتا بلکہ صرف اس سے قبل ہونا معلوم ہوتا ہے اور نون کا زائد ہونا معلوم ہوتا ہے اس لیے معنی بنتا ہے کہ تمنع النون الصرف من قبلھا الف کہ روک دیتا ہے نون منصرف ہونے سے درآں حالیکہ نون زائد ہو درآں حالانکہ نون الف سے پہلے ہو، حالانکہ جس طرح نون زائد ہوتا ہے اس طرح الف بھی زائدہ ہوتا ہے۔ جس پر دلیل یہ ہے کہ تعبیر میں یوں کہا جاتا ہے الالف والنون الزائدتان۔

نائدہ سوال شاید تغلیبا ایسے کہا جاتا ہو۔

جواب تغلیب کے اندر کسی نہ کسی مادہ کے اندر اس کے ساتھ بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے یعنی یوں کہا

جاتا الالف والنون زائدة حالانکہ جب بھی تعبیر کیا جاتا تو یوں کہا جاتا ہے الالف والنون الزائدتان تو معلوم ہوا یہ تعبیر تغلیبا نہیں۔

قال الشارح **ولو جعل الالف** یہاں سے مولانا جامی اس کا حل بتلا رہے ہیں یعنی ایسی ترکیب بتلا رہے ہیں جس پر یہ سوال مندفع ہو جائے جس کا حاصل یہ ہے الف فاعل ہے زائدة اور من قبلها یہ ظرف لغو ہے اور متعلق ہے زائدة کے اب معنی ہوگا تمنع النون حال کونها زائدة من قبلها الف روک دیتا ہے نون کلمہ کو اس کے منصرف ہونے سے دراں حالیکہ اس نون سے پہلے الف زائدہ ہوتا ہے اور الف کے نون سے قبل زائد ہونے سے یہ مراد لیا جائے کہ الف اور نون وصف زیادة میں دونوں شریک ہیں۔ البتہ الف وصف زائد کے ساتھ متصف ہوتا ہے نون سے قبل اس پر مولانا جامی نے نظیر پیش کی ہے کما اذا قلت جاء زید راکبا من قبله اخوه کہ جس طرح اس مثال میں زید فاعل ہے جاء کا اسی طرح تمنع النون زائدة من قبلها الف میں نون فاعل ہے تمنع کا جس طرح اس میں راکبا حال ہے زید ہے اسی طرح زائدة کے اب جس طرح اس میں من قبله متعلق ہے راکبا کے اسی طرح من قبلها متعلق ہے زائدة کے اب جس طرح اس میں اخوه فاعل ہے راکبا کا اسی طرح اس میں الف فاعل ہے زائدة کا۔ خلاصہ یہ نکلا کہ جس طرح اس عبارت میں یہ بات سمجھ آتی ہے کہ زید اور اخ دونوں وصف رکوب میں شریک ہیں لیکن اخ کا وصف رکوب کے ساتھ متصف ہونا قبل ہے زید کے وصف رکوب کے ساتھ متصف ہونے سے اسی طرح تمنع النون سے بھی یہی بات سمجھی جاتی ہے کہ نون اور الف دونوں وصف زیادة میں شریک ہیں لیکن الف کا وصف زائد کے ساتھ متصف ہونا قبل ہے۔

فائدہ فاضل ہندی نے اس کی ایک اور ترکیب کی ہے زائدة مرفوع ہو کر صفت ہے النون کی اس پر دو سوال وارد ہوتے ہیں۔

سوال : کہ النون موصوف معرفہ صفت نکرہ حالانکہ موصوف صفت میں مطابقت ہوتی وہ یہاں نہیں۔ نیز النون موصوف مذکر ہے صفت زائدة مونث ہے حالانکہ تذکیر و تانیث میں مطابقت ہونا موصوف صفت میں ضروری ہے۔

جواب اول فاضل ہندی نے دونوں سوالوں کا جواب دیا کہ النون پر الف لام زائدہ ہے جس

پر قرینہ یہ ہے کہ اس کے اخوات عدل اور وصف منکر ہیں۔

جواب ثانی کہ النون پر الف لام عہد ذہنی ہے جو نکرہ کے حکم میں ہوا کرتا ہے۔لہذا اس کی صفت نکرہ لانا درست ہے کما صرح بہ الرضی اور باقی رہا تذکیر و تانیث والا سوال اس کا جواب یہ ہے کہ نون کو بتاویل کلمۃ کریں گے تو یہ بھی مونث ہو جائے گا تو تذکیر و تانیث میں مطابقت ہو جائے گی کہ دونوں مونث ہو گئے۔لیکن کیونکہ اس ترکیب میں تکلفات بعیدہ کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے اسی وجہ سے مولانا جامی کے ہاں یہ ترکیب پسندیدہ نہیں تھی اس لیے اس کی ترکیب دوسری ترکیب کی ہے جو بلا غبار صحیح ہے۔

قال الشارح **وھذا القول تقریب** مولانا جامی اس قول کے تین مطلب بیان کرتے ہیں

پہلا مطلب وہ یہ ہے کہ علل تسع کو نظم کی صورت میں ذکر کرنا یہ تقریب یعنی قریب کر دینا ہے حفظ کے۔اس لیے کہ کلام منظوم کا حفظ کرنا آسان ہوتا ہے بنسبت کلام منثور کے لہذا اس سے یہ اعتراض بھی مرتفع ہو جائے گا کہ ناظم نے علل تسعہ کو بصورت نظم کیوں ذکر کیا۔

دوسرا مطلب تقریب مصدر ہے اس کے آگے یاء نسبت کی محذوف ہے کہ صیغہ صفت کے حکم جو کر دیتی ہے عبارت یہ ہوگی وھذا القول تقریبی یعنی امور تسع میں سے ہر ایک کو علت کہنا یہ قول مجازی ہے حقیقی نہیں کیونکہ حقیقتاً دونوں مل کر علت واحدہ شمار ہوتی ہے نہ کہ ہر ایک علت اس سے یہ سوال مندفع ہو گیا کہ مصنف نے تو علل کہا ہے لیکن ناظم نے ان پر موانع کا حکم لگا دیا ہے۔

جواب موانع اور علت کا ایک ہی معنی ہے اس لیے کہ موانع بھی دو امر مل کر علت ہوتے ہیں۔

تیسرا مطلب یہ مصدر اسم مفعول کے معنی میں ہے یہ عبارت یوں ہے ھذا القول مقرب الی الصواب یعنی نو علل کا قول کرنا یہ مقرب الی الصواب ہے کیونکہ اسباب منع صرف میں اختلاف ہے جس میں متعدد مذاہب ہیں جن میں سے متعدد بہ تین مذہب ہیں۔

پہلا مذہب جمہور نحاۃ اور مصنف اور ناظم کے نزدیک موانع صرف نو ہیں۔

دوسرا مذہب کہ موانع صرف دو ہیں۔ (۱) ترکیب (۲) حکایت

تیسرا مذہب کہ موانع صرف گیارہ ہیں نو تو یہی مذکورہ ہیں اور دو اور ہیں ان میں سے ایک وہ الف جو مشابہ ہو الف ممدودۃ یا الف مقصورہ کے جیسے اشیاء کا الف مشابہ ہے حمراء کے الف

کے اور ارطی کا الف مشابہ ہے حبلی کے ساتھ یہ الف عین تانیث کا نہیں اسی وجہ سے اشیاء کا وزن افعال ہے۔ گیارھواں سبب وصف اصلی کا اعتبار کرنا بعد تنکیر کے۔

مگر یہ دونوں مذہب ضعیف ہیں اول اس لیے کہ پھر مناسب یہ ہے کہ اسباب منع صرف ایک ہی سبب ہو ترکیب کیونکہ حکایت یعنی وزن فعل یہ بھی تو کوئی علیحدہ سبب نہیں بلکہ وزن فعل مع علت سے مل کر غیر منصرف کا سبب ہے، تو فقط ترکیب کا قول کرنا چاہیے چنانچہ عبدالرحمٰن نحوی کہتے ہیں کہ نحاۃ کے ایک مدرسہ میں پہنچا ان سے سوال کیا کہ اسباب منع صرف کتنے ہیں انہوں نے جواب دیا دو ہیں میں نے کہا ما الاثنان انہوں نے کہا ترکیب اور حکایت میں نے پوچھا وجہ حصر کیا ہے تو انہوں نے جواب دیا کوئی اثر مؤثر نہیں مگر بعد ترکیب کے میں نے کہا حکایت کو مستقلا سبب کو شمار نہیں کرنا چاہتے کیونکہ یہ بھی دوسرے سبب کی طرح ترکیب کے بعد سبب بنتی ہے تو خاموش ہو گئے جواب ان سے نہ بن پڑا۔

دوسرا مذہب ضعیف ہے کیونکہ الف مشابہ بالف ممدودۃ اسی میں داخل ہے اس لیے کہ الف تانیث میں تعیم ہے خواہ حقیقی ہو یا خواہ حکمی ہو اسی طرح دوسرا سبب وصف اصلی علیحدہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں یہ بھی وصف اصلی میں داخل ہے لہذا اعلل تسعہ قول خیر الامور اوسطھا کے تحت داخل ہو کر راجح ہے اسی کی طرف اشارہ کیا ناظم نے ھذا القول تقریب ای مقرب الی الصواب۔

قال الشارح ثم ان ذکر امثلۃ العلل ہر سبب کی مثال بیان کی علی ترتیب اللف والنشر۔

قال الشارح وفی ایراد زینب مثالا للمعرفہ

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال طلحہ کے بعد زینب کی مثال متدرک ہے اس لیے کہ تانیث اور معرفہ کے لیے مثال طلحہ کافی تھی۔

جواب شارح نے جواب دیا دو مثالیں ذکر کر کے اشارہ کیا کہ تانیث کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) تانیث لفظی (۲) تانیث معنوی

قال الماتن وحکمہ ان لا کسرۃ ولا تنوین

غیر منصرف کی تعریف اور اسباب کے بیان کرنے کے بعد حکم بیان کرتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ غیر منصرف کا حکم یہ ہے کہ اس پر کسرہ اور تنوین داخل نہیں ہوتی۔

قال الشارح **ای حکم غیرالمنصرف** ضمیر کے مرجع کا بیان ہے۔

قال الشارح **والاثر المرتب** مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال حکم کے کئی معنی آتے یہاں حکم کا کون سا معنی مراد ہے۔

جواب حکم یہاں اثر کے معنی میں ہے۔

قال الشارح **من حیث اشتماله** مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال اثر کی نسبت تو مؤثر کی طرف ہوتی ہے اور مؤثر تو علتان ہے نہ کہ غیر منصرف لہذا اثر کی نسبت غیر منصرف کی طرف کرنا صحیح نہیں۔

جواب چونکہ غیر منصرف علتان پر مشتمِل ہوتا تھا علتان مشتمَل ہوئے تو جس اثر نے مشتمَل یعنی علتان کی طرف منسوب ہونا تھا اس کو مشتمِل یعنی غیر منصرف کی طرف منسوب کردیا۔

قال الشارح **فیه** مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال لانفی جنس ہے کسرہ تو اسم ہے خبر کہاں ہے۔

جواب خبر اس کی فیه محذوف ہے۔

قال الشارح **وذالک لان لکل**

سوال کہ غیر منصرف پر کسرہ اور تنوین کیوں داخل نہیں ہوتی۔

جواب شارح نے جواب دیا علل تسعہ میں سے ہر ایک کو ایک ایک فرعیۃ حاصل ہے اور اسم غیر منصرف میں دو علتیں پائی جاتی ہیں حقیقتا یا حکما تو اس میں دو فرعیتین پائی گئی لہذا اسم غیر منصرف فرعیتین کے پائے جانے کی وجہ سے فعل کے مشابہ ہوگیا کہ جس طرح فعل میں دو فرعیتین پائی جاتی ہیں۔

(۱) احتیاج الی الفاعل (۲) اشتقاق من المصدر۔ لہذا اس مشابہت کی وجہ سے جہت اسم ضعیف ہوگئی اور جو اعراب اسم کے ساتھ مختص تھا یعنی جر اور تنوین۔ اس کو اس مشابہت نے روک دیا کہ جس طرح فعل پر تنوین کسرہ داخل نہیں ہوتی تو غیر منصرف پر بھی داخل نہیں ہوگی۔

قال الشارح **والتنوين الذی ھو علامۃ التمکن**

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: غیر منصرف کا یہ حکم منقوض ہے مثال کے طور پر مسلمات جب کسی کا علم رکھ دیا جائے تو تانیث اور علیت کی وجہ سے غیر منصرف ہو جائے گا لیکن اس کے باوجود اس پر تنوین داخل ہوتی ہے۔

جواب غیر منصرف پر جو تنوین ممنوع ہے وہ مطلق تنوین نہیں بلکہ تنوین تمکن ہے۔ اور مادہ نقض میں جو تنوین ہے وہ تنوین تقابل کی ہے لہذا تنوین جو ممنوع ہے وہ اور ہے اور جو داخل ہوتی ہے وہ اور ہے۔

قال الشارح **وانما قلنا لکل فرعیۃ** اس عبارت سے شارح ہر سبب کی فرعیۃ کو بیان کررہے ہیں۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ عدل فرع ہے معدول عنہ کی۔ اور وصف فرع ہے موصوف کی اور تانیث فرع ہے تذکیر کی کیونکہ قائم سے قائمۃ بنتا ہے اور تعریف فرع ہے تنکیر کی کیونکہ رجل سے الرجل بنتا ہے اور عجمہ یعنی غیر عربی لفظ کا عربی زبان میں آنا۔ اس لیے کہ اصل یہ ہے کہ لفظ اسی زبان کا آئے غیر کا نہ آئے۔ جب آ گیا تو فرع ہو گیا عربی کے اور جمع فرع ہے واحد کی اور ترکیب فرع ہے افراد کی۔ اور الف نون زائدتان فرع ہے اس کی جس پر یہ زیادہ کیے گئے ہیں۔ اور وزن فعل کا اسم میں آ جانا فرع ہے وزن اسم کی کیونکہ ہر نوع میں اصل یہ ہے کہ اس میں دوسری نوع کا وزن مختص نہ آئے جب آ گیا تو اس کے اپنے وزن اصلی کی فرع ہو گیا۔

قال الماتن **ویجوز صرفہ للضرورۃ اوللتناسب**

یہاں سے صاحب کافیہ کی غرض حکم مذکور کے موانع کو بیان کرنا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ضرورۃ شعری اور تناسب کی وجہ سے غیر منصرف پر کسرہ اور تنوین کا داخل ہونا جائز ہے۔

قال الشارح **ای لا یمتنع سواء** مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: یجوز کا تعلق للتناسب کے ساتھ تو صحیح ہے کیونکہ تناسب کی وجہ سے غیر منصرف کا انصراف جائز ہوتا ہے لیکن یجوز کا تعلق للضرورۃ کے ساتھ صحیح نہیں اس لیے کہ ضرورت شعری

کی بناء پر تو غیر منصرف کا انصراف واجب ہوتا ہے نہ کہ جائز لہذا عبارت یوں لانی چاہیے تھی یجب صرفه للضرورة ویجوز للتناسب۔

جواب تین چیزیں ہیں۔

(۱) وجوب یعنی وجود ضروری ہو عدم ممتنع اور محال ہو۔ (۲) امتناع اس کو کہتے ہیں جس کا عدم ضروری ہو اور وجود ممتنع ہو۔ (۳) امکان اس کو کہا جاتا ہے جس کا وجود اور عدم میں سے کوئی ضروری نہ ہو پھر امکان کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) امکان خاص یعنی وجود اور عدم دونوں ضروری نہ ہوں (۲) امکان عام مقید بجانب العدم یعنی جس کا وجود ضروری نہ ہو خواہ عدم ضروری ہو یا نہ ہو۔

جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہ سوال تب وارد ہوتا جب یجوز سے جو امکان سمجھا جا رہا ہے اس سے مراد امکان خاص ہوتا یا امکان عام مقید بجانب العدم ہوتا حالانکہ یہاں مراد امکان عام مقید بجانب الوجود ہے۔ اب معنی یہ ہوگا کہ ضرورت اور تناسب کی وجہ سے غیر منصرف کا منصرف پڑھنا ممتنع نہیں عام ہے کہ منصرف پڑھنا ضروری ہو جیسے ضرورت شعری کی وجہ سے یا جائز ہو جیسے تناسب کی وجہ سے۔

جواب کہ یہاں جواز کے معنی عدم امتناع کے ہیں اب معنی یہ ہوگا کہ ضرورت شعری اور تناسب کی وجہ سے غیر منصرف کے انصراف ممتنع نہیں عام ازیں کہ ضروری ہو یا ضروری نہ ہو

قال الشارح ای جعله فی حکم المنصرف

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: مصنف کے نزدیک غیر منصرف وہ ہے جس میں علتین یا علت واحدۃ ہو اب اگر ضرورت شعری ہو تناسب کی وجہ سے تو کسرہ اور تنوین ہی داخل ہو جائیں تو علتین بدستور باقی رہتے ہیں تو علتین کے ہوتے ہوئے غیر منصرف منصرف کیسے بن سکتا ہے۔

جواب یجوز کا یہ مطلب نہیں کہ غیر منصرف منصرف ہو جاتا ہے بلکہ غیر منصرف رہتا غیر منصرف ہی رہتا ہے لیکن منصرف کے حکم میں ہو جاتا ہے یعنی ان پر منصرف کے احکام دخول کسرہ اور تنوین جائز ہوتے ہیں۔ لیکن یاد رکھیں اس جواب کا مدار اس بات پر ہے کہ صرفه میں صرف کا اصطلاحی معنی مراد ہو اور (ہ) ضمیر کا مرجع غیر منصرف مراد لیا جائے اب معنی یہ ہوگا کہ غیر منصرف کا منصرف

ہونا یعنی منصرف کے حکم میں ہونا۔

جواب ثانی اگر صرفه میں صرف کا لغوی معنی تغیر وتبدل مراد لیا جائے۔ اور ضمیر کا مرجع حکم ہوتو اب معنی یہ ہوگا ضرورة تناسب کی جوہ سے اس حکم مذکور کو ہٹا دینا تبدیل کر دینا جائز ہے یعنی عدم کسرہ اور تنوین کو تبدیل کر دو دخول کسرہ اور تنوین کے ساتھ، لیکن مولانا جامی نے اس دوسرے جواب کو لفظ قیـــــل سے تعبیر کر کے اس کے ضعف کی طرف اشارہ کر دیا اس لیے کہ یہاں عموما اسباب کو بیان کیا جاتا ہے نہ حکم کو۔

نیز حکمه کی ضمیر راجع ہے غیر منصرف کی طرف تو صرفه کی ضمیر بھی راجع غیر منصرف کی طرف ہونی چاہیے۔

قال الشارح **ای لضرورة** مقصود مولانا جامی کا توضیح متن ہے کہ ضرورة کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) ضرورت وزن شعری (۲) ضرورت قافیہ

ضرورت وزن شعری یہ ہے کہ **موافقة احد المصراعین بالآخر فی عدد الحروف** اور ضرورت کافیہ یہ ہے کہ **موافقة الحرف الآخیر من احدالمصراعین بالآخر فی الحرکة** پھر ضرورت وزن شعری کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) ضرورت وزن شعر برائے احتراز عن الانکسار۔

(۲) ضرورت وزن شعر برائے احتراز عن الزحاف۔

ضرورت وزن شعر برائے احتراز عن الانکسار کا مطلب یہ ہے کہ اگر اسم غیر منصرف پر کسرہ اور تنوین نہ پڑھا جائے تو شعر اپنے وزن ہی سے نکل جائے جیسے فاطمہؓ نے حضورؐ کی وفات پر یہ مرثیہ کہا جس کا ایک شعر یہ ہے۔

صبت علی مصائب لوانها صبت علی الایام صرن لیالیا

یہاں پے محل استشہاد **مصائب** ہے اگر اس کو غیر منصرف پڑھا جائے تنوین نہ پڑھی جائے تو وزن ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ شعر کا وزن متفاعلن چھ مرتبہ غیر منصرف پڑھنے سے ایک وزن ٹوٹ جائے گا متفاعل ہوگا۔ اور ہوزن ضرورت شعر برائے احتراز عن الزحاف کا مطلب یہ ہے اگر اسم غیر منصرف پر کسرہ اور تنوین نہ پڑھی جائے تو پھر اپنے وزن سے خارج تو نہ ہوگا لیکن اس میں یہ

نقصان پیدا ہوجائے گا کہ شعر کی سلاست اور دانگی ختم ہوجائے گی جیسے امام شافعیؒ کا شعر امام ابوحنیفہؒ کی مدح میں۔

اعد ذکر نعمان لنا ان ذکرہ　　　　　هو المسك ما کررته یتوضع

اس میں محل استشہاد لفظ نعمان ہے اس پر اگر کسرہ اور تنوین نہ پڑھی جائے تو شعر کا وزن تو نہیں ٹوٹتا لیکن شعر کی سلامت اور روانگی ٹوٹ جاتی ہے۔ اور ضرورت برائے رعایت کافیہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر غیر منصرف پر کسرہ اور تنوین نہ پڑھی جائے تو حرف روی ایک جیسا باقی نہ رہے گا یعنی مصرع کا آخری حرف ایک جیسا باقی نہ رہے گا جیسے علیؓ کے اشعار۔

سلام علی خیر الانام وسید　　　　　حبیب اله العالمین محمد

بشیر نذیر هاشمی مکرم　　　　　عطوف رئوف من یسمی باحمد

اس میں محل استشہاد لفظ احمد ہے اگر اس کو منصرف پڑھا جائے کسرہ نہ پڑھی جائے تو وزن تو بے شک باقی رہتا ہے مگر رعایت قافیہ باقی نہ رہے گی کیونکہ حرف اخیر تمام مصرعوں میں دال مکسور ہے۔

قال الشارح فان قلت مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: احتراز عن الزحاف کوئی ضروری نہیں لیکن پھر اس کو للضرورت کے تحت داخل کرنا کس طرح صحیح ہوگا۔

جواب قلنا سے جواب دیا۔ زحاف کی دو قسمیں ہیں۔ (ا) بعض سے احتراز جس وقت ان سے ممکن ہو تو ضروری ہوتا ہے اور بعض سے احتراز اگر ممکن نہ ہو تو ضروری نہیں ہوتا للضرورت سے قسم اول مراد ہے لہذا یہ بھی ضرورت کے تحت داخل ہے۔

قال الشارح ای ویجوز صرفه لیحصل التناسب

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: للتناسب مفعول لہ ہے یجوز صرفه کے لیے اور مفعول لہ علت بنتا ہے فعل کے لیے اور قاعدہ ہے کہ علت مقدم ہوئی معلول پر لیکن تناسب منصرف سے مقدم نہیں بلکہ مؤخر ہے تو لہذا یہ مفعول لہ کیسے بن سکتا ہے۔

جواب مفعول لہ کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) مفعول لہ پہلے موجود ہو اس کے موجود ہونے کی وجہ سے فعل واقع ہو جائے جیسے قعدت عن الحرب جبنا اس مفعول لہ کو وجودی کہا جاتا ہے۔

(۲) مفعول لہ کو حاصل کرنے کے لیے فعل کیا جائے جیسے ضربته تادیبا علت کی تقدیم قسم اول میں ہوتا ہے نہ کہ ثانی۔

قال الشارح **لان رعاية التناسب** مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: تناسب بین الکلمات ضروری نہیں تو اس کی وجہ سے غیر منصرف کا منصرف پڑھنا کیسے جائز ہے۔

جواب رعایت تناسب اگر چہ ضروری نہیں لیکن بہت ہی اہم ہے جس کی وجہ سے غیر منصرف کا منصرف پڑھنا جائز ہے۔

قال الشارح **حيث صرف** مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: تناسب کی مثال تو صرف سلاسلا ہے اس کے ساتھ اغلالا کا ذکر کرنا یہ مستدرک اور لغو ہے۔

جواب یہ مجموعہ کی مثال ہے تناسب کی اور جس کلمے کے ساتھ تناسب مقصود ہے۔ وہ سلاسلا اور اغلالا میں تناسب صیغوی بھی یہ کہ دونوں جمع کے صیغے ہیں اور تناسب معنوی بھی ہے کہ دونوں کا تعلق باندھنے سے ہے لہذا انصراف میں بھی تناسب کو برقرار رکھا گیا ہے۔

سوال: تناسب برعکس بھی ہو سکتا تھا کہ منصرف کو غیر منصرف بنا دیا جاتا۔

جواب غیر منصرف خلاف اصل ہے جب کہ منصرف اصل ہے تو خلاف اصل کو اصل کی طرف راجع کرنا احسن ہے بنسبت اصل کے کہ اس کو خلاف اصل کی طرف تبدیل کیا جائے۔

قال الماتن **ومايقوم مقامهما الفاالتانيث والجمع**

صاحب کافیہ یہاں سے علل تسعہ میں سے ان علتوں کو بیان کرنا چاہتے ہیں جو تنہا ایک علت ہو کر دو علتوں کے قائم مقام ہوتی ہے۔ وہ کل دو ہیں۔ (۱) جمع منتہی الجموع (۲) دو الف تانیث کے (۱) الف ممدودہ (۲) الف مقصودہ

قال الشارح **اى العلة الواحدة التى** یہ عبارت دو سوالوں کا جواب ہے۔

سوال اول: وما یقوم مقامهما جب یہ منحصر ہے دو علتوں میں جمع اور الفا التانیث میں تو ادوات

حصر کیوں ذکر نہیں کیا۔

سوال ثانی : وما یقوم مقامھما مبتداء ہے اور الجمع والفاء التانیث خبر ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ خبر کا حمل ہوا کرتا ہے مبتداء پر تو ان میں سے ہر ایک حمل ہوگا مبتداء پر تو لازم آتا ہے حمل الخاص علی العام جو کہ جائز نہیں۔

جواب مولانا جامی نے علتان نکال کر جواب دیا کہ الجمع والفا التانیث میں سے ہر ایک خبر نہیں بلکہ مجموعہ خبر ہے اور عطف مقدم ہے اور حکم موخر ہے عبارت یوں ہوگی وما یقوم مقامھما علتان تو لہذا حمل العام علی العام ہوگا نیز جب عطف مقدم ہے ربط پر تو اس سے حصر بھی مفہوم ہو گیا۔

قال الشارح **مکررتان** مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال : ایک علت کے قائم مقام ہو کر کلمہ کو غیر منصرف نہیں بنا سکتی کیونکہ ماقبل میں یہ بتلا دیا گیا ہے کہ کلمہ غیر منصرف اس وجہ سے ہوتا ہے کہ وہ مشابہ بالفعل ہوتا ہے وجود فرعیتین کے اعتبار سے اور یہ بات ظاہر ہے کہ جب ایک علت ہوگی تو ایک فرعیۃ پائی جائے گی تو مشابہت بالفعل کس طرح ہوگی لہذا جب مشابہت نہیں ہوگی تو کلمہ غیر منصرف کیسے بنے گا اور اس پر عدم دخول کسرۃ والتنوین کا حکم کیسے جاری ہوگا۔

جواب کہ مایقوم مقامھما اگر چہ بظاہر ایک علت ہے لیکن حقیقتا دو علتیں ہیں۔ کیونکہ وہ علت مکرر ہے اس میں تکرار ہے جب ایک علت مکرر ہے گویا کہ دو علتیں ہیں دو فرعیتیں ہیں۔ جب دو فرعیتیں موجود ہیں تو فعل کے ساتھ مشابہت حاصل ہو جائے گی جس کی وجہ سے کلمہ غیر منصرف بن جائے گا تفصیل یہ ہے کہ جمع منتہی الجموع میں سے بعض جموع تو ایسی ہیں کہ ان میں حقیقتا تکرر پایا جاتا ہے جیسے اکالیب جمع ہے اکلب کی اور اکلب جمع ہے کلب کی اور اسی طرح اساور جمع ہے اسورۃ کی اور اسورۃ جمع ہے سوار کی اور اسی طرح اناعیم جمع ہے انعام کی اور انعام جمع ہے نعم کی بعض جموع تو ایسی ہیں کہ حقیقتا مکرر تو نہیں لیکن حکما مکرر ہے جیسے مثلا وہ جموع جو کہ ان مذکورہ جموع کے موافق ہوں تعداد حرف میں اور حرکات وسکنات میں جیسے مساجد یہ اکالب کے موافق ہے اور اناعیم مصابیح کے تو لہذا ان میں بھی حکما تکرار

موجود ہے۔

دوسرا سبب الف تانیث کا اس میں کیسے تکرار ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ الف تانیث بھی ایک سبب دو کے قائم مقام ہے ایک سبب تو خود الف تانیث کا ہے دوسرا اس میں لزوم تانیث وصفی ہے، جس کی تفصیل عنقریب آ رہی ہے۔ تو ہر سبب کا تکرار قائم مقام دو علتوں کے ہے جو کہ مستلزم ہے وجود فرعیین کو۔

فائدہ جمع منتہی الجموع کے بارے میں نحاۃ کا اختلاف ہے جس میں تین مذہب ہیں۔

پہلا مذہب بعض کے نزدیک ایک سبب جمعیت ہے دوسرا سبب تکرار جمعیت ہے خواہ حقیقتا ہو یا حکما جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

دوسرا مذہب بعض کے نزدیک ایک سبب جمعیت دوسرا لزوم جمعیت ہے اور لزوم جمعیت کا مطلب یہ ہے کہ اس کے بعد کوئی اور جمع نہیں آ سکتی اور جمعیت اس سے جدا بھی نہیں ہو سکتی۔

تیسرا مذہب یہ ہے کہ بعض کے نزدیک ایک سبب تو جمعیت دوسرا سبب قوۃ جمعیۃ ہے۔ اور قوت جمعیت کا مطلب یہ ہے کہ جمع منتہی الجموع کے وزن پر سوائے اس مفرد کے جس کے آخر میں تاء ہو جیسے کراھیۃ کوئی مفرد نہیں آتا باقی رہے باقی جموع کہ ان کے وزن پر مفرد آتے ہیں جیسے رجال کے وزن پر کتاب ہے تو لہذا اس وجہ سے جمع منتہی الجموع منفرد ہوتی اور جو چیز منفرد اور یگانہ ہو وہ قوی ہوا کرتی ہے لہذا قوت جمعیت یہ قائم مقام ہے دوسرے سبب کے۔

قال الشارح البالغ الی صیغۃ الجموع

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: آپ نے کہا جمع ایک ہی علت قائم مقام دو علتوں کے ہے تو پھر مسلمون، رجال کو غیر منصرف ہونا چاہیے کیونکہ یہ بھی جمع ہیں حالانکہ یہ منصرف ہیں۔

جواب الجمع پر الف لام عہدی خارجی کا ہے جس سے مراد منتہی الجموع ہے کیونکہ وہی حقیقتا یا حکما مکرر ہوتی ہے۔

قال الشارح التانیث لکن لا مطلقا بل بعض اقسامہ

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال قائمة بھی تانیث ہے حالانکہ وہ غیر منصرف نہیں ہے۔

جواب مطلق تانیث مرادنہیں بلکہ الف تانیث یعنی الف ممدودہ الف مقصورہ مراد ہیں۔

قال الشارح **ای کل واحدۃ منھما**

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال مصنف کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ الف مقصورہ اورالف ممدودہ مل کرایک علت کے قائم مقام ہوں گے حالانکہ یہ بات غلط ہے۔ بلکہ ہرایک علیحدہ علیحدہ علت بنتے ہیں۔

جواب مراد ہرایک سے علیحدہ علیحدہ کہ ہرایک مستقل علت ہے جوقائم مقام دوعلتوں کے ہوتا ہے۔

قولہ **لانھما لازمتان** سے وجہ قائم مقام کا بیان ہے کہ یہ دونوں الفین کلمہ کولازم ہے اس سے مفارق جدانہیں ہوتے توان کالزوم بمنزلہ تانیث آخر کے ہے تو تانیث میں تکرار آ گیا۔

قولہ **بخلاف التاء** مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال تاءتانیث بھی حال علمیت میں کلمہ کولازم ہوجاتی ہےتواس کو بھی قائم مقام دوسبب کے ہونا چاہیے۔حالانکہ وہ دوسبب کے قائمقام نہیں ہوتی۔

جواب لزوم سے مرادلزوم وضعی ہےاورتاءتانیث میں حال علمیت میں جولزوم آتا ہے وہ وضعی نہیں ہوتا بلکہ عارضی ہوتا ہے۔

﴿پہلا سبب عدل﴾

قال الماتن **فالعدل خروجه عن صيغته الاصلية**

صاحب کافیہ علل تسعہ کی تفصیل بیان کررہے ہیں علی ترتیب اللف والنشر مرتب کہ جس طرح اجمال میں عدل مقدم تھاباقی علل پرتو اس طرح تفصیل میں بھی مقدم کردیا۔

سوال عدل کوباقی اسباب ثمانیہ پرکیوں مقدم کیا حالانکہ عدل سبب فرضی ہےاورباقی اسباب حقیقیہ واقعیہ ہیں تواس لحاظ سےتوعدل کومؤخرکرنا چاہیے تھابلکہ سب سے مؤخرکرنا چاہیے تھا۔

جواب عدل مؤثر ہےبغیر شرط کےاورباقی اسباب مؤثر ہیں مع الشرائط اس اعتبار سے اس

کو فوقیت حاصل تھی باقی اسباب پر اس لحاظ سے مقدم کیا۔

فائدہ جہاں عدل ہو وہاں چار چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ (۱) عادل (۲) معدول (۳) معدول عنہ (۴) معدول الیہ

فائدہ عدل کے لغوی معنی میں اختلاف ہو جاتا ہے۔ (۱) صلہ الی ہو تو معنی ہوتا ہے میلان کرنا۔ (۲) صلہ عن ہو تو معنی اعراض کرنا جیسے عدل عنہ۔ (۳) صل صلہ عنہ ہو تو دوری اور بعد والا معنی ہوتا ہے۔ (۴) صلہ فی ہو تو تغیر اور (۵) صلہ بین ہو تو مساوات والا معنی جیسے عدل بین فلان وفلان۔

قال الشارح **فالعدل** عدل کی تعریف کا حاصل یہ ہے کہ عدل کسی اسم کا اپنی صورت اصلیہ سے نکل جانا یعنی ایسی صورت سے نکل جانا جس صورت پر رہنے کا قانون اور اصل تقاضہ کرے۔

قال الشارح **مصدر مبنی للمفعول**

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال اول: عدل کو اسباب منع صرف سے شمار کرنا درست نہیں کیونکہ غیر منصرف تو اسم کی صفت ہے اور عدل بمعنی اخراج یہ تو متکلم کی صفت ہے نہ کہ اسم کی۔

سوال ثانی: عدل بمعنی اخراج متکلم کی صفت ہے اور خروج صفت ہے اسم کی۔ تو تفسیر المبائن بالمبائن لازم آ رہی ہے۔

جواب: یہ سوال تب وارد ہوگا جب عدل اپنے مصدری معنی میں ہو جب یہاں عدل اپنے مصدری معنی میں نہیں بلکہ مصدر مبنی للمفعول معدولیت کے معنی میں ہے۔

قال الشارح **ای کون الاسم** - بیان التفسیر بالتفسیر جو چار سوالوں کا جواب ہے۔

سوال اول: عدل جب اسم مفعول معدولیت کے معنے میں ہو تو عدل ذات مع الوصف کا نام ہوا اور خروج مصدر ہونے کی وجہ سے محض وصف ہے۔ تو لازم آیا وصف کا حمل ذات مع الوصف پر جو کہ صحیح نہیں۔

سوال ثانی: اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ عدل غیر منصرف کا سبب نہ بنے کیونکہ اسباب تمام

کے تمام محض وصف ہیں۔اور عدل تو ذات مع الوصف ہے۔

سوال ثالث: عدل مصدر متعدی ہےاور خروج مصدر لازمی ہےتو لازم آیا مصدر متعدی کی تفسیر مصدری لازمی کے ساتھ جو کہ صحیح نہیں۔

سوال رابع: کہ جب عدل معدول کے معنی میں ہوا تو معدولیت میں تعیم ہوگی خواہ لفظ کا معدول ہونا یا شئی کا مدول ہونا حالانکہ یہاں یہ تعیم مقصود نہیں لہذا آپ نے جو عدل کو بمعنی معدول کے کیا ہےاس سے یہ چار فساد لازم آتے ہیں۔

جواب: کہ عدل یہاں کون الاسم معدولاً کے معنٰی میں ہےتو اس سے چاروں فساد چاروں سوالات کا جواب بھی حاصل ہوگیا۔

(۱) حمل بھی صحیح ہوگیا اس لئے کہ کون وصف محض ہےاور خروج بھی وصف ہے۔

(۲) کون جب محض وصف ہےتو اس عدل کو غیر منصرف کے اسباب میں سے شمار کرنا بھی صحیح ہے۔

(۳) کون مصدر لازمی ہےاور خروج بھی مصدر لازمی ہے۔

(۴) تعیم کا جواب بھی ہوگیا کیونکہ معدول کا معنٰی کون الاسم معدولا یعنی اسم کا معدول ہونا مراد ہے شئی کا معدول ہونا نہیں۔

قال الشارح **ای خروج الاسم** ۔یہاں سے مضاف کی تفسیر کا بیان برائے دفع دخل مقدر۔

سوال: خروجه کی (ہ) ضمیر کی مرجع میں دو احتمالیں ہیں۔(۱) ضمیر کا مرجع عدل ہو (۲) اسم ہو اور دونوں باطل ہےاوّل اس لئے باطل ہے کہ اخذ المحدود فی الحد کی خرابی لازم آتی ہےاور ثانی اس لئے باطل ہے کہ اضمار قبل الذکر کی خرابی لازم آتی ہے۔

جواب: شارح نے جواب دیا کہ (ہ) ضمیر کا مرجع اسم ہے باقی رہا اضمار قبل الذکر وہ لازم نہیں آتا کیونکہ اسم اگرچہ صراحتہً مذکور ہے لیکن ضمناً مذکور ہے۔جس پر قرینہ بحث اسم ہے۔

قال الشارح **ای کونه مخرجا** ۔یہاں سے خروج مضاف کی تفسیر کا بیان ہے برائے دفع دخل مقدر

سوال: عدل کون لاسم معدولاً کے معنی ہونے کی وجہ سے حاصل بالمصدر رہا اور جب کہ

خروج تو محض مصدر ہے تو لازم آیا حاصل بالمصدر کی تفسیر مصدر کے ساتھ جو کہ صحیح نہیں۔

جواب: خروج بھی یہاں کون لاسم مخرجا کے معنی میں ہے اور یہ بھی حاصل بالمصدر ہوا تو تفسیر حاصل بالمصدر کی حاصل بالمصدر کے ساتھ ہوئی جو کہ صحیح ہے۔

فائدہ: سوال مضاف الیہ کی تفسیر مقدم اور مضاف کی تفسیر مؤخر کرنے کی کیا وجہ ہے۔

جواب: تا کہ کوئی تفسیر اپنے مفسّر کے ساتھ ہی ہو جائے اگر مضاف کی تفسیر پہلے کرتے تو پھر کوئی تفسیر اپنی مفسر کی ساتھ نہ ہوتی۔

قال الشارح **عن صورته التی یقتضی** -

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: علم الصرف کی اصطلاح میں صیغہ ھیئۃ اور مادۃ کے مجموعے کا نام ہے اور اسم بھی ھیئۃ اور مادۃ کے مجموعے کا نام ہے تو عدل کی تعریف میں کہا ہے کہ اسم کا اپنے اصلی صیغہ سے نکلنا تو اس سے اخراج الکل عن الکل کی خرابی لازم آتی۔

جواب: یہاں صیغہ کا مجموعہ مراد نہیں بلکہ صیغہ سے مراد فقط ھیئۃ ہے۔

سوال: اس سے تو اخراج لکل عن الجزء کی خرابی لازم آتی ہے جو کہ صحیح نہیں۔

جواب: خروجہ کی (ہ) ضمیر سے قبل مضاف محذوف ہے تقدیر عبارۃ یہ ہے ای خروج مادۃ الاسم عن ھیئتہ الاصلیہ۔

سوال: اس صورۃ میں تو اخراج الجزء عن الجزء کی خرابی لازم آتی ہے۔

جواب: جب ایک جزء دوسری جزء پر محمول ہو تو ایسی صورۃ میں اخراج الجزء عن الجزء جائز ہوتا ہے اگر جزئین میں سے ایک جزء دوسری جزء پر محمول اور مشتمل نہ ہو تو پھر نا جائز ہوتا ہے

قال الشارح **ولا یخفی ان صیغہ المصدر** - یہاں سے متعدد اسئلۃ کا جواب دینا مقصود ہے۔ (۱) عدل کی تعریف مذکور دخول غیر سے مانع نہیں اس لئے کہ یہ تعریف مشتقات پر صادق آتی ہے جیسے ضارب، مضروب پر بھی اپنی اصلی صیغہ سے نکلے ہوئے ہیں کیونکہ ان کا اصلی صیغہ ضـــرب مصدر ہے تو لازم ایا اسماء مشتقہ بھی اسماء معدولۃ ہوں حالانکہ ان کو کوئی بھی اسماء معدولہ تسلیم نہیں کرتا۔

جواب: مولانا جامیؒ نے جواب دیا کہ عن صیغته میں جو صیغہ کی اضافت ہو رہی ہے ضمیر کے طرف اور وہ ضمیر لوٹ رہی ہے اس کی طرف اس اضافت سے صاحب کافیہؒ نے اسماء مشتقات کو عدل تعریف سے خارج کر دیا۔ اس طرح کہ اسماء معدولہ کہا جاتا ہے اسم کا اپنی اصل صورۃ سے نکلنا اور مصدر تو مشتقات کی اصلی صورۃ نہیں ہے۔

قال الشارح **و ان المتبادر من خروجه** ۔

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال ثانی: عدل کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں اس لئے کہ یہ تعریف اسماء محذوفة الاعجاز پر صادق آتی ہے جیسے ید، دم کہ اصل سے یدو، دمو تھا تو یہ بھی اپنی اصل صورۃ سے خارج ہے۔ تو ان کو اسماء معدولہ کہنا چاہیئے حالانکہ کوئی ان کو تو اسماء معدولہ نہیں مانتا۔

جواب: خروجه عن صیغه الاصلیه سے متبادر الی الذھن یہ ہے کہ مادہ باقی رہے یعنی تغیر تصرف صورۃ اور ہیئت میں ہو مادہ باقی رہے اور چونکہ ان اسماء محذوفۃ الاعجاز میں صورۃ کے تغیر کے ساتھ ساتھ مادہ میں بھی تغیر ہو گیا اس لئے صاحب کافیہؒ نے صورۃ کے طرف تعرض کیا ہے لیکن مادہ کی طرف تعرض نہیں کیا۔

قال الشارح **و ان خروجه عن صیغه الاصلیة** ۔

سوال ثالث: عدل کی تعریف مذکور دخول غیر سے مانع نہیں اس لئے کہ یہ مغیرات قیاسیه پر صادق آتی ہے جیسے مقول، مبیع، قال وغیرہ اس لیے ان اسماء مذکورہ میں تغیر تصرف صورۃ میں ہے مادۃ میں نہیں تو ان کو تو اسماء معدولہ ہونا چاہئے حالانکہ ان کو کوئی بھی اسماء معدولہ نہیں مانتا۔

جواب: مولانا جامیؒ نے جواب دیا ولا یبعد سے کہ صاحب کافیہؒ نے کہا خروجه عن صیغته الاصلیة یعنی اسم معدول کے اندر صیغہ اصلیہ سے خروج ہونا یہ مستلزم ہے اس بات کو کہ صورۃ اخری میں دخول ہو اور صورۃ اخریٰ صورۃ اصلیہ کے مغائر ہو اور یہ مغایرت تب ہو سکتی ہے جب کہ صورۃ اصلیہ قیاس کے موافق ہو اور صورۃ اخری قیاس کے مخالف ہو اور یہ بات ظاہر ہے کہ مغیرات قیاسیہ میں جو صورۃ اخری آتی ہے وہ قانون صرفی کے تو موافق آتی ہے تو یہ کیسے اسماء معدلہ بن سکتے ہیں۔

قال الشارح **و اما المغیرات الشاذہ ۔**

سوال رابع: عدل کی تعریف مذکور دخول غیر سے مانع نہیں یہ تعریف مغیرات شاذہ پر صادق آتی ہے جیسے افوس اور انیب اوران میں صورۃ اصلیہ سے خروج بھی ہوا اور تغیر بھی فقط صورت میں ہے مادہ میں نہیں اور صورۃ اخری صورۃ اصلیہ کے مغایر بھی ہے اور صورۃ اخری قیاس کے مخالف بھی ہے کیونکہ قاعدہ اور ضابطہ ہے کہ اجوف واوی اور یائی جو فَعْلٌ کی وزن ہوا اسکی جمع افعالٌ کی وزن پر آتی ہے اور قوسٌ نابٌ یہ اجوف واوی فَعْلٌ کے وزن پر ہیں تو قاعدہ قانون کے موافق اس کی جمع افواس انیاب ہونی چاہئے لھذا یہ افوس انیب قاعدہ کے موافق جمع نہیں تو انمیں عدل کی تمام شرطیں پائی جاتی ہیں حالانکہ ان کو کوئی اسماء معدولہ ماننے کے لئے تیار نہیں۔

جواب: مولانا جامیؒ نے جواب دیا کہ ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ کہ ان کا صیغہ اصلیہ سے خروج ہوا ہو کیونکہ خروج تب ہوتا ہے جب قوس اور ناب سے اولاً افواس اور انیاب جمع بنائی گئی ہوتی پھر افواس اور انیاب سے خروج ہوا قوس اور انیب کی طرف حالانکہ یہاں افوس اور انیب ابتداءً ہی قوس اور ناب سے جمع بنائی گئی ہے اسی وجہ سے تو ان کو جموع شاذہ کہا جاتا ہے لہذا جب خروجہ عن صیغہ الاصلیہ متحقق ہی نہیں تو عدل کی تعریف ان پر کیسے صادق آسکتی ہے۔

فائدہ: اگر افوس اور اناب میں عدل اعتبار کرلیا جائے تو اس میں کیا حرج ہوگا۔ جب کہ اسکی نظیر بھی موجود ہے جُمَعُ جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

جواب: عدل فرضی سبب ہے واقعی نہیں اس کو ضرورت کے تحت کلمہ میں فرض کیا جاسکتا ہے مثلاً جُمَعُ ۔عمر میں ضرورت تھی کہ ان کو غیر منصرف پڑھا جارہا تھا سبب ایک تھا تو عدل کو فرض کیا گیا تاکہ دو سبب ہوجائیں لیکن افوس اور انیب میں ضرورت ہی نہیں کیونکہ منصرف پڑھا جارہا ہے لہذا جب ضرورت ہی نہیں تو اس کو جُمَعَ پر قیاس کرنا بھی درست نہیں۔

قال الشارح **قال وقد جوزبعض الشارحین التعریف بالاعم** ۔ مولانا جامیؒ بعض شارحین کے قول کو نقل کررہے ہیں۔ مولانا جامیؒ کا اس سے مقصود کیا ہے اس میں دو احتمالیں ہیں۔ پہلا احتمال یہ ہے کہ مولانا جامیؒ یہاں سے مذکورہ بالا چاروں سوالوں کا ایک ہی

جواب دینا مقصود ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ بعض شارحین نے تعریف بالاعم کو جائز قرار دیا ہے۔ کیونکہ تعریف دو حال سے خالی نہیں یا تو اس تعریف سے مقصود معرّف کو تمام ماعداء سے ممتاز کرنا ہوتا ہے۔ یا تعریف سے مقصود معرّف کو بعض ماعدا سے ممتاز کرنا مقصود ہوتا ہے پہلی صورۃ میں تعریف بالاعم جائز نہیں لیکن دوسری صورۃ میں تعریف بالاعم جائز ہوتا ہے۔ اب ہم یہ کہتے ہیں کہ عدل کی یہ تعریف تعریف بالاعم ہے کیونکہ عدل کی امتیاز بعض ماعدا یعنی صرف علل ثمانیہ سے مقصود ہے تمام ماعدا سے امتیاز مقصود نہیں لہذا اب عدل کی تعریف میں مشتقات مغیرات شاذہ وغیرہ داخل ہوتے ہیں تو داخل ہونے دیں اس سے کیا خرابی لازم آتی ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ مولانا جامیؒ کی غرض یہاں سے صاحب کافیہؒ پر اعتراض کرنا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ صاحب کافیہؒ نے اپنی شرح الامالی میں ان اسئلۃ اربعہ کا جواب دیا ہے جب تعریف بالاعم جائز ہے تو ان اسئلۃ کے جواب دینے کی کوئی ضرورت ہی نہیں۔

جواب : صاحب کافیہؒ کی طرف سے جواب دیا جاسکتا ہے کہ تعریف بالاعم متقدمین کے ہاں جائز ہے اور متاخرین کے نزدیک تعریف بالاعم جائز نہیں بلکہ تعریف کے لئے تساوی شرط ہے۔ یعنی تعریف کو جامع مانع ہونا ضروری ہے، چونکہ صاحب کافیہؒ کو متاخرین کا مذھب پسند تھا تو اس لئے صاحب کافیہؒ نے ان تکلفات کا ارتکاب کر کے جوابات دیئے ہیں۔

قولہ واعلم انا نعلم ۔ مولانا جامیؒ فاضل ہندی اور رضی اور بعض نحاۃ کے نظریہ کی تردید کرنا چاہتے ہیں نحاۃ کا اس بات میں اختلاف ہے کہ عدل سبب حقیقی واقعی ہے یا سبب فرضی اعتباری ہیں۔

عام نحاۃ : فاضل ہندی اور رضی وغیرہ کا مذھب یہ ہے کہ عدل سبب حقیقی واقعی ہے مثلاً ثلث اور مثلث میں عدل پہلے سے موجود تھا بعد میں اس کو غیر منصرف پڑھا گیا۔

محققین : کے نزدیک یہ سبب فرضی اعتباری ہے اس لئے کہ نحویوں نے بعض کلمات کو دیکھا جو کہ غیر منصرف پڑھے جارہے تھے اور سبب ایک تھا حالانکہ ضابطہ یہ ہے کہ غیر منصرف دو سبب سے ہوا کرتے ہیں تو بڑی تتبع اور تلاش کے بعد جب کوئی دوسرا سبب نہ ملا تو مجبوراً عدل کو فرض کر لیا۔ مثال کے طور پر ثلث اور مثلث غیر منصرف پڑھے جارہے تھے اور سبب ایک تھا اور دوسرا کوئی

سبب نہیں تھا تو ضرورت کے تحت عدل کو فرض کر لیا گیا۔لہذا جس طرح عمر اور زفر میں عدل اعتباری فرضی ہے اسی طرح ثلث ، مثلث، اخر، جمع میں بھی فرض اعتباری ہے۔

اسی اختلاف کی وجہ سے عدل تحقیقی اور تقدیری کی تعریف میں بھی اختلاف ہے۔

قوله ولكن لا بد في اعتبار ۔ اس عبارت سے بھی بعض شارحین کے نظریہ کی تردید کی ہے سوال اور جواب کے ضمن میں۔

سوال: جب ثلث اور مثلث عدل اعتباری اور فرضی اور عمر اور زفر میں بھی عدل فرضی ہے تو پھر عدل تحقیقی اور تقدیری میں فرق باقی نہیں رہتا اور اسی طرح جب مطلق عدل فرضی بن چکا ہے تو پھر اس کی تقسیم کیسے ہوگی عدل تحقیقی اور تقدیری کے طرف اس سے انقسام الشئی الی نفسه و الی غیرہ لازم آتا ہے۔

جواب: کہ مطلق عدل میں دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔(۱)۔اصل اور معدول عنہ کا موجود ہونا اور پایا جانا (۲)۔اس اصل اور معدول عنہ سے اسم معدول کا اخراج کا معتبر ہونا پھر اصل معدول عنہ دو قسم پر ہے (۱)۔معدول عنہ محقق (۲)۔معدول عنہ مقدر۔

اصل اور معدول عنہ محقق: ایسے معدول عنہ کو کہا جاتا ہے جس میں غیر منصرف پڑھے جانے کے علاوہ اس کے وجود پر دلیل مستقل موجود ہو۔

معدول عنہ مقدر: ایسے معدول عنہ کو کہا جاتا ہے جس میں اسم معدول کے غیر منصرف پڑھے جانے کے علاوہ اس کے وجود پر کوئی دلیل مستقل موجود نہ ہو

جواب: فانقسام العدل سے جواب دے رہے ہیں۔جواب کا حاصل یہ ہے کہ عدل کا انقسام تحقیقی اور تقدیری کے طرف یہ اصل اور معدول عنہ کے اعتبار سے ہے اگر اصل اور معدول عنہ محقق ہو تو عدل تحقیقی اور اصل اور معدول عنہ مقدر فرضی ہو تو عدل تقدیری ہے اور خروج ہر حال میں اعتباری اور فرضی ہے۔یہ سوال تب وارد ہوتا ہے جب انقسام خروج کے اعتبار سے ہو تو تب انقسام الشئی الی نفسه و الی غیرہ کی خرابی لازم آتی ہے۔اور فرق باقی نہیں رہتا۔اور حالانکہ یہاں پر تقسیم معدول عنہ اصل کے اعتبار سے ہے اسی وجہ سے عدل تحقیقی اور تقدیری کی تعریف میں اختلاف ہو گیا

محققین کے نزدیک عدل تحقیقی کی تعریف : خروجٌ مقدرٌ عن اصلٍ محقق

عدل تحقیقی کی تعریف : خروجٌ مقدرٌ عن اصلٍ مقدر

عام نحاۃ کے نزدیکعدل تحقیقی کی تعریف : خروجٌ محققٌ عن اصلٍ محقق

عدل تحقیقی کی تعریف : خروجٌ مقدرٌ عن اصلٍ مقدر

عام نحاۃ کے دلائل:

دلیل اوّل: تحقیقاً او تقدیراً یہ خروج کی صفت ہے اور یہ صفت تب بن سکتی ہے جب خروج تحقیقی اور تقدیری ہو اور اسی خروج کا نام تو عدل ہے تو خود عدل تحقیقی اور تقدیری ہو گیا۔

جواب: تحقیقاً او تقدیرا صفت ضرور ہے لیکن یہ صفت بحالہ نہیں بلکہ صفت بحال متعلقہ ہے یعنی خروج کا متعلق معدول عنہ تحقیقا اور تقدیرا کی صفت کے ساتھ متصف ہے۔

دلیل ثانی: عدل تحقیقی وہ ہے کہ معدول عنہ اور اصل پر دلیل موجود ہو۔ اور اصل پر دلیل کا موجود ہونا بعینہ فرع پر دلیل کا ہونا اور فرع پر دلیل کا موجود ہونا بعینہ خروج پر دلیل کا موجود ہونا ہے تو یہ خروج تحقیقی ہو گیا۔

اور عدل تقدیری وہ ہے کہ معدول عنہ پر دلیل نہ ہو جب اصل پر دلیل نہ ہوئی تو فرع پر دلیل نہ ہوئی جب فرع پر دلیل نہیں تو خروج پر دلیل نہ ہوئی تو یہ خروج تقدیری ہوا۔

جواب: اتنی بات تسلیم ہے کہ اصل پر دلیل کا موجود ہونا بعینہ فرع پر دلیل کا موجود ہونا ہے مگر یہ بات ہم قطعاً تسلیم نہیں کرتے کہ فرع پر دلیل کا موجود ہونا بعینہ خروج پر دلیل کا موجود ہونا ہے اس لئے کہ ایسا بھی ممکن ہے کہ اصل بھی موجود ہو اور فرع بھی موجود ہو لیکن خروج نہ ہو جیسے اقوس اور انیب میں نیز اگر فاضل ہندی کی بات تسلیم کرلی جائے تو اقوس، انیبُ والے اشکال سے خلاصی محال ہو جائے گی کیونکہ ان میں اس لئے عدل فرض نہیں کیا گیا کہ وہ کلام عرب میں غیر منصرف نہ تھے منصرف پڑھے جاتے تھے اسی لئے عدل فرض کرنے کی حاجت نہیں تھی اگر فاضل ہندی کی بات درست ہو تو پھر ان میں عدل فرض نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔

اس لئے محققین کا مذھب راجح ہے کہ عدل ایسا سبب ہے جو ضرورت کے تحت فرض کیا گیا ہے۔ ضرورت ہو گی تو عدل فرض کرلیا جائے گا جیسے بعض کلمات غیر منصرف پڑھے جا رہے تھے سبب

ایک تھا تو وہاں پر عدل کو فرض کیا گیا ہے اور جہاں ضرورت نہیں ہوگی وہاں عدل فرض نہیں کیا جائے گا۔

قال الشارح **تحقیقا معناہ خروجا** ۔ بعض شارحین کی دلیل کا جواب کہ تحقیقاً او تقدیراً یہ خروج کی صفت تو ضرور ہے لیکن صفت بحالہ کے قبیل سے نہیں بلکہ صفت بحال متعلقہ کے قبیل سے ہے تو گویا یہ حقیقت میں تحقیق اور تقدیر معدول عنہ کی صفت ہے نہ کہ خروج کی اور خروج کا متعلق اصل ہے اور تحقیقا بمعنی محقق کے اور تقدیرا بمعنی مقدر کے ہے تو اب حاصل یہ ہوگا یعنی ایسا خروج جو ثابت ہو اصل محقق سے اور ایسا خروج جو ثابت ہو اصل مقدر سے

قال الشارح **کثلث و مثلث و الدلیل علی اصلھما** ۔ عدل کی تقسیم کے بعد امثلہ کا بیان، عدل تحقیقی کی مثال ثلث مثلث کلام عرب میں غیر منصرف پڑھے جا رہے تھے سبب ایک تھا وصف تو اس لئے اس میں عدل کو فرض کر لیا گیا ہے اور اس میں عدل تحقیقی ہے کیونکہ اس کے اصل پر منصرف پڑھنے کے علاوہ مستقل دلیل موجود ہے۔ وہ یہ ہے کہ ثلث کا معنی ہے تین تین اور مثلث کا معنی بھی ہے تین تین اور قاعدہ ہے تکرار معنی دلالت کرتا ہے تکرار لفظ پر لہذا جب معنی میں تکرار ہے تو لفظ میں بھی تکرار ہوگا تو یہ ثلث معدول ہے ثلاثۃ ثلاثۃ سے اور مثلث بھی معدول ہے ثلاثۃ ثلاثۃ سے۔

فائدہ: آپ کا ضابطہ کہ تکرار معنی دلالت کرتا ہے تکرار لفظ پر یہ منقوض ہے اس لئے کہ تثنیہ اور جمع کے معنی میں تکرار ہوتا ہے مگر لفظ میں تکرار نہیں۔

جواب: تثنیہ اور جمع کے لفظ میں بھی تکرار ہے کیونکہ تثنیہ میں الف مستقل کلمہ ہے اور جمع میں واؤ مستقل کلمہ ہے تو گویا دو لفظ ہو گئے لہذا وہاں جب لفظ میں تکرار ہے تو معنی میں بھی تکرار ہے۔

قال الشارح **وعلی ھذا القیاس احاد موحد** ۔ یہاں سے ایک فائدہ کا بیان کہ احاد موحد سے رباع مربع تک تو بالاتفاق یہ غیر منصرف ہیں اور خماس مخمس سے عشار معشر تک اختلاف ہے مولانا جامیؒ نے فرمایا کہ اصح بات یہی ہے کہ یہ بھی غیر منصرف ہیں۔

قال الشارح **لان الوصفیہ** ۔ مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: ثلثۃ ثلثۃ میں وصفیت عارضی ہے اس لئے کہ واضع نے ان کو وضع کیا ہے ایک عدد

معین کے لئے لہذا جب ان میں وصفیت وضع کے اعتبارے سے نہ ہوئی تو وصفیت عارضی ہوئی جب معدول عنہ میں وصفیت عارضی ہوئی تو معدول میں بھی وصفیت عارضی ہوگی۔ حالانکہ غیر منصرف کا سبب وصف اصلی ہوتی ہے عارضی نہیں لہذا یہ کہنا ہی غلط ہے کہ ثلث اور مثلث غیر منصرف ہیں۔

جواب: ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ثلثۃ ثلثۃ میں وصف عارضی ہے لیکن اس سے جو معدول ثلث مثلث ہے ان میں یہ وصف اصلی بن جائے گی کیونکہ قاعدہ ہے العدل فی حکم وضع ثان لہذا جب ثلث میں عدل فرض کرلیا گیا بوقت عدل یوں فرض کیا جائے گا کہ کلمہ کی وضع دوسری مرتبہ ہوئی ہے تو اس کا معنی تین تین اب وصفیت معنی موضوع لہ میں داخل ہوگئی اسی وجہ سے وصف اصلی ہوکر سبب بن جائے گی۔

قال الشارح واخر۔دوسری مثال عدل تحقیقی کے لئے انطباق المثال علی الممثل له کا اُخــرُ کو کلام عرب میں غیر منصرف پڑھا جارہا تھا اور سبب ایک پایا جارہا تھا وصف تو نحویوں نے اس میں عدل کو سبب فرض کرلیا اور اس میں عدل تحقیقی ہے کیونکہ اس کے اصل پر دلیل موجود ہے کہ اس کا اصل الاُخر ہے یا اُخرُ من ہے۔جس پر دلیل یہ ہے کہ اُخرُ جمع ہے اخریٰ کی اور اخریٰ مونث ہے آخر کا اور آخر اسم تفضیل ہے اور اسم تفضیل کی استعمال تین طریقے سے ہوتے ہیں۔(۱)۔الف لام کے ساتھ (۲)۔مــن کے ساتھ (۳)۔اضافت کے ساتھ۔یہاں پر اُخر ان تینوں میں سے کسی ایک کے ساتھ مستعمل نہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ اصل میں کسی کے ساتھ مستعمل تھا پھر اس سے معدول ہوکر اخر ہوگیا۔تو عندالبعض الاخر سے معدول ہے اور عندالبعض اخر من سے معدول ہے۔

قال الشارح ولم یذهب الی تقدیر ۔

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

فائدہ: تم نے اُخر کو مستعمل بہ من اور مستعمل بالف لام سے معدول مانا ہے اضافت سے کیوں معدول نہیں مانتے۔

جواب: اگر اضافت سے معدول مانا جائے تو مضاف الیہ یا تو مذکور ہوتا ہے یا محذوف اور مذکور تو

ہے ہی نہیں لہذا مضاف الیہ مقدر مانا جائے گا حالانکہ ضابطہ یہ ہے کہ جب مضاف الیہ مقدر ہو تو وہاں تین صورتوں میں سے اک صورت ہو (۱)۔ مضاف الیہ کے عوض مضاف پر تنوین آ جاتی جیسے یومئیذ حینئذ (۲)۔۔ مضاف کو مبنی بر ضم کر دیا جائے جیسے قبل بعد (۳)۔ مضاف کا تکرار کیا جائے جیسے یا تیم تیم عدی یہاں سے ان تینوں چیزوں میں سے کوئی چیز نہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ اضافت سے معدول نہیں لہذا یہ معدول ہے الاخر سے یا اخر من سے۔

قال الشارح **لان معناه فی الاصل اشد تاخیرا** ۔

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: ہم تسلیم ہی نہیں کرتے کہ آخر اسم تفضیل ہو کیونکہ یہ کہا جاتا ہے جاء نی زید آخر اس کا معنی ہوتا ہے میرے پاس دوسرا زید آیا تو یہاں آخر غیر کے معنی میں ہے لیکن اشد تاخیر اً کے معنی نہیں تو یہ اسم تفضیل کیسے۔

جواب: آخر استعمال کے اعتبار سے غیر کے معنی میں ہے لیکن اصل وضع کے اعتبار سے اسم تفضیل ہے اور اشد تاخیراً کے معنی میں ہے لہذا آخر اسم تفضیل ہے۔

قال الشارح **وجمع** ۔ یہ غیر منصرف ہے اس لیے اسمیں دو سبب موجود ہیں۔(۱)۔ عدل (۲) وصف۔ اور اس میں عدل تحقیقی ہے اس لئے کہ اس کی اصل پر غیر منصرف پڑھنے کے علاوہ دلیل موجود ہے۔ کہ اس کا اصل ہے جُمَعٌ یا جماعیٰ یا جمعاوات ۔دلیل یہ ہے کہ جُمَعُ جمع ہے جمعاء کی اور جمعاء مونث ہے اجمع کا اور فعلاء مؤنث کی دو قسمیں ہیں۔

(۱)۔ صفتی جو ذات مع الوصف پر دلالت کرے۔ (۲)۔ فعلاء اسمی جو محض ذات پر دلالت کرے اور ضابطہ ہے کہ فعلاء صفتی کی جمع فُعل کے وزن پر آتی ہے جیسے حمراء کی جمع حُمرٌ اور فعلاء اسمی کی جمع مکسر فعالی کی وزن پر اور جمع مونث سالم فعلاوات کے وزن پر آتی ہے جیسے صحراء کی جمع صحاریٰ یا صحراوات آتی ہے اور جمع فعلاء صفتی ہو تو اس کی جمع جمع کے وزن پر ہونا چاہیئے اگر اسمی ہو تو وہ جماعیٰ یا جمعاوات ہونا چاہئے حالانکہ جُمَعُ ان تین وزنوں میں کسی وزن پر نہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ جُمَعُ ان تین وزنوں میں سے کسی سے معدول ہے۔

قال الشارح **علی ما ذکرنا لم یرد** ۔

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: جموع شاذہ اقوس انیب کی اصل اقواس ، انیاب پر بھی دلیل موجود ہے کما مر پھر جُمَعْ کی طرح بھی اس میں عدل تحقیقی ماننا چاہئیے۔

جواب: عدل کے لئے دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ (۱)۔اصل اور معدول عنہ کا موجود ہونا۔ (۲)۔اصل سے اخراج کا اعتبار ہونا یہاں پر اخراج کا اعتبار نہیں کیا گیا اسی وجہ سے ان کو جمع شاذہ قرار دیا گیا ہے۔

قال الشارح **ولا قاعدة للاسم المخرج** -

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: کہ شاید اسم معدول کے لئے کوئی اور ضابطہ ہو اور اقوس اور انیب اس ضابطے کے خلاف معدول ہے اسی وجہ سے ان کو شاذ کہا جاتا ہے۔شاذ ہونے کی یہ وجہ نہ ہو کہ یہ قوس اور ناب کی خلاف قیاس جمع ہے۔

جواب: اس معدول کے لئے سرے سے کوئی قاعدہ ہی نہیں جس کی مخالفت کی وجہ سے ان کو شاذ کہا گیا ہو بلکہ شاذ کا حکم ان پر صرف اسی لئے لگایا گیا ہے کہ یہ خلاف القیاس قوس اور ناب سے ابتداء جمع بنائے گئے ہیں ابتداء۔

فائدہ: شاذ اور عدل کا فرق بھی اس سے ظاہر ہو چکا ہے کہ شاذ وہ ہوتا ہے جو قانون کے خلاف ہو اور عدل وہ ہے جس میں سرے سے قانون ہی نہ ہو۔

قال الماتن **کعمر** ۔عدل تقدیرہ کی مثال کہ کلام عرب میں عمر کو غیر منصرف پڑھا جا رہا تھا اور سبب ایک تھا علیت تو اس میں دوسرا سبب عدل کو فرض کر لیا گیا۔اور یہ عدل تقدیری ہے کیونکہ اس کے معدول عنہ پر غیر منصرف پڑھنے کے علاوہ کوئی دلیل موجود نہیں۔تو اس لئے فرض کر لیا کہ عمر عامر سے معدول ہے اور زفر زافر سے معدول ہے۔

قال الماتن **﴿و باب و قطام فی تمیم﴾**

عدل تقدیری کی دوسری مثال ہے کہ قطام معدول ہے قاطمة سے عدل تقدیری اس لئے کہ اس کے معدول عنہ پر دلیل موجود نہیں۔

سوال: قطام کو قاطمۃ سے معدول کیا ہے قاطم سے کیوں نہیں؟

جواب: قطام چونکہ مونث کا علم ہے تو معدول عنہ بھی مؤنث فرض کیا گیا ہے۔

سوال: باب قطام یہ معطوف ہے عمر پرتو کاف مثلیہ کا جس طرح عمر مدخول ہے اسی طرح باب قطام بھی مدخول ہے لہذا تشبیہ والا معنی پہلے سے مفہوم ہے تو پھر لفظ مثل کا اضافہ کرنا لغو اور مستدرک ہے۔

جواب: شارح نے لفظ مثل کا اضافہ کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ عمر میں بھی عدل تقدیری ہے اور باب قطام میں بھی لیکن وہ اور نوع میں سے ہے اور یہ اور نوع میں سے۔ عمر میں عدل تقدیری حصول منع صرف کے لئے فرض کیا گیا ہے اور باب قطام میں عدل نظائر پر حمل کرنے کے لئے فرض کیا گیا ہے لہذا جب دونوں کے مابین مغایرت تھی تو اس کے طرف اشارہ کرنے کے لئے لفظ مثل کا اضافہ کیا گیا ہے۔

قوله واراد ببابها ۔ صاحب کافیہؒ نے باب قطام میں لفظ باب لا کر جس قاعدہ کی طرف اشارہ کر دیا اس کو مولانا جامیؒ صراحۃً بیان کر رہے ہیں۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر وہ اسم جو فعال کے وزن پر ہو کر غیر ذات الراء میں سے کسی کا علم ہو جیسے قطاب غلاب ایسے اسم کے اندر بنو تمیم عدل تقدیری کا اعتبار کرتے ہیں جیسے باب قطام میں عدل تقدیری پایا جاتا ہے باقی رہی یہ بات اس میں عدل تقدیری کا اعتبار کیوں کیا جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کو اپنے نظائر پر محمول کرنے کے لئے یعنی اس فعال پر محمول کرنے کے لئے جو اعیان مؤنثہ ذات الراء میں سے کسی کا علم ہو جیسے حضار، طمار جیسے طرح ان میں عدل تقدیری کا اعتبار کیا گیا ہے اسی طرح بنو تمیم نے اعیان مؤنثہ غیر ذوات الرء میں بھی عدل تقدیری کا اعتبار کیا ہے اس حمل کی ضرورت کیا تھی کیوں پیش آئی اس کی تفصیل یہ ہے۔

فائدہ: فعال چار قسم پر ہے۔

(۱)۔ **فعال امری** یعنی وہ فعال جو امر حاضر کے معنی میں ہو جیسے نزال انزل کے معنی میں

(۲)۔ **فعال مصدری** یعنی وہ فعال جو مصدر معرفہ کے معنی میں ہوں جیسے فجار بمعنی الفجور

(۳)۔ **فعال صفتی** جو صفۃ کے معنی میں ہو جیسے فساق بمعنی فاسقۃ

(٤)۔ **فعال علمی** یعنی جو اعیان مؤنثہ میں سے کسی کا علم ہو
اور فعال علمی دو قسم پر ہے۔(۱) اعیان جو ذوات الرء میں سے کسی کا نام ہو جیسے حضار طمار (۲) اعیان مؤنثہ غیر ذوات الراء کا علم ہو جیسے قطام، پہلی قسم کا حکم یعنی فعال امری بالاتفاق مبنی ہے اس لئے کہ یہ امر حاضر کے معنی میں ہے اور دوسری قسم فعال مصدری اور تیسری قسم فعال صفتی یہ بھی مبنی ہیں اس لیے کہ یہ فعال امری کے ساتھ عدلاً اور وزناً مشابہ ہیں جس طرح وہ مبنی ہے اسی طرح یہ بھی مبنی ہو جائیں گے اور چوتھی قسم فعال علمی اس کا قسم اوّل یعنی ذوات الراء بنو تمیم کے ہاں یہ بھی مبنی ہیں جیسے حضار طمار۔

سوال: حضار طمار اگرچہ مبنی ہیں لیکن مبنی ہونا اس وقت صحیح نہیں ہو سکتا جب تک اسباب بناء نہ پائے جائیں اور حضار طمار میں دو سبب ہیں علیت اور تانیث لیکن یہ دونوں سبب موجب للبناء نہیں اس لئے بنو تمیم نے تحصیل سبب کے لئے ان میں عدل تقدیری کا اعتبار کر لیا تو عدل تقدیری کا اعتبار کرنے سے عدلاً و وزناً فعال امری کے مشابہ ہو گیا لہذا یہ مبنی ہوگا ایسے ہی حضار طمار میں عدل تقدیری پایا جاتا ہے تا کہ یہ فعال امری کے مشابہ ہو جائے عدلاً و وزناً۔

سوال: فقط وزناً مشابہت کافی کیوں نہیں ہوتی عدل کا ہونا کیوں ضروری ہوتا ہے۔

جواب: اگر عدلاً مشابہت ضروری نہ ہو تو لازم آئے گا سلام، کلام کا مبنی ہونا اسی وجہ سے عدل تقدیری کا اعتبار کیا ہے باقی رہا فعال علمی کا قسم ثانی جو اعیان مؤنثہ میں سے غیر ذوات الراء میں سے کسی کا علم ہو اس کو معرب غیر منصرف قرار دیا ہے اس لئے اس میں اسباب غیر منصرف کے دو سبب موجود ہیں۔ (۱)۔تانیث (۲)۔علیت۔ نیز ان میں عدل تقدیری کا بھی اعتبار کیا گیا ہے لیکن عدل تقدیری کا اعتبار نہ تو تحصیل سبب منع صرف کے لئے اور نہ تحصیل سبب بناء کے لئے بلکہ صرف اس لئے کہ وہ فعال علمی جو اعیان مؤنثہ غیر ذوات الراء کا علم ہو اس کو محمول کیا جائے ذوات الراء پر تا کہ دونوں میں موافقت پیدا ہو جائے لہذا ذوات الراء میں عدل تقدیری کا اعتبار تحصیل سبب بناء کے لئے اور غیر ذوات الراء میں نظائر پر حمل کرنے کیلئے۔

قال الشارح **ولهذا يقال ذكر باب قطام** ۔ یہی وجہ ہے صاحب کافیہؒ پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ قطام کا ذکر یہاں محل نہیں کیونکہ بحث تو اس اسم کے اندر ہے جہاں عدل

تقدیری کا اعتبار کرنا تحصیل سبب منع صرف کے لئے ہو۔

جواب: صاحب کافیہؒ کی طرف سے جواب دیا جاسکتا ہے کہ صاحب کافیہؒ کی غرض اس بات کو بیان کرنا ہے کہ کبھی عدل کا اعتبار کرنا غیر منصرف کے سبب کے حصول کے لئے ہوتا ہے جیسے ماقبل میں اور کبھی عدل تقدیری کا اعتبار غیر منصرف کے سبب کے لئے نہیں ہوتا بلکہ نظائر پر محمول کرنے کیلئے۔

فائدہ: بنو تمیم نے دونوں فعال علمی کے دونوں قسموں میں تفرقہ کیوں پیدا کیا۔

جواب: اگر فعال علمی کے پہلی قسم ذوات الراء کو بھی معرب قرار دیا جائے تو ثقل بڑھ جاتا ہے کیونکہ پہلی قسم کی آخر میں راء ہے یہ بھی ثقیل ہے اور جب یہ معرب ہوگا تو اس پر حرکات مختلفہ آئیں گی جس سے ثقل حد سے بڑھ جائے گا بخلاف قسم ثانی کے اس کے آخر میں کوئی ایسے چیز نہیں جس کی وجہ سے شدۃ ثقل پیدا ہو جائے۔

قولہ انما قال فی تمیم ۔سوال مقدر کا جواب

سوال: فی تمیم کی قید سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کا کوئی مقابل بھی ہے۔

جواب: بنی تمیم کا مقابل اہل حجاز ہے کہ ان کے ہاں فعال علمی کے دونوں قسمیں مبنی ہیں۔لہذا وہ فیما نحن فیه سے خارج ہے کیونکہ ہماری بحث تو اس وقت غیر منصرف کی چل رہی ہے۔

قولہ والمراد من بنی تمیم ۔

سوال: فی تمیم سے معلوم ہوتا ہے کہ بنو تمیم فعال علمی کی قسوم اوّل اور قسم ثانی ہر دونوں میں عدل تقدیری کا اعتبار کرتے ہیں حالانکہ بنو تمیم کے اکثر کتابوں میں لکھا ہے کہ بنو تمیم نہ ہی قسم اوّل میں عدل تقدیری کا اعتبار کتے ہیں اور نہ ہی قسم ثانی میں۔

جواب: فی تمیم سے مراد اکثر بنو تمیم ہیں اور یہ ذوات الراء اور غیر ذوات الراء میں فرق کرتے ہیں لیکن بعض بنو تمیم کے ہاں دونوں قسمیں معرب غیر منصرف ہیں۔لہذا ان کے مذہب پر عدلی تقدیری ماننے کی ضرورت ہی نہیں۔

﴿دوسرا سبب وصف﴾

قال الماتن الوصف ۔مصنفؒ پہلے سبب عدل کے بیان سے فارغ ہونے کے بعد اب دوسرا سبب وصف کو بیان کرنا چاہتے ہیں۔فالوصف میں فاء تفصیلیہ اور الف لام عہدی ہے اس

سے مرادوہی وصف ہے جو فی الشعر مذکور ہے۔وصف کا لغوی معنی۔ہے بیان کرنا اور تعریف و هـو
كون الاسم و الاعلى ذات مهمة ما خوذة مع بعض صفاتها
تعریف :وصف وہ اسم ہے جو دلالت کرے ذات مبھمہ پر جس میں کسی وصف کا لحاظ ہو۔

قال الشارح كون الاسم ۔ مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: وصف کو غیر منصرف کے اسباب سے شمار کرنا درست نہیں اس لئے کہ وصف ایسے اسم کو کہا جاتا ہے جو کسی ذات مبہم پر دال ہو کسی وصف کے ساتھ جیسے احـمـر یہ دال ہے ایسی ذات پر جس میں سرخی والی وصف پائی جائے اور وصف اس معنے کے اعتبار سے تو عین اسم ہے اور محض وصف نہیں حالانکہ غیر منصرف کے تمام اسباب محض وصف ہوتے ہیں عین اسم نہیں۔
لہذا وصف کو سبب قرار دینا غلط ہے۔

جواب: وصف کا مشہور معنی مراد نہیں بلکہ وصف کا یہ معنی مراد ہے کہ كـون الاسـم د الاعـلـى ذات مبـهـمة ما خوذة مع بعض صفاتها ۔کسی اسم کا اس طور پر ہونا جو کسی ذات مبھمہ پر مع بعض صفات دال ہو یعنی ایسی ذات پر دال ہو جس میں کوئی وصف ملحوظ معتبر ہو یہ بات ظاہر ہے کہ وصف بایں معنی اوصاف اسم میں سے ہے نہ کہ عین اسم کیونکہ کـون اوصاف میں سے ایک وصف ہے لہذا اس کو اسباب منع صرف سے شمار کرنا صحیح ہوگا۔

قال الشارح سواء كانت الى آخره ۔ تعیم کا بیان برائے دفع دخل مقدر

سوال: کـون الاسـم اسمیت سے متبادر الی الذھن یہ ہے کہ دلالت باعتبار وضع کے ہواب تعریف کا حاصل یہ ہوا کسی اسم کا اس طور پر ہونا جو کسی ذات مبھمہ پر دال ہو اور وصف بایں معنی تو مختص ہے وصف اصلی کے ساتھ لہذا ما بعد کے اندر صاحب کافیہؒ کا وصف اصلی کی شرط لگانا یہ لغو ورمستدرک ہو جائے گا۔

جواب: کہ وصف کی تعریف میں جو دلالت کا لفظ آ رہا ہے یہ عام ہے کہ خواہ باعتبار وضع کے ہو جیسے احـمـر یہ اس ذات کے لئے موضوع جس پر وصف سرخی ملحوظ ہو یا وہ دلالت باعتبار استعمال کے ہو جیسے اربع جو کہ مررت بنسوة اربع میں واقع ہے واضع نے اربع کو ایک عدد معین کے لئے وضع کیا جس میں وصف کا شائبہ ہی نہیں لیکن اس مثال میں عارضی طور پر وصف بن گئی ہے کیونکہ

نسوۃ موصوف ہے اور اربع اس کے لئے صفت ہے تو لہذا جب دلالت میں تعمیم ہو گئی تو وصف کی دونوں قسمیں داخل ہو گئی تو ضرورت پڑی شرط کی تو مصنفؒ نے شرط ذکر کرتے ہوئے کہا شرطہ ان یکون فی الاصل لہذا یہ عبارت لغو اور مستدرک نہیں ہوگی۔

قال الشارح **شرط الوصف فی سببیت** ۔ مولانا جامیؒ کی غرض ضمیر کے مرجع کا بیان ہے اور سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: جب وصف کے تحقق اور موجود ہونے کے لئے وصف اصلی کے لئے شرط ہے تو پھر وصف کی تقسیم اصلی اور عارضی کی طرف بیکار ہو جائے گی حالانکہ یہ تقسیم بلکل صحیح اور وصف عارضی بھی موجود اور مستعمل ہے جیسے مررت بنسورۃ اربع۔

جواب: جس کا حاصل یہ ہے کہ وصف اصلی کی شرط ذات وصف کے لئے نہیں بلکہ غیر منصرف کے سبب بننے کے لئے ہے کہ وصف اصلی سبب بنے گی لیکن وصف عارضی غیر منصرف کی سبب نہیں بن سکتی۔ لہذا وصف کی تقسیم اصلی اور عارضی کی طرف صحیح ہو جائے گی۔

قال الشارح **الذی ھو الوضع** ۔ مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: الاصل معرفہ ہے کہ پہلے عدل کی تعریف میں الاصلیت میں ذکر ہو چکا ہے اور قاعدہ ہے کہ المعرفۃ اذا اعیدت معرفۃ تکون عین الاولی۔ لہذا وہاں اصل کا معنی قاعدہ اور قانون تھا اور یہاں پر بھی یہی ہوگا اب مطلب یہ ہوگا کہ وصف قاعدہ اور قانون کے مطابق ہو اور یہ بات ظاہر ہے کہ مررت بنسورۃ اربع میں لفظ اربع کا وصف ہونا قاعدہ اور قانون کے مطابق ہے حالانکہ یہ وصف سبب نہیں ہے۔

جواب: الاصل پر جو الف لام ہے یہ عہد خارجی کا ہے جس سے مراد وضع ہے۔

سوال: اگر اصل سے مراد وضع ہے تو پھر علامہ ابن حاجب کو یوں کہنا چاہئے تھا ان یکون فی الوضع تو وضع کو اصل سے تعبیر کرنے کا کیا فائدہ اور حکمت ہے۔

جواب: اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل کا معنی ہوتا ہے ما یبتنی علیہ غیرہ اور وضع پر بھی غیر کی بنا ہوتی ہے مثلاً دلالت مطابقی اور تضمنی اور التزامی کی بناء وضع پر ہے اس لئے الاصل سے تعبیر کیا۔

قال الماتن **بان یکون وضعہ علی الوصفیۃ** ۔

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: الاصل پر فی داخل ہے اور فی ظرفیۃ کے لئے آیا کرتا ہے۔ حالانکہ الاصل نہ ظرف زمان ہے نہ ظرف مکان۔

جواب: فی بمعنی عند کے ہے مقصد عبارت کا یہ ہے کہ وصف کی شرط یہ ہے کہ وہ بوقت وضع وصف ہو۔

قوله **سواء بقی علی الوصفیة** ۔ تعمیم کا بیان برائے دفعہ دخل مقدر۔

سوال: ماقبل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ وصف کے غیر منصرف سبب بننے کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ وصف اصلی ہو اس سے متبادر الی الذہن یہ ہے کہ وہ وصفیت جمیع احوال باقی رہے حالانکہ اسود اور ارقم میں اسمیت والا معنی مراد اور متعین ہے وصفیت والا معنی مراد نہیں۔

جواب: اس کی شرط یہ کہ وصف اصلی ہو اسمیں تعمیم ہے خواہ وصف والا معنی باقی رہے یا اس سے زائل ہو جائے لیکن یہ زوال بالکلیت مراد نہیں بلکہ من وجہ زائل ہو اور من وجہ باقی رہے۔

قال الماتن **فلا تضره الغلبة** ۔ ماقبل پر تفریع کا بیان ہے جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ وصف کے غیر منصرف سبب بننے کے لئے شرط وصف اصلی ہیت تو اس پر تفریع بیان کی کہ فلا تضره الغلبة کے وصف اصلی کے لئے غلبہ مضر نہیں یعنی غلبہ اسمیت علی الوصفیت کوئی مضر نہیں۔

قال الشارح **بان تخرجه عن سببية** ۔

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: وصف اصلی میں تو ابہام ہوتا ہے غلبہ اسمیت علی الوصفیت میں رفع ابہام ہوتا ہے تو غلبہ اسمیت علی الوصفیت یقیناً وصفت اصلی کے لئے مضر ہوا تو آپ نے ضرر کی نفی کیسے کردی۔

جواب: مولانا جامیؒ نے جواب دیا کہ ضرر سے مطلق ضرر کی نفی مقصود نہیں بلکہ ایسے ضرر کی نفی مقصود ہے جو وصف اصلی کو غیر منصرف کا سبب بننے سے نکال دے۔ اس کے قسم کا ضـــــرر غلبہ اسمیت علی الوصفیت کی وجہ سے واقع نہیں ہوتا۔ خلاصہ یہ ہوا کہ غلبہ اسمیت علی الوصفیت وصف اصلی کے سبب بننے کے لئے مضر نہیں ہم نے اسی ضرر کی نفی کی ہے۔

قال الماتن **ای غلبة الاسمیة** ۔ شارح یہ بتا رہے ہیں کہ الغلبۃ پر الف لام یا تو مضاف الیہ کے عوض ہے اصل میں تھا غلبۃ الاسمیۃ علی الوصفیۃ یا الف لام عہدی ہے کہ غلبہ

سے مراد مطلق غلبہ نہیں بلکہ غلبہ اسمیت مراد ہے۔

قال الماتن **و معنی الغلبۃ اختصاصہ** ۔

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: تم نے کہا غلبہ اسمیت علی الوصفیۃ وصف اصلی کے لئے مضر نہیں۔ حالانکہ اسود کو جب کہ کسی ابیض کا نام رکھ دیا جائے تو یہ غلبہ اسمیت وصف کے لئے مضر بن جاتا ہے اس لئے کہ یہ غیر منصرف کا سبب نہیں بنتا بلکہ یہ منصرف ہو جاتا ہے۔

جواب: غلبہ اسمیت علی الوصفیت کا معنی آپ نے جو بیان کیا ہے یہ نہیں بلکہ غلبہ اسمیت کا معنی یہ ہے کہ اسم کا اپنے افراد میں سے بعض افراد کے ساتھ اس طور پر خاص ہونا کہ اسم اس پر دلالت کرنے میں کسی قرینے کا محتاج نہ ہو مثال کے طور پر اسود ہر ایسی چیز کو کہا جاتا ہے جس میں سیاہی والی وصف پائی جائے اور افراد بہت سارے ہوں۔ جن میں سے ایک فرد سیاہ سانپ بھی ہے اب اسود کا اپنے افراد میں سے ایک فرد سیاہ سانپ کے ساتھ اس طور پر خاص ہو گیا کہ اس پر دلالت کرنے میں کسی اور قرینے کا محتاج نہیں اور مادہ نقض آپ نے جو پیش کیا ہے اسود کا اطلاق ابیض پر ہو گیا اس سے تو اسود اپنے افراد سے نکل چکا ہے اس سے وصفیت بالکلیہ زائل ہو چکی ہے لہذا یہ سبب نہیں بن سکتا۔

قال الشارح **بحیث لا یحتاج فی الفهم** ۔

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: اگر اسود کسی رجل اسود کا نام رکھ دیا جائے تو اس پر غلبہ کی تعریف صادق آتی ہے کہ اختصاص الاسم ببعض افرادہ کیونکہ یہ رجل اسود بھی اسود کے افراد میں سے ایک فرد ہے تو اس کو وزن فعل اور وصف اصلی کی وجہ سے غیر منصرف ہونا چاہیئے حالانکہ علمیت اور وزن فعل کی وجہ سے غیر منصرف ہوا کرتا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ غلبہ اسمیت مضر ہوتا ہے۔

جواب: سائل جی یہاں ایک اور قید بھی ملحوظ اور معتبر ہے۔ بحیث لا یحتاج کہ اسم اپنے بعض افراد کے ساتھ اس طرح خاص ہو کہ بغیر قرینہ کے وہی افراد اس سے سمجھے جائیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ اسود سے رجل اسود بغیر قرینہ کے نہیں سمجھا جاتا بلکہ قرینہ ضروری ہوا کرتا ہے۔

قال الشارح فذالک ۔ ماقبل پر تفریع کا بیان کہ ماقبل میں دو امر گذرے ہیں ا۔ وصف کے غیر منصرف سبب بننے کے لئے وصف اصلی کا شرط ہونا۔ ۲۔ غلبہ اسمیت علی الوصفیۃ یہ وصف کے لئے مضر نہ ہونا۔

قال الشارح المذکور من اشتراط الاصالۃ الوصفیۃ ۔

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: کہ جب ماقبل میں دو امر گذرے ہیں تو ذالك سے اشارہ بھی انہی امرین کی طرف ہوگا تو اسم اشارہ تثنیہ کا لانا چاہئے تھا مفرد کیوں لایا گیا۔ لہذا اشارہ اور مشار الیہ میں مطابقت نہ ہوئی۔

جواب: مولانا جامیؒ نے جواب دیا کہ ذالك کا مشار الیہ امرین ہے لیکن بتاویل المذکور کے اور المذکور من حیث المذکور امر واحد ہے لہذا اسم اشارہ مفرد لانا درست ہوا۔

قولہ صرف لعدم اصالۃ ۔ یہاں سے دو تفریعوں کا بیان ایک امر اوّل پر اور ایک امر ثانی پر صرف سے امر اوّل پر تفریع کا بیان اور وامتنع سے امر ثانی پر۔

پہلی تفریع کا حاصل: یہ ہے کہ جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ وصف کے غیر منصرف بننے کے لئے وصف اصلی ہونا شرط ہے تو مررت بنسوۃ اربع کے اندر اربع یہ منصرف ہے کیونکہ اس میں وزن فعل اور وصفیت ہے لیکن وصفیت عارضی ہے لعدم اصالۃ الوصفیۃ وصف اصلی نہیں۔

اربع فی قولھم: نکال کر مولانا جامیؒ نے اس بات کی تنبیہ کردی کہ صاحب کافیہؒ نے ذکر تو پورا جملہ کیا لیکن مراد اس سے لفظ اربع ہے نہ کہ مررت بنسوۃ اربع پورا جملہ۔ وامتنع سے دوسری تفریع کا بیان من الصرف نکال کر امتنع کے صلے کو بیان کردیا کہ اسود، ارقم کا وجود ممتنع نہیں بلکہ ان کا منصرف ہونا ممتنع ہے۔

لعدم مضرۃ الغلبۃ امر ثانی پر تفریع کہ غلبۂ اسمیت علی الوصفیت جب مضر نہیں تو اسود، ارقم، ادھم غیر منصرف ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر چہ ان میں غلبۂ اسمیت علی الوصفیت ہے لیکن وصف اصلی کے لئے مضر نہیں باقی رہی یہ بات کہ غلبہ اسمیت علی الوصفیۃ کیسے ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسود اصل میں موضوع ہے ہر سیاہ چیز کے لئے اس کے افراد میں سے ایک سانپ ہے اس طرح ارقم کی وضع اصل ایسے چیز کے لئے ہے جس میں سواد و بیاض ہو۔ جس کے افراد میں

سے ایک فرد سانپ بھی ہے جس میں سواد و بیاض تھا تو اس کا نام ارقم رکھ دیا گیا۔

اسی طرح ادھم یہ موضوع ہے ہر اس چیز کے لئے جس میں دھمت سیاہی ہو۔ اس کے افراد میں سے ایک فرد سیاہ ہوہے کی بیڑی بھی ہے تو ادھم اس کا نام رکھ دیا تو یہ تمام کے تمام اسماء من وجہ وصفیت سے خارج ہو گئے تو غلبہ اسمیت علی الوصفیت کی وجہ سے لیکن اصل وضع کے اعتبار سے ان میں وصفیت والا معنی باقی ہے۔ یہ تمام کے تمام اسماء غیر منصرف ہے باقی غیر منصرف کیوں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں ایک سبب تو وصف اصلی ہے جو من وجہ باقی ہے دوسرا سبب وزن فعل ہے۔

قال الماتن متن ﴿**وضعف منع افعیٰ للحیة و اجدل للصقر و اخیل للطائر**﴾

علامہ ابن حاجب نے اس جملہ میں سوال مقدر کا جواب دیا۔

سوال : کہ وصف اصلی کے لئے غلبۃ اسمیت مضر نہیں تو افعیٰ اور اجدل اور اخیل کو وصف اصلی کی وجہ سے غیر منصرف ہونا چاہئے حالانکہ ان کا منصرف ہونا قوی ہے غیر منصرف ہونا ضعیف ہے۔ باقی رہی یہ بات ان میں وصف اصلی کیسے ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ افعیٰ مشتق ہے فعوۃ سے بمعنی ہر خبیث چیز مگر بعد میں یہ سانپ کا نام رکھ دیا گیا۔ اسی طرح اجدل مشتق ہے جدل سے بمعنی قوۃ مگر بعد میں یہ مختص ہو گیا شکرے کے ساتھ اسی طرح اخیل مشتق ہے خیلان سے بمعنی سیاہ نکتہ۔ مگر بعد میں یہ خاص ہو گیا ایک پرندے کے ساتھ اُلو ہے یا تیتر۔ لہذا وصف اصلی کے باوجود منصرف پڑھنا دلیل ہے اس بات کی کہ غلبۃ اسمیت مضر ہے۔

جواب : معترض صاحب یہ بات ٹھیک لیکن ان کا غیر منصرف ہونا ضعیف ہے لیکن غلبہ اسمیت کی وجہ سے نہیں بلکہ اس وجہ سے ہے کہ ان اسماء میں وصف کا پایا جانا یقینی نہیں تھا ظنی اور وہمی تھا جب کہ غیر منصرف کا سبب وصف اصلی یقینی ہوا کرتا ہے نہ کہ ظنی۔

قال الشارح **مع ان الاصل فی الاسم** ۔

سوال : اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ ان کا انصراف عدم انصراف یکساں ہوتا کیونکہ اگر ان میں وصف اصلی کا ہونا قطعی نہیں تو عدم وصفیت بھی تو یقینی نہیں ہے حالانکہ غیر منصرف ہونا ضعیف اور منصرف ہونا قوی، یہ ضعف اور قوۃ کیوں ہے؟

جواب: ان میں انصراف قوی اس لئے ہے کہ اصل اسماء میں منصرف ہونا ہے اس لئے ان کا منصرف ہونا قوی ہے اور غیر منصرف ہونا ضعیف ہے۔

﴿تیسرا سبب تانیث﴾

متن ﴿التانیث﴾

اسباب منع صرف میں سے تیسرے سبب تانیث کا بیان۔ تانیث کا لغوی معنی ہے مؤنث بنانا۔ نحاۃ کے اصلاح میں مؤنث وہ ہے جس میں علامت تانیث میں سے کوئی علامت پائی جائے علامت تانیث تین ہیں۔ (۱) الف ممدودۃ (۲) الف مقصورہ (۳) تاء۔

فائدہ: تاء تانیث کی پانچ شرائط ہیں (۱)۔ زائدہ ہو (۲)۔ متحرک ہو (۳)۔ ماقبل مفتوح ہو (۴)۔ اسم کے آخر میں ہو (۵)۔ وقف کی حالت میں ھاء سے بدل جائے۔ اس تاء کو تائے مدورہ بھی کہا جاتا ہے جس کے مقابلہ میں تاء طویلہ آتی ہے۔ پھر تاء تانیث حاصل بالتاء کی دو قسمیں ہیں۔

(۱)۔ تانیث لفظی (۲)۔ تانیث معنوی۔ اگر تاء لفظوں میں ہو تو تانیث لفظی کہا جاتا ہے اور اگر اگر تاء مقدر ہو تو تانیث معنوی۔ جیسے ارض اور تانیث حاصل بالالفین بلاشرط غیر منصرف کا سبب بنتی ہے۔ بلکہ ایک ہی سبب قائم مقام دوسبب کے ہوتا ہے۔ یہاں پر اسکی تفصیل بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ دوقسمیں تانیث لفظی اور تانیث معنوی کی تفصیل بیان کرنا مقصود ہے اس لئے کہ ان کے لئے شرائط ہیں۔

قال الشارح **اللفظی**۔ مولانا جامیؒ نے التانیث کے بعد اللفظی نکال کر یہ بتادیا کہ تانیث سے مراد مطلق تانیث نہیں بلکہ تانیث لفظی مراد ہے جس پر قرینہ مابعد میں لفظ معنوی ہے۔ اس لیے کہ اس کا تقابل اس کے ساتھ تب ہی درست ہوسکتا ہے جب تانیث سے مراد تانیث لفظی ہو۔

قولہ **الحاصل بالتاء**۔ جار مجرور کے متعلق کو بیان کیا ہے نیز اس طرف اشارہ کردیا کہ یہ ظرف مستقر ہوکر وصفیت ہے تانیث لفظی کی۔

قال الشارح **لا بالالف بالتاء**۔ کی قید کے فائدہ کا بیان کہ بالتاء والی قید احترازی ہے

اس سے تانیث حاصل بالالف کا خارج کرنا ہے

فانہ لا شرط لہ: سے وجہ احتراز کا بیان کہ تانیث لفظی حاصل بالالفین کے غیر منصرف بننے کے لئے شرط ہی نہیں کیونکہ یہ تانیث قوی ہے بغیر کسی شرط کے سبب بن جاتی ہے۔

قال الشارح **فی سببیۃ منع الصرف** ۔ اس عبارت سے مولانا جامیؒ نے بتادیا کہ علمیت یہ تانیث بالتاء کے وجود کے لئے شرط نہیں بلکہ اس کے غیر منصرف سبب بننے کے لیے شرط ہے۔او علمیت الاسم یہ عبارت نکال کر یہ بات بتادی کہ العلمیت پر الف لام مضاف الیہ کے عوض ہے بلکہ تانیث حاصل بالتاء علم ہونا مراد نہیں بلکہ اس اسم مونث کا علم ہونا مراد ہے یہ الف لام عہدی ہے اب اس کا حاصل یہ ہوا کہ تانیث لفظی حاصل بالتاء غیر منصرف سبب بننے کی شرط یہ ہے کہ جس اسم مؤنث میں یہ تانیث پائی جائے وہ اسم مؤنث کا علم ہو۔

قال الشارح **لیصیر التانیث لازما تانیث** ۔تانیث لفظی کی شرط مذکور کی علۃ کا بیان کہ اس کے لئے دو دلیلیں ہیں۔(۱)۔ لانّ الاعلام (۲)۔لان العلمیۃ سے ہے۔

پہلی دلیل : کا حاصل یہ ہے کہ اعلام میں بلاضرورت تغیر تبدل نہیں ہوتا تو جب اعلام میں تغیر تبدل نہیں ہوتا تو علمیت کی وجہ سے تانیث میں بھی تبدیل وتغیر نہیں ہوگا تو اس سے تانیث لازم ہوجائے گی۔

دوسری دلیل: کا حاصل یہ ہے کہ علم جو ہوتا ہے گویا کہ یہ لفظ کی وضع ثانی کے حکم میں ہوتا ہے اور قاعدہ ہے کہ جو کلمہ جن حروف پر وضع کیا جائے وہ حروف کلمہ سے جدا نہیں ہوتا تو لہذا جب تانیث بالتاء میں علمیت پائی جائے گا تو تانیث لازم ہوجائے گی جدا نہیں ہوسکے گی۔

قال الشارح **التانیث المعنوی کذالک** ۔مولانا جامیؒ نے المعنوی سے پہلے التانیث نکال کر یہ بتادیا کہ یہ صفت ہے جس کا موصوف التانیث محذوف ہے۔

قال الشارح **ای کالتانیث** ۔مشبہ بہ کا بیان کہ تانیث معنوی تانیث لفظی حاصل بالتاء کی طرح فی شرط العلمیت: وجہ تشبیہ کا بیان کہ یہ تشبیہ علمیت کے شرط ہونے میں جس طرح تانیث لفظی حاصل بالتاء میں اسم مؤنث کا علم ہونا کا شرط ہے اسی طرح تانیث معنوی میں بھی اسم کا ہونا شرط ہے۔

قال الشارح **الا ان بینھما فرقا** ۔

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: جب دونوں کی شرط ایک ہی ہے تو صاحب کافیہ کو چاہئے یہ تھا کہ یوں کہتے التانیث مطلقا شرطه العلمیت تو اس صورت میں عاربت میں اختصار بھی ہو جاتا۔

جواب: کہ باوجودیکہ ان دونوں میں اسم کا مؤنث کا ہونا شرط ہے لیکن پھر بھی فرق ہے کہ تانیث لفظی حاصل بالتاء میں علمیت کی شرط وجوبی ہے لیکن تانیث معنوی میں علمیت شرط جوازی ہے باقی رہا سوال یہ فرق کیسے معلوم ہوا؟

جواب: یہ ہے کہ صاحب کافیہ کا ان دونوں قسموں کو جدا جدا بیان کرنا ہے جس سے فرق معلوم ہوتا ہے۔

قوله ولا بد فی وجوبه ۔مولانا جامیؒ کی غرض صاحب کافیہؒ کی آنے والی عبارت کا مقصد بیان کرنا ہے کہ جب ماقبل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ تانیث معنوی کے لئے علمیت شرط جوازی ہے وجوبی نہیں تو ضرورت تھی اس بات کو بیان کرنا کہ تانیث معنوی کے لئے شرط وجوبی کیا ہے تو صاحب کافیہؒ نے شرط تحتم تاثیره سے بیان کیا۔

قال الماتن ﴿شرط تحتم تاثیره﴾

قال الشارح ای شرط وجوبه ۔یہ تفسیر غیر المشهور بالمشهور ہے کہ تحتم یہ غیر مشہور لفظ ہے جس کا معنی وجوب ہے (ہ) ضمیر کا مرجع مؤنث معنوی ہے اب عبارت کا مطلب یہ ہوگا کہ شرط تانیث معنوی کے وجود کے لئے نہیں بلکہ غیر منصرف سبب بننے کے لئے ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ تانیث معنوی کے غیر منصرف کے سبب وجوبی بننے کے لئے احد الامور الثلاثه شرط ہے۔امور ثلاثہ میں سے

امر اوّل: کہ وہ کلمہ زائد علی الثلاث ہو جیسے زینب

امر ثانی:۔ثلاثی متحرک الاوسط ہو جیسے سقر

امر ثالث:۔اگر متحرک الاوسط بھی نہ ہو تو ثلاثی ساکن الاوسط ہو کر عجمہ ہو جیسے ماہ اور جور کہ یہ ثلاثی بھی ہے ساکن اوسط بھی لیکن اس میں عجمہ پایا جاتا ہے اس لئے کہ غیر منصرف ہے اس کو عبارت سوال مقدر کا جواب بھی بنایا جا سکتا ہے۔

سوال: شرط تحتم تاثیره مبتداء ہے اور الزیادة علی الثلاثة مع معطوفین اس کی خبر ہے

ترجمہ یہ ہوگا تانیث معنوی کے تحتم تاثیر کی شرط زیادۃ علی الثلاثہ و تحرك الاوسط و عجمہ کا مجموعہ ہے یعنی تینوں کا بیک وقت پایا جانا ضروری ہے حالانکہ یہ غلط ہے ان میں سے صرف کسی ایک کا پایا جانا ضروری ہے۔

جواب: شارح نے جواب دیا احد الامور الثلاثہ کہ یہاں خبر مجموعہ نہیں بلکہ کل واحد ہے بعنوان دیگر عطف مؤخر ہے اور حکم مقدم ہے اور لفظ او مانعۃ الخلو کے لئے ہے تو مراد اس سے احد الامور الثلاثہ ہے۔

قال الشارح **ای زیادۃ حروف الکلمۃ علی ثلاثۃ** ۔

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: متبادر الی الذهن الزیادۃ سے زیادۃ علی ثلاثۃ الحرکات ہے جس کا مطلب یہ ہوگا تانیث معنوی والا کلمہ تین حرکات سے زائد پر مشتمل ہو۔

جواب: یہاں سے زائد علی الثلاث سے مراد حرکات نہیں بلکہ حروف ہیں۔

قال الشارح **و انما اشترط فی وجوب** ۔تانیث معنوی کی شرط وجوبی کی علۃ کا بیان۔

سوال: تانیث معنوی کی تاثیر وجوبی کے لئے احد الامور الثلاثہ کو کیوں شرط قرار دیا۔

جواب: اگر تانیث معنوی میں احد الامور الثلاثہ کو شرط نہ قرار نہ دیا جائے تو یہ کلمۃ انتہائی خفیف ہو جائے گا کیونکہ وہ کلمہ ثلاثی ساکن الاوسط عربی ہوگا جو کہ خفیف ہوا کرتا ہے اور اس کی خفت احد السببین کے مقابل آجائے گے اور اس کو اثر کرنے سے یعنی غیر منصرف کا سبب بننے سے روک دیگی تو علۃ واحدہ باقی رہ جائے گی جس سے کلمۃ غیر منصرف نہ ہوگا اسلئے احد الامور الثلاثہ کو شرط قرار دے دیا تاکہ ان سے کلمہ میں ثقل پیدا ہو جائے جس سے خفت زائل ہو جائے گی تو دونوں سبب باقی رہیں گے اور موثر رہینگے۔ باقی رہی یہ بات کہ ان امور ثلاثہ سے ثقل کیسے پیدا ہوتا ہے زائد علی الثلاثہ سے اور تحرك الاوسط کا ثقیل ہونا تو بالکل واضح ہے اور عجمہ سے ثقل اسی طرح پیدا ہوتا ہے اہل عجم کی لسان اہل عرب پر ثقیل ہوتی ہے۔

قال الشارح **فهند منصرف نظراً** ۔شرائط مذکور پر تفریع کا بیان کہ ھند کا انصراف بھی جائز اور عدم انصراف بھی اگر ھند میں یہ لحاظ کیا جائے کہ اس میں تانیث معنوی کی تاثیر وجوبی کی

شرط نہیں پائی جاتی یعنی احد امور الثلاثه تو اس کا منصرف پڑھنا جائز ہے اگر یہ لحاظ کیا جائے کہ تانیث معنوی کی تاثیر جوازی کی شرط علیت پائی جاتی ہے تو اس کو غیر منصرف پڑھنا جائز ہے۔

یاد رکھیں مولانا جامیؒ نے اس تفصیل سے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یجوز سے جو امکان سمجھ میں آ رہا ہے اس میں امکان خاص مراد ہے یعنی نہ انصراف واجب ہے نہ عدم انصراف۔

قال الشارح **وزینب وسقر** ۔ ماقبل پر دوسری تفریع کا بیان ہے زینب، سقر، ماہ، جور کا غیر منصرف پڑھنا واجب ہے اور انصراف ممتنع ہے اس لئے کہ ان میں دو سبب موجود ہیں۔ تانیث معنوی اور علیت ہے اور تانیث معنوی کی تاثیر وجوبی کی شرط احد امور الثلاثه بھی پائی جاتی ہے کہ اوّل مثال زائد علی الثلاثه ہے کی ہے ثانی مثال ثلاثی متحرک الاوسط کی ہے اور تیسری مثال عجمہ کی ہے۔

فائدہ: شرط تحتم تاثیرہ تین اضافتوں میں مشتمل ہے۔ (۱)۔ شرط کی اضافت تحتم کی طرف (۲)۔ تحتم کی اضافت تاثیر کی طرف (۳)۔ تاثیر کی اضافت (ہ) ضمیر کی طرف جیسا قرآن مجید میں بھی ذکر رحمت ربك۔

قال الشارح **﴿فان سمی به مذکر فشرطه الزیادة علی الثلثه﴾**

تانیث معنوی کے لئے احد الامور الثلاثہ اس وقت شرط ہے جب مؤنث کا علم ہو اگر کسی مذکر کا علم ہو تو پھر احد الامور ثلاثہ والی شرط کافی نہیں بلکہ اس کی شرط فقط یہ ہے کہ وہ کلمہ زائد علی الثلاثہ ہو لیکن باقی امرین یعنی تحرک اوسط اور عجمہ کا ہونا کافی نہیں اس لئے کہ جب مؤنث معنوی والا کلمہ سے کسی مذکر کا علم ہو جائے گا تو تانیث بالکلیت زائل ہو جاتی ہے جب کہ غیر منصرف بننے کے لئے شرط قوی کی ضرورت ہے اور قوی ان امور ثلاثہ میں سے زائد علی الثلاثہ ہے۔ اس لئے کہ حرف رابع قائم مقام تائے تانیث مقدرہ کے ہوتا ہے بخلاف تحرک اوسط کے کہ وہ نائب ہے حرف رابع کا اور حرف رابع نائب ہے تاء کا تو حرف اوسط کا متحرک ہونا یہ نائب النائب ہوا اس کا اعتبار کرنا غیر مناسب ہے اسی طرح عجمہ بھی سبب معنوی ہے وہ بھی ضعیف ہے۔

خلاصہ: تانیث بالتاء کے لئے صرف علیت شرط ہے خواہ وہ مذکر کا علم ہو یا مؤنث کا اگر تانیث معنوی اگر مؤنث کا علم ہو تو اس کی شرط احد الامور ثلاثہ اور علیت ہے اگر تانیث معنوی والا کلمہ

کسی مذکر کا علم ہو تو اس میں ایک علمیت کی شرط دوسری زائد علی الثلاث کی ہے۔

قال الشارح اى بالمؤنث المعنوى ۔

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: کہ ہ) ضمیر کا مرجع کیا ہے۔ جس میں دو احتمال ہیں۔(۱)۔ تانیث معنوی (۲)۔ مؤنث معنوی۔ دونوں باطل ہیں اوّل اس لئے باطل ہے کہ مطلب یہ ہوگا اگر تانیث معنوی کو کسی کا علم بنا دیا جائے حالانکہ تانیث معنوی تو سرے سے ہی علم نہیں ہوتی اور دوسرا اس لئے باطل ہے کہ اس صورت میں اضمار قبل الذکر کی خرابی لازم آتی ہے کہ مؤنث معنوی کا ذکر ماقبل میں ہے ہی نہیں۔

جواب: ہ ضمیر کا مرجع مؤنث معنوی ہے باقی رہا اضمار قبل الذکر اس کا جواب یہ ہے کہ اضمار قبل الذکر لازم نہیں آتا اس لئے کہ اگرچہ صراحۃً ماقبل میں مؤنث معنوی مذکور نہیں لیکن ضمناً مذکور ہے۔

قوله لان الحرف الرابع ۔ وجہ اشتراط کا بیان کہ زائد علی الثلاث کی شرط کیوں لگائی۔

جواب: کہ چوتھا حرف تائے تانیث کے قائم مقام ہو جائے گا جس کی وجہ سے یہ تانیث لفظی کی طرح ہوگا کہ جس طرح مؤنث لفظی کسی مذکر کا نام بھی ہو تب بھی غیر منصرف ہوتا ہے اس طرح یہ بھی۔

قال الماتن فقدم منصرف ۔ ماقبل پر تفریع کا بیان یعنی احترازی مثال کا بیان کہ قدم کسی شخص کا نام دیا جائے تو اس میں علمیت بھی اور تانیث معنوی بھی ہے لیکن تانیث معنوی کی تاثیر وجوبی کی شرط نہیں پائی جاتی اس لئے منصرف ہوگا۔

قال الشارح وهو مؤنث معنوى ۔ اس عبارت میں مولانا جامیؒ تین باتیں بیان کررہے ہیں۔ پہلی بات کہ قدم مؤنث معنوی ہے لفظی نہیں کیونکہ اس میں علامت تانیث کی مذکور نہیں۔ دوسری بات کہ مؤنث معنوی مؤنث سماعی ہوا کرتی ہے قیاسی نہیں۔ تیسری بات باعتبار معناہٗ کہ تانیث معنوی کی کیفیت کا بیان۔

سوال: کہ قدم میں تانیث معنوی پر کیا دلیل ہے کہ تانیث کیسے پائی جاتی ہے۔

جواب: باعتبار معنی جنسی کے تانیث پائی جاتی ہے کیونکہ یہ انسانی اعضاء میں سے ایک عضو پاؤں کا نام ہے اور انسانی اعضاء اور شہروں کے نام مؤنث سماعی ہوتے ہیں اسی وجہ سے قدم کی صفت بھی مؤنث لائی جاتی ہے اور ضمیر بھی اس کی طرف مؤنث لوٹائی جاتی ہے۔ اب اگر یہ لفظ قدم کسی

اور شخص کا نام رکھ دیا جائے سرعت سیر کی وجہ سے تو تانیث جاتی رہے گی اور یہ کلمہ چونکہ زائد علی الثلاث بھی نہیں کہ اس میں حرف رابع کو تانیث کے قائم مقام بنایا جاسکے فقط ایک سبب باقی رہا علیت والا جس سے یہ کلمہ غیر منصرف نہیں ہوگا منصرف ہوگا۔

قال الماتن **فعقرب ممتنع** ۔ ماقبل پر تفریع کا بیان اور اتفاقی مثال کا بیان کہ عقرب غیر منصرف ہے اس میں دو سبب پائے جاتے ہیں۔(۱)۔علیت (۲)۔تانیث معنوی اور منصرف کی شرط تاثیر کی زیادۃ علی الثلاث وہ بھی پائی جاتی ہے کہ یہ موضوع ہے موذی من الموذیات تو اس میں تانیث ہے اس لئے عقرب میں تانیث ہے باقی تفصیل اس طرح ہے جس طرح ماقبل میں قدم کے بارے میں تھی۔

قال الشارح **لانه وان زال التانيث** ۔سوال مقدر کا جواب اور عدم انصراف کی علۃ کا بیان۔

سوال: عقرب میں جو تانیث معنوی تھی وہ علمی کی وجہ سے بالکلیت زائل ہو چکی ہے تو یہ غیر منصرف کیسے ہوا۔

جواب: اگرچہ اس میں تانیث علیت کی وجہ سے زائل ہوگئی ہے لیکن چوتھا حرف حرف تانیث کے قائم مقام ہے۔

قال الشارح **بدليل انه** ۔ مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: آپ کے پاس کیا دلیل ہے کہ قدم میں کوئی قائم مقام نہیں رہا۔عقرب میں قائم مقام موجود ہے۔

جواب: ضابطہ ہے التصاغیر التکاسیر ترد الاشیاء الی اصولھا، قدم کی تصغیر قدیمۃ بالتاء ہے معلوم ہوا کہ یہاں کوئی قائم مقام نہیں ورنہ تاء کا ظہور نہ ہوتا اور عقرب کی تصغیر عقیرب بغیر تاء کے اظہار کے آتی ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ

﴿چوتھا سبب معرفه﴾

قال الماتن ﴿المعرفة شرطها ان تكون علمية﴾

اسباب منع صرف میں سے چوتھا سبب معرفہ ہے جس کا مختصر خلاصہ یہ ہے کہ معرفہ وہ ہے جو وضع کیا

گیا ہے معین شئ کے لئے اور معرفہ کا غیر منصرف کے سبب بننے کے لئے علمیت شرط ہے۔ یعنی معرفہ کے سات قسموں میں سے غیر منصرف کا سبب علم ہی بنتا ہے۔

قال الشارح **ای التعریف لان سبب منع الصرف** ۔

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: معرفہ کو غیر منصرف کے اسباب سے شمار کرنا صحیح نہیں کیونکہ معرفہ تو ذات معین کو کہا جاتا ہے جب کہ اسباب منع صرف کے وہ تو اعراض اور اوصاف کے قبیل سے ہیں۔

جواب: المعرفه بمعنی تعریف کے ہے کا صیغہ معرفه کا صیغہ مصدر میمی ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ تعریف مصدر اور وصف ہے لہذا اس کو اسباب منع صرف سے شمار کرنا درست ہے۔

جواب ثانی: المعرفه مجازاً بمعنی التعریف ہے تو یہ ذکر تو محل کا ہے لیکن ارادہ حال کے قبیل سے ہے۔

قال الشارح **ای شرط تاثیرها فی منع الصرف** ۔

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: مصنفؒ نے معرفه کے لئے علمیت کو شرط قرار دے دیا حالانکہ علم کے بغیر بھی معرفہ پایا جاتا ہے جیسے الرجل اسی طرح هذا حالانکہ مشروط بغیر شرط کے نہیں پایا جاتا تو الحاصل معرفہ کے لئے علمیت کی شرط لگانا درست نہیں۔

جواب: مولانا جامیؒ نے جواب دیا یہ وجود اور تحقق معرفہ کے لئے شرط نہیں بلکہ معرفہ کے سبب بننے کے لئے شرط ہے۔

قال الشارح **ای کون هذا النوع من جنس التعریف** ۔

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: ان تکون ،ان مصدریہ کی وجہ سے کونها کی تاویل میں ہے اور علمیة میں یا تاء مصدریت کی ہے اس کا حاصل بھی کونها علما ہوگا اب ان تکون علمیة کا حاصل یہ ہوگا شرطها کونها کونها علما تو اس میں کون کا تکرار لازم آ رہا ہے۔

مولانا جامیؒ نے اس کے دو جواب دیئے ہیں پہلا جواب تسلیمی اور دوسرا جواب انکاری

جواب اول: علی سبیل التسلیم کہ ہم اس کو تسلیم کر لیتے ہیں کہ علمیت میں یا اور تاء مصدریت

کی ہے لیکن کون کا تکرار نہیں کیونکہ کون اوّل سے مراد جنس تعریف ہے اور کون ثانی سے مراد نوع تعریف ہے تو مقصد یہ ہوگا کہ جنس تعریف کے لئے شرط یہ ہے کہ نوع علم سے ہو۔ اس لئے کہ تعریف جنس ہے جس کے تحت متعدد نوعیں تھیں۔ مضمرات، اشارات وغیرہ۔ المعرفہ کہنے سے متعین نہیں تھا کہ کونسی نوع مراد ہے تو صاحب کافیہؒ نے متعین کردیا کہ یہاں تعریف علمی مراد ہے۔

جواب ثانی: کہ ہم اس بات کو تسلیم ہی نہیں کرتے کہ علمیت میں یا تاء مصدریت کی ہے بلکہ یاء نسبت کی ہے جب یاء نسبت کی ہے اب علمیت کا معنی ہوگا منسوباً الی العلم ۔شرطها کونها منسوباً الی العلم یعنی تعریف کے غیر منصرف کے سبب بننے کے لئے شرط یہ کہ وہ تانیث منسوب ہو علم کی طرف۔

قال الشارح **و انما جعلت مشروطة بالعلمية** ۔

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: معرفہ کے غیر منصرف سبب بننے کے لئے علمیت کو کیوں شرط لگادیا۔ باقی اقسام غیر منصرف کے سبب کیوں نہیں بن سکتے۔

جواب: باقی اقسام میں غیر منصرف کے سبب بننے کی صلاحیت ہی نہیں اس لئے کہ (۱)۔مضمرات (۲)۔اسمائے اشارات (۳)۔اسمائے موصولات۔ معرفہ کی یہ تینوں اقسام مبنی ہیں۔ جب کہ غیر منصرف معرب ہے تو ایک ضد دوسری ضد کا سبب کیسے بن سکتی ہے اور باقی رہا معرف باللام اور معرف بالاضافت یہ غیر منصرف کو منصرف بنا دیتی ہیں تو غیر منصرف کا سبب کیسے بن سکتی ہے اور باقی رہا ایک قسم معرف بالنداء اگر یہ مفرد معرفہ ہے تو مبنی ہے اگر مضاف ۔شبہ مضاف ہے تو معرفہ بالاضافت میں داخل ہے اور اگر نکرہ ہے تو وہ سرے سے معرفہ ہی نہیں لہذا باقی ایک ہی قسم رہا علمیت وہی ہی غیر منصرف کا سبب بن سکتی ہے۔

قال الشارح **انما جعل المعرفة سببا** ۔

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: جب معرفہ کے اقسام میں سے صرف ایک قسم علمیت ہی سبب بن سکتی تھی تو مصنف کو عنوان بھی یوں قائم کرنا چاہئے تھا العلمية تو اس سے اختصار بھی ہو جاتا نیز ماخذ اور ماخوذ یعنی

کافیہ اور مفصل میں موافقت بھی ہو جاتی۔

جواب: صاحب کافیہؒ نے ایسا اس لئے نہیں کیا کہ تمام کے تمام اسباب میں فرعیت پائے جاتی ہے اور معرفہ میں فرعیت کا پایا جانا ظاہر تھا اس لئے کہ اس میں فرعیت پائی جاتی ہے بلا واسطہ اور علم میں فرعیت کا پایا جانا غیر ظاہر تھا اس لئے اس میں فرعیت بالواسطہ ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ جس میں بلا واسطہ فرعیت پائی جائے اسی کو سبب بنایا جائے تو صاحب کافیہؒ نے معرفہ کو سبب بنا کر علمیت کو شرط قرار دے دیا۔

﴿پانچواں سبب عجمہ﴾

قال الماتن ﴿العجمة شرطها ان تكون علمية فى العجمة﴾

اسباب منع صرف میں سے پانچواں سبب عجمہ ہے۔ عجمہ کے غیر منصرف سبب بننے کے لئے دو شرطیں ہیں۔ (۱)۔ علمیت (۲)۔ احد الامرین کہ زائد علی الثلاث ہو یا ثلاثی متحرک الاوسط ہو

قال الشارح **وهى كون اللفظ مما وضعه غير العرب** ۔ سوال مقدر کا جواب۔

سوال: کہ عجمہ کو اسباب منع صرف سے شمار کرنا غلط ہے اس لئے کہ عجمہ نام ہے اس اسم کا جس کا واضع غیر عرب ہو اور حالانکہ اسباب منع صرف تو اوصاف کے قبیل سے ہیں نہ کہ ذات کے قبیل سے

جواب: عجمہ کا معنی یہ ہے کہ کون اللفظ یعنی کسی لفظ کا ان الفاظ سے ہونا جس کو غیر عرب نے وضع کیا ہو اور عجمہ بایں معنی اوصاف کے قبیل سے ہو جائے گا۔

قال الشارح **ولتاثيرها فى منع الصرف** ۔

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: مصنفؒ نے عجمہ کے لئے دو شرطیں لگائی حالانکہ لجام عجمہ ہے لیکن دونوں شرطیں موجود نہیں اور قاعدہ یہ تھا تو اذا فات الشرط فات المشروط۔ تو اسمیں عجمہ کیوں پایا جاتا ہے

جواب: یہ شرائط وجود عجمہ اور ذات عجمہ کے لئے نہیں بلکہ غیر منصرف کے سبب اور موثر بننے کے لئے شرطیں ہیں۔

قال الشارح **شرطان**۔ مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: عجمہ کے لئے جب دو ہی شرطیں تھی تو کلمۂ حصر کو کیوں ذکر نہیں کیا۔

جواب: دیا کہ یہاں عطف مقدم ہے ربط پر جو کہ مفید حصر ہے۔ نیز یہ استقلال کا فائدہ دیتا ہے اب معنی ہوگا کہ عجمہ کے غیر منصرف۔ کے سبب بننے کے لئے عجمہ کا لغت عجم میں علم ہونا ایک مستقل شرط ہے اور احد الامرین بھی ایک مستقل شرط ہے۔

قال الشارح **شرطها الاول ان تكون** ۔شرطها کے بعد لفظ اوّل نکال کر مصداق کو بیان کر دیا

قال الشارح **اى منسوبة الى العلم** ۔

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: کی تقریر گذر چکی ہے معرفہ کے اندر ان تكون علمية میں۔ وہیں سے دیکھ لیا جائے۔

جواب: البتہ یہاں جواب انکاری دیا جاسکتا ہے تسلیمی نہیں دیا جاسکتا۔ انکاری جواب یہ ہے کہ ہم اس بات کو تسلیم ہی نہیں کرتے کہ علمیۃ میں یاء تاء مصدریت کی ہے بلکہ یاء نسبت کی ہے معنی یہ ہوگا منسوبة الى العلم یعنی عجمہ کا علم کی طرف منسوب ہونا باعتبار تحقق کے ہو۔

سوال: ماقبل کے اندر معرفہ کی بحث میں دو جواب دیئے تھے ایک تسلیمی اور ایک انکاری یہاں تسلیمی جواب کیوں نہیں دیا جاسکتا۔

جواب: یہاں تسلیمی جواب اس لئے نہیں دیا جاسکتا کہ وہاں معرفہ کی انواع تھیں جس کی وجہ سے وہاں پر کون اوّل سے جنس مراد لے لی تھی اور کون ثانی سے نوع لیکن عجمہ کی تو کوئی نوع نہیں۔ یہاں جب انواع نہیں تو یہ جواب کیسے چل سکتا ہے۔

قال الشارح **فى اللغة العجمية** ۔

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: فى العجمة میں فی ظرفیۃ کے لئے ہے حالانکہ العجمة نہ ظرف زمان ہے اور ظرف مکان تو اس کو ظرف کیسے بنانا صحیح ہے نیز اگر ظرف مان بھی لیا جائے تو پھر ظرفية الشئى لنفسه کی خرابی لازم آتی ہے کہ مظروف بھی عجمہ ہے اور ظرف بھی عجمہ ہے۔

جواب: العجمة صفت ہے جسکا موصوف اللغت محذوف ہے کی تو یہ ظرف اعتباری ہے

سوال: عــجـمــه صفت واقع نہیں ہوسکتا کیونکہ صفت محمول علی الموصوف ہوا کرتی ہے جب کہ یہاں عجمة کا لغت پر حمل نہیں ہوسکتا یوں کہنا جائز نہیں اللغة عجمة۔

جواب: شارح نے جواب دیا کہ العجمة کے ساتھ یاءِ نسبت کی لاحق کردی جائے گی اب اسم منسوب ہو کر جو بمنزلہ مشتق کے ہو جائے گا اور حمل صحیح ہو جائے گا۔

قال الشارح **بان توكن متحققة فی ضمن العلم** ۔

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: ہم آپ کو دکھاتے ہیں ایک لفظ ہے جو لغت عجم میں علم نہیں جیسے قـالـون لیکن اس کو غیر منصرف پڑھا جارہا ہے دو سببوں کی وجہ سے علمیت اور عجمہ حالانکہ عجمہ کی شرط موجود نہیں۔

جواب: لغت عجم میں علم ہونے میں تعیم ہے خواہ وہ حقیقۃً علم ہو۔ جیسے ابراھیم۔ یا حکماً علم ہو جس کی صورت یہ ہے کہ عربوں نے لغت عجم سے لفظ کو بغیر کسی تغیر وتبدل کے نقل کر کے اس کو علم بنادیا جیسے قـالـون یہ لغت عجم کے اندر اسم جنس ہے ہر عمدہ چیز کو کہا جاتا ہے لیکن عربوں نے اس کو نقل کر کے بغیر کسی تغیر وتبدل کے نام رکھ دیا قاری کا اس مناسبت سے کہ اس کی قرائت بھی بہت عمدہ تھی اس کا نام قالون رکھ دیا تو یہ حقیقۃً لغت عجم میں علم نہیں لیکن حکمی ہے۔

قال الشارح **و انما جعلت شرطا** ۔

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: عجمہ کے لئے علمیت کی شرط کیوں لگائی ہے۔

جواب: دلیل اشتراط یہ ہے کہ جب عجمی لفظ منتقل الی العرب ہوتا تو اس کا تلفظ عرب کے لئے دشوار ہوتا تو اس میں اہل عرب ثقل کو دور کرنے کے لئے تغیر وتصرف کرتے حالانکہ ثقل اور قوۃ کی بنا پر عجمہ غیر منصرف کا سبب بنتا اس میں علمیت کی شرط لگادی۔ تاکہ عجمہ تغیر وتبدل سے محفوظ ہو جائے جس سے اس کی قوت اور ثقل باقی رہے گا۔

قال الشارح **فعلىٰ هذا لوسمى** ۔شرط اوّل کی انتفاء پر تفریع کا بیان کہ اگر لجام سے کسی کا نام بھی رکھ دیا جائے تو منصرف ہوگا اس لئے کہ اگر اسمیں دو سبب موجود ہیں علمیت اور عجمہ لیکن عجمہ کے غیر منصرف ہونے کے لئے پہلی شرط کہ لغت عجم میں علم ہو خواہ حقیقۃً یا حکماً وہ نہیں

پائی جاتی حقیقۃً علم کا نہ ہونا تو ظاہر ہے اور حکماً بھی نہیں اس لئے عربوں نے نام رکھنے سے پہلے تغیر تبدل کردیا ہے کہ اصل میں لگام تھا پھر کاف کو جیم سے بدل دیا لجام ہو گیا۔

و شرطها الثاني: کہ الثانی نکال کر مولانا جامیؒ نے مصداق بتا دیا۔

قال الشارح احد الامرين ۔ مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: شرطها مبتداء ہے۔ تحرك الاوسط او الزيادة یہ مجموعہ خبر ہے اب شرط ثانی یہ ہوئی کہ تحرک اوسط اور زائد علی الثلاثہ دونوں پائی جائیں حالانکہ ان امرین میں سے صرف ایک کا پایا جانا شرط ہے۔

جواب: دیا کہ خبر اس کے لئے احد الامرين ہے کہ ان دونوں میں کسی ایک کا پایا جانا اور لفظ او مانعة الخلو کے لئے ہے۔

الحرف: نکال کر شارح نے اشارہ یہ کر دیا کہ تحرک صفت ہے موصوف محذوف الحرف کی۔

قال الشارح اى علىٰ ثلاثه احرف ۔ سوال مقدر کا جواب ہے جو گذر چکا ہے۔

قال الشارح اى الزياده على ثلاثة احرف ۔

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: عجمہ کے لئے احد الامرین کو کیوں شرط قرار دیا۔

جواب: عجمہ کے لئے احد الامرين کو شرط قرار نہ دیا جائے تو وہ کلمہ ثلاثی ساکن الاوسط ہوگا جو کہ انتہائی خفیف ہوتا ہے اور خفت معارض و مقابل ہوگی احد السببين کے اور عجمہ کو تاثیر سے روک دیتی ہے جس کی وجہ سے وہ غیر منصرف کا سبب نہیں بن سکتا۔ اسی وجہ سے عجمہ میں شرط لگا دی احد الامرين کی تا کہ اس میں ثقل پیدا ہو جائے اور خفت زائل ہو جائے اور یہ منع صرف میں موثر بن سکے۔

قال الشارح فنوح منصرف هذا تفريع : مولانا جامیؒ نے یہ صراحت کردی کہ اس عبارت سے صاحب کافیہؒ کی غرض شرط ثانی کو انتفاء پر تفریع کو بیان کرنا ہے کہ نوح منصرف ہے کیونکہ بظاہر اس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس میں جب دو سبب موجود ہیں علمیت اور عجمہ تو اس کو غیر منصرف ہی ہونا چاہئے لیکن اس میں چونکہ عجمہ کی جو شرط ثانی احد الامرين وہ یہاں پائی نہیں

جاتی اسی وجہ سے یہ منصرف ہے۔

قال الشارح **هذا اختيار المصنف** ۔

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: کہ صاحب کافیہؒ نے شرط اول کی انتفاء پر تفریع کو بیان نہیں کیا۔تو شرط ثانی کے انتفاء پر تفریع بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

جواب: مولانا جامیؒ نے جواب دیا کہ صاحب کافیہؒ کی غرض یہاں پر تفریعات کو بیان کرنا نہیں بلکہ ایک مسئلہ اختلافیہ میں ما ھو المختار کو بیان کرنا ہے اور اس میں چونکہ شرط ثانی کی انتفاء کی تفریع کو دخل تھا اس لئے ضمناً شرط ثانی کی انتفاء پر بھی تفریع بیان کردی۔باقی رہا

مسئلہ اختلافی: کیا ہے وہ یہ ہے کہ بعض نحاۃ علامہ جاراللہ زمخشری کا مذھب یہ ہے کہ نوح ھند کی طرح ہے۔جس طرح ھند کا انصراف اور عدم انصراف دونوں جائز ہے اسی طرح نوح کو منصرف پڑھنا بھی جائز ہے غیر منصرف پڑھنا بھی جائز ہے۔

صاحب کافیہؒ اور محققین کا مذھب یہ ہے کہ نوحؑ کا انصراف متعین ہے غیر منصرف پڑھنا جائز نہیں۔

دلیل: علامہ زمخشری کی کہ وہ عجمہ کو تانیث معنوی پر قیاس کرتے ہیں جس طرح ھند میں تانیث معنوی اور علمیت کی وجہ سے اس کو منصرف پڑھنا بھی جائز ہے غیر منصرف پڑھنا بھی جائز ہے۔ باوجود یہ احد الامور ثلاثہ کی شرط نہیں پائی جاتی۔

دلیل کا جواب: مصنفؒ اور محققین اس دلیل کا جواب یہ دیتے ہیں کہ تانیث معنوی پر عجمہ کو قیاس کرنا یہ قیاس مع الفارق ہے کیونکہ تانیث معنوی بنسبت عجمہ کے قوی ہے اس لئے کہ اس کی علامت مقدر ہے جو کبھی ظاہر بھی ہو جاتی ہے جیسے ھند اس کی تصغیر ھنیدۃ آتی ہے اس میں تاء ظاہر ہوگئی ہے۔اسی وجہ سے اس میں قدر قوت موجود ہے لہذا تانیث معنوی میں اگر وجوبی تاثیر کی شرائط نہ بھی ہوں تب بھی اپنے قوت کی وجہ سے علمیت کے ساتھ مل کر جوازی طور پر کلمہ کو غیر منصرف بنادے گی۔بخلاف عجمہ کے وہ ایک امر معنوی ہے جس کی ظاہری کوئی علامت نہیں لہذا تانیث معنوی پر قیاس کرنا غلط ہوا لھذا نوح کو منصرف پڑھنا واجب ہے غیر منصرف پڑھنا جائز نہیں

قال الشارح **فان قلت** ۔سے مولانا جامیؒ ایک سوال نقل کر کے قلنا کا

جواب دے رہے ہیں۔

سوال: ماہ وجور یہ غیر منصرف ہیں۔جس میں ثلاثی ساکن الاوسط ہونے کے باوجود عجمہ کا اعتبار کیا گیا حالانکہ ابھی ماقبل میں آپ نے نوح میں ثلاثی ساکن الاوسط عجمہ کا اعتبار نہیں کیا تو پھر آپ ماہ اور جور کے اندر اس کا اعتبار کیسے کرتے ہیں۔

جواب: ماہ، جور میں عجمہ کا معتبر ہونا مستقل سبب ہونے کی حیثیت سے نہیں بلکہ اس میں دو سبب مستقل موجود ہیں۔(۱)۔علمیت (۲) تانیث معنوی۔البتہ عجمہ کا اعتبار صرف شرط ہونے کی حیثیت سے ہے۔جس کی وجہ سے تانیث معنوی کو قوت مل جاتی ہے لہذا نوح میں عجمہ کا اعتبار نہ کرنا وہ مستقل سبب ہونیکی حیثیت سے تھا اور یہاں اعتبار کرنا شرط ہونے کی حیثیت سے ہے۔

قال الماتن وشترو ابراهیم ممتنع ۔شرط ثانی کے وجود پر تفریع کا بیان کہ شتر اور ابراھیم کا منصرف ہونا ممتنع ہے کیونکہ ان میں دو سبب موجود ہیں علمیت اور عجمہ اور عجمہ کے غیر منصرف سبب بننے کے لئے دونوں شرطیں موجود ہیں شتر ثلاثی متحرک الاوسط ہے یہ ایک قلعہ کا نام اور ابراھیم میں علمیت اور عجمہ ہے اور عجمہ کی غیر منصرف سبب بننے کے لئے شرطیں موجود ہیں کہ علم ہے اور احد الامرین میں سے زائد علی الثلاث ہے۔

قال الشارح انما خص التفریع باشرط الثانی ۔

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: صاحب کافیہؒ نے شرط ثانی کے انتفاء پر تفریع تو بیان کی ہے اور اس کے وجود پر بھی تفریع بیان کی لیکن شرط اوّل کے نہ تو انتفاء پر تفریع بیان کی ہے نہ وجود پر اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: مولانا جامیؒ نے جواب دیا صاحب کافیہؒ کی غرض کوئی یہاں تفریعات کو بیان کرنا بلکہ یہاں پر مقصود ایک مسئلہ اختلافی میں ما ھو المختار کو بیان کرنا ہے اس کا تعلق چونکہ شرط ثانی کے ساتھ تھا اس لئے اس ضمن میں تفریع کو بیان کر دیا ہے اور وہ مسئلہ اختلافی ماقبل میں گذر چکا ہے۔

قال الشارح لهذا قدم انصرافه ۔

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: تمہارے پاس کیا دلیل ہے کہ علامہ ابن حاجب کی غرض مسئلہ اختلافیہ میں ما ھو

المختار کو بیان کرنا ہے۔تفریعات نہیں۔

جواب: اس لئے کہ اگر صاحب کافیہؒ کی غرض ما ھو المختار کو بیان کرنا نہ ہوتی تو مصنف پہلے شرط ثانی کے وجود پر تفریع کو بیان کرتے اس کے بعد شرط ثانی کے انتفاء پر تفریع بیان کرتے اس لئے کہ وجودی چیز اشرف اور مقدم ہوا کرتی ہے عدمی سے تو صاحب کافیہؒ برعکس کر کے اشارہ کر دیا کہ میرا مقصود یہاں مسئلہ اختلافیہ میں ما ھو المختار کو بیان کرنا ہے۔تفریعات نہیں۔

قال الشارح **و اعلم ان اسماء الانبیاء** ۔اس عبارت سے فائدہ کا بیان۔مولانا جامیؒ انبیاء کرام علیہم السلام کے ناموں کے انصراف اور عدم انصراف کے بارے میں بتانا چاہتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ چھ ناموں کے سوا تمام کے تمام غیر منصرف ہیں وہ چھ نام یہ ہیں۔

محمد ﷺ، صالحؑ، شعیبؑ، ھودؑ، نوحؑ، لوطؑ

سوال: عزیر بھی تو ان چھ ناموں کے ماسوا ہے اور منصرف ہے تو لہذا چھ میں انحصار درست نہ ہوا۔

جواب: عـزیـر کے نبی ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف ہے ان کے نبی ہونے پر مستقل دلیل موجود نہیں۔

سوال: شیث بھی ان چھ ناموں کے ماسوا ہے اور منصرف ہے تو پھر بھی انحصار چھ میں درست نہ ہوا۔

جواب: مولانا جامیؒ کی غرض ان ناموں کو بیان کرنا ہے جو قرآن مجید میں ہیں اور شیث کا تذکرہ قرآن مجید میں نہیں۔اور ان چھ ناموں کی منصرف ہونے کی وجہ کہ پہلے چار یعنی لفظ محـمـدؐ، صـالح، شعیب ،ھود اس لئے منصرف ہیں کہ ان میں صرف ایک سبب ہے علمیت دوسرا سبب کوئی نہیں عجمہ بھی نہیں کیونکہ یہ عربی ہیں اور آخری دو یعنی نوحؑ ،لوط اس لئے منصرف ہیں کہ ان میں علمیت اور عجمہ پایا جاتا ہے لیکن عجمہ کے غیر منصرف کے سبب بننے کے لئے شرط ثانی احدالامرین نہیں پائی جاتی اس لئے ایک ہی سبب ہوا۔

قال الشارح **وقیل ان ھودا** ۔ھود کے انصراف کے بارے میں ایک قول گذر چکا ہے کہ یہ منصرف ہے۔اس لئے کہ اس میں ایک سبب ہے فقط علمیت دوسرا قول کہ ھـود نـوح کی طرح ہے۔ نوح عجمہ کی شرط ثانی نہ پائے جانے کی وجہ سے منصرف ہے۔اس طرح ھود بھی

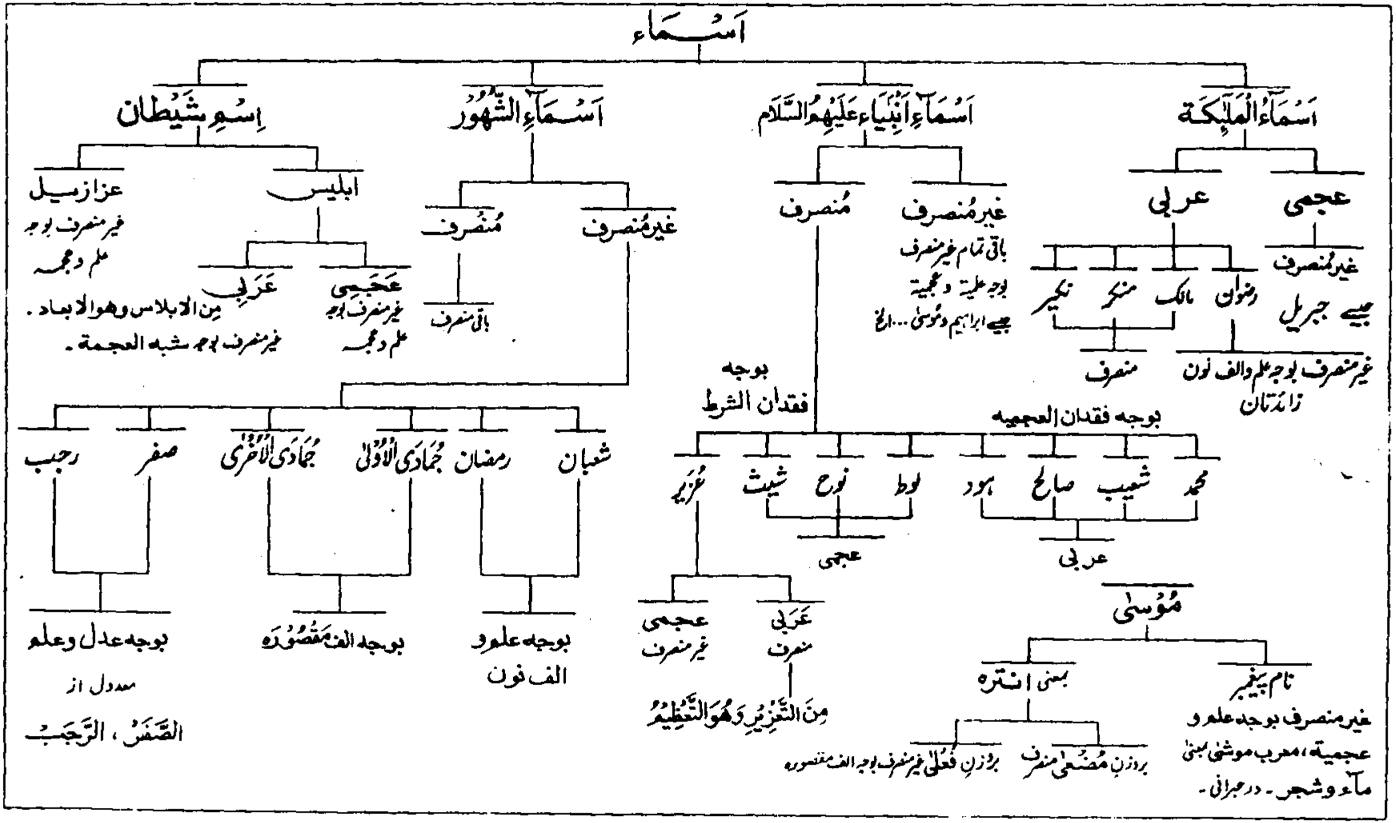
اَسْمَاء
اَسْمَآءُ الْمَلٰٓئِكَة
اَسْمَآءِ اَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَام
اَسْمَآءِ الشُّهُور
اِسْمِ شَيْطَان
عجمی
غیر منصرف
جیسے جبریل
عربی
رضوان
مالک
منکر
نکیر
غیر منصرف بوجہ علم والف نون زائدتان
منصرف
غیر مُنصرف
باقی تمام غیر منصرف بوجہ علمیت و عجمیت
جیسے ابراہیم و موسیٰ ... الخ
مُنصرف
بوجہ فقدان الشرط
بوجہ فقدان العجمیہ
عُزیر
شیث
نوح
لوط
ہود
صالح
شعیب
محمد
عجمی
عربی
عجمی غیر منصرف
عَرَبِی منصرف
مِنَ التَّعْزِيْرِ وَهُوَ التَّعْظِيْمُ
مُوسیٰ
بمعنی استرہ
نام پیغمبر
غیر منصرف بوجہ علم و عجمیۃ، معرب موشیٰ بمعنی ماء و شجر۔ در عبرانی۔
بروزن مُفْعَلیٰ منصرف
بروزن فُعْلیٰ غیر منصرف بوجہ الف مقصورہ
غیر مُنصرف
مُنصرف
باقی منصرف
شعبان
رمضان
جُمَادَی الْاُوْلیٰ
جُمَادَی الْاُخْریٰ
صفر
رجب
بوجہ علم و الف نون
بوجہ الف مَقْصُوْرَہ
بوجہ عدل و علم
معدول از
الصَّفَرُ، الرَّجَبُ
ابلیس
عزازیل
غیر منصرف بوجہ علم و عجمہ
عَجَمِی
غیر منصرف بوجہ علم و عجمہ
عَرَبِی
مِنَ الابلاس وهو الابعاد.
غیر منصرف بوجہ شبہ العجمۃ۔

منصرف ہے مابعد میں جامی نے اس پر دو تائدیں پیش کی ہے۔

پہلی تائید: کہ سیبویہ نے ناموں کے ذکر کرنے میں پہلے ھود کو ذکر کیا اور اس کے ساتھ نوح کا ذکر کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو وجہ انصراف نوح کی ہے وہی وجہ انصراف ھود کی ہے۔

دوسری تائید: تعریف سے بھی ہوتی ہے کہ ھود عجمی لفظ ہے کیونکہ عرب تو شروع ہوئے ہیں اسماعیلؑ سے اور ھودؑ ان سے پہلے گذرے ہیں لہذا ھود عربی لفظ نہیں عجمی لفظ ہے اور عجمہ کی شرط ثانی نہ پائے جانے کی وجہ سے منصرف ہے۔

سوال: صالحؑ بھی تو اسماعیلؑ سے پہلے گذرے ہیں یہ بھی عجمی ہوئے؟

جواب: ان میں عربیت فی الجملہ پائی جاتی تھی جیسا کہ قرآن مجید میں ہے علم آدم الاسماء کلھا۔

﴿چھٹا سبب جمع﴾

قال الماتن **﴿الجمع شرط صیغة منتھی الجموع بغیر ھاء﴾**

اسباب منع صرف میں سے چھٹا سبب جمع ہے۔ اس کا مختصر خلاصہ یہ ہے کہ جمع کی غیر منصرف سبب بننے کے لئے دو شرطیں ہیں۔ ایک شرط وجودی ہے اور دوسری شرط عدمی ہے۔

شرط وجودی: یہ ہے کہ وہ جمع جمع منتھی الجموع کے وزن پر ہو اور جمع منتھی الجموع کا مقصودی وزن یہ ہے کہ پہلے دو حرف مفتوح ہوں۔ تیسری جگہ پر الف علامت جمع اقصیٰ کی ہو اس کے بعد اگر ایک حرف ہو تو مشدد جیسے دواب اگر دو ہو تو پہلا مکسور دوسرا حسب عامل جیسے مساجد اگر تین ہو تو اوّل مکسور اور دوسرا حرف یاء ہوگی جیسے مصابیح۔

دوسری شرط سلبی: یہ ہے کہ جمع کے آخر میں تاء نہ ہو جو وقف کے وقت ھاء بن جائے آگے تفصیل خود شرح میں آرہی ہے۔

قال الماتن **الجمع** ۔سوال مقدر کا جواب

سوال: جمع کو اسباب منع صرف میں شمار کرنا درست نہیں اس لیے یہ ذات ہے جب کہ تمام اسباب منع صرف از قبیل اوصاف اور اعراض ہیں۔

جواب: یہاں جمع سے مراد جمعیة الجمع ہے جو کہ وصف ہے۔

قال الشارح **وھو سبب قائم مقام** ۔مولانا جامیؒ اسباب منع صرف میں جمع کا مابہ

الامتیاز کو بیان کیا ہے کہ جمع کی جمعیۃ تنہا ایک ہو کر دو علتوں کے قائم مقام ہے۔

قال الشارح **شرط قیامہ مقام السببین** ۔

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: آپ نے جمع کی شرط لگائی کہ منتھی الجموع کے وزن پر ہو حالانکہ رجال ، مسلمون جمع تو ہیں لیکن منتھی الجموع والا وزن نہیں پایا جاتا۔

جواب: یہ شرط وجود جمع کے لئے نہیں بلکہ جمع کے قائم مقام دو سبب ہونے کے لئے ہے۔

قال الشارح **وھی الصیغۃ التی کان اولھا مفتوحا** ۔

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: آپ کے پاس کیا دلیل ہے کہ رجال اور مسلمون یہ صیغہ منتھی الجموع نہیں ہے ہم کہتے ہیں کہ یہ بھی جمع منتھی الجموع ہیں اس لئے کہ ان کی جمع دوبار بنائی گئی ہے۔

جواب: کہ منتھی الجموع کا ایک مخصوص وزن مراد ہے جو صیغہ اس وزن پر ہوگا وہ منتھی الجموع کہلائے گا اور یہ بات ظاہر ہے کہ رجال اور مسلمون اس وزن پر نہیں اور وہ وزن یہ ہے کہ پہلے دو حرف مفتوح ہوں تیسری جگہ الف علامت جمع اقصیٰ کی ہو جیسے دوابّ اور اگر دو حرف ہو تو پہلا مکسور اگر تین ہو تو پہلا مکسور دوسرا یاء ساکن ہو گی جیسے مساجد اور مصابیح۔

قال الشارح **وھی الصیغہ التی لا تجمع جمع التکسیر** ۔ منتھی الجموع کی تعریف کا بیان۔ منتھی الجموع وہ جمع ہے جس کو توڑ کر دوبارہ جمع مکسر نہ بنائی جا سکے۔ اسی وجہ سے کہ اس کا نام جمع منتھی الجموع رکھا گیا ہے۔ منتھی مصدر میمی ہے بمعنی فعل مضارع اور الجموع سے مراد ما فوق الواحد ہے۔ مقصد یہ ہے کہ جمع منتھی الجموع وہ ہے جس پر جمع کی انتہا ہو پھر اس کی جمع مکسر جو کہ مغیر صیغہ ہو وہ نہ بنائی جا سکتی تو اس جمع میں استحکام قوۃ پیدا ہو جائے گی اور غیر منصرف کا سبب بنے گی پھر ایک ہی سبب قائم مقام دو سبب کے بنے گی کیونکہ کبھی تو اس جمع میں حقیقۃً تکرار پایا جاتا ہے جیسے کلب کی جمع اکلب اور اکلب کی جمع اکالب اسی طرح اساور انا عیم اور کبھی حکماً تکرار جیسے مساجد اگرچہ ابتداءً ہی بنائی گئی ہے مگر اکالب کا ہم وزن ہے تو اس میں بھی یہ فرض کر لیا گیا کہ اس میں بھی تکرار پایا جاتا ہے تو یہ تکرار جمع قائم مقام دو سبب کے ہیں۔

قال الشارح **فاما جمع السلامة** ۔جمع تکسیر کی قید کے فائدہ کا بیان جس سے سوال مقدر کا جواب مقصود ہے۔

سوال: ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ جمع اقصیٰ کے بعد جمع نہ بنائی جائے حالانکہ جمع مکسر سے جمع سالم بنائی جاتی ہے۔جیسے ایام سے ایامنین اور صواحب سے صواحبات۔

جواب: ہم نے جمع منتھی الجموع سے جونفی کی ہے وہ جمع تکسیر کی کی ہے۔جمع سالم کی نہیں کہ جمع منتھی الجموع کے بعد جمع مکسر نہیں نہیں بنائی جاسکتی البتہ جمع سالم بن سکتی ہے۔

قال الشارح **و انما اشترطت** ۔وجہ اشتراط کا بیان ہے برائے دفع مقدر۔

سوال: جمع کا دوسبب کے قائم مقام ہونے کے لئے صیغہ منتھی الجموع کی شرط کیوں لگائی ہے۔

جواب: یہ اس لئے شرط لگائی تا کہ جمع کا صیغہ تغیر تبدل سے محفوظ ہو اور محفوظ ہونے کی وجہ سے اس میں قوت باقی رہے گی جس کی وجہ سے غیر منصرف کا سبب بن جائے گی۔

قال الماتن **﴿بغیر هاءٍ﴾**

دوسری شرط عدمی کا بیان۔کہ جمع کے آخر میں تاء نہ ہو جو وقف کی حالت میں ہاء بن جائے

قال الشارح **منقبلة** ۔ مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: آپ نے کہا جمع غیر منصرف کا سبب تب بنے گی جب کہ صیغہ منتھی الجموع بغیر ھاء ہو لہذا جو مع الھاء ہو اس کو منصرف کہنا چاہئے حالانکہ فـــوارہ ھاء کے ساتھ جمعیت بھی صیغہ منتھی الجموع ہے لیکن بـغیـر ھـاء والی شرط ہیں پائی جاتی تو اس کو منصرف پڑھنا چاہئیے حالانکہ یہ غیر منصرف ہے مولانا جامیؒ نے اس کے دو جواب دیئے۔

جواب اول: بغیر ھاء میں ھاء سے مراد وہ ھاء ہے جو تاء سے بدلی ہوئی ہو اور فوارہ کی ھاء اصلیہ ہے بدلی ہوئی نہیں۔

جواب ثانی۲: بغیر ھاء میں جو ھاء ہے اس سے مراد تاء ہے لیکن مطلقاً تاء نہیں بلکہ وہ تاء جو حالت وقف میں ھـــاء بن جاتی ہے۔پہلے اور دوسرے جوب میں فرق یہ ہوا کہ پہلے جواب میں ھاء حقیقت پر مبنی ہے اور دوسرے جواب میں ھاء سے مراد تاء ہے لیکن اس تاء نے بھی حالتِ وقف میں ھاء بن جاتا ہو تو اس کو جو ھاء کہا گیا ہے یہ مجاز بالمشرافتہ کے طور پر ہے۔

قال الشارح انما اشترط كونها ۔

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: کہ جمع میں بغیر ھاء کی شرط کیوں لگائی۔

جواب: بغیر ھاء کی شرط اس لئے لگائی تا کہ جمع کی جمعیت میں فتور پیدا نہ ہو کیونکہ جو جمع مع الھاء ہو وہ مفردات کے ہم وزن ہو جاتی ہے تو اس کی جمع میں قوۃ نہیں رہتی ضعف اور فتور آ جاتا ہے۔جیسے فرزانۃ یہ جمع ہے اور یہ ہم وزن ہے کراھیت اور طواغیت کے تو اس مشابہت کی وجہ سے جمعیت میں نقصان آیا حالانکہ جمع میں قوۃ چاہیے کیونکہ یہ ایک سبب دو سبب کے قائم مقام بنتی ہے

قال الشارح ولا حاجة الى اخراج نحو مدائني ۔

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: جمع کے اندر دو شرطیں لگائی گئی ہیں۔ (۱)۔منتھی الجموع کا صیغہ ہو (۲)۔بغیر ھاء ہو۔یہ دونوں شرطیں مدائنی میں موجود ہیں لیکن اس کے باوجود یہ منصرف ہے اس سے معلوم ہوا کہ مدائن کی منصرف پڑھنے کی وجہ یاء نسبت کا لحوق ہے تو چاہیے تھا مصنفؒ ایک قید مزید ذکر کر دیتے اور یوں فرما دیتے کہ بغیر ھاء و بغیر یاء النسبۃ تو شرط عدنی دو ہو جاتی اس سے مدائنی خارج ہو جاتا۔

جواب: دو لفظ مستعمل ہے کلام عرب میں (۱)۔مدائن بغیر یاء نسبت کے (۲)۔یاء نسبت کے ساتھ مدائنی پہلا تو غیر منصرف ہے وہ جمع ہے مدینہ کی اور دوسرا لفظ مدائنی جو یاء نسبت کے ساتھ ہے یہ تو ہے ہی مفرد ایک شہر کا نام ہے۔جب یہ جمع نہیں بلکہ مفرد ہے تو اس کو خارج کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔

سوال: ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ مدائنی مفرد محض ہو اس لئے کہ مدائنی اصل میں جمع تھا بعد میں شہر کا علم ہو گیا تو مدائنی میں جمع اصلی ہے اور جمع اصل غیر منصرف کا سبب بنتی ہے جس طرح حضا جر میں جمع اصلی کا اعتبار کر کے غیر منصرف پڑھا جاتا ہے۔

جواب: ہم آپ کی یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ مدائن اصل کے عتبار سے جمع ہے لیکن جب اس میں علمیت آ گئی تو جمعیت باطل ہو گئی ہے اور اس کے آخر میں یاء نسبت کی لاحق ہو گئی تو

جمعیت میں اور زیادہ ضعف پیدا ہو گیا اس لئے کہ یاء نسبت کا لحوق مفرد کے آخر میں ہوا کرتا ہے

قال الشارح **فعلم مما سبق** ۔ مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: امافرازنۃ میں اما استنافیہ ہے یا تفصیلیہ اور دونوں بنانا غلط ہے استنافیہ تو اس لئے نہیں بن سکتا کہ وہ کتاب کے شروع میں ہوا کرتا ہے جب کہ یہ وسط کتاب میں آ رہا ہے اور اما تفصیلیہ اس لئے نہیں بن سکتا کہ وہ اجمال کے بعد آیا کرتا ہے اور ماقبل میں کوئی اجمال ہی نہیں۔

جواب: یہ امّا تفصیلیہ ہے باقی رہی یہ بات کہ ماقبل میں اجمال نہیں تو اسکا جواب یہ ہے کہ صراحۃً اگر چہ اجمال نہیں لیکن بغیر ھاء سے اجمال مفہوم ہوتا ہے کہ صیغہ منتھی الجموع دو قسم پر ہیں۔(۱) بغیر ھاء کے (۲) ھاء کے ساتھ۔ تو اما فرازنۃ سے جمع منتھی الجموع مع الھاء کے حکم کی تفصیل بیان کی جا رہی ہے کہ یہ منصرف ہوگا اور جمع منتھی الجموع بغیر الھاء غیر منصرف ہوگا جیسے مساجد اور مصابیح۔

قال الشارح **مثال لمابعدہ** ۔ مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: کہ کتاب میں مقصود مسائل کا ذکر ہے نہ کہ امثلہ کا بیان کرنا اور مثال تو صرف ممثل لہٗ کی توضیح کے لئے آتی ہے تو یہاں صرف ایک ہی مثال کافی تھی دو مثالیں کیوں ذکر کی ہیں۔

جواب: چونکہ یہاں ممثل لہٗ متعدد تھے اس لئے مثالیں بھی متعدد دیں جو کہ اختصار کے خلاف نہیں۔ اوّل مثال مساجد یہ اس جمع کی مثال ہے کہ جس الف جمع کے بعد دو حرف ہوں اور مصابیح اس جمع کی مثال ہے کہ الف جمع کے بعد تین حرف ہوں۔

سوال: اما فرازنۃ مبتدا ہے فمنصرف خبر ہے حالانکہ مبتداء خبر میں مطابقت کا ہونا ضروری ہے تذکیر و تانیث کے اعتبار سے تو لہذا مصنف یوں عبارت ذکر کرتے تا کہ مطابقت ہو جاتی اما فرازنۃ فمنصرفۃ۔

جواب اول: فرازنۃ سے قبل مضاف (نحو) محذوف ہے اب تقریر یہ ہوگی اما نحو فرازنۃ فمنصرف اور مولانا جامیؒ و امثالھا یہ لفظ نکال کر یہ بتا دیا کہ صرف فرازنۃ ہی منصرف نہیں بلکہ منتھی الجموع کے وہ صیغے جو مع الھاء ہوں وہ تمام کے تمام منصرف ہونگے۔

متن﴿ **وحضا علماً للضبع غير منصرف** صاحب کافیہؒ اس عبارت سے

ایک سوال کا جواب دینا چاہتے ہیں جس سے پہلے دو قاعدے جان لیں۔

قاعدہ۱: کلمۃ کے غیر منصرف ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اس میں سبب مع الشرائط موجود ہوں یعنی سبب بھی موجود ہو اور سبب کی شرائط بھی موجود ہوں فقط سبب کا موجود ہونا کافی نہیں اور اسی طرح فقط شرائط کا موجود ہونا بھی کافی نہیں۔

قاعدہ۲: جمعیت اور علمیت میں تضاد ہے کہ یہ دونوں کبھی بھی جمع نہیں ہو سکتے کیونکہ علم شئی معین پر دلالت کرتی ہے جب کہ جمع ما فوق الاثنین پر بولی جاتی ہے اب سوال کا حاصل یہ ہے۔

سوال: کہ حضاجر جمع ہے حضجر کی بمعنی عظیم البطن پھر اس کو جمع سے نکال کر نام رکھ دیا ایک بجو کا۔ جس میں مناسبت یہ ہے کہ بجو بھی عظیم البطن ہوتا ہے تو جب علم بن گیا تو بقاعدہ ثانیہ جمعیت باطل ہو گئی البتہ جمع منتھی الجموع کی شرط وہ موجود ہے کہ وزن منتھی الجموع والا ہے لیکن بقاعدہ اولیٰ کہ محض شرائط کا ہونا کافی نہیں تو لہذا جب نفس جمعیت ختم ہو گئی تو اس کو منصرف پڑھنا چاہیئے حالانکہ یہ غیر منصرف ہے۔

جواب: ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اس سے فی الحال جمعیت سے ختم ہو چکی ہیں اور ہم بھی جمعیت حالیہ کی وجہ سے غیر منصرف نہیں کہتے بلکہ جمعیت اصلیہ کی وجہ سے اس لیے کہ اس کی اصل وضع علم کے لئے نہیں تھی بلکہ اس کی وضع جمعیت کے لئے ہے۔۔ جواب کا حاصل یہ ہوا کہ جمع دو قسم پر ہے (۱)۔ جمع اصلی (۲)۔ جمع حالی۔ اور اس جمع میں تعمیم ہے کہ خواہ وہ جمع اصلی ہو یا جمع حالی ہو وہ غیر منصرف کا سبب بنتی ہے لہذا حضاجر اگر چہ جمع حالی نہیں لیکن جمع اصلی ہونیکی وجہ سے غیر منصرف کا سبب ہے۔

قال الشارح **فالمعتبر فی منع صرفه**۔

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: متن کی عبارت سے لانه منقول عن الجمع سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے حضاجر کے غیر منصرف کا سبب نقلا عن الجمع ہے تو اس سے لازم آیا کہ غیر منصرف کے اسباب نو کے بجائے دس ہو جائیں گے۔

جواب: حضاجر کا غیر منصرف ہونا جمعیت اصلیہ کی وجہ سے ہے نقل عن الجمع کی وجہ سے نہیں۔

قال الشارح فان قلت ۔مولانا جامیؒ سوال نقل کرکے جواب دینا چاہتے ہیں۔

سوال: حضاجر کوغیر منصرف بنانے کے لئے جمعیت اصلیہ کا اعتبار کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اس میں مستقل دو سبب موجود ہیں۔ (۱)۔علمیت (۲)۔تانیث معنوی۔

تانیث معنوی اس لئے کہ حضاجر یہ علم ہے ضبع کا اور ضبع مؤنث ہے ضبعان کی۔

جواب: قلنا سے مولانا جامیؒ نے جواب دیا کہ اس میں علمیت اگر چہ موجود ہے لیکن مؤثرہ نہیں اگر مؤثر ہوتی تو بعداز تنکیر حضاجر منصرف ہوجاتا حالانکہ یہ ہر حالت میں غیر منصرف رہتا ہے۔ لہذا علمیت کا اس میں اعتبار نہیں ہے تو جمعیت اصلیہ کا اعتبار کرتے ہوئے اسے غیر منصرف پڑھا جاتا ہے نیز آپ نے کہا کہ اس میں تانیث معنوی ہے اس کو بھی ہم تسلیم نہیں کرتے اس لئے ہم تسلیم نہیں کرتے ہیں اس لئے کہ حضاجر تو ضبع کا علم جنس ہے خواہ مذکر ہو یا مؤنث۔

قال الشارح و انما اکتفی المصنف ۔

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: کہ جب جمع میں تعمیم ہے کہ خواہ جمع اصلی ہو یا جمع حالی ہو تو پھر عنوان یوں قائم کرنا چاہیے تھا۔

الجمع شرطه ان یکون فی الاصل: جس طرح کے ماقبل میں وصف کے لئے کہا گیا ہے شرطه ان یکون فی الاصل تو یہاں یوں ہی کہتے تاکہ یہ کلام لاحق کلام سابق کے موافق بھی ہوجاتی۔

جواب: مولانا جامیؒ نے جواب دیا کہ صاحب کافیہؒ نے یہ عنوان اس لئے اختیار نہیں کیا تاکہ طلباء کرام میں غلط فہمی پیدا نہ ہوجائے کہ جس طرح وصف کی دو قسمیں ہیں۔(۱)۔وصف اصلی معتبر (۲)۔وصف عارضی غیر معتبر۔اسی طرح یہ وہم ہوسکتا تھا کہ جمع کی بھی دو قسمیں ہیں۔ا۔جمع اصلی معتبر ۲۔جمع عارضی غیر معتبر حالانکہ یہ تقسیم غلط ہے۔اس لیے کہ جمعیت عارضہ کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں۔

قال الشارح و سراویل جواب عن سوال مقدر ۔مولانا جامیؒ یہاں سے صاحب کافیہؒ کی غرض بیان کرنا چاہتے ہیں کہ سراویل سے صاحب کافیہؒ ایک سوال مقدر کا جواب

دینا چاہتے ہیں جس کی تقریر مولانا جامیؒ نے آگے کی ہے۔

سوال: حضاجر میں تو آپ نے یہ تاویل کی۔ کہ جمع میں تعمیم ہے خواہ جمع اصلی ہو یا جمع حالی ہو اس تاویل سے اس اشکال سے خلاصی پالی ہے لیکن فماذا تقول فی سراویل اس لئے کہ سراویل میں نہ جمعیت اصلیہ ہے نہ جمعیت حالیہ البتہ زیادہ سے زیادہ اس میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس میں صیغہ منتھی الجموع والا ہے لیکن ماقبل میں ہم بتا چکے ہیں محض شرائط کا پایا جانا کافی نہیں ہوتا نفس سبب کا پایا جانا بھی ضروری ہوتا ہے۔

جواب: مصنف نے اپنی عبارت سراویل سے اس کا جواب دیا جس جواب کی تقریر مولانا جامیؒ نے فاجاب سے کی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ سراویل کے انصراف اور عدم انصراف میں اختلاف ہوا بعض نحاۃ کے نزدیک سراویل منصرف ہے تو اس قول کے مطابق تو سرے سے اشکال ہی وارد نہیں ہوتا اور جمہور نحاۃ کا نظریہ یہ ہے کہ سراویل غیر منصرف ہے ان جمہور نحاۃ پر یہ اعتراض ضرور وارد ہوگا کہ جب اس میں جمعیت نہیں تو اس کو منصرف ہونا چاہئے تو اس کے جواب میں نحاۃ کے دو گروہ ہیں۔ (۱)۔ سیبویہ اور اس کے متبعین کا (۲)۔ مبرد اور اس کے متبعین کا

سیبویہ: اور اس کے متبعین نے یہ جواب دیا کہ سراویل عجمی لفظ ہے اس میں نہ تو جمعیت اصلیہ ہے نہ جمیعت حالی ہے لیکن جب اس کو عربی کی طرف منقل کیا گیا تو عربیت میں اس کے ہم وزن جتنے کلمات تھے وہ غیر منصرف پڑھے جارہے تھیں جیسے مصابیح، انا عیم تو حملاً علی موازنہ ان پر محمول کرتے ہوئے حکماً جمع جمع قرار دیکر غیر منصرف پڑھ دیا گیا۔ اس جواب ک ء اعتبار سے جمع پھر تعمیم ہوگئی کہ جمع کی دو قسمیں ہیں جمع حقیقی اور جمع حکمی۔ اور دونوں سبب بنتی ہیں

قال الماتن **وقیل ھی اسم عربی** ۔ نحاۃ کے دوسرے گروہ نے اس کا جواب دیا کہ سراویل یہ لفظ عربی ہے اور اس میں اگر چہ جمعیت حقیقۃً نہیں پائی جاتی لیکن اس میں جمعیت فرضیہ ہے کہ اصل میں سراویل جمع تو نہیں لیکن جب یہ غیر منصرف پڑھا جارہا تھا تو اس میں جمعیت کو فرض کرلیا گیا کہ یہ سراویل جمع سروالۃ کی ہے بمعنی شلوار کا ایک ٹکڑا جس طرح کہ عمر میں عدل کو فرض کرلیا گیا کہ یہ معدول ہے عامر سے۔ اس جواب کے اعتبار سے بھی جمع میں تعمیم کی گئی ہے کہ جمع غیر منصرف کا سبب ہے خواہ جمع حقیقی ہو یا تقدیری۔

قال الماتن **واذ صرف فلا اشکال** ۔اس پر سوال ہوگا۔

سوال: کہ سراویل کومنصرف پڑھا جائے تب بھی اشکال وارد ہوتا ہے۔ وہ اس طرح سراویل خود مفرد منصرف ہے لیکن اس کی وجہ سے اناعیم کی جمعیت میں فتور لازم آتا ہے کیونکہ جب وہ مفرد سراویل کے مشابہ ہوگی تو جس طرح فرزانة کراھیة کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے غیر منصرف سبب نہیں بن سکتا منصرف ہو چکا ہے تو اناعیم کا بھی منصرف ہونا لازم آئے گا۔

جواب: اناعیم جمع میں فتور لازم نہیں آتا کیونکہ یہ فتور اور نقصان تب لازم آتا جب یہ سراویل مفرد عربی کے ہم وزن ہو اور حالانکہ سراویل تو عجمی لفظ ہے

سوال: یہ جواب قول اوّل کے مطابق تو صحیح ہے لیکن قول ثانی کے مطابق صحیح نہیں کیونکہ سراویل قول ثانی کے مطابق عربی ہے۔

جواب: اناعیم، مصابیح کی جمع متاثر نہیں ہوتی کیونکہ جمعیت تو تب متاثر ہوتی جب وہ ایسے مفرد کے ہم وزن ہو جس کا وزن نادر نہ ہو۔اور مفرد کا سراویل کے وزن پر ہونا نادر ہے اور قاعدہ ہے النادر کالمعدوم تو گویا کہ اناعیم، مصابیح مفرد کے وزن پر ہے ہی نہیں۔

قال الماتن **﴿ونحو جوار رفعا وجرا کقاض﴾**

ماقبل سے ربط یہ ہے کہ ماقبل میں حضاجر اور سراویل کے حکم کا بیان تھا کہ جس میں جمع منتھی الجموع والا وزن تو ہے لیکن جمع نہیں اب اس لفظ کا حکم بیان کر رہے ہیں جس میں جمعیت تو ہے لیکن جمع منتھی الجموع والا وزن نہیں۔جس کا حاصل یہ ہے کہ صاحب کافیہؒ نے کہا کہ جوار حالت رفعی اور جری میں قاضٍ کی مثل ہے۔

قال الماتن **ای کل جمع منقوص علی فواعل** ۔جوار کے ساتھ لفظ نحو لا کر جس قاعدہ کی طرف صاحب کافیہؒ نے اشارہ کیا تھا مولانا جامیؒ یہاں سے اس قاعدہ کو صراحۃً بیان کر رہے ہیں۔جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر وہ جمع منقوص جو فواعل کے وزن پر ہو۔عام ازیں کے وہ ناقص واوی ہو یا یائی ہو وہ حالت رفعی جری میں قاض کی طرح ہے۔ناقص واوی کی مثال دواعٍ جو جمع ہی داعیة کی اور ناقص یائی کی مثال جوارٍ جو جمع جاریة کی۔

قال الشارح **رفعا وجرا ای فی حالة الرفع** ۔مولانا جامیؒ ترکیب بیان کرنا

چاہتے ہیں کہ یہ رفعاً وجراً ظرفیت کی بناء پر منصوب ہے۔

سوال: رفعاً وجراً نہ ظرف زمان ہے نہ ظرف مکان ہے تو اس کا ظرف بننا کیسے صحیح ہے۔

جواب: ان کا منصوب ہونا بناء بر ظرفیت بحذف مضاف ہے تقدیر عبارت یوں ہوگی۔ فی حالة الرفع و الجر۔

قال الشارح **ای حکمہ حکم قاض**۔

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: جوارٍ کو قاضٍ کے ساتھ تشبیہ دینا صحیح نہیں اس لئے کہ مشبہ اور مشبہ بہ کے درمیان مناسبت کا ہونا ضروری ہے جب کہ یہاں مناسبت نہیں۔ کیونکہ جوارٍ جمع ہے اور قاضٍ مفرد ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ مشابہت الجمع بالمفرد باطل ہوا کرتی ہے

جواب: مولانا جامیؒ نے جواب دیا یہاں تشبیہ باعتبار صیغہ کے نہیں بلکہ باعتبار حکم کے ہے کہ جوارٍ حالت رفع اور جر میں قاضٍ کی طرح ہے۔

قال الشارح **بحسب صورة** ۔ مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: باعتبار حکم کے بھی تشبیہ دینا درست نہیں کیونکہ قاضٍ کا حکم بالاتفاق منصرف ہونا ہے جب کہ جوار کا حکم انصراف علی سبیل الاختلاف ہے لہذا دونوں کا حکم ایک جیسا نہ ہوا تو حکم کے اعتبار سے بھی تشبیہ درست نہیں ہوگی۔

جواب: یہاں تشبیہ فی الحکم بحسب الصورة مراد ہے یعنی جوار کا حکم قاضٍ کی طرح ہے باعتبار صورت کے کہ جو صورت قاضٍ کی ہے حالت رفع اور جر میں ہے یہی جوار کی ہوگی۔

قولہ **فی حذف الیاء عنہ و دخول التنوین علیہ** ۔سوال مقدر کا جواب۔

سوال: تشبیہ فی الحکم بحسب الصورة بھی درست نہیں کیونکہ جوارٍ فواعل کے وزن پر ہے اور قاضٍ فاعل کی وزن پر ہے لہذا جوارٍ کی صورت اور ہے اور قاضٍ کی صورت اور ہے۔

جواب: صورة سے مادہ صورة باعتبار الوزن مراد نہیں بلکہ صورة باعتبار حذف الیاء و دخول التنوین ہے۔اب قاعدہ کا حاصل یہ ہوا کہ ہر وہ جمع منقوص جو فواعل کے وزن پر ہو وہ رفعی اور جری حالت حکم میں بحسب الصورت قاضٍ کی طرح ہے۔حذف یاء اور دخول تنوین میں۔ کہ جس

طرح قاض میں یاء کوحذف کر کے تنوین کوداخل کرتے ہیں اسی طرح جوار میں بھی حالت رفعی اور جری میں یاء کوحذف کر کے تنوین کوداخل کرتے ہیں حالت رفعی کی مثال جیسے جاء تنی جوارٍ حالت جری کی مثال مررت بجوارٍ۔

قال الشارح واما فی حالة النصب ۔علامہ ابن حاجب نے تو حالت رفعی اور جری کا حکم بیان کیا تھا لیکن حالت نصبی کو بیان کردیا۔ حالت نصب کا حکم یہ ہے کہ حالت نصب میں حذف یاء اور ادخال تنوین نہ ہوگا یعنی جوارٍ قاضٍ کی طرح نہ ہوگا۔ بلکہ یاء باقی رہے گی اور متحرک مفتوح ہوگی جیسے جواری غیر منصرف ہوگا کیونکہ اس صورۃ میں سبب بھی موجود ہے اور جمع منتھی الجموع کا وزن بھی موجود ہے لہذا حالت نصبی میں جواری کے غیر منصرف ہونے میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں۔

قال الشارح فانه قد اختلف فیه ۔

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال : اس جگہ تو بحث انصراف اور عدم انصراف کی جاری تھی تو مصنف کے لئے مناسب یہی تھا کہ جوارٍ کے انصراف اور عدم انصراف کے بارے میں بتاتے جب کہ مصنف نے طریقہ استعمال بیان کیا ہے انصراف اور عدم انصراف کو بیان نہیں کیا تو یہ اشغال بمالایعنی اور خروج عن البحث لازم آتا ہے۔

جواب : مصنف کا مقصود چونکہ اختصار تھا جب کہ جوارٍ کے انصراف اور عدم انصراف میں اختلاف کثیر تھا اس لئے مصنف نے طریقہ استعمال ذکر کیا اور انصراف اور عدم انصراف کے بیان کو ترک کردیا۔ البتہ اس کی تفصیل مولانا جامیؒ بیان کر رہے ہیں اس کی تفصیل یہ ہے کہ حالت رفعی اور جری میں جوار کے انصراف اور عدم انصراف میں اختلاف ہے جس میں تین مذہب ہیں۔

پہلا مذہب: زجاج نحوی اور اسکے متبعین کا کہ جوارٍ اعلال سے پہلے بھی منصرف ہے اور اعلال کے بعد بھی منصرف۔

دوسرا مذہب: سیبویہ اور خلیل نحوی اور اس کے متبعین کا کہ یہ اعلال سے پہلے تو منصرف ہے لیکن اعلال کے بعد غیر منصرف ہے۔

تیسرا مذہب: امام کسائی اوراس کے متبعین کا ہے کہ اعلال سے پہلے غیر منصرف اوراعلال کے بعد بھی غیر منصرف۔ مولانا جامیؒ فرماتے ہیں کہ اس اختلاف کا دارومدار ایک اور اختلاف ہے وہ اختلاف یہ ہے کہ اعلال مقدم ہوتا ہے انصراف اورعدم انصراف پر یا انصراف اورعدم انصراف مقدم ہوتا ہے اعلال پر اس میں نحاۃ کے دوگروہ ہیں۔

بعض نحاۃ کا نظریہ یہ ہے کہ اعلال مقدم ہوتا ہے انصراف اورعدم انصراف پر۔

دلیل: کہ اعلال اورعدم اعلال کا تعلق مادہ کلمہ اورذات کلمہ کے ساتھ ہے اورانصراف اورعدم انصراف کا تعلق کلمہ کے صفات اوراحوال کے ساتھ ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ جس طرح ذات مقدم ہوتی ہے صفات پر اسی طرح متعلق بالذات مقدم ہوگا متعلق بالحال اور بالصفات پر لہذا اعلال مقدم ہوا انصراف اورعدم انصراف پر

بعض نحاۃ کا نظریہ: یہ ہے کہ انصراف اورعدم انصراف مقدم ہے اعلال پر۔

دلیل: کلمہ کا اولاً تلفظ کیا جاتا ہے ثانیاً دیکھا جاتا ہے کہ یہ کلمہ اعلال کا تقاضا کرتا ہے یانہیں اگر کرتا ہے تو اعلال کردیا جاتا ہے اگر تقاضا نہ کرے تو اعلال نہیں کیا جاتا۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ جب کلمہ کا تلفظ کیا جائے گا تو وہ انصراف اورعدم انصراف کے اعتبار سے ہی ہوگا تو لہذا جب انصراف اورعدم انصراف کا تلفظ مقدم ہوا تو یہی انصراف اورعدم انصراف اعلال پر مقدم ہوگا۔
جن نحاۃ کے نزدیک اعلال مقدم ہوتا ہے انصراف اورعدم انصراف پر پھر انکی دو جماعتیں ہیں۔
(۱)۔ زجاج اوراسکے متبعین کا (۲)۔ سیبویہ اوراس کے متبعین کا

قولہ مذهب بعضهم الى ان الاسم منصرف ۔

پہلا مذہب زجاج کا: اوراس کے متبعین کے مذہب کی تفصیل جس کا حاصل یہ ہے کہ جوار حالت رفعی اور جری ہردونوں میں منصرف ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک اعلال مقدم ہے انصراف اورعدم انصراف پر لہذا حالت رفعی جاء تنی جوار اصل میں جواری تنوین کے ساتھ ہوگا

قال الشارح بناء على ان الاصل فى الاسم ۔

سوال: جب تمہارے نزدیک اعلال مقدم ہے انصراف اورعدم انصراف پر تو پھر اعلال سے قبل جواریٌ کو منصرف کیوں پڑھتے ہو۔

جواب: اصل اسماء میں انصراف ہے اس لئے اعلال سے پہلے منصرف پڑھا جائے گا۔
تعلیل: جوارٌ ضمہ یاء پر ثقیل تھا اس کو گرادیا۔ یا التقاء ساکنین ہوا تنوین اور یاء کے درمیان تو یاء کو گرادیا تو جوارٍ رہ گیا بعینہ یہی تعلیل حالت جری میں ہوگی اب اعلال کے بعد جوارٍ کو بھی منصرف پڑھا جائے گا۔ اس لئے کہ جوارٍ میں اعلال کے بعد جمعیت تو ہے لیکن جمعیت کا وزن باقی نہیں بلکہ مفرد سلام، کلام کے ہم وزن ہو گیا۔

قال الشارح ذهب بعضهم الى انه بعد الاعلال -

دوسرا مذهب سيبويه كا: اور اس کے متبعین کا کہ جوارٍ اعلال سے پہلے منصرف ہے اس لئے کہ اصل اسماء میں منصرف ہونا ہے لیکن اعلال کے بعد غیر منصرف ہے اس لئے کہ اعلال کے بعد جوارٍ میں نفس جمعیت بھی موجود ہے اور اس کی شرط صیغہ منتھی الجموع والی وہ بھی موجود ہے لہذا یہ غیر منصرف ہوگا اعلال کے بعد۔

سوال: اس میں صیغہ منتھی الجموع کیسے ہے اس کو تو بعد اعلال جوارٍ پڑھا جاتا ہے۔
جواب: یہاں پر یاء مقدر ہے اور مقدر بمنزلہ ملفوظ کے ہوتا ہے گویا کہ یاء لفظوں میں موجود ہے لہذا جب وزن جمع کا موجود ہے اس لئے اسے غیر منصرف پڑھا جائے گا۔

قال الشارح لهذا لا يجرى الاعراب -

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔
سوال: مقدر کے بمنزلہ مذکور ہونے پر کیا دلیل ہے؟
جواب: دلیل یہ ہے کہ اعراب (راء) پر جاری نہیں ہوتا اگر اعراب (راء) پر جاری ہوتا تو اس کو حالت رفع میں جوارُ پڑھتے تو معلوم ہوا کہ اعراب کسی اور حرف پر جاری ہے وہ (یاء) ہے گویا کہ یاء مذکور ہوئی لہذا ان کے نزدیک جوارٍ پر اعلال سے پہلے تنوین تمکن کی ہے۔

قال الشارح والتنوين فيه عوض -

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔
سوال: جب اعلال کے بعد جوارٍ غیر منصرف ہے تو اس پر تنوین کیسے آئی ہے۔
جواب: یہ تنوین تمکن کی نہیں بلکہ تنوین عوض کی ہے اور غیر منصرف پر جس تنوین کا داخل ہونا ممتنع

ہے وہ تنوین تمکن کی ہے۔

قال الشارح عوض عن الياء ۔ مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: جوار کی تنوین عوض ہے تو اس کا معوض عنہ کیا چیز ہے؟

جواب: اس کے بارے میں دو قول ہیں۔

(۱)۔ یہ تنوین یاء کی حرکت کے عوض ہے جو حرکت گرگئی ہے۔

(۲)۔ یہ تنوین خود یاء کا عوض ہے۔

فائدہ: ان دونوں زجاج اور سیبویہ کے مذہب کے درمیان فرق یہ ہوگا کہ زجاج کے نزدیک جوار حالت رفعی جری میں اعلال سے پہلے بھی منصرف تھا اعلال کے بعد بھی منصرف ہے اور دونوں صورتوں میں تنوین تمکن کی ہے لیکن سیبویہ کے نزدیک اعلال سے پہلے تو منصرف ہے لیکن اعلال کے بعد غیر منصرف ہے اور قبل از اعلال تنوین تمکن کی ہے اور تعلیل کے بعد تنوین عوض کی ہے لیکن دونوں کا اس بات میں اتفاق ہے اکہ اعلال مقدم ہوتا ہے انصراف اور عدم انصراف پر۔

قوله في لغت بعض العرب ۔

تیسرا مذهب کسائی کا: کہ انصراف اور عدم انصراف مقدم ہوتا ہے اعلال پر تو ان کا مذہب یہ ہے کہ جواری حالت جری میں تو حالت نصبی کی طرح ہے۔ کہ جس طرح حالت نصبی میں غیر منصرف ہے اسی طرح حالت جری میں بھی غیر منصرف ہے۔ اس لئے کہ غیر منصرف کی جر نصب کے ساتھ پڑھی جاتی ہے تو یہاں پر بھی نصب کے ساتھ پڑھی جائے گی۔ یوں پڑھا جائے گا مررت بجواری چونکہ یاء پر فتحہ ثقیل نہیں اس لئے اعلال نہیں کرینگے اور اس میں چونکہ جمعیت بھی ہے اور اس کی شرط صیغہ منتھی الجموع بھی ہے تو غیر منصرف پڑھا جائے گا باقی رہی حالت رفعی تو قبل از اعلال تو غیر منصرف ہوگا کہ اس کو جوارئ بغیر تنوین کے پڑھینگے کیونکہ ان کے نزدیک انصراف اور عدم انصراف مقدم ہے اعلال پر۔ پھر تعلیل ہوئی جوارئ ضمہ یاء پر ثقیل تھا اس کو گرادیا اس کے عوض تنوین لے آئے۔ التقاء ساکنین کی وجہ سے یاء گرگئی تو جوارٍ رہ گیا۔ اب قبل از اعلال تو غیر منصرف ہے۔ لیکن بعد از اعلال دو قول ہیں۔ اگر یاء محذوفہ کا اعتبار کیا جائے جیسا کہ سیبویہ نے اس کا اعتبار کیا ہے تو جوار بعد از اعلال غیر منصرف ہوگا۔ اور اگر یاء

محذوفہ کا اعتبار نہ کیا جائے بلکہ نسیا منسیاً ہو جائے جیسا کہ زجاج نے اس کا اعتبار نہیں کیا اس صورت میں غیر منصرف ہوگا یا تو بعد از اعلال جوارٍ امام کسائی کے نزدیک منصرف ہوگا۔ ان کے نزدیک حالت جری میں اعلال نہیں۔ فقط حالت رفعی میں اعلال ہے۔

فائدہ: محذوف اور مقدر میں فرق یہ ہے کہ محذوف لفظ اور نیت دونوں میں ساقط ہو جاتا ہے اور جو مقدر ہوتا ہے نیت میں باقی رہتا ہے صرف لفظوں میں ساقط ہوتا ہے۔ پھر محذوف کی دو صورتیں ہیں۔(ا)۔علی الدوام ساقط ہوں جس کو نسیا منسیا کہا جاتا ہے جیسے یدٌ، دمٌ

۲۔لاعلی الدوام ساقط ہو یعنی اعلال موجود ہے تو ساقط جیسے قاضٍ، داعٍ ورنہ نہیں

﴿ساتواں سبب ترکیب﴾

قال الماتن ﴿التركيب شرطه العلمية﴾ اسباب منع صرف میں سے ساتواں سبب ترکیب ہے۔ ترکیب کے غیر منصرف سبب کے لئے دو شرطیں ہیں۔(ا)۔وجودی (۲)۔سلبی۔ وجودی شرط یہ ہے کہ علمیت ہو، سلبی یہ ہے کہ مرکب اسنادی اور اضافی نہ ہو تفصیل شرح میں ہے۔

قال الشارح **وهو صيرورة** ۔ترکیب کے معنی کا بیان ہے برائے دفع دخل مقدر۔

سوال: رکب، یرکب، ترکیباً متکلم کی صفت ہے اور غیر منصرف کے اسباب تو اسم کے اوصاف ہے متکلم کی صفت نہیں لہذا اس کو غیر منصرف کا سبب بنانا درست نہیں۔

جواب: یہاں ترکیب کا معنی ہے وهو صورة كلمتين یعنی دو یا دو سے زائد کلموں کا ایک کلمۃ ہو جانا بشرطیکہ جس کی کوئی جزء حرف نہ ہو اور ترکیب کا یہ معنی اسم کی صفت ہے متکلم کی نہیں۔

قال الشارح **فلا يرد النجم** ۔ماقبل پر تفریع کا بیان ہے برائے دفع دخل مقدر۔

سوال: النجم اور بصریّ جب یہ کسی کے نام ہو تو اس میں علمیت بھی ہے اور ترکیب بھی ہے لہذا ان کو غیر منصرف ہونا چاہیئے حالانکہ یہ منصرف ہیں۔

جواب: من غير حرفية جزء کہ ترکیب سے مراد وہ ترکیب ہے جس میں حرف جزء نہ ہو اور ان مثالوں میں حرف جزء بن رہا ہے النجم میں الف لام ہے اور بصری میں جزء ثانی یاء نسبت کی ہے جو کہ حرف ہے۔

قال الماتن **شرطه** ۔ترکیب کے سبب بننے کے لئے دو شرطیں تھیں اس میں شرط اوّل کا بیان ۔شرط اوّل علمیت ہے۔

قال الشارح **لیا من من الزوال** ۔اس میں علمیت کی شرط کی علۃ کا بیان ہے برائے دفع دخل مقدر۔

سوال: ترکیب کے غیر منصرف سبب بننے کے لئے علم ہونے کی شرط کیوں لگائی ہے۔

جواب: اس لئے کہ علم حتی الامکان تغیر وتبدل سے محفوظ ہوتا ہے تو ترکیب میں یہ شرط لگادی تا کہ یہ ترکیب زوال سے اور تغیر وتبدل سے محفوظ ہو جائے اور اس میں قوت پیدا ہو جائے اس لئے کہ ترکیب سبب ضعیف ہے کیونکہ اصل کلمات میں یہ ہے کہ ہر کلمہ مفرد مستقل ہو کسی کی طرف محتاج نہ ہو اور ترکیب جب بھی ہو گی تو وہ کسی نہ کسی عارضی وجہ سے ہو گی اور قاعدہ یہ ہے کہ العارض فی محل لزوال اور یہ بات ظاہر ہے کہ جو زوال کا اعتبار رکھے وہ کمزور ہوا کرتی تو غیر منصرف کا سبب نہیں بن سکتی اس لئے علمیت کی شرط لگا دی گئی تا کہ قوت بھی پیدا ہو جائے اور تغیر وتبدل سے بھی محفوظ ہو جائے۔

قال الشارح **ان لا یکون باضافۃ** ۔ترکیب کے سبب بننے کے لئے دوسری شرط کا بیان کہ ترکیب اضافی نہ ہو۔لان الاضافت سے اس شرط کے لئے علت اور دلیل کا بیان ہے کہ ترکیب غیر منصرف سبب بننے کے لئے یہ شرط کیوں لگائی ہے۔

جواب: اس لئے کہ ترکیب اضافی بر مذہب جمہور غیر منصرف کو منصرف بنا دیتی ہے اور بر مذہب صاحب کافیہ منصرف کے حکم میں کر دیتی ہے جب ترکیب غیر منصرف کو منصرف کے حکم میں کر دیتی ہے تو وہ کیسے موثر ہو سکتی ہے عدم انصراف میں۔

قال الشارح **ولا اسناد** ۔دوسری شرط تھی کہ مرکب اضافی بھی نہ ہو اور مرکب اسنادی بھی نہ ہو۔لانہ سے علت اشتراط کا بیان ہے برائے دفع دخل مقدر۔

سوال: ترکیب اسنادی غیر منصرف کی سبب کیوں نہیں بنتی۔

جواب: ماقبل میں یہ آپ نے شرط پڑھ لی ہے کہ ترکیب کے لئے علمیت شرط ہے اب وہ کلمہ مرکب اسنادی بھی ہو تو قاعدہ یہ ہے کہ وہ اعلام جو مشتمل بر اسناد ہوں وہ از قبیل مبنیات ہوتے ہیں

جب یہ مبنیات کے قبیل سے ہوئے تو غیر منصرف کا سبب نہیں بن سکتے کیونکہ انصراف اور عدم انصراف تو معرب کے قبیل سے ہے۔

قال الشارح فان التسمیة ۔ مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: اعلام مشتمل علی الاسناد مبنیات کے قبیل سے کیوں ہوتے ہیں۔

جواب: تابط شرا یہ ایک جملہ جو اسناد پر مشتمل ہے جب اس کو کسی شخص کا نام رکھ دیا جائے تو مبنی ہوگا معرب نہیں ہوگا اس لئے کہ جب بھی تابط شرا کا لفظ بولا جائے تو اس سے ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہوتا ہے اس واقع کی طرف اشارہ تب ہوسکتا ہے جب وہ مبنی پڑھا جائے تا کہ یہ اپنی حالت پر رہے تغیر وتبدل نہ ہو اور جب اس کو معرب پڑھا جائے گا تو تغیر وتبدل کی وجہ سے حرکات آئینگی جس سے خاص واقعہ کی طرف اشارہ نہ ہوگا۔

تابط شرا کا معنی ہے بغل میں چھپایا شر کو۔ بعد میں ایک شیخ کا علم بن گیا اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک آدمی لکڑیوں کی گٹھری لیکر گھر آیا بیوی نے کھولا تو اس سے سانپ نکل آیا اس پر بیوی نے یہ جملہ تابط شرا بولا پھر اس کا نام مشہور ہوگیا اب ہر شریر کو کہا جاتا ہے۔

قال الشارح فان قلت ۔مولانا جامیؒ سوال نقل کرکے جواب دینا چاہتے ہیں۔

سوال: جس طرح مرکب اضافی، مرکب اسنادی غیر منصرف کا سبب نہیں بن سکتی اس طرح مرکب عددی اور مرکب صوتی بھی غیر منصرف کا سبب نہیں بن سکتی۔ ان کی بھی نفی کرنی چاہیئے تھی۔ اور یوں کہنا چاہیئے تھا و ان لا یکون الجز الثانی صوتا ولا متضمناً بحرف العطف۔

جواب: مولانا جامیؒ نے جواب دیا کہ مصنف چونکہ مبنیات میں ان کے مبنی ہونے کو بیان کرچکے ہیں۔ البتہ مرکب عددی کو صراحۃً اور مرکب صوتی کو کنایۃً ۔ اس پر اکتفاء کرتے ہوئے یہاں ان کی نفی نہیں کی کہ طالب علم سمجھ لے گا۔ اور جب یہ مبنی ہیں تو غیر منصرف کا سبب نہیں بن سکتے بخلاف ترکیب اسنادی کے اس کو مبنیات میں بیان نہیں کیا اس کی وجہ سے اس کو یہاں صراحۃً بیان کیا

قال الماتن بعلبک ۔ اتفاقی مثال کا بیان کہ بعلبک ملک شام میں ایک شہر کا نام ہے یہ غیر منصرف ہے اس میں دو سبب موجود ہیں علمیت بھی اور ترکیب بھی ہے۔

سوال: ترکیب توصیفی بھی غیر منصرف کی سبب نہیں بنتی تھی اس کو بھی خارج کرنا چاہیئے تھا۔

جواب: مرکب توصیفی، مرکب اضافی میں داخل ہے کیونکہ دونوں میں جزء ثانی جزاوّل کی قید ہوا کرتی ہے۔

﴿آٹھواں سبب الف نون زائدتان﴾

قال الماتن **الالف و النون الزائدان ان کانتا فی اسم فشرطه العلمیة۔**

اسباب منع صرف میں آٹھواں سبب الف نون زائدتان ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ الف نون زائدتان دوحال سے خالی نہیں ہوتا یاتو اسم کے آخر میں زائد ہوتے ہیں یا صفت کے آخر میں۔ اگر اسم کے آخر میں ہوں تو اس کی تاثیر کے لئے علیت شرط ہے اور اگر صفت کے آخر میں ہو تو اس کے سبب بننے کے لئے شرط میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک اس کی مؤنث فعلانۃ کے وزن پر نہ ہو اور بعض کے نزدیک اس کی مؤنث فعلی کے وزن پر ہو۔ لیکن مقصد دونوں فریقوں کا ایک ہے۔ کہ تاء تانیث کی نفی ہے۔

قال الشارح **المعدود تان من اسباب منع الصرف** -

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال ۱: الف نون کو اسباب منع صرف میں شمار کرنا درست نہیں اس لئے کہ اسباب منع صرف تمام کے تمام از قبیل اوصاف ہیں جب کہ الف نون یہ از قبیل ذوات ہے۔

سوال ۲: حسان میں الف نون بھی موجود ہے اور علم بھی ہے تو اس کو غیر منصرف پڑھنا چاہیئے حالانکہ یہ منصرف ہے۔

جواب: الالف و النون میں الف لام عہد خارجی ہے اس سے وہ الف لام مراد ہے جو غیر منصرف کے اسباب میں شمار ہوتے ہوں اور وہ الف نون زائدتان ہیں۔ لہذا دونوں سوال مندفع ہوگئے اوّل اس طریقے سے کہ الف نون کی ذات غیر منصرف کا سبب نہیں بلکہ زیادتی الف نون غیر منصرف کا سبب ہے اور زیادتی اوصاف میں سے ہے ایک وصف ہے لہذا سبب بنانا صحیح ہوا۔ اور دوسرا اشکال بھی مندفع ہوگا اس لئے کہ الف نون سے مراد الف نون زائدتان ہے اور حسان کا الف نون اصلی ہے زائدتان نہیں اسی لئے اس کا وزن فعال ہے جس

کا مادہ حسن ہے لہذا یہ منصرف ہوگا۔

قولہ تسمیان مضارعتین ۔ اصطلاح کا بیان ہے برائے دفع دخل مقدر۔

سوال: الف نون من قبیل الذوات ہے حالانکہ اسباب منع صرف تمام اوصاف کے قبیل سے ہیں لہذا الف نون کو غیر منصرف کے اسباب میں شمار کرنا درست نہیں۔

جواب: جس سے پہلے مولانا جامیؒ نے ایک اصطلاح بیان کی ہے اس کو سمجھ لیں جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ الف نون جو اسباب منع صرف سے ہے اس میں دو اصطلاح ہیں۔

(۱)۔ الالف و النون الزائدتان ان کو زائدتان اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ حرف زائد ہیں۔

(۲) الالف والنون مضارعتان باقی ان کو مضارعتان کیوں کہا گیا اس لئے کہ اس کی مضارعت اور مشابہت ہے الف تانیث کے ساتھ امتناع دخول تائے تانیث میں۔ جس طرح الف تانیث کے ہوتے ہوئے تائے تانیث کا داخل ہونا ممتنع ہے اسی طرح الف نون کے ہوتے ہوئے تائے تانیث کا داخل ہونا ممتنع ہے خلاصہ یہ ہوا کہ پہلی اصطلاح سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اس میں وصف زیادۃ ہے۔ اور دوسری اصطلاح سے یہ معلوم ہوا کہ ان میں وصف مضارعت ہے باقی رہی بات ان کا غیر منصرف ہونا وصف زیادۃ کی وجہ سے ہے یا وصف مضارعت کی وجہ سے ہے اس میں دو مذہب ہیں۔

کوفین کا مذہب: یہ ہے کہ الف نون کا غیر منصرف کا سبب ہونا وصف زیادۃٔ کی وجہ سے

بصرین کا مذہب: یہ ہے کہ ان کا غیر منصرف ہونا یہ وصف مضارعت کی وجہ سے ہے بھر تقدیر ان کا غیر منصرف ہونا ذات کی وجہ سے نہیں بلکہ وصف کی وجہ سے ہے۔ ان دونوں مذہبوں میں سے مولانا جامیؒ کے نزدیک دوسرا مذہب راجح ہے کیونکہ مابعد میں شرط آ رہی ہے۔

انتفاء فعلانۃ تو اس میں بھی تائے تانیث کے امتناع مراد ہے اور مذہب ثانی کے مطابق بھی تاء تانیث کے دخول کا امتناع مراد ہے مذہب ثانی کے مطابق بھی تاء تانیث کا امتناع مراد ہے تو مابعد کے ساتھ مناسبت کی بناء پر اس کو راجح قرار دیا۔

قال الشارح ثم انهما متن کا حاصل یہ ہے صاحب کافیہ نے ضابطہ بیان کیا ہے کہ الف نون دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو اسم میں پایا جائے گا یا صفت میں۔ اگر اسم میں پائے جائیں تو

انکے غیر منصرف کے سبب بننے کے لیے علیت شرط ہے۔ اور اگر صفت میں پائے جائیں تو پھر سبب بننے کی شرط میں دو مذہب ہیں۔

پہلا مذہب: انتفاء فعلانۃ شرط ہے یعنی اس کی مؤنث فعلانۃ کے وزن پر نہ ہو۔

دوسرا مذہب: وجود فعلی شرط ہے یعنی اس کی مؤنث فعلی کے وزن پر ہو۔

قال الشارح یعنی بہ مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: اسم اور صفت کا تقابل صحیح نہیں۔ اس لیے کہ صفت بھی تو اسم ہوتی ہے۔ حالانکہ کلمہ او کا تقاضا یہ ہے کہ دونوں کے درمیان تقابل ہو۔

جواب: یہاں اسم سے مراد وہ اسم نہیں ہے جو فعل اور حرف کے مقابلے میں ہوتا ہے بلکہ یہاں اسم سے مراد وہ اسم ہے جو صفت کے مقابلے میں واقع ہوتا ہے اس لیے کہ وہ اسم فعل اور حرف کے مقابلہ میں ہو وہ دو قسم پر ہے۔ (۱) اسم محض۔ یعنی وہ اسم جو ذات بدون الوصف پر دلالت کرے۔ جیسے رجل، فرس، زید، عمر اس میں وصف کا بالکل دخل نہیں۔ (۲) وہ اسم جو ذات مع الوصف پر دال ہو۔ جیسے ضارب، مضروب وغیرہ۔ قسم اول کو اسم محض اور قسم ثانی کو اسم صفت کہتے ہیں۔ اب تقابل صحیح ہو جائے گا۔

شرطہ: ای الف والنون نکال کر ہ ضمیر کے مرجع کو بیان کر دیا۔ کہ ہ ضمیر کا مرجع الف نون ہے۔

قال الشارح وافراد الضمیر مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: شرطہ کی ضمیر کے مرجع میں دو احتمال ہیں۔ (۱) اس کا مرجع الف نون زائدتان ہو۔ (۲) اس کا مرجع اس ہو۔ اور یہ دونوں احتمال باطل ہیں۔ پہلا احتمال اس لیے باطل ہے کہ راجع مرجع میں مطابقت نہیں رہتی۔ کیونکہ ضمیر مفرد کی ہے اور مرجع دو چیزیں ہیں۔ اور دوسرا احتمال اس لیے باطل ہے کہ معنی فاسد بنتا ہے۔ اس طرح کہ معنی ہوگا اگر الف نون زائدتان اسم میں ہوں تو اس کی شرط یہ ہے کہ وہ اسم علم ہو یہ غلط ہے اس لیے کہ رجلان، امرأتان یہ اسم ہیں اور ان کے آخر میں الف نون زائدتان ہے۔ حالانکہ یہ علم نہیں۔

جواب: دواحتمال درست ہیں۔ الف نون دو چیزیں ہیں لیکن حکماً شئی واحد ہیں کیونکہ بعد میں یہ سبب واحد بنتے ہیں۔اس لیے ضمیر مفرد کالانا درست ہے۔

جواب ثانی: دوسرا احتمال بھی درست ہے اس لیے کہ علمیت اس اسم کے وجود کی شرط نہیں ہے جس میں الف نون ہو بلکہ اس اسم کے غیر منصرف ہونے کی شرط ہے۔

قال الشارح تحقیقا مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: جب الف نون اسم میں ہوں تو ان کے غیر منصرف میں مؤثر بننے کے لیے علمیت کی شرط کیوں لگائی ہے۔

جواب: علی مذہب الکوفیین یہ شرط اس لیے لگائی تا کہ ان کی زیادتی کا لزوم محقق ہو جائے۔ کیونکہ اعلام بقدر الا مکان تغیر وتبدل سے محفوظ ہوتے ہیں۔

اور بصریین کے مذہب پر تقریر یہ ہوگی یہ شرط اس لیے لگائی تا کہ تائے تانیث کا دخول اس پر ممتنع ہو جائے۔اور تانیث کے دوالفوں کے ساتھ مشابہت محقق ہو جائے۔

قال الشارح اوکانتافی مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: صفة کا عطف ہے فی اسم پر جس کا عامل کانتا ہے اور انتفاء فعلانة یہ معطوف ہے العلمیت پر جس میں عامل معنوی ہے تو یہ عطف علی معمولین عاملین مختلفین کے قبیل سے ہے۔ حالانکہ قاعدہ ہے کہ جب دو اسموں کا دو مختلف عاملوں کے معمولوں پر عطف کے جائز ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ مجرور مقدم ہو۔ اور یہاں پر مجرور منصوب سے مقدم نہیں ہے بلکہ منصوب سے مؤخر ہے۔

جواب: یہاں پر صفة کا عطف فی اسم پر نہیں بلکہ یہ خبر ہے کانتا محذوف کی۔اور انتفاء فعلانة یہ علمیت پر معطوف نہیں ہے بلکہ یہ خبر ہے مبتداء محذوف کی۔ جو کہ شرطہ ہے۔

قال الشارح یعنی امتناع مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: آپ نے الف نون زائدتان صفتی کی شرط انتفاء فعلانة ب لگائی ہے۔ہم آپ سے

پوچھتے ہیں انتفاء فعلانة بضم الفاء مراد ہے یا بفتح الفاء مراد ہے۔ اگر آپ کہیں فعلانۃ بفتح الفاء مراد ہے تو پھر عریان کو غیر منصرف ہونا چاہیے اس لیے کہ اس میں فعلانة بفتح الفاء منتفی ہے اس لیے کہ اس کی مؤنث عریانة بضم الفاء آتی ہے۔ اور اگر فعلانۃ بضم الفاء مراد ہے تو پھر ندمان کو غیر منصرف ہونا چاہیے اس لیے کہ اس کی مؤنث فعلانة بضم الفاء منتفی ہے بلکہ اس کی مؤنث ندمانة بفتح الفاء آتی ہے حالانکہ یہ دونوں منصرف ہیں۔

جواب: انتفاء فعلانة سے نہ ہماری مراد بضم الفاء ہے اور نہ ہی بفتح الفاء مراد ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے اس کے آخر میں تاء تانیث کا دخول ممتنع ہوتا کہ تانیث بالالفین کے ساتھ مشابہت برقرار رہے۔ اور آپ کی پیش کردہ دو مثالوں کے آخر میں تاء تانیث کا دخول ممتنع نہیں۔

قال الشارح شرطه وجود فعلى مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: وجود فعلى یہ مقولہ ہے قیل کے لیے۔ حالانکہ مقولہ کے لیے جملہ ہونا ضروری ہوتا ہے اور وجود فعلى تو مفرد ہے جملہ نہیں۔

جواب: وجود فعلى یہ خبر ہے مبتداء محذوف کی۔ جو کہ شرطه ہے پھر یہ مبتداء خبر مل کر جملہ بن کر مقولہ ہے۔

قال الماتن وقد قيل دوسرے مذہب کا بیان ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر الف نون زائدتان صفة میں ہوں تو ان کے منع صرف کا سبب بننے کے لیے شرط وجود فعلى اس لیے کہ جب اس کی مؤنث فعلى کے وزن پر ہوگی تو فعلانۃ کے وزن پر نہ ہوگی۔ جس کی وجہ سے تانیث بالالفین کے ساتھ مشابہت برقرار رہ جائے گی جو کہ تاء تانیث کے دخول کے امتناع میں ہے۔

قال الماتن ومن ثم اختلف ومن اجل نکال کر مولانا جامی نے بتا دیا کہ من تعلیلیہ ہے اور یہ ثَمَّ ہے ثُمَّ نہیں۔ اب عبارت کا حاصل یہ ہے کہ جب شرط میں اختلاف ہو گیا تو اسی وجہ سے لفظ رحمٰن کے انصراف اور عدم انصراف میں بھی اختلاف ہو گیا ہے جس میں دو قول ہیں۔

قول اول: رحمٰن غیر منصرف ہے۔ اس لیے کہ ان کے نزدیک شرط یہ تھی انتفاء فعلانۃ وہ اس پائی

جاتی ہے۔اس لیے کہ اس کی مؤنث رحمانۃ نہیں آتی۔

قول ثانی : یہ رحمٰن منصرف ہے اس لیے کہ ان کے نزدیک شرط یہ تھی اس کی مؤنث فعلیٰ کے وزن پر ہو۔اور رحمٰن کی مؤنث ہے ہی نہیں۔تو رحمی کے وزن پر کیسے آسکتی ہے۔

سوال : قول ثانی کے مطابق رحمٰن کو غیر منصرف ہونا چاہیے اس لیے کہ ان کے نزدیک وجود فعلیٰ شرط تھی جس سے مقصود انتفاء فعلانۃ ہے جیسا کہ مولانا جامی نے بیان کیا ہے۔کیونکہ رحمان کے مؤنث فعلانۃ کے وزن پر نہیں آتی لہذا جب قول ثانی کے مطابق شرط پائی جاتی یہ تو اس کو غیر منصرف ہونا چاہیے۔

جواب : بے شک دونوں قولوں کے مطابق انتفاء فعلانۃ شرط ہے لیکن فرق ہے۔قول اول کے مطابق انتفاء فعلانۃ مطلقاً شرط ہے خواہ دلیل لفظی موجود ہو یا نہ ہو۔اور قول ثانی کے مطابق وہ انتفاء فعلانۃ شرط ہے جس پر دلیل لفظی موجود ہو۔اور وہ دلیل لفظی وجود فعلیٰ ہے اور رحمٰن میں قول ثانی کے مطابق اگرچہ انتفاء فعلانۃ ہے لیکن اس پر دلیل لفظی موجود نہیں لہذا ان کے نزدیک یہ منصرف ہے۔

قال الماتن **دون سکران** مثال مطابقی کا بیان ہے۔کہ سکران دونوں مذہبوں کے مطابق غیر منصرف ہے کیونکہ دونوں مذہبوں پر شرط پائی جاتی ہے۔اس لیے کہ اس کی مؤنث سکری آتی ہے سکرانۃ نہیں آتی۔لہذا وجود فعلیٰ والی شرط بھی پائی گئی اور انتفاء فعلانۃ والی شرط بھی پائی گئی۔

قال الماتن **دون ندمان** مولانا جامی نے لفظ دون کا اضافہ کر کے حاصل عطف کو بیان کیا کہ جس طرح سکران کے عدم انصراف میں کسی کا اختلاف نہیں اسی طرح ندمان کے انصراف میں بھی کسی کا اختلاف نہیں کہ یہ بالاتفاق منصرف ہے ہے اس لیے کہ دونوں مذہبوں کے مطابق شرطیں نہیں پائی جاتیں۔اس کی مؤنث ندمانۃ آتی ہے ندمی نہیں۔

سوال : ندمان کو احترازی مثال بالاتفاق میں ذکر کرنا غلط ہے کیونکہ یہ مذہب ثانی کے مطابق

غیر منصرف ہے۔اس لیے کہ وجود فعلیٰ کی شرط پائی جاتی ہے جس سے مقصود انتفاء فعلانۃ ہے اور اس کی مؤنث ندمانۃ نہیں آتی بلکہ ندمی آتی ہے۔

جواب : ندمان کے دو معنی آتے ہیں۔(۱)ندمان معنی ندیم یعنی دوست، ساتھی۔ (۲)ندمان بمعنی نادم یعنی پشیمان۔اور جب ندمان ندیم کے معنی میں ہو تو یہ بالاتفاق منصرف ہے اس لیے کہ اس کی مؤنث اس وقت ندمانۃ کی وزن پر آتی ہے ندمی نہیں آتی۔اور صاحب کافیہ نے اسی معنی کے اعتبار سے اس کو احترازی مثال میں بیان کیا ہے۔لیکن جب ندمان بمعنی نادم کے ہو تو یہ بالاتفاق غیر منصرف ہے کیونکہ اس صورت میں اس کی مؤنث ندمی آتی ہے ندمانۃ نہیں آتی۔

﴿نواں سبب وزن فعل﴾

قال الماتن ووزن الفعل صاحب کافیہ نواں سبب وزن فعل کو بیان کر رہے ہیں۔جس کا حاصل یہ ہے کہ وزن فعل کے غیر منصرف کے سبب بننے کے لیے احد الامرین شرط ہے۔ (۱)اختصاص الوزن بالفعل (۲)یا اس کے شروع میں حروف اتین میں سے کسی ایسے حرف کی زیادتی ہو جو قابل للتاء نہ ہو۔

قال الشارح وھو کون الاسم مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال اول: وزن الفعل یہ تو فعل کی صفت ہے اور غیر منصرف کے اسباب تو اسم کی صفت ہیں تو وزن غیر منصرف کا کیسے سبب بن سکتا ہے۔لہذا ان اسباب میں وزن فعل کو شمار کرنا غلط ہے۔

جواب : وزن الفعل کا معنی ہے کون الاسم یعنی کسی اسم کا فعل کے وزن پر ہونا اور یہ بات ظاہر ہے کہ وزن فعل بایں معنی اسم کی صفت ہے۔

سوال ثانی : وزن کی اضافت جو الفعل کی طرف ہے یہ اضافت لامی ہے اور اضافت لامی اختصاص کا فائدہ دیتی ہے۔اب وزن فعل کا معنی ہوگا ایسا وزن جو فعل کے ساتھ مختص ہو۔تو

اختصاص الوزن بالفعل یہ مفہوم ہوگیاوزن الفعل سے۔لہذا صاحب کافیہ کا مابعد میں شرطه ان یختص بالفعل کوذکرکرنا مستدرک ہوا۔

جواب : یہاں اضافت لامی اختصاص کے لیے نہیں ہے بلکہ محض نسبت کے لیے ہےاوراضافت لامی کانسبت کے لیے ہونا کلام عرب میں موجود ہے جیسے کہا جاتا ہےزید ابوخالداس میں اب کی اضافت جوخالد کی طرف ہے یہ نسبت کے لیے ہے بالکل ایسے ہی یہاں پروزن کی اضافت جوفعل کی طرف ہے یہ نسب ت کے لیے ہے۔اب وزن الفعل کامعنی یہ ہوگا۔ایساوزن جوفعل کی طرف منسوب ہواوراوزان فعل میں سے شمار کیا جاتا ہو۔

قال الشارح فیھا مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدرکاجواب دینا ہے۔

سوال : ہم یہ بات تسلیم نہیں کرتے کہ اختصاص الوزن بالفعل وزن فعل کے لیے شرط ہے۔ مثلاضرب اس کاوزن اسم میں بھی پایا جاتا ہے جیسے شجر، حجر۔

جواب : اختصاص الوزن بالفعل یہ وزن فعل کے وجود کے لیے شرط نہیں بلکہ اس کے منع صرف کاسبب بننے کے لیے شرط ہے۔

قال الشارح احد الامرین احد الامرین نکال کرمولونا جامی نے یہ بتادیا کہ مابعد میں اویکون یہ قضیہ منفصلہ حقیقیہ ہےیعنی وزن فعل کے سبب بننے کے لیے لاعلی التعیین احد الامرین شرط ہے۔امراول اختصاص الوزن بالفعل ۔امرثانی اگراختصاص الوزن بالفعل نہ ہوتو پھرشرط یہ ہے کہ اس کے شروع میں حروف اتین میں سے کسی ایسے حرف کی زیادتی ہوجوقابل للتاءنہ ہو۔

قال الشارح اما ان یختص مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدرکاجواب دینا ہے۔

سوال : اویکون کاعطف ہے مصنف کے قول ان یختص پر۔اورقاعدہ ہے جب اوحرف عطف کے ذریعے عطف کیا جائے تو معطوف علیہ کے شروع میں امــــا کالانااولی ہوتا ہے۔اور جب اما کے ذریعے عطف کیا جائے تو معطوف علیہ کے شروع میں اما کالاناواجب ہوتا ہے۔

اور یہاں پر او کے ذریعے عطف کیا گیا ہے تو صاحب کافیہ کو چاہیے تھا کہ وہ معطوف علیہ سے پہلے اما کو لے آتے۔ الحاصل صاحب کافیہ نے اما کو کیوں ذکر نہیں کیا

جواب: جب او حرف عطف کے ذریعے عطف کیا جائے تو معطوف علیہ کے شروع میں اما کا لانا اولی ہوتا ہے لیکن اما کا مذکور ہونا ضروری نہیں خواہ اما ملفوظ ہو یا مقدر ہو۔

قال الشارح فی اللغة العربیة مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔ جس کی تقریر واما نحو بقم سے مولانا جامی بیان کر رہے ہیں۔ عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اختصاص الوزن بالفعل مطلقا شرط نہیں بلکہ لغت عرب میں شرط ہے۔

قال الشارح بمعنی انه مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: صاحب کافیہ نے اختصاص الوزن بالفعل کی شرط لگائی ہے۔ اب اس وزن فعل کے بارے میں ہم سوال کرتے ہیں کہ وزن فعل اسم میں پایا جائے گا یا نہیں۔ اگر اسم میں پایا جائے تو پھر یہ فعل کے ساتھ خاص نہ رہا کیونکہ خاصہ کی تعریف ہے مایوجد فیه ولا یوجد فی غیره۔ اور اگر اسم میں نہ پایا جائے تو پھر غیر منصرف کا سبب کیسے بنے گا۔

جواب: ان دو شقوں میں سے پہلی شق مراد ہے۔ باقی رہا آپ کا یہ سوال کہ اس صورت میں اختصاص الوزن بالفعل باقی نہیں رہے گا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اختصاص الوزن بالفعل یہ اصل وضع کے اعتبار سے ہے۔ یعنی اصل اور ابتداء میں وہ وزن فعل میں پایا جائے پھر نقل کر کے اسم میں پایا جائے۔

قال الشارح کشمر علی صیغة الماضی المعلوم مولانا جامی کی غرض متن کی مثال کی وضاحت بیان کرنا ہے اور مزید امثلہ کو بھی پیش کرنا ہے جس کا حاصل یہ ہے شمر یہ فعل ماضی معلوم کا صیغہ ہے جو ماخوذ ہے تشمیر سے۔ اور یہ وزن فعل ہی کے ساتھ مختص ہے۔ پھر اس کو فعل سے نقل کر کے حجاج ابن یوسف کے گھوڑے کا نام رکھ دیا گیا۔ باقی رہی یہ بات کہ منقول عنہ اور منقول الیہ کے درمیان مناسبت کیا ہے۔ مناسبت یہ ہے کہ

تشمیر کا معنی ہوتا ہے دامن سمیٹ لینا۔ اور یہ ممکن ہے کہ وہ گھوڑا بہت تیز رفتار ہو جس کی وجہ سے اس کا سوار دامن کو سمیٹ لیتا ہو۔

وکذالک بذر یہ بھی ماضی معلوم کا صیغہ ہے جو تبذیر سے ماخوذ ہے اس کو اسم کی طرف نقل کر کے بیر زمزم کا نام رکھ دیا ہے۔ اور مناسبت منقول عنہ اور منقول الیہ کے درمیان یہ ہے کہ تبذیر کا معنی ہوتا ہے فضول خرچی کرنا۔ اور جس طرح فضول خرچی میں کوئی روک ٹوک نہیں ہوتی اسی طرح پانی کے استعمال میں روک ٹوک نہیں ہوتی۔

عثر : یہ بھی وزن فعل کے ساتھ مختص تھا پھر اسم کی طرف نقل کر کے ایک ٹیلے کا نام رکھ دیا گیا اور مناسبت یہ ہے کہ تعثیر کا معنی ہوتا ہے منہ کے بل گرنا تو چونکہ اندھیری رات میں چلنے والا بھی ٹیلے سے ٹکرا کر منہ کے بل گر پڑتا ہے۔

خضم : یہ مشتق ہے تخضیم سے۔ اس کو بھی فعل سے اسم کی طرف نقل کر کے ایک شخص کا نام رکھ دیا گیا ہے اور مناسبت یہ ہے کہ تخضیم کا معنی ہوتا ہے منہ بھر کے کھانا اور یہ شخص بھی منہ بھر کے کھاتا ہے اسی وجہ سے اس کا نام خضم رکھ دیا گیا۔ اور یہ شمر، بذر، عثر، خضم یہ چاروں علمیت اور وزن فعل کی وجہ سے غیر منصرف ہیں۔

قال الشارح واما نحن بقم مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال : آپ کا یہ کہنا وزن فعل ابتداءً اس میں نہیں پایا جاتا بلکہ فعل میں پایا جاتا ہے۔ پھر فعل سے منقول ہو کر اسم میں پایا جاتا ہے۔ اس کو ہم تسلیم نہیں کرتے۔ اس لیے کہ بقم جو کہ ایک خاص رنگ کا نام ہے اور شلم جو شام کی ایک جگہ کا نام ہے یہ دونوں ابتداء اسم میں پائے جاتے ہیں فعل سے نقل ہو کر نہیں پائے جاتے۔

جواب : یہ بقم اور شلم اسمائے عجمیہ سے نقل ہو کر پائے جاتے ہیں اور ہم نے جو شرط لگائی وہ اسمائے عربیہ کے لیے شرط لگائی ہے۔

قال الشارح ومثل ضرب على البناء مولانا جامی نے لفظ مثل کا اضافہ کر کے حاصل

عطف کو بیان کیا ہے کہ ضُرِب معطوف ہے مصنف کے قول شمر پر۔ اور علی البناء سے مولانا جامی مثال کی وضاحت کرر ہے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ ضُرِب جب کسی شخص کا نام رکھ دیا جائے تو یہ علمیت اور وزن فعل کی وجہ سے غیر منصرف ہوگا اور اس میں وزن فعل کی شرط احد الامرین پائی جاتی ہے۔ کہ یہ ضرب بروزن فعل یہ فعل کے ساتھ مختص ہے پھر اس کو اسم کی طرف نقل کر کے نام رکھ دیا گیا ہے۔

قال الشارح وانما قیدنا مولانا جامی علی البناء المفعول کی قید کے فائدہ کو بیان کررہے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ ضَرَب اگر معلوم کا صیغہ ہو تو پھر یہ وزن فعل کے ساتھ مختص نہیں۔ کیونکہ یہ وزن اسماء میں ابتداء پایا جاتا ہے جیسے شجر، حجر۔ اسی وجہ سے مبنی للمفعول کی قید لگادی۔

قال الشارح اویکون غیر مختص مولانا جامی نے امر ثانی کو بیان کیا ہے اور غیر مختص سے یہ بتادیا کہ مصنف کی عبارت میں کلمہ او انفصال حقیقی کے لیے ہے یعنی نہ تو دونوں کا ارتفاع ہوسکتا ہے اور نہ دونوں اجتماع ہوسکتا ہے۔ اگر اختصاص وزن الفعل بالفعل پایا جائے تو فبہا ورنہ اس کے منع صرف میں مؤثر ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس کے شروع میں حروف اتین میں سے کسی ایسے حرف کی زیادتی ہو جو قابل للتاء نہ ہو۔

قال الشارح ای فی اولہ ضمیر کے مرجع کا بیان ہے۔ جس میں دو احتمال ہیں۔ (۱) اولہ کی ضمیر کا مرجع وزن الفعل ہو۔ (۲) ماکان علی الوزن الفعل ہو۔ یعنی وہ اسم جو فعل کے وزن پر ہو۔ لیکن وزن الفعل کا مرجع ہونا مجازاً ہے اور ماکان علی الوزن الفعل کا مرجع ہونا حقیقتاً ہے اس لیے کہ حقیقت میں زیادتی اس اسم کے شروع میں ہوتی ہے۔

قال الشارح زیادۃ مولانا جامی کی غرض لفظ زیادۃ کے معنی کو بیان کرنا ہے جس کے دو معنی ہیں۔ (۱) زیادۃ یہ مصدری معنی میں ہو۔ اور یہ مضاف ہو جس کا مضاف الیہ لفظ حرف محذوف ہو۔ تقدیر عبارت یوں ہوگی زیادۃ حرف پھر مضاف الیہ کے عوض مضاف پر تنوین لائی گئی ہے۔ (۲) زیادۃ ۔ یہ مصدر بمعنی اسم فاعل زائد کے ہو اور یہ صفت ہو موصوف محذوف کی جو کہ حرف

ہو۔اب عبارت یوں ہوگی حرف زائد۔

فائدہ مولانا جامی کی عبارت میں حرف زائد کومجرور پڑھیں گے ماقبل مجرور ہونے کی وجہ سے اوراس کو جر جوار کہتے ہیں اور متن میں اس کومرفوع پڑھیں گے۔

قال الشارح کزیادته ای مثل دوباتوں کا بیان ہے۔ (۱)کزیادته میں کاف منکیہ ہے جوصفت ہے زیادۃ کی۔ (۲)کزیادته میں ضمیر کے مرجع کا بیان ہے کہ ہ ضمیر کا مرجع یاتو زیادۃ حرف ہے یاحرف زائد ہے اب حاصل معنی یہ ہوگا کہ امر ثانی یہ ہے کہ وزن فعل کے شروع میں یا ماکان علی وزن الفعل کے شروع میں حروف اتین میں سے کسی ایسے حرف کی زیادتی ہوجائے جوتاء کوقبول کرنے والی نہ ہو۔

قال الشارح غیرقابل ای حال ترکیب کابیان ہے۔کہ غیر قابل یہ اوله کی ضمیر سے حال ہونے کی بناء پر منصوب ہے خواہ ضمیر کا مرجع وزن فعل ہو یا ماکان علی وزن الفعل ہو

قال الشارح لانه یخرج مولانا جامی کی غرض اشتراط مذکور کی وجہ کو بیان کرنا ہے کہ غیر قابل للتاء کی شرط کیوں لگائی۔جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ تاء متحرکہ اسم کے ساتھ خاص ہے۔لہذا اگر اسم قابل للتاء ہوتووہ اوزان فعل سے خارج ہوجائے گااور غیر منصرف کا سبب نہیں بن سکے گا۔

قال الشارح ولوقال مولانا جامی کی غرض مصنف پر دواعتراض کرنے ہیں۔

سوال اول: جب لفظ اربع کسی مذکر کا نام رکھ دیا جائے تو یہ علیت اوروزن فعل کی وجہ سے غیرمنصرف ہوگا۔حالانکہ اس میں وزن فعل کے سبب بننے کے لیے شرط عدمی غیر قابل للتاء نہیں پائی جاتی۔کیونکہ یہ قابل للتاء ہے جیسے کہا جاتا ہے اربعة رجال لہذا مصنف کو چاہیے تھا کہ غیر قابل للتاء کے ساتھ قیاسا کی قید لگاتے جس سے یہ اعتراض وارد نہ ہوتا اس لیے کہ اربعة کے اندرتاء قیاسی نہیں ہے۔لہذا اگر صاحب کافیہ قیاسا کی قید لگاتے تواعتراض وارد نہ ہوتا۔

سوال ثانی: اسود وصف اصلی اوروزن فعل کی وجہ سے غیرمنصرف ہے۔حالانکہ یہ بھی قابل

للتاء ہے۔اس لیے کہ مؤنث سانپ کو اسودۃ کہا جاتا ہے۔لہٰذا صاحب کافیہ اس اعتراض سے بچنے کے لیے ایک قید اور بڑھاتے باعتبار الذی امتنع من الصرف لاجله یعنی جس حیثیت سے اسم غیر منصرف ہے اسی اعتبار سے وہ قابل للتاء نہ ہو اور اسود کا قابل للتاء ہونا اس حیثیت کی وجہ سے نہیں جس حیثیت سے اسود غیر منصرف ہے۔اس لیے کہ اسود کا غیر منصرف ہونا وصف اصلی کے اعتبار سے ہے۔اور اس کا قابل للتاء ہونا یہ علبہ اسمیت کی وجہ سے ہے۔

قال الماتن ومن ثم امتنع سے وجود شرط پر تفریع کا بیان ہے اور وانصرف سے انعدام شرط پر تفریع کا بیان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ وزن فعل کے سبب بننے کے لیے شرط یہ تھی کہ اس کے شروع میں حروف اتین میں سے کسی ایک حرف کی زیادتی ہو جو قابل للتاء نہ ہو اسی وجہ سے احمر غیر منصرف ہے کیونکہ حرف اتین کی زیادتی بھی ہے اور غیر قابل للتاء بھی ہے اور یعمل غیر منصرف ہے کیونکہ اس کے شروع میں اگرچہ حرف اتین کی زیادتی پائی جاتی ہے لیکن یہ غیر قابل للتاء نہیں بلکہ تاء اس کے آخر میں لاحق ہو جاتی ہے جیسے اونٹنی کو کہا جاتا ہے ناقة یعملة۔

قال الماتن وما علمية مؤثرة اذا نكر صرف اس عبارت سے صاحب کافیہ کی غرض ایک ضابطہ کو بیان کرنا ہے۔جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر وہ اسم غیر منصرف جس میں علمیت مؤثرہ ہو عام ازیں کہ علمیت کا مؤثر ہونا بطور سببیت مع الشرطیة ہو یا بطور سببیت محضہ کے ہو ایسے اسم غیر منصرف کو جب نکرہ بنایا جائے گا تو بعد از تنکیر وہ منصرف ہو جائے گا۔

باقی رہی یہ بات سببیت مع الشرطیة کا مطلب کیا ہے۔وہ یہ ہے کہ علمیت مستقل سبب ہو اور دوسرے سبب کی سببیت کے لیے شرط بھی ہو۔

اور سببیت محضہ کا مطلب یہ ہے کہ علمیت مستقل سبب تو ہو لیکن دوسرے سبب کی سببیت کے لیے شرط نہ ہو۔

ضابطه کا حاصل كل ما فيه علمية مؤثرة اذا نكر صرف جس کی دلیل ایک قیاس

سے مرکب ہے۔

قیاس کا صغری کل مافیه علمیة مؤثرة اذا نکر بقی بلا سبب اوعلی سبب واحد

قیاس کاکبری فکل ماهکذا شانه فهو منصرف

نتیجه فکل مافیه علمیة مؤثرة اذا نکر صرف۔اس قیاس کا کبری محتاج الی الدلیل نہیں ہے۔کیونکہ وہ اسم جو بلاسبب ہو یا ایک سبب پر باقی رہ جائے تو وہ غیر منصرف تو نہیں ہوسکتا اس لیے کہ غیر منصرف کے لیے تو دو سبب کا ہونا ضروری ہے۔البتہ قیاس کا صغری دلیل کا محتاج ہے جس کو صاحب کافیہ نے لماتبین سے بیان کیا ہے۔جس کا حاصل یہ ہے ہر ایسا اسم غیر منصرف ہے جس میں علمیت مؤثرہ ہو وہ بعد از تنکیر کن کن صورتوں میں بغیر سبب کے یا ایک سبب پر باقی رہتا ہے۔

جس کی تفصیل یہ ہے ماقبل سے یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ علمیت کا اجتماع اسباب ثمانیہ باقیہ میں سے دو سببوں کے ساتھ تو بالکل ہوتا ہی نہیں وہ دو سبب یہ ہیں۔(۱) وصف (۲) جمع۔اب باقی اسباب ستہ رہ گئے جن کے ساتھ اجتماع ہوتا ہے لیکن چھ میں سے چار اسباب کے ساتھ علمیت کا اجتماع بطور سببیت مع الشرطیۃ کے ہوتا ہے اور وہ چار سبب یہ ہیں۔ (۱) تانیث حاصل بالتاء خواہ تانیث لفظی ہو یا تانیث معنوی ہو۔ (۲) عجمہ (۳) ترکیب (۴) الف نون زائدتان۔لہذا ایسا اسم غیر منصرف جس میں ایک سبب علمیت اور دوسرا سبب ان چار اسباب مذکورہ میں سے کوئی ایک ہو پھر اس کو نکرہ بنادیا جائے تو یہ اسم غیر منصرف بلاسبب باقی رہ جاتا ہے کیونکہ علمیت جو مستقل سبب تھا وہ تنکیر کی وجہ سے ختم ہو گیا۔اور دوسرے سبب کی سببیت کے لیے علمیت شرط تھی تو جب شرط ختم ہوگئی تو سببیت بھی ختم ہوگئی۔ اذا فات الشرط فات المشروط۔لہذا یہ اسم بغیر سبب کے باقی رہ جائے گا جیسے طلحہ کو نکرہ بنادیا جائے تو یہ منصرف ہو جائے گا۔ باقی ان اسباب ستہ میں سے دو سبب رہ گئے۔ (۱) عدل (۲) وزن فعل۔ان کے ساتھ علمیت کا اجتماع محض بطور سببیت کے ہوتا ہے۔اگر ایسے اسم غیر منصرف کو جس میں ایک سبب علمیت ہو دوسرا سبب ان دو میں سے کوئی ایک ہو تو اس میں بعد از تنکیر ایک سبب باقی رہ جائے گا۔اس لیے کہ علمیت جو مستقل سبب تھی وہ

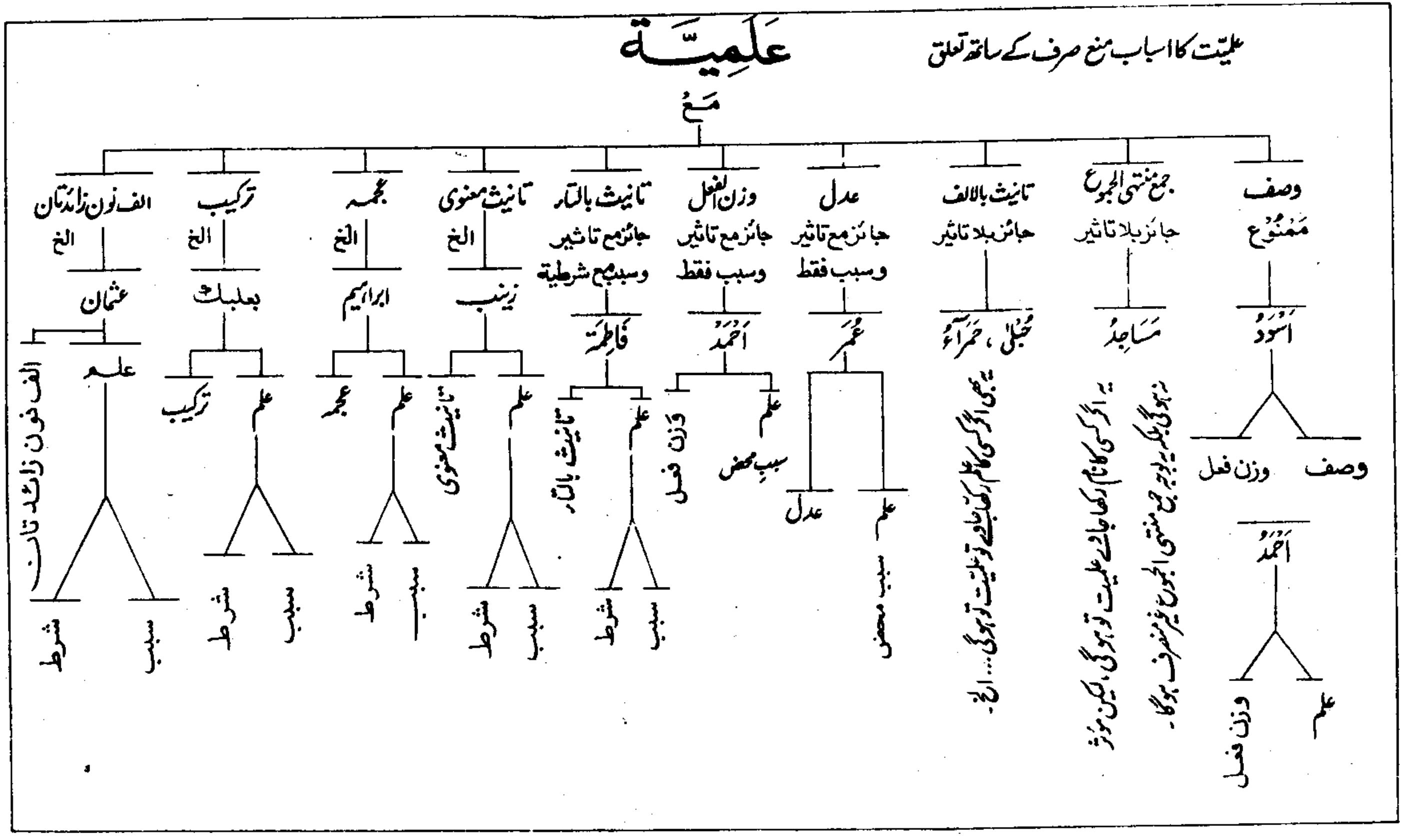
علمیت کا اسباب منع صرف کے ساتھ تعلق
عَلَمِیَّة
مَعَ
وصف
مَمْنُوْع
اَسْوَدُ
وصف
وزن فعل
اَحْمَدُ
علم
وزن فعل
جمع منتہی الجموع
جائز بلا تاثیر
مَسَاجِدُ
اگر کسی کا نام رکھا جائے علمیت تو ہوگی لیکن موثر نہ ہوگی بلکہ بوجہ جمع منتہی الجموع غیر منصرف ہوگا۔
تانیث بالالف
جائز بلا تاثیر
حُبْلٰی ، حَمْرَاءُ
یہ بھی اگر کسی کا نام رکھا جائے تو علمیت تو ہوگی ... الخ
عدل
جائز مع تاثیر
وسبب فقط
عُمَرُ
علم
سبب محض
عدل
وزن الفعل
جائز مع تاثیر
وسبب فقط
اَحْمَدُ
علم
سبب محض
وزن فعل
تانیث بالتاء
جائز مع تاثیر
وسبب مع شرطیة
فَاطِمَةُ
علم
شرط
سبب
تانیث بالتاء
تانیث معنوی
الخ
زینب
علم
شرط
سبب
تانیث معنوی
عجمہ
الخ
ابراہیم
علم
شرط
سبب
عجمہ
ترکیب
الخ
بعلبک
علم
شرط
سبب
ترکیب
الف نون زائدتان
الخ
عثمان
علم
شرط
سبب
الف نون زائدتان

تنکیر کی وجہ سے ختم ہوگئی اور دوسرا سبب اپنے حال پہ باقی ہے کیونکہ اس کے لیے علمیت شرط نہیں تھی۔ تو یہ ضابطہ ثابت ہوا۔ کل مافیه علمیة مؤثرة اذا نکر صرف ۔

قال الماتن وهو متضادان صاحب کافیہ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: ممکن ہے کہ کوئی اسم غیر منصرف ایسا ہو کہ جس میں تین سبب پائے جاتے ہوں۔ (۱) علمیت (۲) وزن فعل (۳) عدل۔ جب ایسے اسم کو نکرہ بنادیا جائے تو وہ نکرہ بننے کے بعد بھی غیر منصرف رہے گا اس لیے کہ تنکیر کے بعد دو سبب باقی رہ جاتے ہیں۔ (۱) عدل (۲) وزن فعل۔

جواب: عدل اور وزن فعل میں تضاد ہے یہ قطعاً جمع نہیں ہو سکتے۔ اس لیے کہ عدل کے اوزان بحسب الاستقراء چھ میں بند ہیں۔ جس کو کسی فارسی نے شعر میں بند کیا ہے۔

اوزان عدل را بتمامے توں شش شمر　　مفعل وفعل مثالھما مثلث وعمر
فعل است ہم چوں امس　　وفعل است چوں ثلث
دیگر فعال داں تو قطام وفعلو سحر

اور ان اوزان میں سے کوئی وزن، وزن فعل نہیں ہے لہذا جب ان میں تضاد ہوا اور قاعدہ یہ ہے کہ دو متضاد چیزیں ہرگز جمع نہیں ہوسکتیں۔

قال الشارح ای لا یوجد مولانا جامی نے یہ بتادیا کہ یہ کان تامہ ہے جس کو خبر کی ضرورت نہیں اور کان تامہ وجود کے معنی میں ہوتا ہے۔

قال الشارح ای کل اسم مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: مافیه علمیة مؤثرة اذا نکر صرف ۔ یہ قضیہ مہملہ ہے اس لیے کہ عموم اور خصوص دونوں کا احتمال رکھتا ہے یعنی اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ کل افراد مراد ہوں اور یہ بھی احتمال ہے کہ بعض افراد مراد ہوں۔ اور قضیہ مہملہ عند المناطقہ جزئیہ کے حکم میں ہوتا ہے اب عبارت کا حاصل یہ ہوگا بعض اسم غیر منصرف تکون فیه علمیة مؤثرة اذا نکر صرف۔ یہ مفہوم بالکل غلط ہے خلاف واقع ہے۔

جواب: یہاں پر ما عام ہے اس سے مراد کل افراد ہیں۔ لہذا یہ قضیہ کلیہ ہوا۔ باقی رہا آپ کا یہ سوال کہ مہملہ عند المناطقہ جز ئیہ کے حکم میں ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مہملہ کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) مهملة العلوم (۲) مهملة المحاورات۔ اور جو مہملہ جز ئیہ کے حکم میں ہوتا ہے وہ مہملۃ المحاورات ہوتا ہے اور یہاں پر مہملۃ العلوم مراد ہے اور مہملۃ العلوم کلیہ کے حکم میں ہوتا ہے اس لیے کہ علوم میں تو قواعد کلیہ کا بیان ہوتا ہے۔

قال الشارح تکون مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: جب ما سے مراد کل اسم ہے تو فیه کو اس کے متعلق کرنا صحیح نہ ہوگا اس لیے کہ متعلق فعل ہوتا ہے یا شبہ فعل ہوتا ہے اور کل اسم نہ تو فعل ہے اور نہ شبہ فعل ہے۔

جواب: یہاں کا فیه متعلق محذوف ہے جو کہ تکون ہے۔ جس کا متعلق ہونا درست ہے

قال الشارح فی منع الصرف مولانا جامی نے بتادیا کہ تاثیر سے مراد تاثیر فی الذات اور تاثیر فی الوجود نہیں بلکہ تاثیر سے تاثیر فی منع الصرف مراد ہے۔

بالسببية المحضه : کہ علمیت کے مؤثر ہونے میں تعمیم ہے خواہ سببیت محضہ کے طور پر ہو جیسا کہ عدل اور وزن فعل میں ہوتا ہے یا سببیت مع الشرطیۃ کے طور پر مؤثر ہو جیسا کہ چار اسباب میں ہوتا ہے۔ تانیث بالتاء وغیرہ میں۔

قال الشارح واحترز مولانا جامی کی غرض یہ بتانا ہے کہ متن کے اندر مؤثرۃ کی قید احترازی ہے اس سے احتراز اس علمیت سے ہے جو تانیث بالالف مقصورہ والا الف الممدودہ اور جمع منتہی الجموع میں ہے اس لیے کہ ان میں علمیت اگرچہ پائی جاتی ہے لیکن مؤثر نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ ایک ہی سبب دو سببوں کے قائمقام ہوتا ہے۔

قال الشارح بان یؤل یہ باء تصویر یہ ہے۔ جس سے مولانا جامی علم کو نکرہ بنانے کی صورت بیان کر رہے ہیں اور طریقہ بتا رہے ہیں۔ کہ علم کو نکرہ بنانے کی دو صورتیں اور دو طریقے ہیں۔ (۱) علم سے شخص معین نہ مراد لیا جائے بلکہ ایک جماعت جو مسمات بعلم واحد اس کا ایک غیر معین

فرد مراد لیا جائے۔ مثلا زید دس افراد کی جماعت کا نام ہو۔ اور یوں کہا جائے هذا زید ورئیت زیدا آخر اس میں دوسرا زید نکرہ ہے کیونکہ اس سے شخص معین مراد نہیں بلکہ زید نامی جماعت میں سے ایک فرد واحد غیر معین مراد ہے۔

(۲) علم سے فرد معین مراد نہ لیا جائے بلکہ علم سے مراد وہ وصف مشہور لی جائے جس کے ساتھ صاحب علم مشہور تھا جیسے کہا جاتا ہے لکل فرعون موسیٰ اس سے مراد لیا جاتا ہے لکل محق مبطل یعنی موسیٰ اور فرعون سے فرد معین نہ مراد لیا جائے بلکہ وصف غیر مشہور مراد لیا جائے۔ وہ موسیٰ کے لیے وصف مشہور محق ہے اور فرعون کی وصف مشہور مبطل ہے۔

ای ظهر : معنیٰ کو بیان کر دیا کہ تبین بمعنیٰ ظہر کے ہے۔

حین بین : محل ظہور کا بیان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب ماقبل میں صاحب کافیہ نے اسباب منع صرف اور ان کی تاثیر کی شرائط کو ذکر کیا اور کہا مایقوم مقامهما الجمع والفا التانیث۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ علمیت تانیث بالالف المقصورہ والالف الممدودہ اور جمع منتہی الجموع کے ساتھ پائی جاتی ہے لیکن مؤثر نہیں ہوتی اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک دو سببوں کے قائمقام ہے۔ اور جب کہا فلا تضره الغلبة تو اس سے معلوم ہوا کہ علمیت وصفیت کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی اور پھر جب تانیث حاصل بالتاوغیرہ کی تاثیر کے لیے علمیت کو شرط قرار دیا تو اس سے معلوم ہوا کہ علمیت اس کے ساتھ پائی جاتی ہے خود سبب بن کر اور دوسرے سبب کے لیے شرط بن کر بھی پائی جاتی ہے۔ اور پھر جب عدل اور وزن فعل کی مثالیں ذکر کیں تو اس سے معلوم ہوا کہ علمیت ان کے ساتھ جمع ہوتی ہے محض سبب بن کر

ای العلمية : مولانا جامی نے ضمیر کے مرجع کی تعیین کر دی کہ انھا کی ضمیر کا مرجع العلمیۃ ہے

وذالک : مولانا جامی کی غرض ان اسباب کو شمار کرنا ہے جن کے ساتھ علمیت بطور سببیت مع الشرطیت جمع ہوتی ہے اور وہ چار ہیں۔ تانیث بالتاء، عجمہ، ترکیب، الف نون زائدتان۔

قال الشارح استثناء مما بقی : مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: جس سے پہلے ایک ضابطہ سمجھ لیں جس کا حاصل یہ ہے کہ جب حرف عطف کے بغیر امر واحد سے متعدد استثناء ہوں تو وہاں بدل الغلط ہوتا ہے جس کا معنی یہ ہوتا ہے یہاں مبدل منہ یعنی استثناء اول غلطی کے طور پر واقع ہوا ہے جو مسقوط عنہ کے حکم میں ہے۔ اور مقصود بدل یعنی استثناء ثانی ہے جیسے جب یہ کہا جائے جاء نی القوم الا زیدا الا عمروا۔ اس کا مطلب یہ ہوگا زید کا استثناء غلطی کی وجہ سے واقع ہوگیا مقصد تو صرف امر کا استثناء ہے۔ اب معنی یہ ہوگا قوم کی مجیت سے زید مستثنیٰ نہیں ہے بلکہ عمر مستثنیٰ ہے۔

اب سوال کی تقریر یہ ہے کہ صاحب کافیہ کی عبارت میں امر واحد سے دو استثنیٰ واقع ہیں۔ (۱) الا ماھی شرط فیہ (۲) الا العدل ووزن الفعل۔ تو اس قاعدہ مذکورہ کا مطابق معنی یہ ہوگا علیت اسباب ثمانیہ میں سے کسی ایک کے ساتھ مؤثر ہوکر نہیں پایا جاتا مگر عدل اور وزن فعل کے ساتھ اور یہ معنی خلاف واقع اور خلاف مفروض ہونے کی وجہ سے یقیناً غلط ہے۔

جواب: جس کا حاصل یہ ہے جس طرح یہاں استثناء دو ہیں اسی طرح مستثنیٰ منہ بھی دو ہیں۔ (۱) استثناء اول کا مستثنیٰ منہ مطلق سبب ہے جو اسباب ثمانیہ کو شامل ہے۔ جس کا معنی یہ ہے کہ علیت مؤثر ہوکر جمع نہیں ہوتی اسباب ثمانیہ میں سے کسی ایک کے ساتھ۔ مگر جس کے لیے علیت شرط ہو۔ اس سے چار اسباب کا استثناء ہوگیا۔ تانیث بالتاء، عجمہ، ترکیب، الف ونون زائدتان۔ باقی چار سبب رہ گئے۔ (۱) عدل (۲) وزن فعل (۳) وصف (۴) جمع۔ پھر ما بقی من الاستثناء الاول سے دوسرا استثناء کیا گیا ہے الا العدل ووزن الفعل۔ تو اس سے عدل اور وزن فعل کا استثناء ہوگیا اس لیے کہ علیت مؤثر ہوکر ان کے ساتھ پائی جاتی ہے۔ جیسا کہ عمر اور احمد کے اندر وزن فعل اور علیت ہے اور عمر میں عدل اور علیت ہے۔ البتہ علیت عدل اور وزن فعل کی تاثیر کے لیے شرط نہیں یعنی علیت کے بغیر بھی یہ دونوں مؤثر ہوتے ہیں جس طرح کہ ثلث اور احمر میں دو سبب موجود ہیں۔ احمر میں وزن فعل اور وصف اور ثلث میں وصف اور عدل۔ یہ باوجود علیت نہ ہونے کے غیر منصرف ہیں جس سے واضح ہوگیا کہ

علمیت ان کی تاثیر کے لیے شرط نہیں ہے۔

فلایکون معھا : ماقبل پر تفریع کا بیان ہے۔ کہ جب عدل اور وزن فعل میں تضاد ہے تو علمیت کے ساتھ ان دو میں سے ایک پایا جائے گا۔ دونوں اکٹھے نہیں پائے جائیں گے۔

قال الشارح **شئی من الامرالدائر** مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال : الا احدھما یہ استثناء ہے جس کا مستثنیٰ منہ ھو ضمیر ہے جو یکون فعل میں مستتر ہے اور اس ضمیر کے مرجع میں تین احتمال ہیں۔ (۱) ضمیر کا مرجع مطلق سبب ہو۔ جو کہ اسباب ثمانیہ کو شامل ہو۔ (۲) ضمیر کا مرجع احدھما یعنی عدل اور وزن فعل میں سے ایک ہو۔ (۳) اس کا مرجع عدل اور وزن فعل دونوں ہوں۔ اور یہ تینوں احتمال باطل ہیں۔

پہلا احتمال اس لیے باطل ہے کہ اگر مرجع مطلق سبب کو بنایا جائے تو معنی غلط بنتا ہے اس لیے کہ معنی یہ ہوگا اسباب ثمانیہ میں سے کوئی سبب علمیت کے ساتھ جمع نہیں ہوتا مگر عدم اور وزن فعل میں سے ایک کے ساتھ۔ اور یہ خلاف واقع ہے اور جھوٹ ہے۔ جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

دوسرا احتمال اس لیے غلط ہے کہ ضمیر کا مرجع اگر احدھما کو بنایا جائے تو استثناء الشئی عن نفسہ اور استثناء الکل عن الکل کی خرابی لازم آئے گی۔

تیسرا احتمال اس لیے غلط ہے کہ اگر مرجع عدل اور وزن دونوں کو بنایا جائے تو راجع مرجع مطابقت نہیں رہتی۔۔

جواب : یکون کی ضمیر کا مرجع ہم ان تینوں کو نہیں بناتے یعنی نہ مطلق سبب کو بناتے ہیں اور نہ احدھما کو اور نہ مجموعہ کو بلکہ ضمیر کا مرجع ہم ایک ایسے امر کو بناتے ہیں جو عدل اور وزن فعل کا مجموعہ اور احدھما کے درمیان دائر ہے۔ اب اس صورت میں مستثنیٰ منہ عام بن جائے گا اور مستثنیٰ خاص۔ جس سے نہ کذب لازم آئے گا اور نہ ہی استثناء الشئی عن نفسہ کی خرابی لازم آئے گی۔ اور یہ استثناء الخاص عن العام ہو جائے گا کہ مستثنیٰ منہ امر عام ہے جو صاحبین مذکورین کے مجموعہ کو بھی شامل ہے اور احدھما کو بھی۔ پھر ان دو صورتوں میں سے ایک صورت

احدھما کا استثناء کرلیا اور اس امر عام کو امر دائر اور مفہوم مردد سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

قال الشارح **ای لم یبقیٰ من حیث**

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال : یہ سوال بقی بلا سبب کے درمیان ہے کہ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ علمیت کہ زائل ہونے سے سبب بالکل ختم ہوجائے مثلاً طلحہ کو جب نکرہ بنادیا جائے تو بعداز تنکیر تانیث باقی رہ جاتی ہے۔لہذا آپ کا بقی بلا سبب کہنا غلط ہے۔

جواب : ہماری مراد دوسرے سبب کے زائل ہونے سے یہ نہیں کہ ذات ہی باقی نہیں رہتی بلکہ ہماری مراد یہ ہے کہ دوسرے سبب کی سببیت زائل ہوجاتی ہے جس طرح طلحہ کو جب نکرہ بنادیا جائے تو تانیث بیشک موجود رہتی ہے لیکن سبب اور مؤثر نہیں بنتی۔

ھذا : مولانا جامی کی غرض مباحث مذکورہ کے حفظ کرنے پر تنبیہ کرنا ہے۔

قال الشارح **فقد قیل** صاحب کافیہ کے قول وھما متضادان پر وارد ہونے والے اعتراض کو مولانا جامی نقل کرکے اس کے دو جواب ذکر کررہے ہیں۔

سوال : صاحب کافیہ نے کہا کہ عدل اور وزن فعل میں تضاد ہے یہ دونوں جمع نہیں ہوسکتے ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ ہم آپ ایسی مثال دکھاتے ہیں جس میں عدل اور وزن فعل دونوں جمع ہیں جیسے اِصمِت بروزن اضرب جو ایک جنگل کا نام ہے اس میں وزن فعل بھی ہے اور عدل بھی پایا جاتا ہے اس لیے کہ یہ اِصمِت بروزن اضرب معدول ہے صمت یصمت بروزن نصر ینصر سے۔حالانکہ قیاس اور قانون کا تقاضا یہ تھا کہ یہ اُصمُت بروزن انصر ہو اس کا بروزن اضرب ہونا دلیل ہے اس بات کی کہ یہ اُصمُت بروزن انصر سے معدول ہے۔

جواب اول : اِصمِت میں عدل یقینی نہیں اس لیے کہ یہ ممکن ہے کہ یہ صمت یصمت بروزن ضرب یضرب سے ہو اگرچہ یہ مشہور نہیں لہذا جب اس کا ضرب یضرب سے ہونا ممکن ہے تو اس میں عدل کا پایا جانا یقینی نہ ہوا۔

جواب ثانی: جس کو مولانا جامی نے وایضاً سے بیان کیا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر ہم اس بات کو تسلیم بھی کرلیں کہ اِصْمِت کی اصل پائی جاتی ہے پھر ہم یہ کہتے ہیں کہ عدل کے پائے جانے کے لیے اتنی بات کافی نہیں کہ معدول عنہ کے وجود پر دلیل موجود ہو بلکہ اس کے لیے دو باتوں کا ہونا ضروری ہے۔ (۱) غیر منصرف عدل کے اعتبار کرنے کا تقاضا کرے۔ (۲) اس اصل اور معدول عنہ سے عدل کے اخراج کا اعتبار ہو۔ اور یہاں اصمت کا غیر منصرف ہونا عدل کے اعتبار کرنے کا تقاضا نہیں کرتا کیونکہ اصمت میں دو مستقل سبب پائے جاتے ہیں۔ (۱) علمیت۔ کہ یہ ایک جنگل کا نام ہے۔ (۲) تانیث معنوی ہے۔

قال الماتن وخالف سیبویه الاخفش صاحب کافیہ کی عبارت کا حاصل یہ ہے۔ کہ جب احمر کی مثل کسی کا علم ہو اور اس کو نکرہ بنا دیا جائے بعد از تنکیر اس کے انصراف اور عدم انصراف میں اختلاف ہے سیبویہ اور اخفش کا۔ اخفش صاحب جمہور کے قول کے مطابق اس کو منصرف قرار دیتے ہیں اور سیبویہ اس کو غیر منصرف قرار دیتے ہیں۔

سیبویه کی دلیل : کہ مثل احمر میں علمیت کے اندر وصف اصلی کا اعتبار کرنے سے مانع علمیت تھی جب بعد از تنکیر علمیت زائل ہوگئی تو وصف اصلی کے اعتبار کرنے سے کوئی مانع نہ رہا لہٰذا مثل احمر علما بعد از تنکیر وصف اصلی اور سبب آخر کی وجہ سے غیر منصرف ہوگا۔

اخفش کی دلیل : کہ وصف اور علمیت میں تضاد ہے یعنی یہ ایک دوسرے کی ضد ہیں لہٰذا علمیت کی وجہ سے وصفیت معدوم ہوگئی۔ اب اگر بعد از تنکیر وصف اصلی کا اعتبار کیا جائے تو ایک معدوم چیز کا اعتبار کرنا لازم آئے گا جس کی ضرورت نہیں۔

ثم اشار : مولانا جامی کی غرض صاحب کافیہ کی غرض کو بیان کرنا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ صاحب کافیہ کی غرض قاعدہ مذکورہ مافیه علمية مؤثرة اذا نكر صرف سے برمذہب سیبویہ ایک استثناء کو بیان کرنا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ سیبویہ کے مذہب کے مطابق مثل احمر علما بعد از تنکیر غیر منصرف ہی رہتا ہے منصرف نہیں ہوتا۔

المشہور : مولانا جامی کی غرض اخفش کے مصداق کو متعین کرنا ہے کہ اخفش نامی تین آدمی گزرے ہیں(۱)**اخفش کبیر** جس کی کنیت ابوالخطاب ہے یہ سیبویہ کے استاد ہیں۔
(۲)**اخفش اوسط** ۔جن کی کنیت ابوالحسن ہے اور نام سعید ہے جو سیبویہ کے شاگرد ہیں۔
(۳)**اخفش اصغر** ۔ان کی کنیت بھی ابوالحسن ہے لیکن یہ تلمیذ مبرد ہیں۔اب متن میں تو صرف اخفش کا ذکر ہے لیکن مراد متعین نہیں تھی کہ کون سا اخفش مراد ہے۔مولانا جامی نے مصداق کو متعین کر دیا کہ اخفش سے مراد وہ ہے جو مشہور ہے اور وہ مشہور ابوالحسن سیبویہ کا شاگرد ہے۔
دخول تو مولانا جامیؒ نے ان لوگوں پر رد کر دیا کہ یہاں اخفش سے مراد اخفش اوسط ہے اور مخالفت کی نسبت استاد کی طرف ہے۔

قولہ ولما کان قول التلمیذ اظهر مع موافقته ۔سوال مقدر کا جواب

سوال : جب یہ بات معلوم ہوئی کہ سیبویہ استاد ہے تو مخالفت کی نسبت استاد کی طرف نہیں کرنی چاہیئے تھی شاگرد کی طرف کرنا چاہیے تھی حالانکہ ماتن نے مخالفت کی نسبت استاد کی طرف کر دی ہے

جواب : جب قول تلمیذ زیادہ حق کے موافق تھا کیونکہ قاعدہ مذکورہ کے عین مطابق ہے تو صاحب کافیہؒ ما هو الحق کا اظہار کرتے ہوئے مخالفت کی نسبت استاد کی طرف کر دی اس قسم کی نسبت استاد کی طرف کرنے سے نہ استاد کی توہین ہے اور نہ ہی ثواب دارین سے محرومی کا ذریعہ ہے۔

عف

قولہ والمراد بمثل احمر ۔صاحب کافیہؒ نے لفظ مثل سے جس قاعدہ کلیہ کی طرف اشارہ کیا مولانا جامیؒ اسکی وضاحت کرر ہے ہیں کہ مثل احمر سے مراد ہر وہ اسم ہے جس میں وصفیت والا معنی قبل از علمیت ظاہر ہو مخفی نہ ہو۔بشرطیکہ کوئی ایسی علامت نہ پائی جائے جو وصفیت والے معنی میں نص ہو اور وہ علمیت کے بعد زائل ہو جائے۔

قال الشارح فیدخل فیه سکران ۔اس قاعدہ پر تفریعات کا بیان۔

ا۔ سکران مثل احمر کے تحت داخل ہو جائے گا اس میں وصفیت والا معنی علمیت سے پہلے ظاہر ہے اور علمیت کے بعد زائل ہو جاتا ہے اور اس کے مثل جس میں الف نون مزید تان ہو تو وہ بھی مثل احمر کے تحت داخل ہو جائیں گے۔

(۲)۔ کہ افعل تاکیدی ہوتو وہ مثل احمر سے خارج ہو جائے گا کیونکہ مثل احمر سے مراد وہ اسم ہے جس میں علمیت سے قبل وصفیت والا معنی ظاہر ہو۔ اور افعل تاکید میں وصفیت والا معنی کمزور ہے علمیت سے پہلے کیونکہ حقیقی معنی میں مستعمل نہیں ہوتا بلکہ کل کے معنی میں مستعمل ہوا کرتا ہے جیسے اجمع یہ کل کے معنی میں ہے۔ لہذا جب اجمع کو کسی شخص کا نام رکھ دیا جائے تو بعد از تنکیر بالاتفاق منصرف ہوگا۔

(۳)۔ کہ افعل تفضیل بھی مثل احمر سے خارج ہو جائے گا جس کی دلیل یہ ہے۔ کہ افعل تفضیل دو حال سے خالی نہیں۔

۱۔ من سے مجرد ہوگا۔ ۲۔ یا مقرون ہوگا من کے ساتھ۔ اگر افعل تفضیل من سے خالی ہوں تو یہ بھی مثل احمر کے تحت داخل نہیں کیونکہ اس میں وصفیت والا معنی قبل از علمیت ضعیف ہو چکا ہے۔ جیسے افضل یہ تو اس اسم محض کی طرح ہو جائے گا افعل کے وزن پر ہو جیسے ارنب اور اگر افعل تفضیل مقرون ہوں من کے ساتھ یہ بھی مثل احمر سے خارج ہے کیونکہ اس میں وصفیت والا معنی قبل از علمیت ظاہر ہیں اور علمیت کے بعد زائل نہیں ہوتے بلکہ باقی رہتے ہیں اور وصفیت والا معنی پر علامت نص وہ کلمہ من ہے کیونکہ یہ وصفیت والے معنی میں نص ہے اور مثل احمر علماً میں شرط تھی کہ اس میں کوئی ایسی علامت نہ پائی جائے جو وصفیت والا معنی پر نص ہو اور افعل تفضیل میں یہ شرط نہیں پائی جاتی۔ جیسے افضل جو کسی شخص کا نام رکھا جائے اور یوں کہا جائے جاء نی افضل من اقرانہ معنی یہ کہ میرے پاس ایسی ذات آئی جو فضیلت والی ہے اپنے دوستوں سے اور یہ شرط کہ ایسی علامت نہ پائی جائے جو وصفیت والا معنی پر نص ہو تو اس قید اور شرط کو اگرچہ مولانا جامیؒ نے ماقبل میں بیان نہیں کیا لیکن جب تک یہ قید کو بیان نہ کیا جائے تو افعل مقرون بمن کا اخراج مثل احمر علماً سے نہ ہو سکے گا۔

قال الماتن **اعتباراً للصفة الاصلية** ۔ یہ مفعول لہ ہے خالف کے لئے اب معنی یہ ہوگا سیبویہ نے جو اخفش کی مخالفت کی ہے وہ اس بات میں کی ہے وہ صفت اصلیہ کا اعتبار کرتے ہیں۔ یہاں مفعول لہ کے لام کو حذف کرنے کی شرط موجود ہے کہ خالف اور اعتباراً یعنی مفعول لہ اور فعل معلل کا فاعل ایک ہی ہے جو سیبویہ ہے۔

قال الشارح **ای انما خالف سیبویه** ۔مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: کہ اگر سیبویہ کو خالف کا مفعول مقدم اور اخفش کو فاعل مؤخر قرار دیا جائے تو معنی میں کوئی فساد لازم نہیں آتا اس صورت میں استاد کا ادب اور احترام بھی باقی رہتا ہے۔

جواب: یہ صورۃ مذکورہ ناممکن ہے اس لئے کہ اعتباراً للصفة الاصلیة خالف کا مفعول لہ ہے اور قاعدہ ہے کہ مفعول لہ اور فعل معلل کا فاعل ایک ہونا شرط ہے۔ اگر صورۃ مذکورہ بالا اختیار کی جائے تو فعل معلل کا فاعل اخفش ہو جائے گا اور اعتباراً کا فاعل سیبویہ ہے کیونکہ صفت اصلیہ کا تنکیر کے بعد سیبویہ اعتبار کرتے ہیں نہ کہ اخفش۔ جب فاعل ایک نہ رہے گا تو قاعدہ ضابطہ ٹوٹ جائے گا نیز ما هو الحق کا اظہار جو مقصود ہے وہ بھی حاصل نہ ہوگا۔

قال الشارح **فانه لما زال العلمية بالتنكير**۔ اس عبارت میں مولانا جامیؒ سیبویہ کی دلیل نقل کر رہے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ وصفیت کے لئے مانع علمیت تھی جب علمیت زائل ہوگئی تو وصف کے اعتبار کرنے سے کوئی مانع نہ رہا لہذا وصفیت کا اعتبار کرتے ہوئے غیر منصرف پڑھا جائے گا۔

قال الشارح **فان قلت** ۔مولانا جامیؒ سیبویہ کی دلیل پر سوال نقل کر کے قیل سے جواب دینا چاہتے ہیں۔

سوال: کسی چیز کے معتبر ہونے کیلئے محض مانع کا مفقود ہونا کافی نہیں بلکہ مقتضی کا پایا جانا بھی ضروری ہوتا ہے اور مثل احمر علماً میں ہم تسلیم کر لیتے کہ بعد از تنکیر کوئی مانع نہیں رہا لیکن وصف اصلی کے اعتبار کرنے کے لئے لیکن کوئی مقتضی بھی تو موجود نہیں لہذا وصف اصلی کا اعتبار کرنا غلط ہے۔

قال الشارح **قیل**۔ سے جواب نقل کرتا ہے۔

سوال: جس کا حاصل یہ ہے کہ یہاں مقتضی موجود ہے کہ مثل احمر علما کو قیاس کرنا ہے اسود اور ارقم پر کہ جس طرح اسود اور ارقم میں غلبہ اسمیت کے بعد وصف زائل ہوگئی ہے لیکن پھر بھی وصف اصلی کا اعتبار کرتے ہیں تو بالکل ایسے ہی مثل احمر علماً میں بھی بعد از تنکیر وصف

اصلی کا اعتبار کیا جائے گا۔

قال الشارح وفیہ بحث ۔مولانا جامیؒ اس جواب کو رد کرنا چاہتے ہیں اس کا حاصل یہ ہے کہ قیاس قیاس مع الفارق ہے اس لئے کہ مقیس علیہ اسود، ارقم میں وصفیت بالکلیۃ زائل نہیں ہوئی بلکہ کسی نا کسی درجہ میں وصفیت باقی ہے اور بخلاف مقیس کے کہ مثل احمر علما کسی کا نام رکھ دیا جائے میں تو اس میں وصف بالکلیت زائل ہو جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ اگر احمر کو ایسے شخص کا نام رکھ دیا جائے جس میں سیاہی والی صفت ہو جیسے حبشی تو تب بھی صحیح ہے لہذا اس میں وصفیت بالکلیت زائل ہو گئی لھذا اس پر قیاس کرنا یہ قیاس قیاس مع الفارق ہے

قال الشارح اما الاخفش ۔یہاں سے مولانا جامیؒ اخفش کے مذہب کو نقل کر کے دلیل بیان کر رہے ہیں کہ اخفش کا مذہب یہ ہے کہ ان کے ہاں مثل احمر علما بعد از تنکیر منصرف ہو گا۔ دلیل اس لئے کہ وصفیت علیت کی وجہ سے زائل ہو گئی ہے اور علیت تنکیر کیوجہ سے زائل ہو گئی۔ لہذا علیت کے زائل ہونے کے بعد وصفیت اصلیہ کا اعتبار نہیں کرینگے جو چیز ایک مرتبہ زائل ہو جائے تو بغیر ضرورت کی وہ واپس نہیں آتی تو حاصل یہ نکلا کہ مثل احمر علما میں صرف ایک سبب وزن فعل ہے اور یہ بات ظاہر ہے ایک سبب سے کلمہ غیر منصرف نہیں ہوتا تو اس لئے یہ منصرف ہو گا تو مثل احمر علما بعد از تنکیر منصرف ہو گا۔

قال الشارح ھذا لقول اظھر ۔مولانا جامیؒ نے اپنا فیصلہ سنایا کہ میرے نزدیک بھی اخفش کا مذہب بہتر ہے۔

قال الشارح ولما اعتبرہ سیبویہ ۔مولانا جامیؒ صاحب کافیہؒ کی مابعد میں آنے والا عبارت کی غرض بیان کرنا چاہتے ہیں۔

متن **﴿ولا یلزمہ باب حاتم لما یلزمہ من اعتبار**

مصنف سیبویہ پر اخفش کی طرف سے وارد ہونے والے اعتراض کا جواب دینا چاہتے ہیں

سوال: جب سیبویہ مثل احمر علما میں بعد از تنکیر وصفیت اصلی کے اعتبار کرتے ہیں تو جب وہ زائل ہو گی اس کو علیت کے ہوتے ہوئے بھی وصفیت کا اعتبار کرنا چاہئے جیسے باب حاتم میں وصف اصلی کا اعتبار کرنا چاہئے حالانکہ باب حاتم بالاتفاق منصرف ہے لہذا جس طرح باب حاتم

میں وصفیت اصلی کا اعتبار نہیں کیا جاتا تو اس طرح مثل احمر علماً میں بھی بعد از تنکیر وصفیت اصلیہ کا اعتبار کرنا باطل ہے۔

قال الشارح فاجاب المصنف بقوله ولا یلزمه ۔صاحب کافیہؒ نے جواب دیا ہے مثل احمر علماً میں وصف اصلی کا اعتبار کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ باب حاتم میں بھی وصف اصلی کا اعتبار کیا جائے کیونکہ یہاں مانع موجود ہے وہ اعتبار المتضادین فی تحصیل حکم واحد یعنی ایک حکم کے تحصیل کے لئے دو متضاد چیزوں کا اعتبار کرنا اور باب حاتم میں حکم واحد وہ عدم انصراف ہے جس کی تحصیل کے لئے دو سبب کی ضرورت تھی ایک وصفیت دوسرا علمیت اور ان دونوں میں تضاد ہے کیونکہ وصفیت عموم پر دلالت رتی ہے اور علمیت خصوص پر دلالت کرتی ہے بخلاف مثل احمر علماً میں وہاں کوئی مانع نہیں۔

قال الشارح ولا یلزمه ای سیبویه ۔مرجع کے تعین کا بیان کہ ۂ ضمیر کا مرجع سیبویہ ہے۔

قوله ای کل علم ۔صاحب کافیہؒ نے لفظ باب لاکر جس قاعدہ کی طرف اشارہ کیا تھا مولانا جامیؒ اس کے طرف صراحتاً بیان کررہے ہیں کہ باب حاتم سے مراد ہر وہ علم جو اصل وضع کے اعتبار سے وصف ہو اور علمیت اس میں باقی اور موجود ہو۔

قوله بان اعتبر فیه ۔لزوم کا بیان۔لما یلزم یہ جو علت ہے ولا یلزم میں لا نفی کی علت ہے منفی لزوم کی نہیں۔

قوله فی باب حاتم ۔محل لزوم کا بیان۔من اعتبار المتضادین یعنی الوصفیة یہ عبارت نکال کر اشارہ کردیا کہ المتضادین میں الف لام عہدی ہے اس سے مراد مطلق تضاد بین سببین مراد نہیں بلکہ اس سے مراد بلکہ خاص تضاد بین العلمیت و الوصفیة مراد ہے۔

قال الشارح فان العلم المخصوص ۔تضاد کا بیان کہ علم اور وصف میں تضاد کیسے ہے اس لئے کہ علم خصوص کے لئے ہوتا اور وصف عموم کے لئے اور یہ بات ظاہر ہے کہ عموم اور خصوص ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتے لہذا یہ متضاد اور منافی ہے۔

قال الشارح فی حکم واحد وهو منع صرف ۔اس میں حکم واحد کا مصداق کا

بیان ہے نیز متن میں فی حکم واحد سے مضاف محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے فی تحصیل حکم واحد اور وہ حکم واحد غیر منصرف ہے۔

قال الشارح **فان قلت التضاد** ۔ یہاں مولانا جامیؒ اخفش کے طرف سے سوال نقل کر رہے ہیں سیبویہ پر جس کا حاصل یہ ہے کہ ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ باب حاتم میں وصفیت کے اعتبار کرنے سے اعتبار المتضادین فی حکم واحد لازم آتے ہیں اس لئے کہ تضاد تو علیت اور وصفیت اصلیہ محققہ کے درمیان ہوتے ہیں اور یہ باب حاتم میں وصفیت زائلہ اور علیت محققہ ہے اور ان دونوں کے درمیان کوئی تضاد نہیں لہذا اجتماع المتضادین فی حکم واحد لازم نہیں آئے گا۔

جواب: قلنا سے مولانا جامیؒ جواب دینا چاہتے ہیں۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ کہ ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ وصفیت زائلہ اور علیت کے درمیان اجتماع المتضادین حقیقتا تو نہیں لیکن یہ اجتماع مشابہ ہے تضاد ہے کیونکہ ایک ضد کی زوال کے بعد زائل شدہ ضد کو دوسری ضد کے ساتھ اعتبار کرنا اگر چہ حقیقتا اجتماع المتضادین نہیں لیکن مشابہ ہے اور یہ غیر مستحسن ہے اور فصحاء بلغاء کے لئے غیر مستحسن چیز سے اجتناب بھی ضروری ہے۔

قال الشارح **و جميع الباب باللام و الاضافة ينجر بالكسر الخ** ۔ یہ غیر منصرف کی بحث کا آخری مسئلہ ہے غیر منصرف کے تمام باب پر الف لام داخل ہو جائے یا اضافت ہو جائے تو بالاتفاق مجرور بالکسر ہوگا۔ الف لام کی مثال و انتم عاكفون فی المساجد تو اس میں مساجد غیر منصرف ہے الف لام کی وجہ سے اس پر کسرہ داخل ہو گئی ہے اور اضافت کی مثال لقد خلقنا الانسان فی احسن تقويم اس میں احسن غیر منصرف ہے لیکن اضافت کی وجہ سے اس پر کسرہ بھی داخل ہو چکی ہے۔

قال الشارح **ای باب غير منصرف** ۔ یہ عبارت نکال کر اشارہ کر دیا کہ الباب پر الف لام عہدی ہے جس سے مطلق باب مراد نہیں بلکہ خاص باب غیر منصرف مراد ہے اور نہ ہی الباب سے مراد باب حاتم ہے۔

قوله **ای بدخول اللام** ۔ یہ عبارت دو سوال مقدرہ کا جواب ہے۔

سوال اول: باء سببیت کی ہے اور اسباب تو از قبیل اوصاف ہوتے ہیں جبکہ لام از قبیل ذات ہے لہذا کسرہ کا سبب نہیں بن سکتا۔

سوال ثانی: بالام میں باء بھی حرف ہے اور لام بھی حرف ہے تو لازم آیا دخول الحرف علی الحرف جو کہ جائز نہیں۔

جواب: مولانا جامیؒ نے لفظ دخول لاکر جواب دیا ہے۔ پہلے سوال کا جواب حاصل یہ یہاں لام سے پہلے مضاف لفظ دخول محذوف ہے اور وہ دخول سبب ہے جو کہ وصف ہے لہذا سبب وصف بنا نہ کہ ذات دوسرے سوال کا جواب بھی یہی ہو گیا کہ باء کا مدخول دخول ہے نہ کہ حرف لہذا دخول الحرف علی الحرف لازم نہ آیا۔

قوله ای لام التعریف ۔سوال مقدر کا جواب

سوال: المال لا حمد میں غیر منصرف جو لام داخل ہے تو احمد کو مجرور بالکسرہ ہونا چاہئے حالانکہ یہ مفتوح ہے۔

جواب: لام سے مراد لام تعریف ہے اور لا حمد پر جو لام داخل ہے وہ لام جارہ ہے۔

قال الشارح علیه ۔یہ بھی سوال کا جواب ہے۔

سوال: جمیع باب غیر منصرف دخول لام کی وجہ سے منصرف ہو جاتا ہے حالانکہ الرجل پر الف لام موجود ہے لیکن غیر منصرف سے منصرف نہیں ہے بلکہ یہ ابتداء ہی منصرف ہے۔

جواب: لام تعریف کے دخول سے مراد یہ ہے کہ غیر منصرف پر داخل ہو نہ کہ مطلق اسم پر اور الرجل تو پہلے ہی منصرف ہے۔

قال الشارح او الاضافة ای اضافته الی غیره ۔مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: غلام احمد میں اضافت موجود ہے لیکن پھر بھی لفظ احمد مجرور بالکسرہ نہیں بلکہ مجرور بالفتحہ ہے۔

جواب: یہاں اضافت سے مراد مضاف ہے نہ مضاف الیہ اور آپ کے پیش کردہ مثال میں مضاف الیہ ہے اس لئے کسرہ نہیں۔

قولہ اى يصير مجروراً ۔سوال مقدر کا جواب

سوال: ینجر مشتق ہے انجرار سے اور انجرار کا معنی ہے کشیدن اور یہ معنی اس مقام کے مناسب بالکل نہیں ہے یا سوال اس انداز سے بھی کیا جائے کہ ینجر متعدی بنفسہ ہے تو لہذا اس کو متعدی باء کے ساتھ کیوں کیا گیا ہے۔

جواب: ینجر یہاں یصیر مجروراً کے معنی میں ہوکر لازمی ہے تو لہذا اس کو باء کے ساتھ متعدی کرنا صحیح ہے یاد رکھیں مولانا جامیؒ نے ینجر کی تفسیر یصیر مجروراً کے ساتھ کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہاں باب انفعال صیرورۃ کے معنی میں ہے مقصد یہ ہے کہ غیر منصرف اضافت اور دخول لام کی وجہ سے منع کسرہ سے دخول کسرہ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔

قولہ اى بصورة الكسرة الخ ۔سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: صاحب کافیہؒ نے ینجر کہا اور جر حرکات اعرابیہ میں سے ہے تو معلوم ہوا کہ یہ غیر منصرف معرب بالجر ہونگے اور کسر حرکات بنائیہ میں سے ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہ غیر منصرف مبنی بر کسر ہونگے۔

جواب: مولانا جامیؒ نے جواب دیا کسرہ سے صورۃ کسرہ مراد ہے۔ حقیقی کسرہ مراد نہیں جو حرکات بنائیہ میں سے ہے پھر اس میں بھی تعمیم ہے مجرور لفظاً ہو یا تقدیراً

ضابطہ کا حاصل یہ ہے کہ غیر منصرف کا تمام باب جس پر الف لام یا اضافت داخل ہو تو وہ مجرور ہو جائے گا عام ازیں مجرور لفظاً ہو یا تقدیراً

قولہ وانما يكتفى ۔دو سوالوں مقدرہ کا جواب سوال اوّل صاحب کافیہؒ نے ینجر بالکسر کے بجائے صرف ینجر کہدیتے تو اس میں مقصد پورا ہو جاتا اور اختصار بھی حاصل ہو جاتا۔

جواب: اگر صرف ینجر کہدیتے تو مقصود فوت ہو جاتا کیونکہ مقصود تو یہ بتانا تھا کہ غیر منصرف الف لام اور اضافت کی وجہ سے مجرور بالکسرہ ہو جاتا ہے اگر صرف ینجر کہدیتے تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ مجرور ہوتا ہے خواہ مجرور بالکسرہ ہو یا بالفتحہ ہو اس لئے ینجر بالکسر کہ کر اشارہ کر دیا کہ ہمارا مقصود مجرور بالکسرہ ہے۔

سوال: پھر ینکسر کہدیتے اس سے بھی اختصار حاصل ہوتا اور مقصد بھی پورا ہو جاتا۔

جواب: اگر بینکسر کہہ دیتے تو یہ شبہ ہو جاتا کہ الف لام اور اضافۃ کی وجہ سے غیر منصرف مبنی بر کسرہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ کسرۃ حرکات بنائیہ میں سے ہے حالانکہ غیر منصرف معرب ہوتا ہے۔ بہرحال صاحب کافیہؒ نے ان دونوں شبہوں کا ازالہ کر دیا ینجر بالکسر سے۔

قوله و للنحاة خلاف سوال مقدر کا جواب کہ اگر مصنف یہ کہہ دیتے جمیع اللباب باللام او بالاضافة ینصرف تو بہتر تھا کیونکہ مقصود یہاں انصراف عدم انصراف کو بیان کرنا ہے۔

جواب: الف لام کے دخول اور اضافۃ سے غیر منصرف کے منصرف ہونے میں شدید اختلاف تھا اس لئے صاحب کافیہؒ نے استعمال کا طریقہ بیان کر دیا اور اختلاف کو ترک کر دیا ہے۔

لیکن مولانا جامیؒ اس کی تفصیل بیان کر رہے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ اختلاف مبنی ہے اصل مین ایک اور اختلاف پر۔ اور وہ یہ ہے کہ غیر منصرف کی تعریف کیا ہے بعض نے اس کی تعریف یہ کی ہے۔ (۱) غیر منصرف وہ ہے جس پر کسرہ اور تنوین داخل نہ ہو سکے۔

(۲)۔ اور بعض نے یہ تعریف کی کہ غیر منصرف وہ ہے جس میں دو علتیں یا ایک علۃ جو قائم ہو دو علتوں کے قائم مقام موجود ہو۔ پھر پہلے فریق کے دو گروہ ہیں جس سے تین مذہب ہوں گے۔

۱۔ زجاج اور اس کے متبعین کا ۲۔ سیبویہ اور اس کے متبعین کا ۳۔ فراء اور اس کے متبعین کا۔

مذہب زجاج: کا یہ ہے کہ غیر منصرف پر جب الف لام داخل ہو جائے یا مضاف ہو جائے تو مطلقاً منصرف ہوگا خواہ علل تسعہ میں سے علتین باقی رہیں یا نہ رہیں۔

دلیل: اسم کا غیر منصرف ہونا فعل کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے تھا جب اس پر الف لام داخل ہو گیا یا اضافت ہو گئی تو جہت اسمیت قوی ہو گئی اور مشابہت ضعیف ہو جائے گی لہذا وہ اپنے اصل کی طرف عود کر آئے گا اور اصل اسماء میں انصراف ہے تو اس لئے منصرف ہوگا خواہ علتیں باقی ہوں یا نہ ہوں۔ ان کا ہونا اور نہ ہونا برابر ہے۔

قال الشارح دون التنوين لانه لا يجتمع ۔

سوال: جب یہ منصرف ہیں تو ان پر تنوین بھی داخل ہونی چاہیئے۔

جواب: ان پر تنوین کا ممنوع ہونا غیر منصرف کی وجہ سے نہیں بلکہ الف لام دخول اور اضافت کی وجہ سے اسلئے جس اسم پر الف لام ہو یا اضافت ہو تو اس پر تنوین داخل ہونا ممتنع ہوا کرتا ہے۔

قال الشارح **و منهم من ذهب الی انه غیر منصرف مطلقا** ۔

دوسرا مذہب سیبویہ: اوران کے متبعین کا۔کہ غیر منصرف ہر حال میں غیر منصرف رہیگا خواہ دخول لام اور اضافت کے بعد دو سبب باقی رہیں یا نہ رہیں۔

قال الشارح **والممنوع من غیر المنصرف الخ** ۔اس مذہب ثانی پر وارد ہونے والے اعتراض کا مولانا جامیؒ جواب دینا چاہتے ہیں۔

سوال : اگر چہ ہر حال میں کلمہ اسم غیر منصرف ہی رہتا ہے تو اس پر تنوین کی طرح کسرہ بھی داخل نہیں ہونی چاہیئے۔

جواب : اصل میں غیر منصرف پر تنوین کا دخول ممنوع ہے کیونکہ تنوین ہی کلمہ کے منصرف ہونے کی علامت ہے اور کسرہ تو فقط تبعیت تنوین کی وجہ سے ساقط ہو گئی تھی اور جب دخول لام اور اضافت کی وجہ سے اس کی اس کی مشابہت فعل کے ساتھ ضعیف گئی اور مشابہت ضعیفہ فقط سقوط تنوین میں تو اثر کر سکتی ہے لیکن کسرہ کی ساقط کرنے میں نہیں کر سکتی۔لہذا کسرہ آئے گی اور تنوین غیر منصرف ہونے کی وجہ سے نہیں آئے گی خلاصہ یہ ہوا کہ ان چیزوں کے دخول کے بعد بھی اسم کی فعل کے ساتھ مشابہت رہتی ہے اگر چہ یہ ضعیف کیوں نہ ہو۔تو اس مشابہت کا فائدہ یہ ہوگا کہ اسم پر تنوین نہیں آئے گی جو علامت ہے منصرف ہونے کی البتہ کسرہ کا داخل ہونا اس لئے مضر نہیں۔

قال الشارح **ومهم من ذهب الی ان العلتين الخ** ۔

تیسرا مذہب فراء: فراء اوران کے متبعین کا مذہب یہ ہے کہ الف لام کے دخول کے بعد اور اضافت کے بعد اگر علتین باقی رہیں تو غیر منصرف رہے گا اگر دونوں علتوں میں سے ایک چلی گئی یا دونوں چلی گئیں تو پھر منصرف ہوگا جس کی تفصیل یہ ہے کہ اس کی تین صورتیں بنتی ہیں

(۱)۔اگر الف لام اور اضافت کی وجہ سے کوئی سبب باقی نہ رہے

(۲)۔ایک سبب باقی رہے اور دوسرا باقی نہ رہے۔

(۳)۔دونوں باقی رہیں۔پہلی دونوں صورتوں میں منصرف ہو جائے گا اور تیسری صورت میں غیر منصرف رہے گا۔اور پہلی صورت اس وقت پائی جائے گی جب کسی سبب کے ساتھ علمیت باعتبار شرط کے شریک ہو تو علمیت اٹھنے سے کوئی سب باقی نہ رہے گا کیونکہ قاعدہ ہے اذا فات الشرط

فـات المشروط جیسے الابراھیم اوردوسری صورت اس وقت پائی جائے گی جب علیت سببیت کے طور پر شریک ہو۔تو علیت کے اٹھنے سے ایک سبب باقی رہے گا کـمـا مر اور تیسری صورت اس وقت پائی جائے گی کہ کسی کلمہ میں علیت کے علاوہ دوسبب موجود ہوں۔

قال الشارح **وهذا القول انسب** ۔مولانا جامیؒ اپنا فیصلہ سناتے ہیں کہ یہ تیسرا مذہب مصنف کی بیان کردہ تعریف غیر الـمـنـصرف ما فيه علتان او واحدة قوم مقامهما کے زیادہ مناسب ہے۔

فائدہ: الف لام اوراضافت سے علیت کیوں اٹھ جاتی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ الف لام کی وجہ سے علیت اسلئے اٹھ جاتی ہے کہ علیت میں اعلی درجہ کی تعریف ہے بنسبت الف لام کے اگر الف لام داخل ہوجائے تو لازم آجائے گا طلب ادنی مع حصول اعلیٰ اوراضافت سے علیت کے زائل ہوجانے کی وجہ یہ ہے کہ اگر اضافت الی المعرفۃ ہو تو تحصیل حاصل والی خرابی لازم آتی ہے اور اضافت الی النکرہ ہو تو طلب الادنی مع حصول الاعلی والی خرابی لازم آتی ہے

و الله اعلم علمه تم احكم۔

﴿بحث المرفوعات﴾

﴿المرفوعات﴾

یہاں پر چھ تحقیقات ہیں ا۔تحقیق ربطی ۲۔تحقیق تقدیری ۳۔تحقیق ترکیبی
۴۔تحقیق صیغوی ۵۔تحقیق الف لام ۶۔تحقیق معنوی

صاحب کافیہؒ نے صرف تحقیق معنوی بیان کی ہے اور مولانا جامیؒ نے اس کے ساتھ تحقیق صیغوی بھی بیان کی ہے اور یہاں تین تحقیقات بیان ہوں گی ان شاء اللہ دو تو وہی جو کتاب میں ہیں اور ایک تحقیق ربطی بقایا تین تحقیقیں اگر مقصود ہوں تو کاشفہ شرح کافیہ میں مذکور ہے۔

تحقیق ربطی کہ المرفوعات کا ماقبل سے دوطرح کا ربط ہے۔

ربط اوّل اب تک مقدمہ کا بیان تھا اب مقاصد ثلاثہ کا بیان شروع ہورہا ہے۔

تحقيقات المرفوعات

تحقیقِ ربطی

ربط اوّل : ثم لمّا فرغ المصنفؒ عن تقسیم المعرب باعتبار الانصراف و عدمه شرع فی تقسیمہ اخر باعتبار اقسام الاعراب فقال المرفوعات ۔

ربط دوم : لمّا تمّت المقدمۃ شرع فی بیان المقاصد وھی المرفوعات والمنصوبات والمجرورات

تحقیقِ تقدیمی

قدم المرفوعات علی المنصوبات والمجرورات لان المرفوعات عمدة والمنصوبات والمجرورات فضلة والعمدة اصل والفضلة فرع والاصل مقدم علی الفرع ۔

تحقیقِ لامی

الف لام برائے استغراق نوعی است ومرفوعات ہشت نوع ہستند بسبب الف لام المرفوعات ہمہ انواع را شامل شد ۔

تحقیقِ ترکیبی

المرفوعات

- معرب
  - منصوب
    - بناء بر مفعولیّۃ
    - یعنی اِقْرَءِ المرفوعات
  - مرفوع
    - خبر
      - مبتداء مذکر: هٰذا بحث المرفوعات
      - مبتداء مونث: هٰذه المرفوعات
    - مبتداء
      - مذکور الخبر
        - هُوَ مَا اشْتَمَلَ ...الخ: افراد ضمیر و تذکیر ضمیر باعتبار کل واحد است ۔
        - ما اشتمل: ہو ضمیر فصل است لا محل لہا من الاعراب
      - محذوف الخبر
        - خبر مذکر: هٰذا بحث المرفوعات
        - خبر مؤنث: هٰذه المرفوعات
  - مجرور
    - بناء بر اضافۃ
    - یعنی هٰذا بحث المرفوعات مبتداء و مضاف را حذف کردند مضاف الیہ را براعراب خود باقی گزاشتند
- مبنی بر سکون
  - مثل کلمات معدودة : زید ۔ عمرو ۔ بکر ۔

تحقیقِ صیغوی

شارح بیان کرد بقول خود جمع المرفوع لا المرفوعۃ ۔

تحقیقِ معنوی

مصنفؒ بیان کرد بقول خود ہو ما اشتمل علی علم الفاعلیۃ ۔

تحقیقِ جمعی

لما قال المصنفؒ فالرفع علم الفاعلیۃ وقال ھٰھنا ما اشتمل علی علم الفاعلیۃ توہم منہ انحصار المرفوع فی نوع واحد من الفاعل فازال ہذا الوہم بایراد صیغۃ الجمع الدالۃ علی انواع المرفوعات ۔

تحقیقِ اشتمالی

بر صفحہ دوم است

ربط ثانی: ماقبل میں تقسیم اسم معرب کی باعتبار انصراف اور عدم انصراف کے تھی اب باعتبار اعراب کے معرب کی تقسیم کا بیان ہے اور یہ تین قسم پر ہے (۱)۔ مرفوع (۲)۔ منصوب (۳)۔ مجرور ہوگا۔

سوال: صاحب کافیہؒ نے المرفوعات جمع کثرہ کا صیغہ لایا جو کہ دس سے زیادہ پر بولا جاتا ہے حالانکہ مرفوعات آٹھ ہیں۔ لہذا جمع کثرۃ کا صیغہ لانا درست نہیں۔

جواب: صاحب کافیہؒ نے جمع کثرہ کا صیغہ ایک فائدہ کو بیان کرنے کے لئے لایا ہے۔ اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جمع کثرہ کا وزن کبھی اپنے اصل معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے المنصوبات کبھی مجازی معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے المرفوعات اور کبھی نہ حقیقی اور نہ مجازی بلکہ بطور مشاکلۃ کے استعمال ہوتا ہے جیسے الجرورات۔

قال الشارح جمع المرفوع ۔ اس پوری شرح کی عبارت میں جو کہ اگلے متن تک آ رہی ہے اس میں تحقیق صیغوی کا بیان ہے

فائدہ: جمع المرفوع خبر ہے مبتداء محذوف کی اور یہ عبارت سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: المرفوعات یہ کس کی جمع ہے المرفوع کی ہے یا المرفوعۃ کی اور دونوں کی بنانا غلط ہے اوّل اس لئے باطل ہے کہ یہ مرفوعات جمع مؤنث سالم ہے جس کا مفرد واحد مؤنثہ ہوسکتا ہے واحد مذکر نہیں ہوسکتا اور المرفوعۃ بنانا اس لئے باطل ہے کہ المرفوعۃ صیغہ صفت کا ہے جو تقاضہ کرتا ہے موصوف کا جس کا موصوف ہے الاسماء تقدیر عبارت یوں ہوگی الاسماء المرفوعات اور قاعدہ ہے کہ اتصاف الجمع بالجمع یستلزم اتصاف المفرد بالمفرد لہذا المرفوعات کا مفرد صفت بنے گا الاسماء کے مفرد کی عبارت اس طرح ہوگی الاسم المرفوعۃ اور یہ بات ظاہر ہے کہ موصوف صفۃ میں باعتبار تذکیر و تانیث کے مطابقت کا ہونا ضرور ہے اور وہ یہاں موجود نہیں ہے۔

جواب: شارح نے جواب دیا کہ المرفوعات جمع ہے المرفوع کی نہ کہ المرفوعۃ کی۔ شارح نے جو دعویٰ کیا ہے اس کی دو جزئیں ہیں (۱) جزء ایجابی (۲) جزء سلبی

جزء ایجابی تو یہ ہوئی کہ یہ المرفوع کی جمع ہے اور جزء سلبی یہ ہوئی کہ یہ المرفوعۃ کی جمع نہیں اور

دونوں جزؤں پر تو شارح نے دلیل ذکر کی ہے۔

قولہ لان موصوفه الاسم ۔ یہ عبارت دعویٰ کی جزء ثانی جزء سلبی کی دلیل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ المرفوعات مرفوعۃ کی جمع نہیں اس لئے کہ اگر مرفوعۃ کی جمع ہو تو پھر موصوف صفۃ کے درمیان باعتبار تذکیر و تانیث کے مطابقت نہیں رہے گی کما مر لہذا اس کا صفۃ واقع ہونا الاسماء کی یہ دلیل اس بات کی یہ مرفوعۃ کی جمع نہیں۔

قولہ وهو مذكر لا يعقل يجمع بهذا الجمع مطرداً ۔ یہ دعویٰ کی جزء اوّل ایجابی کی دلیل کا بیان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قاعدہ ہے کہ مذکر لایعقل کی صفت کی جمع وہ الف تاء کے ساتھ آیا کرتی ہے جیسے صافن ایسے عمدہ گھوڑے کو کہتے ہیں جو تین پاؤں کو بوجھ دے کر ایک پاؤں کو ڈھیلا کر کے کھڑا ہوتا ہے تو صافن مذکر لایعقل اس کی صفت کی جمع صافنات آتی ہے تو اسی طرح سجلات ۔سجل مذکر اونٹ ہے۔اس کی جمع سجلات آتی ہے الف تاء کے ساتھ اس طرح خالیات جمع خالی کی ہے۔

جواب کا حاصل یہ ہوا چونکہ المرفوعات صفۃ ہے الاسماء کی اور الاسماء موصوف مذکر لایعقل ہے تو اس لئے المرفوع کی جمع الف تاء کے ساتھ المرفوعات لائی گئی ہے۔

فائدہ: سوال: دعویٰ کی دونوں جزؤں کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں تھی بلکہ جزء مثبت کے ذکر کرنے سے تو جزء سلبی خود بخود سمجھ آتی مولانا جامیؒ نے طوالت کیوں اختیار کی ہے۔

جواب: اس میں کئی فائدے ہیں۔(۱)۔ یہ تصریح بما علم ضمنا ہے۔(۲)۔بیان تاکید کے لئے۔ (۳)۔اس بات کا وہم ہوتا تھا کہ المرفوعات المرفوعۃ کی جمع ہے تو اس وہم کو دور کرنے کے لئے جزء سلبی کو بھی ذکر کر دیا۔

فائدہ: سوال: جزء سلبی کو دعویٰ میں جزء ایجابی سے مؤخر کر دیا لیکن دلیل میں جزء سلبی کی دلیل کو مقدم کیا اس کی کیا وجہ ہے۔

جواب: تا کہ دعویٰ اور دلیل میں مقارنت رہے۔

فائدہ: یجمع فعل مضارع مجہول ہے جس کا نائب فاعل صفۃ ہے۔تو قاعدہ ہے کہ فعل فاعل میں تذکیر و تانیث میں مطابقت ضروری ہے یہاں مطابقت نہیں۔

المرفوعات ہشت ہستند: فاعل [۱]، نائب فاعل [۲]، مبتدا [۳]، خبر [۴]، اسم افعال ناقصہ [۵]، اسم ما و لا مشبہ بلیس [۶]، خبر حروف مشبہ بالفعل [۷]، خبر لا نفی جنس [۸]

تحقیقِ اِشتمالی
دلیلِ حصر
عامِل المرفوع

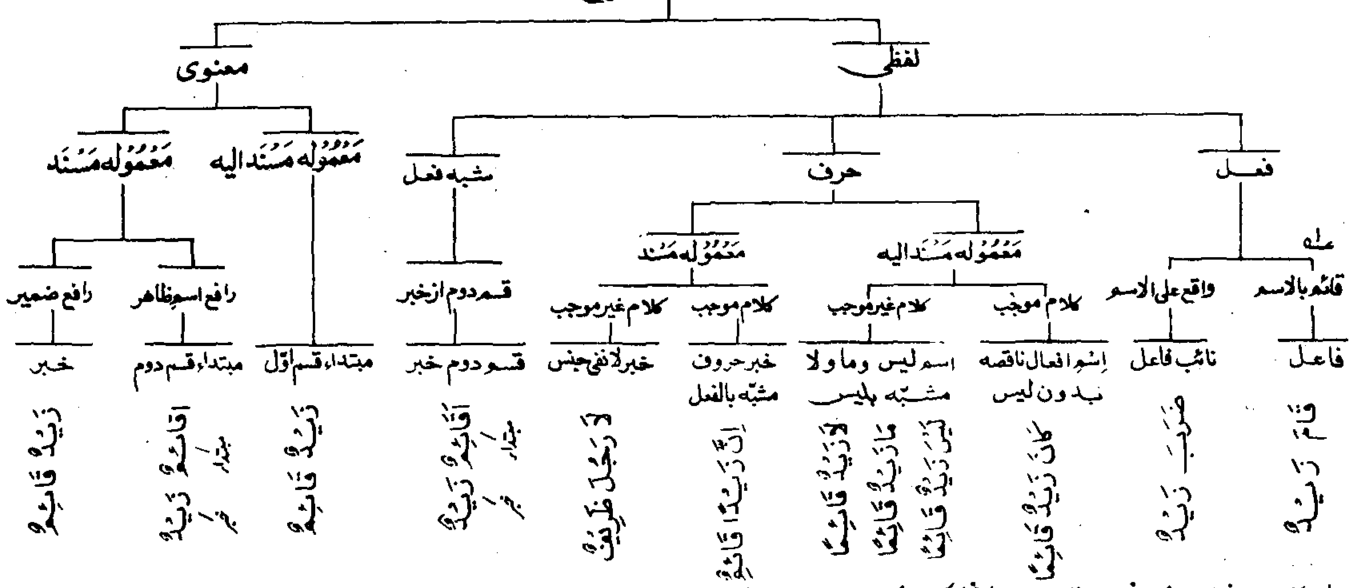

[۱] سؤال: مرفوعات ہشت نوع ہستند چرا شمار کردہ اید۔ جواب: مبتدا

سؤال: افعال ناقصہ را چرا حرف شمار کردید حالانکہ افعال اند۔ جواب: باعتبار لفظ فعل اند لیکن باعتبار معنی حرف اند۔

جواب: یہ ہے کہ صفہ صیغہ مصدر کا ہے اور مصدر کبھی مذکر اور کبھی مؤنث ہوتا ہے اور یہاں بھی مصدر مذکر کے قبیل سے ہے۔

جواب ثانی: فعل اور فاعل میں مطابقت کا ہونا اس وقت ضروری ہے جب فعل اور فاعل میں فاصلہ نہ ہو اور یہاں پر فاصلہ ہے تو لہذا فعل کا مذکر لانا درست ہوا۔

فائدہ: سوال۔ مثال اور شواہد کے درمیان کیا فرق ہے۔

جواب: مثال ممثل لہ کی وضاحت کے لئے ہوتی ہے اور شواہد دعویٰ کے اثبات کے لئے ہوتے ہیں۔

فائدہ: سوال مولانا جامیؒ نے دوسری مثال کے ساتھ کاف کا اعادہ نہیں کیا لیکن تیسری مثال کیساتھ کیوں اضافہ کیا ہے۔

جواب: ایک فائدہ کے طرف اشارہ کرنے کے لئے کہ پہلے دو شواہد ہیں جواھر کے قبیل سے ہیں اور تیسرا شاھد اعراض کے قبیل سے ہے اگر کاف کا اعادہ نہ کرتے تو اس بات کی طرف اشارہ نہ ہوسکتا تھا۔

قال الشارح **ای المرفوع** ۔المرفوع نکال کر مولانا جامیؒ نے سوال مقدر کا جواب دیا ہے۔

سوال: ھو ضمیر کے مرجع میں دو احتمالیں ہیں۔(۱) اس کا مرجع المرفوعات ہو۔

(۲)۔اس کا مرجع المرفوع ہو اور دونوں باطل اگر مرجع المرفوعات بنایا جائے تو اس پر دو سوال وارد ہوتے ہیں۔

سوال اول: کہ راجع مرجع میں مطابقت نہیں پائی جاتی نہ تو باعتبار افراد تثنیہ جمع کے اور نہ باعتبار تذکیر و تنیث کے۔

سوال ثانی: المرفوعات معرّف ہے اور **ما اشتمل علی علم علم الفاعل** تعریف ہے۔اس سے لازم آئے گا کہ تعریف افراد کی ہو حالانکہ تعریف افراد کی نہیں ہوا کرتی بلکہ ماہیۃ کی ہوتی ہے ۔اسی لئے قاعدہ ہے کہ **التعریف للماهية بالماهية**

اگر مرجع مرفوع بنایا جائے تو اضمار قبل الذکر لازم آئے گا۔ کہ مرفوع کا ذکر ماقبل گذرا ہی نہیں۔

جواب: مولانا جامیؒ نے جواب دیا کہ **ھو** ضمیر کا مرجع مرفوع ہے۔اور اضمار قبل الذکر کی خرابی لازم نہیں آتی اس لئے کہ مرجع کے ذکر کی تین صورتیں ہوتی ہیں۔ کبھی حقیقتاً مرجع کا ذکر ہوا کرتا

ہےاور کبھی حکماً اور کبھی معناً۔ یہاں پر مرجع معناً مذکور ہے جیسے اعدلو ھو اقرب للتقویٰ میں تو یہاں بھی معناً مذکور ہے المرفوعات میں اور المرفوعات دال ہے المرفوع پر۔

فائدہ: مولانا جامیؒ نے افراد جمع کا صیغہ لایا ہے اس سے معلوم ہوا کہ ایک فرد کی تعریف تو ہوسکتی ہے لیکن افراد کی نہیں ہوسکتی حالانکہ یہ غلط ہے۔

جواب: نکرۃ تحت النفی واقع ہو تو سلب کلی مراد ہوتا ہے۔

قال الماتن ﴿ما اشتمل علی علم الفاعلیۃ﴾

صاحب کافیہؒ اسم مرفوع کی تعریف کررہے ہیں کہ مرفوع وہ اسم ہے جو فاعل ہونے کی علامت پر مشتمل ہو۔ بعنوان دیگر یوں بھی تعریف کی جاسکتی ہے کہ مرفوع وہ اسم ہے کہ جس میں فاعل کے علامت میں سے کوئی علامت پائی جائے۔ فاعل کی علامت تین ہے (۱)۔ ضمہ (۲)۔ الف (۳)۔ واؤ

اوّل کی مثال جاء نی زید دوئم کی مثال جاء نی ابوك تیسری کی مثال جاء نی مسلمان

قولہ ای اسم اشتمل ۔تین سوالوں کا جواب ہے

سوال اول: یہ تعریف دخول غیر سے مانع نہیں اس لئے کہ یہ تعریف محل اعراب پر صادق آتی ہے جیسے قام زید میں دال محل اعراب ہے جو فاعلیت کی علامت معنی رفع پر مشتمل ہے حالانکہ اس کو دال کو مرفوع کوئی بھی نہیں کہتا۔

سوال ثانی: یہ تعریف دخول غیر سے مانع نہیں یہ فعل فعل مضارع پر صادق آتی ہے جیسے یضرب یہ بھی علامت فاعلیت یعنی رفع پر مشتمل ہے۔

سوال ثالث: کہ ما موصولۃ معرفہ ہے اور قاعدہ یہ ہے جب مبتداء خبر دونوں معرفہ ہیں تو دونوں کے درمیان ضمیر فصل لانا ضروری ہوتا ہے۔

جواب: مولانا جامیؒ نے اسم نکال کر تینوں سوالوں کا جواب دے دیا پہلے سوال کا جواب یہ دیا کہ ما سے مراد شئی نہیں بلکہ ما سے مراد اسم ہے لہذا جو محل اعراب ہے وہ اس سے خارج ہو گئے اور دوسرا سوال اس سے رفع ہو گیا کہ فعل مضارع تو اسم نہیں اور اسم نکرہ نکال کر تیسرے سوال کا جواب بھی دے دیا کہ یہاں ما موصولہ نہیں موصوفہ ہے کیونکہ یہ مقام خبر میں ہے اور مقام خبر

میں اصل نکرہ ہوتا ہے البتہ یاد رکھیں ما موصولہ بھی بن سکتا ہے البتہ سوال باسولی والا نے انکار کیا ہے کہ یہ ماصولۃ بن ہی نہیں سکتا یہ قلت مطالعہ کی وجہ سے ہے کیونکہ وہ موصولۃ ہونے کی انکار اس لئے کرتے ہیں کہ پھر مبتداء خبر کے درمیان ضمیر فصل کا لانا لازم ہوگا حالانکہ یہ کوئی قاعدہ ہی نہیں اور ماقبل میں مولانا جامیؒ نے ما موصولہ بھی بنایا ہے اور موصوفہ بھی بنایا ہے۔

فائدہ: جب ما سے مراد اسم تھا تو پھر مصنف اسم لے آتے ہیں یوں کہتے اسم اشتمل

جواب: مصنفین کی یہ عادت ہے کہ تعریفات میں اکثر ما لے آتے ہیں جس سے عموم بول کر خصوص مراد لیا کرتے ہیں۔

قال الشارح ای علامۃ ۔سوال مقدر کا جواب ہے سوال علم کے تین معنی آتے ہیں اور تینوں باطل ہیں (۱)۔ ما وضع لشئی معین یہ مراد اس لئے نہیں لیا جاسکتا کہ اس سے اشتمال الشئی علی نفسہ کی خرابی لازم آتی ہے کیونکہ علم بھی اقسام اسم میں سے ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ مشتمل ہونا اسم کا اسم پر اور دوسرا معنی جبل ہے کما فی قولہ تعالیٰ فی البحر کالا علام اس مقام پر اس معنی کا بطلان بھی ظاہر ہے۔ تیسرا معنی علامت ہے یہ بھی باطل ہے ورنہ مشترک کے معانی ثلاثہ میں سے ایک معنی کا ارادہ کیا جائے تو ترجیح بلا مرجح کی خرابی لازم آئے گی۔

جواب: علم بمعنی علامت ہے جس پر قرینہ یہ ہے کہ پہلے دونوں معنوں کا صحیح نہ ہونا ہے۔

قال الشارح کون الاسم فاعلا ۔مولانا جامیؒ نے لفظ کون مصدر لا کر اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ فاعلیت میں جو یاء تاء ہے برائے مصدریت ہے جس پر سوال و جواب ما قبل میں گذر چکا ہے۔

قولہ وھی الضمۃ و الواو و الالف ۔اس عبارت میں مولانا جامیؒ علامت فاعلیت کے مصداق کا بیان کر رہے ہیں یعنی علامات فاعلیت کو بیان کر دیا ہے وہ کل تین ہیں۔

(۱)۔ضمہ (۲)۔الف (۳)۔واؤ

فائدہ: ضمہ اس لئے علامت فاعل مقرر کیا ہے کہ یہ قوی ہے اور فاعل بھی قوی ہے اور واو بھی قوی ہے اور الف یہ فقط تثنیۃ کی حالت میں فاعل کی علامت ہے کیونکہ تثنیہ کثیر الاستعمال ہے اور کثرۃ الاستعمال خفت کا تقاضہ کرتی ہے اس لے تثنیہ میں علامت فاعلیت الف کو بنا دیا گیا۔

قال الشارح **والمراد باشتمال الاسم علیھا** ۔مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: اشتمال کی کئی قسمیں ہیں۔(۱) اشتمال الکل علی الجزء (۲) اشتمال الکلیعلیا لجزئی (۳)۔اشتمال الظرف علی المظروف (۴)۔اشتمال الموصوف علی الصفت (۵)۔اشتمال ذی الحال علی الحال

اور یہاں پر کونسا مراد ہے؟

جواب: یہاں اشتمال سے مراد اشتمال الموصوف علیٰ الصفت ہے تو اسم مرفوع بمنزل موصوف کے ہے اور علی علم الفاعل بمنز لہ صفت کے ہوگا۔

فائدہ: اس صورت میں تو یہ تعریف اس مرفوع اعراب بالحرف پر صادق نہیں آئے گی کیونکہ اس میں اشتمال الموصوف علی الصفت نہیں ہوتا بلکہ اشتمال الکل علی الجزء ہوتا ہے۔

جواب: اعراب بالحرف محمول ہے اعراب بالحرکۃ پر کیونکہ اعراب بالحرۃ اصل ہے جیسا کہ اعراب کے اقسام میں بیان ہو چکا ہے کما مر تو اعراب بالحرف فرع اور تابع ہے اصل کے اور قاعدہ ہے کہ اعتبار اصل کا کیا جاتا ہے اور فرع کو اس پر محمول کیا جاتا ہے۔

قال الشارح **لفظا او تقدیرا** ۔مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: مرفوع کی یہ تعریف جامع نہیں جاء نی موسیٰ میں موسیٰ پر صادق نہیں آتے کیونکہ موسیٰ مرفوع ہے لیکن علامہ فاعلیت رفع پر مشتمل نہیں۔

جواب: اشتمال علی علم الفاعلیہ میں تعمیم ہے۔عام ہے خواہ اشتمال لفظاً ہو یا تقدیراً ہو۔

قولہ **او محلا** ۔سوال مقدر کا جواب۔

سوال: پھر بھی تعریف مرفوع کی جامع نہیں جاء نی ھو لاء میں ھو لاء پر صادق نہیں آتی اس لئے کہ ھو لاء مشتمل علی علم الفاعلیۃ نہ لفظاً ہے نہ تقدیراً ہے۔

جواب: کہ اشتمال میں تعیم ہے خواہ لفظی ہو یا تقدیری ہو،یا محلی ہو اور ھو لاء میں اشتمال علی الرفع محلا موجود ہے کہ یہ محل رفع میں ہے

رفع محلی کا مطلب یہ ہے کہ اسم جس جگہ واقع ہوا گر یہاں معرب ہوتا تو مرفوع ہوتا یہ تو

دلیل عقلی تھی **وھو یبحث مثلا** یہاں سے مولانا جامیؒ دلیل نقلی پیش کرر ہے ہیں کہ صاحب کافیہ" آگے جا کر فاعل کے حالات سے بحث کرتے ہیں اور وہاں ضمیر متصل سے بھی بحث کرتے ہیں جو اس بات پر دلیل ہے کہ اسم مبنی کا اعراب رفع محلی ہوتا ہے تو اس سے فاضل ھندی پر بھی رد ہو گیا۔ فاضل ھندی نے اس سوال سے جواب دیا تھا کہ مصنف کا مقصود مطلق مرفوع کی تعریف نہیں بلکہ اسم مرفوع معرب کی تعریف کرنا چاہتے ہیں کہ وہ اور سم مرفوع معرب علامت فاعلیت پر لفظاً یا تقدیراً مشتمل ہوا کرتے ہیں باقی رہا وہ اسم مرفوع جو مبنیات کے قبیل سے ہیں وہ تعریف سے خارج ہے۔

قال الماتن فمنه الفاعل ۔مصنف اقسام مرفوعات میں سے سب سے پہلے فاعل کو بیان کرنا چاہتے ہیں اور اس میں فاعل کو سب سے مقدم کیا جس کے لئے علۃ اور وجو د تقدیم مولانا جامیؒ آگے خود بیان کررہے ہیں۔

قال الشارح ای من المرفوع او اشتمل ۔

سوال: منه ضمیر کا مرجع کیا ہے؟

جواب: مرجع میں اختلاف ہے عندالبعض اس کا مرجع مرفوع ہے جو مرفوعات سے سمجھا جاتا ہے اور بعض کے نزدیک ما اشتمل ہے پہلے مذہب والوں کی دو دلیلیں ہیں۔

دلیل اوّل: اگر مرفوع کی طرف راجع ہو تو اتحاد فی الضمائر ہو جائے گا۔ کیونکہ ھو ضمیر بھی راجع مرفوع کی طرف اور منه کی ضمیر بھی راجع ہے مرفوع کی طرف وہ گی اور اگر ما اشتمل کی طرف راجع ہو تو انتشار فی الضمائر کی خرابی لازم آتی ہے۔

دلیل ثانی: یہ ہے کہ ارجاع ضمیر معرّف کے طرف کی جائے تو یہ اولی ہوتا ہے اور معرّف المرفوع ہے دوسرے مذہب والوں کی بھی دو دلیلیں ہیں۔

دلیل اول: ما اشتمل مرجع قریب ہے اور مرجع میں اصل بھی یہی ہے وہ قریب ہونا چاہیئے۔

دلیل ثانی: ما اشتمل مرجع صریح ہے اور مرجع میں اصل بھی یہی ہے کہ وہ صریح ہو ضمنی نہ ہو اور مولانا جامیؒ نے دونوں احتمالوں کو بیان کردیا ہے۔

قال الشارح **وانما قدمه لانه اس المرفوعات** ۔مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: سوال یہ ہوتا ہے کہ کافیہ ماخوذ ہے مفصل سے مفصل میں علامہ زمخشری نے مبتداء کو مقدم کیا ہے باقی مرفوعات پر اور یہاں پر علامہ ابن حاجب فاعل کو مقدم کیوں کیا ہے۔

جواب: اس لئے کہ جمہور کے نزدیک مرفوعات میں سے اصل فعل تھا تو اس لئے فاعل کو مقدم کیا ہے یہ جوب اصل میں صغریٰ کبریٰ سے مرکب ہے مولانا جامیؒ نے صرف صغریٰ کو ذکر کیا ہے کبریٰ کو نہیں اس طرح نتیجہ کو بھی ظہور کی وجہ سے ذکر نہیں کیا **الفاعل اصل المرفوعات عند الجمهور وكل ما هو اصل عند الجمهور فهو احقٰ بالتقديم نتيجه فالفاعل احق بالتقديم**۔

قال الماتن **لانه جزء الجملة** ۔ سے لیکر قیل تک فاعل کے اصل ہونے پر دو دلیلوں کا بیان۔

دلیل اوّل: فاعل جملہ فعلیہ کا جزء ہے اور جملہ فعلیہ تمام جملوں سے اقویٰ ہے کیونکہ مقصود تو افادہ ہوتا ہے اور مخاطب کو تو جملہ فعلیہ میں افادہ تامہ ہوتا ہے اس لئے کہ وہ مشتمل ہوتا ہے زماں پر بھی اور اسناد اصلی پر بھی۔ کیونکہ فعل وہ اسناد ہی کے لئے وضع کیا گیا ہے بخلاف جملہ اسمیہ کے کہ اس میں اسناد عارضی ہوتا ہے۔ جب جملہ فعلیہ اصل ہے اور فاعل جزء ہے جملہ فعلیہ کی اور یہ قاعدہ ہے کہ اصل کی جزء بھی اصل ہوا کرتی ہے تو لہذا فاعل اصل ہوا اور جو اصل ہوتا ہے وہ احق بالتقدیم ہوتا ہے اس لئے فاعل کو مقدم کیا۔

دلیل ثانی: فاعل کا عامل لفظی ہوتا ہے اور مبتداء کا عامل معنوی ہوتا ہے اور عامل لفظی قوی ہوتا عامل معنوی سے اور قاعدہ ہے کہ موثر اور عامل کی قوۃ یہ مستلزم ہے اور معمول کی قوۃ کو لھذا فاعل اصل اور قوی ہوا مبتداء سے۔

قال الشارح **وقيل اصل المرفوعات المبتداء** ۔مولانا جامیؒ علامہ زمخشری کے مذہب کو نقل کر رہے ہیں ان کے نزدیک اصل مرفوعات میں سے مبتداء ہے

لانه: سے علامہ زمخشری کی دو دلیلیں نقل کر رہے ہیں۔

دلیل اوّل: وہ یہ ہے کہ مسند الیہ میں اصل مقدم ہونا ہے اور اس اصل پر مبتداء قائم ہے کہ وہ مبتداء ہمیشہ مقدم ہوا کرتا ہے جب کہ فاعل ہمیشہ فعل سے مؤخر ہوتا ہے جب یہ اپنی اصلیت

سے ہٹ چکا ہے لہذا مرفوعات میں اصل مبتداء ہوا۔

دلیل ثانی: محکوم علیہ میں اصل یہ ہے کہ اس پر حکم لگایا جائے جامد اور مشتق دونوں کے ساتھ اور یہاں مبتداء پر جامد کیساتھ بھی حکم لگایا جاسکتا ہے اور مشتق کے ساتھ بھی ۔ اور فاعل پر مشتق کا تو حکم لگایا جاتا ہے جامد کا نہیں لہذا مبتداء اصل ہوا جمہور کی طرف سے ان دونوں کی دلیلوں کا جواب۔

دلیل اوّل کا جواب: کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ مسند الیہ میں اصل تقدیم ہے لیکن اس وقت میں جب مانع موجود نہ ہو اور فاعل میں چونکہ مانع موجود ہے کہ تقدیم کی صورۃ میں مبتداء کے ساتھ التباس لازم آئے گا اس لئے فاعل مؤخر کیا جاتا ہے۔

دلیل ثانی کا جواب: کہ اصل حکم تو مشتق ہی کے ساتھ ہوا کرتا ہے اور جامد کیساتھ حکم لگانا یہ قلیل طور پر ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں۔

جواب ثانی: ہم تو آپ کی اس دلیل کو آپ کے دعویٰ کے خلاف سمجھتے ہیں وہ اس لئے کہ محکوم بہ کا عام ہونا یہ مبتداء کے ضعف پر دال ہے۔ جب کہ فاعل میں خصوصیت فاعل کی قوۃ اور رفعت پر دال ہے بعنوان دیگر یوں جواب دیا جاسکتا ہے کہ آپ نے جو دلیل پیش کی ہے مبتداء کی اصل ہونے پر یہ صحیح نہیں اس لئے کہ اس تو مبتداء کی ذات کی قوی ہونا ثابت ہوتا ہے اور حالانکہ ہماری بحث تو اثر اور عمل کے قوی ہونے کی ہے۔ اور وہ فاعل ہی میں پائی جاتی ہے لہذا فاعل ہی اصل ہوا اور مولانا جامیؒ نے اس مذہب کو قیل سے نقل کر کے ضعف کی طرف اشارہ کیا۔ اور مصنف کے نزدیک چونکہ جمہور کا مذہب اولیٰ اور مختار تھا اس لئے فاعل کو مقدم کیا۔

﴿بحث فاعل﴾

قال الماتن ﴿وهو ما اسند اليه الفعل او شبهه وقدم عليه على جهة قيامه به﴾

علامہ ابن حاجب فاعل کی تعریف بیان کر رہے ہیں کہ فاعل وہ اسم ہے جس کی طرف فعل یا شبہ فعل کا اسناد کیا جائے اور فعل اور شبہ فعل اس سے مقدم ہو اور یہ اسناد اسطور ہو کہ فعل یا شبہ فعل قائم ہو فاعل کے ساتھ نہ کہ واقع ہو فاعل پر۔ اس تعریف سے معلوم ہو گیا کہ فاعل کے لئے چار شرائط کا ہونا ضروری ہے (۱)۔ وہ اسم ہو خواہ حقیقتاً ہو یا حکماً (۲)۔ فعل کا اسناد فاعل کی طرف ہو (۳)۔ فعل یا شبہ فعل کی تقدیم فاعل پر واجب ہو (۴)۔ فعل کا قیام فاعل کے ساتھ ہو۔

قال الشارح اى الفاعل ۔مولانا جامیؒ نے ھو ضمیر کا مرجع کو بیان کردیا کہ ھو ضمیر کا مرجع الفاعل ہے اور اسم نکال کر بیان کردیا کہ یہاں ما سے مراد اسم ہے۔

قال الشارح حقیقتا او حکما ۔مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: کہ آپ کی یہ تعریف اپنے افراد کے لئے جامع نہیں کیونکہ اعجبنی ان ضربت زیدا پر صادق نہیں آتی جب کہ فاعل کے لئے اسم کا ہونا ضروری ہے۔

جواب: کہ اسم میں تعیم ہے خواہ حقیقی ہو یا حکمی ہو اور اس میں اَن مصدریہ کی وجہ سے مصدر کے حکم میں ہو کر اسم حکمی بن چکا ہے۔

قال الشارح بالاصالة لا بالتبعیه ۔مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: فاعل کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں اس لئے کہ فاعل کے توابع پر صادق آرہی ہے جیسے ضربنی زید و عمرو ۔کہ جس طرح ضرب کی اسناد زید کی طرح ہے عمرو کی طرف بھی ہے حالانکہ عمرو کو فاعل نہیں کہا جاتا بلکہ معطوف کہا جاتا ہے۔

جواب: یہاں اسناد سے مراد اسناد بالاصالة ہے اسناد بالواسطہ اور بالتبع مراد نہیں لہذا توابع خارج ہو جائیں گے۔

قولہ و کذال المراد فی جمیع ۔مولانا جامیؒ ایک فائدہ بیان کررہے ہیں۔

فائدہ: کہ مرفوعات اور منصوبات اور مجرورات کی تمام تعریفات میں توابع مراد نہیں ہوگے کیونکہ توابع کا ذکر علیحدہ موجود ہے لہذا ان کی تعریفات میں وہ داخل نہیں ہونگے۔

قولہ شبہ ای ما یشبہ فی العمل ۔سوال مقدر کا جواب

سوال: شبہ مصدر نام ہے نسبت بین المشبہ و المشبہ بہ کا تو سوال یہ ہوگا کہ زید قائم ابوہ مثال مثل لہ کہ مطابق نہیں ۔کیونکہ قائم شبہ بالفعل نہیں بلکہ مشابہ بالفعل ہے۔

جواب: شبہ مصدر بمعنی اسم فاعل کے تو شبہ کا معنی مشابہ ہوگا تو مطابقت پائی جائے گی۔

سوال: المشابہ یہ صیغہ صفت کا ہے اس کے لئے موصوف کیا ہے۔

جواب: یہاں ما موصوفہ مقدر ہے۔

سوال: ما موصوفہ نکرہ ہے المشابہ معرفہ تو موصوف صفت میں کیسے مطابقت ہوگی۔

جواب: المشابه اسم فاعل ہے جو بمعنی مضارع یشبه ہے۔ اور یشبه چونکہ جملہ ہے اور جملہ نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے تو مطابقت پائی گی مولانا جامیؒ نے ما یشبهٗ سے ان سوالات کا جواب دیا ہے

قال الشارح فی العمل ۔مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: مشابہت بالفعل تین حالات سے خالی نہیں تو (۱)۔ یا تو مشابہت باعتبار دلالت اور حدث مراد ہوگی۔ (۲)۔ یا مشابہت باعتبار حرکات وسکنات تعداد حروف مراد ہوگی (۳) یا مشابہت باعتبار اشتقاق مراد ہوگی اوّل صورۃ میں فی الدار زید خارج ہوجائیگی کیونکہ فی الدار جار مجرور ظرف ہے جو حدث پر دال ہے اور دوسری صورت میں هیهات زید خارج ہوجائے گا کیونکہ هیهات اسم فعل ہے یہ باعتبار حرکات وسکنات کے فعل کے ساتھ مشابہت نہیں رکھتا۔ تیسری صورۃ میں اعجبنی ضرب زید خارج ہوجائے گی کیونکہ ضرب مصدر ہے باعتبار اشتقاق کے فعل کے مشابہ نہیں کیونکہ یہ مشتق ہی نہیں۔

جواب: مشابہت سے مراد مشابهت فی العمل ہے لہذا اس میں اسم فاعل اور اسم مفعول اور صفت مشبہ اور اسم ظرف اور اسم تفضیل اور جار مجرور اور مصدر اور اسماء افعال داخل ہو جائیں گے۔ بعنوان دیگر یوں بھی سوال کیا جاسکتا ہے کہ جب شبه سے مشابت بالفعل مراد ہے تو غیر منصرف بھی مشابہ بالفعل ہے اس کا اسناد بھی فاعل کی طرف ہونا چاہئے۔

جواب: مشابہت سے مراد مشابهت فی العمل ہے لہذا اس سے غیر منصرف خارج ہوجائیگا۔

قوله قدم علیه الفعل او شبهه ۔سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: قدم کے مرجع میں دواحتمال ہیں (۱۔ فعل ۲۔ شبه فعل لہذا اراجع مرجع میں مطابقت نہ ہوئی۔

جواب: قدم کا مرجع احد الامرین یعنی فعل یا شبہ فعل مراد ہے لہذا مطابقت موجود ہے۔

قال الشارح ای علم ذالک الاسم ۔علیه ضمیر کے مرجع کا بیان و احتراز عن نحو زید سے اشارہ کیا کہ قدم علیه والی قید اتفاقی نہیں احترازی ہے اس سے زید ضرب خارج ہوگیا کیونکہ ضرب کا اسناد زید کی طرف ہے لیکن ضرب مؤخر ہے۔

قال الشارح لان اسنادا الی ضمیر شئی ۔

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: آپ نے کہا کہ ضرب کا اسناد زید کی طرف ہے حالانکہ ضرب کا اسناد زید کی طرف نہیں بلکہ ضمیر کی طرف ہے جو مستتر ہے ضوب کے اندر اور راجع ہے زید کی طرف

جواب: قاعدہ ہے شئی کی ضمیر کی طرف اسناد بعینہ اس شئی کی طرف اسناد ہوا کرتا ہے تو لہذا زید کی ضمیر کی طرف اسناد بعینہ یہ زید کی طرف ہی اسناد ہوگا۔

قال الشارح و المراد تقديمه عليه وجوبا

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: یہ تعریف دخول غیر سے مانع نہیں کیونکہ یہ کریم من یکرمك میں من پر صادق آرہی ہے اس لئے کہ کریم شبہ فعل کا اسناد ہے من کی طرف اور کریم مقدم بھی ہے تو من کو فاعل ہونا چاہئے حالانکہ مبتداء مؤخر ہے اور کریم خبر مقدم ہے۔

جواب: فاعل کی تعریف میں تقدیم سے مراد تقدیم وجوبی ہے اور کریم کی تقدیم وجوبی نہیں جوازی ہے۔

قال الشارح فان قلت قد يجب ۔مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: پھر بھی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں کیونکہ جب مبتداء نکرہ ہو اور خبر ظرف ہو تو وہاں خبر کا مبتداء پر مقدم کرنا واجب ہوا کرتا ہے جیسے فی الدار رجل تو یہاں فی الدار ظرف رجل پر مقدم ہے تقدیم بھی وجوبی ہے تو فاعل کی تعریف رجل پر صادق آرہی ہے حالانکہ یہ فاعل نہیں

جواب: فاعل کی تعریف میں تقدیم سے مراد تقدیم وجوبی نوعی ہے نہ کہ تقدیم وجوبی فردی اور فعل کی نوع کو فاعل پر مقدم کرنا واجب ہوتا ہے جب کہ خبر کی نوع کی تقدیم مبتداء پر واجب نہیں ہوتی بلکہ نوع کی تاخیر واجب ہے البتہ کسی عارض کی وجہ سے کسی فرد خبر کو مقدم کر دیا جاتا ہے جیسے فی الدرا رجل۔

قوله على جهة قيامه اى اسنادا واقعا ۔سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: جار مجرور کے لئے محل اعراب کا ہونا ضروری ہے تو علی جهة قيامه کا محل اعراب کیا ہے

جواب: یہ محل نصب میں ہو کر مفعول مطلق ہے اسند کا۔

سوال: مفعول مطلق بنانا درست نہیں کیونکہ مفعول مطلق تو ہمیشہ فعل مذکور کے معنی پر مشتمل ہوا کرتا ہے جب علی جهة ۔ اسناد والے معنی پر مشتمل نہیں تو یہ مفعول مطلق کیسے بن سکتا ہے۔

جواب: مولانا جامیؒ نے جواب دیا کہ یہاں عبارت مقدر ہے علی جهة متعلق ہے واقعا کے اور وہ صفت ہے اسناد موصوف محذوف کی تقدیر عبارت یوں ہو جائے گی۔ اسناداً واقعاً علی جهة قیامه پھر اسنادا جو مفعول مطلق ہے اسکو اور اس کی صفت کو حذف کر کے جار مجرور کو اس کے قائم مقام ٹھہرا دیا۔

قال الشارح **ای علی طریقته قیام الفعل** ۔ مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: جهة سے متبادر الی الذہن جہات سته میں سے کوئی جہت ہوتی ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ وہ معنی مقصود کے خلاف ہے۔

جواب: یہاں جہت کے معنی طریقہ کے ہے۔

قیام الفعل او شبهه سے مولانا جامیؒ نے قیامه کی ہ ضمیر کا مرجع بیان کر ہے اور به ای بالفاعل سے بہ کی ہ ضمیر کا مرجع بان کیا ہے کہ وہ فاعل ہے۔

قال الشارح **فطریق قیامه به ان یکون** مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: کہ فاعل کی تعریف جامع نہیں کیونکہ قیام الفعل بالفاعل کا مقصد صدور فعل عن الفاعل ہوتا ہے تو یہ تعریف مات زید اور طال عمرو غیرہ پر صادق نہیں آتی کیونکہ موت کا صدور اور طوالت کا صدور زید اور عمرو سے نہیں ہوتا بلکہ من الله ہوتا ہے۔

جواب: قیام الفعل بالفاعل کا یہ مقصد نہیں جو تم نے بتایا بلکہ اس کا مقصد فقط اتنا ہے کہ صیغہ معلوم کا ہو مجہول کا نہ ہو۔

قوله **و احترز بهذا القید** ۔ مولانا جامیؒ یہ بتاتے ہیں کہ علی جهة قیامه کی قید اتفاقی نہیں احترازی ہے اس سے مفعول مالم یسم فاعله کو خارج کر دیا گیا جیسے ضُرِبَ زید۔

قال الشارح **والاحتیاج الی هذا القید** ۔ مولانا جامیؒ کی غرض سوال

مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: علی جهة قیامه کی قید قطعاً نہیں لگانی چاہئے تھی کیونکہ اس سے مفعول مالم یسم فاعله کو خارج کیا گیا ہے حالانکہ مفعول ما لم یسم فاعله فاعل ہی ہے جیسے ضرب زید اسمیں ضرب کا اسناد ہے زید کی طرف تو اس کا اخراج کرنا درست نہیں۔ لہذا اس قید کو ذکر نہیں کرنا چاہئے تھا جیسا کہ صاحب مفصل نے بھی اس قید کا ذکر نہیں کیا اور شیخ عبدالقاہر جرجانی نے بھی اس قید کو ذکر نہیں کیا۔

جواب: مفعول ما لم یسم فاعله کے بارے میں اختلاف تھا کہ متقدمین اور متاخرین کا اور ان میں سے علامہ ابن حاجب بھی شامل ہے ان کا نظریہ یہ ہے کہ مفعول مالم یسم فاعله فاعل حقیقی نہیں لہذا اس کو خارج کرنے کے لئے اس قید کو ذکر کرنا ضروری تھا۔ اور اکثر متقدمین علامہ زمخشری اور شیخ عبدالقاہر جرجانی کا نظریہ یہ ہے کہ نائب فاعل فاعل حقیقی ہے تو لہذا انہوں نے اپنے نظریہ کے مطابق اس قید کو ترک کر کے فاعل میں اسکو داخل کیا ہے۔

قال الشارح **مثل زید فی قام زید** ۔

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: علامہ ابن حاجب نے فاعل کی مثال قام زید بیان کی ہے حالانکہ قام زید پورا جملہ تو فاعل نہیں بلکہ فاعل تو فقط زید ہے لہذا یہ مثال غلط ہے۔

جواب: مثال اس میں فقط زید ہے لیکن چونکہ فاعل کی تعیین بغیر فعل کے ذکر ہو نہیں سکتی تھی اس لئے فعل کو بھی ساتھ ذکر کر دیا البتہ فاعل کی تعیین طالب علم کے فہم پر چھوڑ دی کہ طالب علم خود معین کرے کہ قام زید میں فاعل کون ہے۔

قال الشارح **وهذا مثال لما اسند** ۔

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: صاحب کافیہؒ نے فاعل کی دو مثالیں ذکر کی ہیں حالانکہ مثال تو توضیح کے لئے ہوتی ہے جس کے لئے ایک مثال کافی تھی دو مثالیں کیوں دی ہیں۔

جواب: یہاں امثلہ کا تعدد اس لئے ہے کہ ممثل لہ متعدد ہیں کیونکہ فاعل کی دو قسمیں تھیں۔

(۱)۔ما اسند الیہ الفعل (۲)۔ ما اسند الیہ شبہ الفعل اوّل کی مثال قام زید اور ثانی کی مثال زید قائم ابوہ اور یاد رکھیں ممثل متعدد ہوں تو تعدد امثلہ ضروری ہوا کرتا ہے۔

قال الماتن ﴿والاصل ان یلی الفعل﴾ **حکم اول**

صاحب کافیہؒ فاعل کی تعریف سے فراغت کے بعد فاعل کے احکامات شروع کر رہے ہیں اس عبارت میں حکم اوّل کا بیان جس کا حاصل یہ ہے کہ فاعل میں اصل یعنی اولی اور راجح یہ ہے کہ فاعل متصل ہو فعل کے۔

قال الشارح **فی الفاعل** ۔مولانا جامیؒ نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا۔

سوال: والا صل ان یلی میں اس بات کا وہم ہو سکتا تھا کہ شاید یلی کا فاعل الفعل ہو جس کا حاصل معنی یہ ہوگا کہ فعل میں اصل یہ ہے کہ وہ فاعل کے متصل ہو اور اتصال الفعل بالفاعل فعل کی بحث سے متعلق ہے اس سے خروج عن المبحث کی خرابی لازم آتی ہے کیونکہ احکامات تو فاعل کے چل رہے ہیں نہ کہ فعل کے۔

جواب: مولانا جامیؒ نے فعل الفاعل سے جواب دے دیا کہ یلی فعل کا فاعل الفعل نہیں بلکہ اس کا فاعل ھو ضمیر ہے اب معنی یہ ہوگا کہ فاعل میں اولیٰ اور راجح یہ ہے کہ وہ فعل کے تھ متصل ہو اب یہ اعل کے احکام سے ہوگا۔

قال الشارح **ای ما ینبغی** ۔مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: کہ اصل کے تین معنی آتے ہیں (۱)۔ ما یبتنی علیہ غیرہ (۲)۔ دلیل (۳)۔ قاعدہ کلیہ یہاں پر ان تینوں معنوں میں سے کوئی معنی مناسب نہیں۔

جواب: کہ یہاں اصل کا معنی راجح اور اولیٰ کے ہیں جیسے کہا جاتا ہے الاصل فی الکلام الحقیقت دون المجاز

قولہ **ان لم یمنع مانع** ۔سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: ہم آپ کو مثال دکھاتے ہیں جس میں فاعل کو مقدم کرنا اولیٰ تو در کنار موخر کرنا ضروری ہوتا ہے جیسے ما ضرب عمروا الازید۔

جواب: مولانا جامیؒ نے جواب دیا کہ فاعل میں اتصال تب اولیٰ اور راجح ہے جب کوئی مانع

موجود نہ ہو اور آپ کی پیش کردہ مثال میں مانع موجود ہے اور موانع کا بیان و اذا انتفی الاعراب سے آرہا ہے۔

قال الشارح المسند الیه ۔مولانا جامیؒ بعض شارحین کے قول کے مطابق سوال مقدر کا جواب دینا چاہتے ہیں۔

سوال: صاحب کافیہؒ نے صرف فعل کو کر کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اتصال الفاعل بالفعل اولیٰ اور رجح ہے حالانکہ جس طرح اتصال الفاعل بالفعل راجح ہے اس طرح شبہ فعل کا اتصال بھی فاعل کے ساتھ اور اولیٰ اور راجح ہے اس کو صاحب کافیہؒ نے شبہ فعل کیوں بیان نہیں کیا۔

جواب: کہ فعل سے مراد بطریق عموم اور مجاز کے مسند الی الفاعل ہے مسند الی الفاعل یہ فعل کو بھی شامل ہے اور شبہ فعل کو بھی شامل ہے تو یہ ذکر الخاص ارادۃ العام کے قبیل سے ہو لیکن اصل یہ ہے کہ مولانا جامیؒ کی غرض المسند الیه سے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ الفعل میں الف لام عہدہ خارجی ہے مطلق فعل مراد نہیں بلکہ وہ فعل مراد ہے جو مسند الی الفاعل ہو اب حاصل اس کا یہ ہوگا کہ فاعل میں اصل یہ ہے کہ وہ فعل کے ساتھ متصل ہو جس فعل کا اس فاعل کی طرف اسناد دیا گیا ہو باقی رہا شبہ فعل والا سوال اس کا جواب یہ ہے کہ صاحب کافیہؒ فقط اصل کے احکام بیان کرنے پر اکتفاء فرماتے فرع کے احکام کے بیان کو وہ چھوڑ دیا کرتے ہیں۔

قال الشارح ای یکون بعده ۔مولانا جامیؒ کی غرض اتصال فاعل کی صورۃ کی تعیین کرنا ہے۔اتصال الفاعل بالفعل کی دو صورتیں تھیں۔ (۱)۔فاعل مقدم ہو اور فعل موخر ہو (۲)۔فعل مقدم ہو اور فاعل موخر ہو تو مولانا جامیؒ نے متعین کر دیا کہ یہاں دوسری صورۃ مراد ہے کہ فعل مقدم ہو اور فاعل موخر ہو۔اس لئے کہ پہلی صورۃ تو فاعل کی ماہیت اور حقیقت کے خلاف ہے۔

قال الشارح من غیر ان یتقدم علیه شئی ۔

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: ہم ایک مثال دکھاتے ہیں جس میں بغیر مانع کے فاعل موخر ہے جیسے جاء الرجل تو رجل فاعل ہے فعل اور فاعل کے درمیان الف لام کا فاصلہ آ گیا۔

جواب: ہماری مراد فعل کے معمولات سے مقدم ہونا ہے اور الف لام فعل کے معمولات میں سے نہیں

قولہ **لانہ** ۔سے حکم مذکور کی دلیل کے صغریٰ کا بیان ہے کبریٰ اور نتیجہ کو مشہور ہونیکی بناء پر ترک کردیا اب دلیل کی ترکیب بطریق قیاس یوں ہوگی۔

دعویٰ: الاصل فی الفاعل ان یکون متصلاً بالفعل۔

صغریٰ: لان الفاعل بمنزلة الجزء من الفعل

کبریٰ: و کل ما کان کذالك فالا صل فیه ان یکون متصلا بالفعل

نتیجہ: فالاصل فی الفاعل ان یکون متصلاً بالفعل

اس دلیل کا صغریٰ چونکہ محتاج الی الدلیل اور نظری تھا مولانا جامیؒ نے اس کے لئے دو دلیلیں بیان کی ہیں لشدة سے دلیل اوّل اور لیدل سے دلیل ثانی بیان کی ہے۔

دلیل اوّل: جس کا حاصل یہ ہے کہ فعل شدة سے محتاج الی الفاعل ہے یعنی فعل اپنے مفہوم اور تحقق میں فاعل کی طرف محتاج ہے جیسے کل اپنے مفہوم اور تحقق میں جزء کی طرف محتاج ہوتا ہے لہذا فاعل فعل کے لئے بمنزلہ جزء کے ہوا اس کو الفاعل بمنزلة الجزء للفعل کہنا صحیح ہوا اور نیز فعل کے مفہوم نسبت الی الفاعل جزء ہے اس لئے کہ فعل کا مفہوم زمانہ اور حدث اور نسبت الی الفاعل کے مجموعہ کا نام ہے تو نسبت الی الفاعل فعل کی جزء ہوئی اور مقوم ہوئی فعل کے مفہوم کے لئے اور فاعل مقوم ہے نسبت کے لئے اور قاعدہ مشہور ہے منطق کا کہ شئی کے مقوم کا شئی مقوم ہوا کرتا ہے تو فاعل فعل کے مفہوم کے لئے مقوم ہونے کی بناء پر فعل کے لئے بمنزلہ جزء کے ہوا۔

دلیل ثانی: ویدل سے لیکر آخر تک صغریٰ کے اثبات دلیل ثانی کا بیان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جمہور نحاۃ نے ضربت میں لام کو ساکن اسلئے قرار دیا تا کہ چار حرکات مسلسل جملہ واحد میں جمع ہونا لازم نہ آئے لہذا لام کا ساکن کرنا دلیل ہے اس بات کی کہ یہ ضربت کلمہ واحد ہے اور چونکہ اس کلمہ میں ضمیر فاعل موجود ہے تو اس کلمہ کی جزء بن گئی اگر یہ فاعل جزء نہ ہوتا تو لام کلمہ ساکن ہوتا تو ثابت ہوا دلیل کا صغریٰ یعنی الفاعل بمنزلة الجزء جب کہ کبریٰ بدیھی ہے محتاج الی الدلیل نہیں اس لئے مولانا جامیؒ نے اسے ترک کردیا۔

تنبیہ: مولانا جامیؒ نے صغریٰ کے اثبات پر دو دلیلیں پیش کی ہیں ان دونوں دلیلوں میں فرق کیا ہے؟

جواب: جس سے پہلے ایک فائدہ جان لیں۔

فائدہ: دلیل کی دو قسمیں ہیں ا۔دلیل لمی ۲۔دلیل انی

دلیل لمی: وہ دلیل ہے جس میں قیاس کے اندر حکم کی تصدیق کیلئے جس چیز کا علۃ قرار دیا جائے وہی چیز واقعہ نفس الامر کے اندر بھی حکم کی علت ہو جیسا کہ مثال مشہور ہے **ھذا محموم لانہ متعفن الاخلاط وکل ما ھو کان کذالك فھو محموم فھذا محموم** اس قیاس میں حماء کے لئے متعفن اخلاط کو علۃ قرار دیا گیا اور یہ بھی تعفن اخلاط واقع نفس الامر میں بھی حماء بخار کی علۃ ہے۔

دلیل انی: اس دلیل کو کہتے ہیں جس قیاس کے اندر حکم کی تصدیق کے لئے جس چیز کو علۃ قرار دیا گیا ہو وہ واقعہ نفس الامر میں حکم کی علۃ نہ ہو بلکہ معاملہ برعکس ہو جیسے یوں کہا جائے **ھذا متعفن الاخلاط الانہ محموم وکل محموم فھو متعفن الاخلاط فھذا متعفن الاخلاط** اس قیاس میں حماء کو تعفن اخلاط کی علۃ قرار دیا گیا حالانکہ واقعہ نفس الامر میں معاملہ اس کے برعکس ہے کہ تعفن اخلاط حماء کی علت ہے نہ کہ حمی تعفن الاخلاط کی علۃ ہے۔اب ان دونوں دلیلوں میں فرق کا حاصل یہ ہوا کہ پہلی دلیل لمی ہے یعنی جس طرح قیاس میں شدت احتیاج الفعل الی الفاعل کو فعل کے لئے بمنزلۃ جزء ہونے کی علۃ بنایا گیا واقعہ نفس الامر میں بھی شدت احتیاج فعل فاعل کیطرف علۃ ہے فاعل کے فعل کے جزء ہونے کی تو لہذا یہ دلیل لمی ہوئی اور دوسری لیل دلیل انی ہے یعنی قیاس میں ضربت لام کلمہ کے ساکن کرنے کے لئے فاعل کے فعل کے لئے جزء ہونے کی علۃ قرار دیا ہے واقعہ نفس الامر میں معاملہ برعکس ہے یعنی فاعل کا فعل کی جزء ہونا یہ **ضربن** اور ضربت میں لام کو ساکن کرنے کی علۃ ہے۔

قال الماتن ﴿فلذالک جاز ضرب غلامہ زید وامتنع ضرب غلامہ زیدا﴾

اسی حکم مذکور پر نتیجہ یہ نکلے گا کہ ضرب غلامہ زیداً والی ترکیب جائز ہے اور ضرب غلامہ زیداً والی ترکیب ناجائز ہے جس کی علۃ مولانا جامیؒ خود بیان فرمارہے ہیں۔

قال الشارح **الاصل الذی** ۔مولانا جامیؒ نے ذالك کا مشار الیہ بیان کیا ہے۔

قال الشارح **لتقدم مرجع الضمیر** ۔ یہ ترکیب اوّل کی جواز کی علۃ کا بیان ہے برائے دفع دخل مقدر۔

سوال: تم نے کہا کہ ضرب غلامه زيداً جائز ہے حالانکہ ضمیر لوٹتی ہے زید کی طرف اور یہ مرجع موخر ہو گیا جس سے تو اضمار قبل الذکر لازم آیا لھذا یہ ترکیب جائز نہیں بلکہ نا جائز ہے۔

جواب: یہاں اضمار قبل الذکر مطلقا لازم نہیں آتا فقط اضمار قبل الذکر لفظا لازم آتا ہے رتبۃً نہیں کیونکہ زید فاعل ہے جس کا رتبہ تمام مفاعل پر مقدم ہوتا ہے اور اضمار قبل الذکر فقط لفظا ہو تو یہ جائز ہوا کرتا ہے۔

قال الشارح **لتاخر مرجع الضمير**۔

مولانا جامیؒ کی غرض ترکیب ثانی کی امتناع کی علۃ کو بیان کرنا ہے برائے دفع دخل مقدر۔

سوال: جب اضمار قبل الذکر جائز ہے تو پھر اس دوسری ترکیب یعنی ضرب غلامه زيداً اس کو بھی جائز ہونا چاہئے۔

جواب: کہ اس ترکیب میں اضمار قبل الذکر لفظا اور رتبۃً لازم آتا ہے جو کہ جائز نہیں لفظا تو واضح ہے رتبۃً اس لئے کہ فاعل میں اصل فعل کے باقی معمولات پر مقدم ہونا ہے تو معلوم ہوا کہ مفعول کا رتبۃً موخر ہے تو اضمار قبل االذکر لفظا اور رتبۃً لازم آیا جو کہ جائز نہیں۔

فائدہ: ذالك غير جائز میں ذالک کا مشار الیہ اضمار قبل الذکر لفظاً اور رتبۃ ہے اور خلافاً کا تعلق بھی اسی سے ہوگا مطلب یہ ہوگا کہ اضمار قبل الذکر لفظا اور رتبۃً نا جائز ہے۔ سوائے اخفش اور ابن جنی کے کہ ان کے نزدیک اضمار قبل الذکر لفظا رتبۃً جائز ہے حالانکہ یہ مطلب بالکل غلط ہے اس لئے کہا ضمار قبل الذکر لفظا و رتبۃً کے نا جائز ہونے پر تمام نحویوں کا اتفاق ہے اور اخفش و ابن جنی کے نزدیک بھی یہ جائز نہیں تو مولانا جامیؒ کا یہ کہنا کیسے درست ہوگا۔

جواب: خلافاً کا تعلق ذالك غير جائز سے بالکل نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق فيلزم الاضمار لفظا و رتبۃً کے ساتھ ہے اور اب حاصل معنی یہ ہوگا کہ جمہور نحاۃ کے نزدیک ترکیب ثانی میں اضمار قبل الذکر لفظا و رتبۃً لازم آتا ہے جب کہ اخفش اور ابن جنی کے نزدیک اضمار قبل الذکر لفظا و رتبۃً لازم نہیں آتا خلاصہ اختلاف کا یہ ہوا کہ جمہور کے نزدیک اس ترکیب ثانی میں اضمار قبل الذکر لفظا و رتبۃً لازم آتا ہے اور اخفش اور ابن جنی کے نزدیک لازم نہیں آتا۔

فائدہ: جمہور اور اخفش اور ابن جنی کے درمیان یہاں پر یہ اختلاف ہوگا کہ جمہور کے نزدیک

فاعل کے ساتھ مفعول کی ضمیر کا اتصال اس طور پر ہرگز صحیح نہیں کہ مفعول لفظوں میں موخر ہو جب کہ اخفش اور ابن جنی کے نزدیک مفعول کی ضمیر کا اتصال فاعل کے ساتھ اس طور پر صحیح ہے کہ مفعول لفظوں میں موخر ہو۔

قوله وَمستندهما ۔اخفش اور ابن جنی کے مذہب کی دلیل نقلی کا بیان جس کا حاصل یہ ہے کہ جزی ربہ میں جزی فعل ہے ربہ اس کا فاعل ہے جس کے ساتھ ہ ضمیر متصل ہے جو کہ راجع ہے عدی بن حاتم مفعول بہ کی طرف تو اس مثال میں مفعول کی ضمیر کا اتصال فاعل کے ساتھ جب کہ مفعول لفظوں میں موخر ہے فصیح و بلیغ شاعر کے کلام میں ہے جس سے معلوم ہوا کہ مفعول کے ضمیر کا اتصال فاعل کے ساتھ اس طور پر کہ مفعول لفظوں میں موخر ہو جائز ہے۔

قوله واجيب عنه ۔مولانا جامیؒ نے اخفش اور ابن جنی کے اس دلیل مذکور کے دو جواب دیئے ہیں۔اجیب سے بانہ تک جواب اوّل ہے اور بانہ سے جواب ثانی ہے۔

جواب اول: کا حاصل یہ ہے کہ ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ آپ کا دعویٰ اس شعر سے ثابت ہوتا ہے لیکن ضرورت شعری کی وجہ سے ایسا کیا گیا اور ضرورت شعری حالت اضطراری ہے اور حالت اضطراری میں کسی چیز کے جائز ہونے سے قطعاً یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ حالت اختیاری میں بھی جائز ہو جائے اور کلام نظم میں حالت اضطراری ہوتی ہے اور کلام نثر میں حالت اختیاری۔

جواب ثانی: انکاری جس کا حاصل یہ ہے کہ ہم اس بات کو تسلیم ہی نہیں کرتے کہ ربہ کی ہ ضمیر کا مرجع عدی ہے بلکہ ضمیر کا مرجع وہ مصدر ہے جس پر جزی فعل کی دلالت ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی جزی رب الجزاء خلاصہ یہ ہوا کہ یہاں مفعول کی ضمیر کا اتصال فاعل کے ساتھ ہے ہی نہیں تو استدلال بھی صحیح نہ ہوا۔

فائدہ: ان دونوں جوابوں میں کیا فرق ہے۔

جواب: پہلا جواب تسلیمی ہے دوسرا جواب انکاری ہے۔اس پر سوال یہ ہوگا

فائدہ: یہ ترتیب اصول مناظرہ کے خلاف ہے اس لئے کہ اصول مناظرہ کے تحت جواب انکاری مقدم ہوا کرتا ہے اور جواب تسلیمی موخر ہوا کرتا ہے تو مولانا جامیؒ نے برعکس کیوں کر دیا ہے۔

جواب: انکاری جواب کو موخر کر کے اس کے ضعف کی طرف اشارہ کر دیا کہ جیسا کہ ذوق سلیم

سے یہ بات معلوم ہو جاتی ہے۔

قال الماتن ﴿واذا انتفی الاعراب فیھما﴾ **حکم ثانی**

صاحب کافیہؒ فاعل کا حکم ثانی بیان کرنا چاہتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے جس کے لئے ضابطہ یہ ہے کہ چار مقامات پر فاعل کو مفعول پر مقدم کرنا واجب ہے۔

مقام اول: ہر وہ صورت جس میں اعراب لفظی منتفی ہونے کے ساتھ ساتھ فاعل یا مفعول کی تعیین کا قرینہ بھی منتفی ہو تو ایسی صورۃ میں فاعل کو مفعول پر مقدم کرنا واجب ہے۔

مقام ثانی: ہر وہ صورت جس میں فاعل ضمیر متصل ہو تو بھی فاعل کو مفعول پر مقدم کرنا واجب ہے

مقام ثالث: ہر وہ صورت جس میں مفعول الا کے بعد واقع ہو تب بھی فاعل کو مفعول پر مقدم کرنا واجب ہے۔

مقام رابع: ہر وہ صورت جس میں مفعول الا کے معنی بعد واقع ہو تب بھی فاعل کو مفعول پر مقدم کرنا واجب ہے۔

قال الشارح **الدال علی فاعلیۃ الفاعل** ۔مولانا جامیؒ کی غرض دو باتوں کی طرف اشارہ کرنا ہے (۱) اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ انتفی الاعراب وجب تقدیمہ یہ قضیہ شرطیہ متصلہ لزومیہ ہے اس لئے کہ مقدم اور تالی کے درمیان علاقہ علیت کا ہے اور ایسے قضیہ کو قضیہ شرطیہ متصلہ لزومیہ کہا جاتا ہے باقی رہی یہ بات علاقہ علیت کیسے ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ دال علی الفاعلیۃ و المفعولیۃ کا انتفاء یہ علت ہے التباس کی اور التباس علت ہے فاعل کے وجوبی طور پر مقدم ہونے کی اور قاعدہ ہے شئی کی علت کی علت شئی کی علت ہوا کرتی ہے یہ علت ہو اوجب تقدیمہ کے لئے تو مقدم اور تالی کے درمیان علاقہ علیت کا ہوا۔

(۲) کہ اعراب کی علت غائیۃ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اعراب کی علت غائیہ یہ ہے کہ وہ فاعل کی فاعلیت اور مفعول کی مفعولیت پر بحسب الوضع دلالت کرے اور شارحؒ نے بالواضع کی قید لگا کر آنے والے سوال کے جواب کے لئے بطور تمہید کے ذکر کر دیا کہ اس عبارت سے ان دونوں کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے نہ کہ اعراب کی تعریف بیان کرنا۔

قال الشارح **ای فی الفاعل المتقدم** ۔کیفیت مرجع کا بیان برائے دفع دخل مقدر

سوال: فیهما میں هما ضمیر تثنیہ کا ہے جس کا مرجع دو چیزیں ہیں (۱)۔فاعل (۲)۔مفعول اور ماقبل فاعل کا ذکر تو صراحۃً موجود ہے لیکن مفعول کا ذکر نہیں ہے اس سے تو اضمار کی خرابی لازم آئے گی۔

جواب: کہ مفعول کا ذکر اگر چہ صراحۃً ماقبل میں نہیں ہوا لیکن امثلہ میں ضمناً ہو چکا ہے تو مرجع ہونے کے لئے صراحۃً مذکور ہونا قطعاً ضروری نہیں بلکہ ضمناً ذکر بھی کافی ہے۔

قال الشارح **و القرینۃ ای الامر الدال علیهما لا بالوضع** ۔

سے مولانا جامیؒ کی غرض اعراب اور قرینہ کے درمیان فرق کو بیان کرنا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قرینہ فاعل کی فاعلیت اور مفعول کی مفعولیت پر بغیر وضع کے دلالت کرتا ہے اعراب باعتبار وضع کے دلالت کرتا ہے تو فرق کا حاصل یہ ہوا کہ قرینہ میں وضع کا نہ ہونا معتبر ہے جب اعراب کے اندر وضع کا ہونا معتبر ہے لہذا ان دونوں کے درمیان تباین ہے ایک چیز نہیں۔

قولہ **فلا یرد** ۔مولانا جامیؒ صراحۃً سوال کا جواب دینا چاہتے ہیں۔

سوال: قرینہ اعراب سے عام ہے اور اعراب خاص اور قاعدہ ہے کہ عام کا ذکر کرنا مستغنی کر دیتا ہے خاص کے ذکر کرنے سے لہذا صاحب کافیہ کو فقط قرینے کے ذکر پر اکتفاء کرنا چاہئے تھا اور یوں کہنا چاہئے تھا اذا انتفت القرینہ

جواب کہ ہم گزشتہ تقریر سے یہ بات واضح کر چکے ہیں کہ اعراب اور قرینہ میں تباین ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ ایک مباین کے ذکر کر دینا یہ دوسرے مباین کے ذکر سے مستغنی نہیں کرتا۔اس لئے دونوں کو علیحدہ علیحدہ ذکر کی ضرورت تھی ،تو صاحب کافیہؒ نے اعراب اور قرینہ دونوں کو ذکر کر دیا

قولہ **وھی اما لفظیہ** ۔مولانا جامیؒ قرینہ میں تعمیم بیان کر رہے ہیں برائے دفع دخل مقدر

سوال: لفظ قرینہ سے متبادر الی الذہن قرینہ لفظیہ ہے کیونکہ یہی فرد کامل ہے اور قاعدہ ہے المطلق اذا اطلق یراد بہ فرد الکامل اب معنی یہ ہوگا کہ جب اعراب لفظی اور قرینہ لفظی منتفی ہو تو فاعل کی تقدیم مفعول پر واجب ہے حالانکہ قرینہ معنوی کی صورت میں بھی فاعل کی تقدیم مفعول پر واجب نہیں ہوتی جس طرح کہ اکل الکمثری یحیی میں قرینہ معنویہ ہے اور فاعل کی تقدیم مفعول پر نہیں۔

جواب : مولانا جامیؒ نے جواب دیا کہ یہاں قرینہ سے مراد جنس قرینہ کی نفی ہے جو قرینہ لفظیہ اور قرینہ معنویہ دونوں کو شامل ہے لہذا اگر قرینہ لفظیہ موجود ہو تب بھی فاعل کی تقدیم واجب نہیں جیسے ضربت موسی حبلی اس میں تاء ساکنہ حبلی کے فاعل ہونے پر قرینہ لفظیہ ہے اور اسی طرح قرینہ معنویہ موجود ہو تب بھی تقدیم واجب نہیں ہوگی جیسے اکل الکمثری یحی تو یہاں قرینہ معنویہ ہے کہ یحی فاعل بن سکتا ہے الکمثری فاعل نہیں بن سکتا الکمثری ماکول تو ہو سکتا ہے لیکن آکل نہیں بن سکتا۔

قال الشارح **مضمرا متصلا بالفعل** ۔

مولانا جامیؒ کی غرض اتصال کے صلہ کو بیان کرنا ہے کہ اتصال کا صلہ وہ بالفعل ہے۔

فائدہ: مولانا عصام الدین نے اس پر دو اعتراض کئے ہیں۔

سوال اول : کہ صلہ کی بیان کی ضرورت ہی نہیں اس لئے کہ اتصال معنی لغوی کے اعتبار سے تو صلہ کا تقاضا کرتا ہے لیکن اصطلاحی معنی کے اعتبار سے نہیں اور متن کی عبارت مضمرا متصلاً میں اصطلاحی معنی مراد ہے لہذا مولانا جامیؒ کا صلہ کو ذکر کرنا یہ لغو اور مستدرک ہے۔

سوال ثانی : کی تقریر یہ ہے کہ بالفعل سے کلام میں تخصیص پیدا ہو جاتی ہے۔ کہ جب فاعل ضمیر متصل بالفعل ہو تو تب تقدیم واجب ہوگی اگر فاعل ضمیر متصل ہو شبہ فعل کے ساتھ تو تقدیم واجب نہ ہوگی حالانکہ دونوں صورتوں میں تقدیم واجب ہے لہذا مولانا جامیؒ کا بالفعل صلہ کے ذکر کرنے سے بجائے فائدہ کے نقصان ہوا۔

سوال اوّل کا جواب : کہ ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اتصال معنی اصطلاحی کے اعتبار سے صلہ کا مقتضی نہیں لیکن لغوی معنی کے اعتبار سے تو مقتضی ہے لیکن قاعدہ یہ ہے کہ جب بھی کسی لفظ کو معنی اصطلاحی معنی کی طرف نقل کیا جائے تو لغوی معنی کا لحاظ کیا جاتا ہے تو یہاں پر مولانا جامیؒ معنی لغوی کا لحاظ کرتے ہوئے صلہ کو ذکر کر دیا۔

سوال ثانی کا جواب : جواب کا حاصل یہ ہے کہ عادت مصنف ہے کہ اصل کے بیان پر اکتفاء کرتے ہیں اور فرع کے احکام کو مقایسۃً چھوڑ دیتے ہیں لہذا یہاں پر بھی شبہ فعل کے ذکر کو ترک کر دیا ہے اس میں کوئی حرج اور نقصان لازم نہیں آتا۔

قال الشارح بارزاً ۔ضمیر میں تعمیم کا بیان جس کا حاصل یہ ہے کہ جب فاعل ضمیر متصل ہو خواہ متصل ہو کر بارز ہو جیسے ضربت زیدا یا ضمیر مستتر ہو جیسے زید ضرب غلامہ تو ہر دونوں صورتوں میں فاعل کی تقدیم مفعول پر واجب ہے۔

قولہ بشرط ان یکون ۔شرط کا بیان برائے دفع دخل مقدر۔

سوال: ہم دکھاتے ہیں کہ فاعل ضمیر متصل ہے لیکن اس کی تقدیم مفعول پر واجب نہیں بلکہ مفعول مقدم ہے جیسے زیداً ضربت۔

جواب: فاعل ضمیر متصل ہونے کی صورت میں فاعل کی تقدیم کا واجب ہونا اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ مفعول فعل سے مؤخر ہو اور مادہ نقض میں یہ شرط نہیں پائی جاتی کہ اس میں تو مفعول فعل کی ذات سے بھی مقدم ہے۔

فائدہ: جب شرط مذکور کا ہونا ضروری تھا تو صاحب کافیہ نے اس شرط کا کیوں ذکر نہیں کیا۔

جواب: صاحب کافیہ نے اس مثال مذکور سے سوال کو قبول ہی نہیں کیا اس لئے کہ زیداً ضربت کی ترکیب میں اصطلاح کے اندر کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ مفعول فاعل پر مقدم ہے بلکہ یہ کہا جاتا ہے کہ مفعول فعل پر مقدم ہے تو لہذا فاعل اپنے اصل پر واقع ہے۔

سوال: مولانا جامیؒ نے پھر اس شرط کو کیوں ذکر کر دیا۔

جواب: مولانا جامیؒ نے یہ جواب علی سبیل التنزل اس سوال کو تسلیم کرتے ہوئے بطور احتیاط کے اس شرط کو ذکر کر دیا ہے۔

قال الشارح ای مفعول الفاعل ۔مولانا جامیؒ کی غرض ضمیر کی مرجع کا بیان ہے۔

فائدہ: اس پر سوال ہوگا کہ مفعول تو فعل کا ہوتا ہے فاعل کا نہیں ہوتا لہذا ضمیر کا مرجع فعل ہونا چاہئے تھا نہ کہ فاعل۔

جواب: فعل چونکہ بواسطہ فاعل کے مفعول کا تقاضا کرتا ہے اس لئے مفعول کی نسبت فاعل کی طرف کرنا صحیح ہوا۔

قال الشارح بشرط توسطها ۔شرط کا بیان برائے دفع دخل مقدر

سوال: ما ضرب الا عمرا زید میں مفعول الا کے بعد واقع ہے لیکن فاعل کی تقدیم مفعول پر

واجب نہیں۔

جواب: مولانا جامیؒ نے جواب دیا مفعول الا کے بعد واقع ہونیکی صورت میں فاعل کی تقدیم تب واجب ہوگی جب یہ شرط پائی جائے گی کہ الا فاعل اور مفعول کے درمیان واقع ہو اور مادہ نقض میں الا درمیان میں واقع نہیں۔

قال الشارح اى تقديم الفاعل على المفعول فى جميع هذه الصور ۔مولانا جامیؒ تین باتیں بیان فرمارہے ہیں (۱) ضمیر کا مرجع وہ الفاعل ہے (۲) المفعول تقدیم کا صلہ بیان کیا (۳)۔فی جمیع صورۃ اجمال کا بیان کیونکہ مابعد میں تفصیل آرہی ہے تفصیل اجمال کا تقاضا کرتی ہے اس لئے مولانا جامیؒ نے اولا اجمال کو بیان کردیا تاکہ تفصیل اجمال پر مرتب ہوسکے نیز فی جمیع هذا الصور سے مولانا جامیؒ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ وجب تقدیمہ جزاء کا تعلق تمام صورتوں کے ساتھ نہ فقط اوّل صورت کے ساتھ نہ آخیر صورت کے ساتھ۔

قال الشارح اما فى صورت انتفاء الاعراب ۔مقام اول میں فاعل کی تقدیم وجوبی کی علت کا بیان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ پہلے مقام اور پہلی صورت میں فاعل کو مفعول پر مقدم کرنا اس لئے واجب ہے تاکہ فاعل کا مفعول سے التباس لازم نہ آئے۔

قوله اما فى صورة كون الفاعل ۔مقام ثانی کے لئے دلیل کا بیان جس کا حاصل یہ ہے کہ صورۃ ثانیہ میں فاعل کی تقدیم اسلئے واجب ہے تاکہ خلاف مفروض لازم نہ آئے اس لئے کہ فاعل ضمیر متصل ہونے کی صورت میں اگر فاعل کو مفعول سے موخر کردیا جائے تو فاعل ضمیر متصل نہیں رہے گی بلکہ منفصل بن جائے گی اور یہ بات ظاہر ہے کہ ضمیر متصل اور منفصل میں منافات ہے تو اس منافات کی وجہ سے یقیناً خلاف مفروض لازم آئے گا۔

فائدہ: یاد رکھیں کہ اس صورت میں تقدیم وجوبی کی اصلی علت خلاف مفروض کا لزوم ہے اور چونکہ خلاف مفروض کے لزوم کی علت اتصال وانفصال میں منافات ہونا ہے اس لئے مولانا جامیؒ نے بناء بر اختصار علت کی علت کو اصل علت کے قائم مقام کردیا ہے جیسا کہ صاحب کافیہؒ نے صورۃ اولیٰ میں علت کی علت کو اصل علت کے قائم مقام کردیا ہے۔

قولہ ام فی صورۃ وقوع ۔سے مقام ثالث میں فاعل کی تقدیم وجوبی کی علت کا بیان ہے جس سے پہلے ایک ضابطہ جان لیں۔جس کا حاصل یہ ہے کہ جب مفعول الا کے بعد ہوتو متکلم کا مقصود یہ ہوگا کہ فاعل کی فاعلیت منحصر ہے اس مفعول میں اور مفعولیت کا حصر اس فاعل میں نہیں جیسے ما ضرب زید الا عمرا اس میں متکلم کا مقصود یہ بتانا کہ زید کی ضاربیت بند ہے عمرو کی مضروبیت میں یعنی زید ایسا شریف آدمی ہے اس اس نے آج تک عمرو کے علاوہ کسی کو نہیں مارا۔ باقی رہا عمرو ہوسکتا ہے اس کو کسی نے مارا ہو اب دلیل کا حاصل یہ ہوا کہ اگر مفعول کو فاعل پر مقدم کیا جائے تو اس تیسری صورت میں حصر مطلوب کا انقلاب لازم آئے گا کیونکہ متکلم کا مقصود تو یہ بتانا تھا کہ زید کی ضاربیت منحصر ہے عمرو میں لیکن مفعول کے مقدم ہونے کی صورت میں معنی یہ بنے گا کہ عمرو کی مضروبیت منحصر ہے زید میں تو اس لئے اس صورت میں جب مفعول الا کے بعد واقع ہوتو فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے تا کہ حصر مقصود کا الٹ اور انقلاب لازم نہ آئے۔

قال الشارح و انما قلنا ۔سے مولانا جامیؒ جو صورت ثالث میں اپنے جانب سے شرط بیان کی تھی الا کے متوسط ہونے کی اس کی علت اور حکمت بیان کررہے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ الامتوسط بینھما کی شرط لگا کر اس مثال کو خارج کردیا جس میں مفعول بمع الا کے فاعل پر مقدم ہوجائے جیسے ما ضرب الاعمرا زید کیونکہ اس صورت میں فاعل کی تقدیم وجوبی نہیں کیونکہ حصر مطلوب کا انقلاب لازم نہیں آتا۔

قال الشارح و اذا الحصر انما ھو فی ۔مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: مفعول بمع الا کی تقدیم کی صورت میں حصر مطلوب کا انقلاب لازم نہیں آتا۔

جواب: قاعدہ یہ ہے کہ حصر ہمیشہ ایسے اسم میں ہوتا ہے جو الا کے متصل ہو لہذا اس قاعدہ کی بناء پر ما ضرب الاعمر زید۔میں زید کی ضاربیت کا حصر ہوگا عمرو میں اور یہی حصر مطلوب تھا جب فاعل کی تاخیر کی صورت میں حصر مطلوب حاصل ہورہا ہے تو فاعل کی تقدیم واجب نہ ہوئی اس لئے کہ ضابطہ ہے انتفاء علت مستلزم ہوتا ہے انتفاء معلول کو لہذا جب تقدیم کی علت نہیں پائی جاتی تو فاعل کو مقدم کرنا واجب نہ ہوگا۔

قال الشارح لکن لم یستحسنہ ۔اس عبارت سے مولانا جامیؒ نے اس بات کی

طرف اشارہ کیا ہے کہ ما ضرب الاعمر وا زیدا اگرچہ بعض نحویوں کے نزدیک یعنی اخفش اور شیخ عبدالقاھر کے نزدیک یہ مثال جائز ہے لیکن مستحسن نہیں۔ مستحسن نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس مثال میں صفت کی تمامیت سے پہلے صفت کا قصر لازم آتا ہے اس لئے کہ مطلق ضرب کا قصر عمرو میں مقصود نہیں بلکہ ایسی ضرب کا حصر عمرو میں مقصود ہے جو زید سے صادر ہو کر عمرو پر واقع ہوا اور یہ بات ظاہر ہے کہ زید کے ذکر سے پہلے صفت کی تمامیت ہو نہیں سکتی اس لئے یہ مثال بعض کے نزدیک اگرچہ جائز ہے لیکن غیر مستحسن ہے۔

قال الشارح انما قلنا ۔مولانا جامیؒ ماقبل میں جو ما ضرب الاعمر وا زید کے متعلق کہا تھا کہ اس کا ظاہر معنی یہ ہے۔ تو اس ظہور کی قید کا فائدہ اور ظاہر کے مقابل کو بیان فرما رہے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ ما ضرب الاعمراً زیدا اس عبارت سے اگرچہ یہی معنی سمجھ آتا ہے کہ زید کی ضاربیت کا حصر ہے عمرو میں لیکن اس معنی کا بھی احتمال ہے کہ ہر دونوں کا حصر ہو یعنی زید کی ضاربیت کا حصر ہو عمرو میں اور عمرو کی مضروبیت کا زید میں۔ چونکہ عمرو اور زید دونوں حروف استثناء کے بعد آرہے ہیں تو دونوں کی صفتوں کا حصر ہو جائے ایک دوسرے میں اور مستثنیٰ منہ دونوں کا محذوف ہے لیکن یہ معنی غیر ظاہر ہے اور مقصود کے خلاف ہے خلاصہ یہ ہوا کہ اگر معنی ظاہر کا لحاظ کیا جائے تو حصر مطلوب کا انقلاب لازم نہیں آتا اور اگر معنی غیر ظاہر کا لحاظ کیا جائے تو مقصود کے خلاف لازم آتا ہے البتہ جب یہ شرط مذکور کو ذکر کر دیا جائے تو اس مثال سے بھی سوال وارد نہیں ہو سکتا کہ الا فاعل اور مفعول کے درمیان ہو۔

فائدہ: جب یہ شرط مذکور اتنی ضروری تھی تو صاحب کافیہؒ نے اس شرط کو کیوں بیان نہیں کیا۔

جواب: کیونکہ جمہور کے نزدیک مثال مذکور بالکل جائز ہی نہیں تھی اس لئے شرط لگانے کی ضرورت ہی نہیں تھی اس لئے بیان نہیں کی البتہ مولانا جامیؒ اخفش اور شیخ عبدالقاھر وغیرہ مذہب کی رعایت کرتے ہوئے شرط مذکور کو بیان کر دیا۔

قال الشارح اما فی وجوب التقدیم ۔سے آخر تک مقام رابع میں فاعل کی تقدیم وجوبی کی علت کا بیان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب مفعول معنی الا کے بعد واقع ہو یعنی کلمہ انما کے بعد تو فاعل کو مفعول پر مقدم کرنا واجب ہے اس لئے کہ اگر فاعل کو موخر کر دیا جائے تو

حصر مطلوب کا انقلاب لازم آئے گا مثلاً انما ضرب زید عمرا میں متکلم کا مقصود یہ بتانا ہے کہ زید کی ضاربیت عمرو میں منحصر ہے کیونکہ یہ قاعدہ ہے کلمہ انما کے بعد ہمیشہ حصر آخری جزء میں ہوا کرتا ہے لہذا فاعل کو موخر کی سورت میں انما ضرب عمرو زید میں مقصود کا خلاف لازم آئے گا معنی یہ ہوگا عمرو کی مضروبیت منحصر ہے زید پر تو اسی لئے فاعل کی مفعول پر تقدیم واجب ہے تا کہ حصر مطلوب کا انقلاب لازم نہ آئے۔

قال الماتن ﴿واذا اتصل ضمیر مفعول اووقع بعد الا﴾ **حکم ثالث**

اس عبارت سے فاعل کے حکم ثالث کا بیان کہ فاعل کو موخر کرنا واجب ہے اس کے لئے چار صورتیں ہیں اور چار مقام ہیں۔

مقام اول: ہر وہ صورت جس میں مفعول کی جزء فاعل کے ساتھ ملی ہوئی ہو تو فاعل کو مفعول سے موخر کرنا واجب ہے جیسے ضرب زید اغلامه

مقام ثانی: ہر وہ صورت جس میں فاعل الا کے بعد واقع ہو تو فاعل کو مفعول سے موخر کرنا واجب ہے جیسے ما ضرب عمروً الا زید

مقام ثالث: جب فاعل معنی الا کے بعد واقع ہو تو بھی فاعل کو مفعول سے موخر کرنا واجب ہے

مقام رابع: ہر وہ صورت جب مفعول ضمیر متصل ہو اور فاعل ضمیر غیر متصل ہو تو اس صورت میں بھی فاعل کو موخر کرنا واجب ہے۔

قال الشارح **ای بالفاعل** ۔ھو ضمیر کا مرجع بتادیا کہ وہ فاعل ہے نحو ضرب زیدا غلامه مثال کا بیان ہے اور وقع ای الفاعل ضمیر کے مرجع کا بیان ہے ضمیر مستتر کا مرجع الفاعل ہے۔

قال الشارح **بعد الا المتوسطته بینهما** ۔یہ صورت ثانیہ کے لئے شرط کا بیان ہے کہ الا متوسط درمیان میں ہو۔ مفعول اور فاعل کے اس کا ایک فائدہ ماقبل میں گذر چکا ہے۔

فائدہ: مولانا جامیؒ نے اس فرد کو بیان کرنے کے لئے جو بغیر ماقبل میں کی تھی اس تعبیر کو چھوڑ کر یہاں نئی تعبیر کو اختیار جو کیا ہے اس سے فقط مقصود تفنن فی العبارۃ ہے کہ عبارت رنگ برنگی ہو جائے ورنہ مآل کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں۔

قال الشارح **او وقع الفاعل بعد** ۔

یہ لفظ نکال کر مولانا جامیؒ نے حاصل عطف بیان کر دیا۔

قال الشارح معناھا ای معنی ال ا۔مثال کا بیان ہے۔

قال الشارح بان یکون ۔مولانا جامیؒ نے اتصال کے معنی کو بیان کر دیا کہ اتصال کا لغوی معنی مراد نہیں بلکہ اتصال کا اصطلاحی معنی مرا ہے یعنی مفعول کا ضمیر متصل ہونا اور بالفعل سے ضمیر کے مرجع کو بیان کر دیا۔

قال الشارح ای تاخیر الفاعل عن المفعول فی جمیع الصور ۔

ماقبل کی طرح یہاں بھی تین باتوں کو بیان کیا(۱)۔تاخیرہ کی ہ ضمیر کا مرجع بتا دیا کہ وہ فاعل ہے (۲)عن المفعول یہ تاخیر کے لئے صلے کا بیان ہوگیا(۳)۔فی جمیع ھذہ الصور اجمال کا بیان تا کہ بعد میں جو تفصیل آ رہی ہے وہ اس اجمال پر مرتب ہو سکے نیز فی جمیع ھذہ الصور سے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ وجب تاخیرہ اس جزاء کا تعلق چاروں صورتوں کے ساتھ ہے نہ کہ صرف اوّل صورت کے ساتھ اور نہ ہی آخری صورت کے ساتھ۔

قال الشارح اما فی صورۃ اتصال :صورت اولیٰ میں فاعل کے تاخیر وجوبی کے علت کا بیان جس کا حاصل یہ ہے کہ مفعول کی ضمیر فاعل کے ساتھ متصل ہونے میں اگر فاعل کو موخر نہ کیا جائے مقدم کر دیا جائے تو اضمار قبل الذکر لفظا اور رتبۃ لازم آئے گا جو کہ نا جائز ہے۔اس لئے اس صورت میں فاعل کو موخر کرنا واجب ہے۔

قولہ اما فی صورت وقوعہ ۔سے صورت ثانیہ اور صورت ثالثہ میں فاعل کی تاخیر وجوبی کے علت کا بیان جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر ان دونوں صورتوں میں فاعل کو موخر نہ کیا جائے تو حصر مطلوب کا انقلاب لازم آئے گا۔جس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

قال الشارح واما فی صورۃ کون المفعول ۔صورت رابعہ میں فاعل کی تاخیر وجوبی کے علت کا بیان جس کا حاصل یہ ہے کہ جب مفعول ضمیر متصل بالفعل ہو اس طور پر کہ فاعل ضمیر غیر متصل ہو تو فاعل کو موخر کرنا واجب ہے اس لئے کہ اگر فاعل کو موخر نہ کیا جائے تو خلاف مفروض لازم آئے گا یعنی مفعول ضمیر متصل نہیں رہے گی منفصل بن جائے گی اور یہ بات ظاہر ہے کہ ضمیر متصل منفصل بن جائے گی اور یہ بات ظاہر ہے ضمیر متصل منفصل میں منافات ہے تو یہ یقینا

خلاف مفروض لازم آئے گی۔

قال الشارح **بخلاف ما اذ کان ۔**

مولانا جامیؒ نے متن کی عبارت و هو غیر متصل کی قید کو ذکر کر کے ایک سوال مقدر کا جواب دیا۔

سوال : ضــربتك میں ضمیر متصل بالفعل ہے حالانکہ فاعل کو موخر کرنا جائز نہیں بلکہ مقدم کرنا واجب ہے۔

جواب : ماتن صاحب کافیہؒ نے و هو غیر متصل کی قید لگا کر اس کا جواب دیا کہ مفعول کی ضمیر متصل بالفعل ہونے کی صورت میں فاعل کو موخر کرنا اس وقت واجب ہوگا جب فاعل ضمیر متصل بالفعل نہ ہو اور ضــربتك میں اگرچہ مفعول ضمیر متصل ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ فاعل بھی ضمیر متصل بالفعل ہے ضابطہ مذکور نہیں پایا گیا بلکہ فاعل کی تقدیم وجوبی کا ضابطہ پایا گیا تو فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے۔

قال الماتن ﴿وقد یحذف الفعل لقیام قرینۃ جوازا﴾ **حکم رابع**

فاعل کے حکم رابع کا بیان۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر قرینہ موجود ہو تو فاعل کے فعل یعنی عامل کو حذف کر دیا جاتا ہے پھر حذف کی دو قسمیں ہیں (۱) حذف جوازی (۲) حذف وجوبی۔

حذف جوازی کا ضابطہ: ہر وہ مقام جہاں تعیین محذوف پر کوئی قرینہ سوال محقق ہو یا سوال مقدر تو فاعل کے عامل کو جوازی طور پر حذف کر دیا جاتا ہے۔ قرینہ سوال محقق کی مثال من قام کے جواب میں صرف زید کہنا بھی جائز ہے کہ زید فاعل ہے اس کا فعل قام جوازی طور پر حذف ہے اور قرینہ سوال مقدر کی مثال جیسے یزید بن نھشل کے مرثیہ میں بن نھشل کا قول کہ لیبك یزید ضارع لخصومة میں ضارع فاعل ہے جس کے عامل کو جوازی طور پر حذف کر دیا گیا جس پر قرینہ سوال مقدر ہے اور سوال مقدر کا منشاء لیبك یـزید والی عبارت ہے یعنی جب ناظم نے یہ کہا کہ یزید کو رویا جائے تو مخاطب اور سامع کی طرف سے یہ سوال ہوا کہ من یبکیہ اس پر کون روئے تو ناظم نے اس سوال مقدر کو بمنزلہ سوال محقق کے قرار دے کر جواب دیا ضارع لخصومة سے یعنی یبکیه ضارع تو ضارع فاعل ہے جس کے لئے فعل یبکی محذوف ہے جس پر قرینہ سوال مقدر من یبکیه ہے اور اس سوال مقدر کا منشاء لیبك یزید ہے

حذف وجوبی کاضابطہ: ہر وہ مقام جہاں فعل کو حذف کر دیا جائے پھر حذف سے پیدا ہونے والے ابہام کو دور کرنے کے لئے فعل محذوف کے مفسر کو ذکر کر دیا جائے تو ایسے مقام میں فاعل کے عامل کو حذف کرنا واجب ہوتا ہے جیسے و ان احد من المشرکین استجارك میں احد فاعل ہے جس کا فعل استجارك محذوف ہے اور اس محذوف کی تفسیر استجارك سے کردی گئی ہے۔اس وجہ سے احد فاعل کے فعل عامل کو حذف کرنا واجب ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی وان استجارك احد۔

قال الشارح **الرافع للفاعل** ۔مولانا جامیؒ سوال مقدر کا جواب دینا چاہتے ہیں۔

سوال: بعض شارحین کے مذہب کے مطابق تقریر یہ ہوگی کہ صاحب کافیہؒ نے فعل کے حذف کو تو بیان کیا ہے لیکن سبہ فعل کے حذف کو بیان نہیں کیا حالانکہ قرینہ موجود ہونے کے وقت جس طرح فعل کو حذف کر دیا جاتا ہے اسی طرح شبہ فعل کو بھی حذف کر دیا جاتا ہے۔

جواب: کہ متن میں الفعل سے مراد رافع للفاعل ہے۔ رافع للفاعل عام ہے خواہ وہ فعل ہو یا شبہ فعل تو لہذا یہ ذکر العام و ارادۃ الخاص کے قبیلے سے ہے لیکن یاد رکھیں یہ سوال مقدر کی تقریر مصنف کی عادت کے خلاف ہے کیونکہ مصنف کی عادت حسنہ ہے کہ فقط فعل کے احکام کو بیان کرتے ہیں اور شبہ فعل جو کہ فرع ہے اس کے احکام کو مقایسۃً چھوڑتے ہیں تو لہذا سوال مقدر کی تقریر یوں کی جائے کہ متن سے معلوم ہوتا ہے قرینہ کے موجود ہونے کے وقت فعل کو حذف کر دیا جاتا ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ فعل کا حذف کیا جانا فعل کے احوال اور احکام میں سے ہے جب کہ یہاں فاعل کے احوال اور احکام سے بحث ہو رہی تھی تو یہ خروج عن المبحث کی خرابی لازم آتی۔

جواب: مولانا جامیؒ نے جواب دیا الفعل میں الف لام عہد خارجی ہے یعنی فعل سے مراد مطلق فعل نہیں بلکہ وہ فعل مراد ہے جو فاعل کے لئے رافع ہو اب حاصل معنی یہ ہوگا کہ قرینہ کے پایا جانے کے وقت فاعل کے فعل رافع کو حذف کر دیا جاتا ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ فاعل کے فعل رافع کا حذف احوال فاعل سے ہوگا تو قد یحذف الفعل کا معنی یوں ہو جائے گا قد یکون الفاعل محذوف الفعل لہذا خروج عن المبحث کی خرابی لازم نہیں آئے گی۔

قوله دالة على تعيين ۔سوال مقدر کا جواب

سوال: رفع بھی فعل کے حذف کا قرینہ ہے لہذا فقط رفع کے ہوتے ہوئے فعل کا حذف جائز ہونا چاہیئے حالانکہ ایسا جائز نہیں۔

جواب: قرینہ سے مراد مطلق قرینہ نہیں بلکہ ایسا قرینہ مراد ہے جو محذوف کی تعیین پر دال ہو اور یہ بات ظاہر ہے کہ رفع محذوف کی تعیین پر دال نہیں بلکہ فقط حذف پر دال ہے۔

قال الشارح حذفا جائز ۔مولانا جامیؒ ترکیب بیان کرنا چاہتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ جوازا باعتبار موصوف محذوف کے مفعل مطلق ہے فعل کیلئے تقدیر عبارت یہ ہوگی حذفا جوازا

قال الشارح حذفا جائزا ۔مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: کہ حذفاً جوازاً یہ موصوف صفت ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ صفت کا موصوف پر حمل ہوتا ہے یہاں پر حمل صحیح نہیں ہے اس لئے کہ حذف اور جواز دونوں مصدر ہیں اور مصدر کا اگر چہ مصدر پر حمل صحیح ہوتا ہے لیکن جب مصدر مقام موضوع میں واقع ہو تو مصدر ذات کے حکم میں ہوتا ہے اور ذات پر مصدر کا حمل جائز نہیں ہوتا لہذا جوازاً کا حذفاً پر حمل صحیح نہیں ہوگا۔

جواب: مولانا جامیؒ نے جواب دیا جوازاً اپنے معنی مصدری پر باقی نہیں بلکہ جائزا اسم فاعل کے معنی میں ہے اور اسم فاعل ذات مع الوصف ہوتا ہے اور ذات مع الوصف کا حمل ذات پر جائز ہوا کرتا ہے لہذا حمل جائز ہو جائے گا۔

فائدہ: سوال مقدر کی یہ تقریر مذکور مناسب نہیں ہے اس لئے کہ اگر اس کو تسلیم کر لیا جائے تو حمل المصدر علی المصدر کے جواز کا قاعدہ ہی ختم ہو جائے گا اس لئے بہتر یہ ہے کہ سوال مقدر کی یہ تقریر کی جائے کہ حذفاً جوازاً موصوف صفت ہے اور صفت کا موصوف پر حمل ہوتا ہے یہاں پر حمل صحیح نہیں ہوتا کیونکہ حمل اتحاد المتغایرین ذهناً فی الخارج کا نام یعنی ذہن کے اعتبار سے دو متغایر چیزوں کا خارج میں متحد ہونیکا نام حمل ہے اور یہاں دونوں خارج میں بھی متغایر ہے حذف کا معنی عدم الذکر فی الخارج کا ہے اور اجوازاً کا معنی ہے سلب الضرورۃ عن جانب الوجود و العدم ہے یعنی خارج میں ذکر ضروری ہو نہ عدم ذکر ضروری ہو لہذا حذفاً اور

جـــــواز اً خارج میں متباین ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ متباین کا متباین پر حمل صحیح نہیں ہوسکتا لہذا جوازاً کا حذفاً پر حمل صحیح نہ ہوا۔

جواب: کہ دونوں میں تباین تب ہوتا جب جوزا اپنے معنی مصدری پر باقی ہو حالانکہ یہاں جوازاً اپنے معنی مصدری پر باقی ہو حالانکہ یہاں جوازاً اپنے معنی مصدری پر باقی نہیں بلکہ جائزا اسم فاعل کے معنی میں ہے اور جائز اور حذف کے درمیان تباین نہیں لہذا حمل صحیح ہو جائے گا جیسے کہا جاتا ہے ھذا الحذف جائز۔

قال الشارح **ای فیما کان جوابا لسوال محقق** ۔

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: لفظ مثل مضاف ہے اور اس اضافت میں تین احتمال ہیں (۱)۔اضافت بیانیہ (۲)۔اضافت لامیہ (۳)۔اضافت ظرفیہ۔اگر اضافت بیانیہ ہو تو بھی صحیح نہیں اس لئے کہ اس وقت مطلب یہ ہوگا کہ فقط زید میں فعل کا حذف جائز ہے اس جیسے کسی اور مثا میں جائز نہیں حالانکہ واقعہ کے خلاف ہے اور اضافت لامیہ بھی صحیح نہیں اس لئے اس وقت مطب ہوگا کہ ایسے اسم میں حذف جائز ہے جو زید کے مماثل ہو لیکن زید میں حذف جائز نہیں یہ بھیؒ خلاف واقع ہے اور اضافت ظرفیہ بھی مراد نہیں لی جاسکتی ورنہ ظرفیۃ الشئی لنفسہ کی خرابی لازم آئے گی تو ان تینوں میں سے کونسی اضافت مراد ہے۔

جواب: مولانا جامیؒ نے جواب دیا اضافت سے مراد اضافت بیانیہ ہے لیکن لفظ مثل سے مراد ایک قاعدہ کلیہ ہے یعنی ہر وہ اسم جو سوال محقق کا جواب ہو اس سے فعل رافع کو حذف کرنا جائز ہے اور اسی قاعدہ کی ایک جزئی زید بھی ہے جب کہ سوال محقق کے جواب میں واقع ہو۔

سوال ۲: کہ مثال سے مقصود ممثل لہ کی توضیح ہوتی ہے جس کے لئے ایک مثال بھی کافی تھی تو مصنف نے دو مثالیں کیوں دی ہیں۔

جواب: پہلی مثال میں حذف فعل کا قرینہ سوال محقق ہے دوسری مثال میں حذف فعل کا قرینہ سال مقدر ہے جب ممثل لہ متعدد ہوئے تو مثالیں بھی متعدد دینی چاہیئے تھی اور مولانا جامیؒ نے لفظ جواباً نکال کر لمن قال جار مجرور کا متعلق بیان کر دیا۔

قال الشارح **سائلا عن من يقوم -**

مولانا جامیؒ ایک سوال مقدر کا جواب دینا چاہتے ہیں۔

سوال: سوال جملہ اسمیہ ہے اور جواب جملہ فعلیہ ہے حالانکہ جواب کا سوال کے مطابق ہونا ایک امر اہم ہے۔اس ترک مطابقت کی کیا حکمت اور وجہ ہے۔

جواب: ترک مطابقت کی وجہ یہ ہے کہ من قام سے جو شخص سوال کرتا ہے اس کو نفس قیام کے بارے میں یقین ہے تردد صرف اس بات میں ہے کہ محل قیام کیا ہے کس کے ساتھ یہ مرتب ہے آیا زید کے ساتھ یا عمرو کے ساتھ یا کسی اور کے ساتھ۔اگر جواب میں جملہ اسمیہ پیش کیا جائے تو جملہ اسمیہ میں تکرار اسناد ہوتا ہے اور جس سے تقویت اور تاکید حکم کا فائدہ حاصل ہوتا ہے اور یاد رکھیں تقویت حکم اور تاکید حکم کی ضرورت تو وہاں ہوتی ہے جہاں سامع کو حکم میں تردد اور شک ہے حالانکہ یہاں سائل کو حکم یعنی قیام کے نفس الامر میں موجود اور ثابت ہونے کا یقین ہے اس لئے اگر جواب جملہ اسمیہ پیش کیا جائے تو جواب اگرچہ سوال کے مطابق ہوگا لیکن سائل کے مقصد کیخلاف ہے۔

قال الشارح **و انما قدر الفعل . . . . كذا يحذف -**

اس حکمت مذکورہ کی تائید کا بیان۔اس کا حاصل یہ ہے کہ فعل محذوف ماننے کی صورت میں جملہ کی جزء حذف ماننا پڑے گا۔پورے جملہ کا حذف نہیں اور خبر محذوف ہونے کی صورت میں پورے جملے کا حذف لازم آئے گا اور یہ بات ظاہر ہے کہ تقلیل کا حذف تکثیر کے حذف سے اولیٰ اور راجح اور مستحسن ہے لہذا جواب میں جملہ فعلیہ پیش کیا جائے گیا نہ کہ جملہ اسمیہ۔

فائدہ: میر سید صاحب نے یہ جواب دیا کہ ہم اس بات کو تسلیم ہی نہیں کرتے کہ جملہ جوابیہ جملہ سوالیہ کے مطابق نہیں اس لئے کہ جس طرح جوبیہ جملہ فعلیہ ہے اسی طرح سالیہ جملہ فعلیہ ہے کیونکہ من قام بھی حقیقت کے اعتبار سے جملہ فعلیہ ہے کہ من قام کی تقدیر عبارت اقام زید او عمرو ام بکر اس لئے کہ استفهام عن الفعل استفهام عن الاسم سے زیادہ بہتر ہوتا ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ اقام زید او عمرو ام بکرا جملہ فعلیہ ہے لیکن سائل نے اختصار کی وجہ سے ان ذوات متعددہ مفصلہ کو لفظ من سے تعبیر کیا تو بنا بر ضرورت من کو مقدم کر دیا کیونکہ من صدارت

کلام کا تقاضا کرتا ہے تو صورۃً و لفظاً جملہ اسمیہ ہوگیا حقیقت میں یہ جملہ فعلیہ ہے تولہذا جب سوالیہ جملہ فعلیہ ہوا تو جملیہ سوالیہ اور جملہ جوابیہ میں مطابقت ہوگئی کہ دونوں فعلیہ ہیں۔

قال الشارح وكذا يحذف الفعل ..... ليبك ۔

تک مولانا جامیؒ چند باتوں کو بیان کرر ہے ہیں

(۱)۔ حاصل عطف کا بیان (۲) تعدد امثلہ کی وجہ کا بیان (۳) استدلال کی جانب اشارہ کا بیان (۴) شعر مذکور کے شان ورود کا بیان جو کہ نفس عبارت سے واضح ہے۔

سوال: مولانا جامیؒ نے شاعر کے نام کی تصریح کیوں نہیں کی اس کی کیا وجہ ہے

جواب: اس شعر کے قائل میں اختلاف ہے بعض نے یزید بن نهشل کو قرار دیا ہے اور بعض نے حارث بن نهشل کو قرار دیا ہے اسی وجہ سے مولانا جامیؒ نے کوئی فیصلہ نہیں کیا اور کسی کا نام ذکر نہیں کیا۔

قال الشارح ليبك على البناء للمفعول ۔مولانا جامیؒ نے علی البناء نکال کر صیغہ کی تعیین کردی ہے کہ یہ صیغہ مجہول کا ہے اس لئے کہ کہ اگر صیغہ معلوم کا بنایا جائے تو معنی تو درست رہتا ہے لیکن یہ مثال ممثل لہ کے مطابق نہیں ہوسکتی جیسا کہ مابعد میں تفصیل آرہی ہے۔

يزيد مرفوع على انه ۔اس میں مولانا جامیؒ نے ترکیب بیان کردی کہ لفظ یزید مفعول ما لم یسم فاعلہ کی بناء پر مرفوع ہے۔

ضارع اى عاجز ذليل مولانا جامیؒ نے ضارع کا معنی بیان کردیا ہے کہ وہ عاجز اور ذلیل ہے۔

قال الشارح وهو فاعل الفعل ۔انطباق المثال علی الممثل لہ کا بیان ہے کہ لفظ ضارع مرفوع ہے فاعل کی بناء پر جس کا فعل حذف ہے۔ یبکیہ اور جس پر قرینہ سوال مقدر ہے من یبکیہ

قال الشارح واما على رواية ليبك يزيد ۔مولانا جامیؒ نے جو ماقبل میں صیغہ کی تعیین اور اعراب کی تعین کی تھی اس کا فائدہ بیان کرر ہے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ لیبك میں تین روایتیں ہیں۔

(۱) لیبك فعل مضارع مجہول کا صیغہ وہ اور یزید نائب فاعل ہونے کی بنا پر مرفوع ہے اور ضارع فعل مقدر کا فاعل ہو اس روایت کے مطابق یہ مثال ممثل لہ کے مطابق ہے اور اسی وجہ سے اس

مقام پر اسے بیان کیا گیا۔

(۲)۔فعل مضارع معلوم کا صیغہ ہو اور یزید مفعول لہ ہونے کی بناء پر منصوب ہو اور ضارع یہ اسی فعل لیبك کا فاعل ہونے کی بناء پر مرفوع ہو

(۳) لیبك فعل مجہول کا صیغہ ہو اور یزید منادی مفرد معرفہ کی بناء پر مبنی علم الضم ہو اور ضارع لیبك فعل مجہول کا نائب فاعل ہونے کی بنا بر مرفوع ہو ان آخر دو روایتوں کے مطابق مثال ممثل لہ کے مطابق نہیں ہوگی۔

قال الشارح **ای یبکیه من یذل** ۔سے مولانا جامیؒ اس کا حاصل معنی بتا رہے ہیں پورے مصرعہ کا حاصل معنی بتا رہے ہیں کہ یزید کو وہ شخص روئے جو دشمنوں کے ساتھ مقابلے سے عاجز اور ذلیل ہو۔

قال الشارح **لانه** ۔سے علت بکاء کا بیان۔جس کا حاصل یہ ہے اس لئے روئے کہ یزید کمزور لوگوں کا مددگار معاون تھا۔

قال الشارح **والمختبط السائل** ۔ مولانا جامیؒ مصرعہ ثانیہ کے مفردات کے معانی اور مفردات کا حل کا بیان ہے۔پہلا لفظ مختبط ہے یہ اس شخص کو کہا جاتا ہے جو بغیر کسی جان پہچان کے سوال کرنے والا ہو۔اور تطیح مشتق ہے اطاحة سے جس کا معنی ہلاک کرنے کے ہے اور الطّوائح خلاف قیاس مطیحه کی جمع ہے۔

سوال: طوائح جب طائحة کی جمع بن سکتی ہے قیاس کے موافق تو خلاف قیاس طوائح کو مطیحه کی جمع بنانے کی کیا ضرورت پیش آئی۔

جواب: اگر طوائح کو مطیحه کی جمع بنایا جائے تو معنی فاسد بنتا ہے کہ طائحة کا معنی ہلاکت ہے اور جو چیز خود ہلاک ہونے والی ہے وہ دوسرے کے لئے مہلک نہیں بن سکتی حالانکہ یہاں طوائح بمعنی مھلکات ہے خلاف قیاس مطیحة کی جمع ہے اور کلاوقح جمع ملحقة اس پر کلام عرب سے نظیر کو پیش یا ہے۔اور مما یہ جار مجرور ملکر مختبط کے متعلق ہے اور مما میں جو ما ہے یہ مصدریہ ہے

ویبکیه ایضا: سے متن تک دوسرے مصرعہ کا حاصل معنی بیان کر رہے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ

روئے اس کو بے وسیلہ سووال کرنے والا بوجہ ہلاک کردینے حوادث زمانہ اور مہلکات کے اس کے مال اور اس کے وسائل کو کیونکہ وہ ایسے سوال کرنے والوں کو بھی دینے والا تھا۔

قولہ **وقد یحذف الفعل الرافع** ۔حاصل عطف کا بیان جو کہ واضح ہے۔

قولہ **وجوبا ای حذفا** ۔یہ ترکیب کا بیان اور صحت حمل کا بیان ہے جس کی تقریر حذفاً جائز اًمیں گذر چکی ہے۔

قال الشارح **فی مثل قولہ تعالیٰ و ان احد** ۔مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: لفظ مثل مضاف ہے ان احد من المشرکین پورے جملے کی طرف حالانکہ مضاف الیہ اسم ہوتا ہے جملہ نہیں ہوتا۔

جواب: مولانا جامیؒ نے جواب دیا کہ ان احد کا مضاف الیہ بنا مؤول ہے بتاویل قول کے اور یہ بات ظاہر ہے قول اسم ہے تو لہذا اضافت اسم کی طرف ہوئی نہ کہ جملہ طرف اور تعالیٰ یہ جملہ معترضہ ہے۔

قال الشارح **ای فی کل موضع** ۔صاحب کافیہؒ نے لفظ مثل سے جس قاعدہ کی طرف اشارہ کیا تھا مولانا جامیؒ نے اس قاعدہ کو صراحۃً بیان کردیا کہ ہر وہ مقام جہاں فعل کو حذف کیا گیا ہو اور پھر حذف سے پیدا ہونے والے ابہام کو دور کرنے کے لئے فعل محذوف کی تفسیر کو ذکر کر دیا گیا ہو تو ایسے مقام پر فعل کا حذف کرنا واجب ہوگا اس لئے کہ اگر فعل محذوف کو بھی ذکر کر دیا جائے تو لازم آئے گا مفسَّر اور مفسِّر کا اجتماع جو کہ ناجائز ہے۔

قال الشارح **بخلاف المفسر** ۔مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: آپ نے کہا کہ حذف اس لئے واجب ہے کہ مفسِّر اور مفسَّر اجتماع لازم نہ آئے ہم دکھاتے ہیں کہ مفسر اور مفسر دونوں جمع ہو رہے ہیں جیسے جاء رجل ای زید ہیں تو یہاں مفسر کا ذکر کیوں لغو نہ ہوا۔

جواب: کہ مفسِّر سے مقصود ابہام کا رفع ہوتا ہیا ور ابہام کی دو قسمیں ہیں (۱) وہ ابہام جس کا منشاء حذف ہو (۲)۔وہ ابہام جس کا منشاء حذف نہ ہو بلکہ مادہ حذف ہو۔جب ابہام کی قسم اوّل

کا رفع مقصود ہوتو وہاں تو مفسِّر اور مفسَّر کا اجتماع جائز نہیں ہوتا اور جب ابہام کے قسم ثانی کا رفع مقصود ہوتو پھر مفسِّر اور مفسَّر کا اجتماع جائز ہوتا ہے۔ اور مثال مذکور میں ابہام قسم ثانی ہے لہذا یہاں مفسَّر اور مفسِّر کا اجتماع جائز ہے اور آیت کریمہ میں ابہام قسم اوّل کا رفع مقصود ہے اس لئے وہاں مفسِّر اور مفسَّر کا اجتماع جائز نہیں تا کہ مفسِّر کا ذکر لغو نہ ہو جائے۔

قال الشارح **فتقدير الاية** :انطباق المثال على الممثل لهٗ کا بیان ہے۔ کہ احد فاعل ہے جس کا فعل وجوبی طور پر استجارك حذف کر دیا گیا ہے جو کہ مفسَّر ہے اور بعد والا فعل استجارك اسکی تفسیر ہے۔

وانما وجب حذفه :حذف وجوبی کی علت کا بیان کہ اگر مفسَّر کو حذف نہ کیا جائے تو مفسَّر مفسِّر کا اجتماع لازم آئے گا۔ جس سے مفسِّر لغو ہو جائے گا۔

قال الشارح **ولا يجوز**۔ سے متن تک تعیین محذوف پر قرینہ کا بیان برائے دفع دخل مقدر

سوال: یہ مثال ممثل لہ کے مطابق نہیں کیونکہ آیت کریمہ میں احد مبتداء ہونے کی بناء پر مرفوع ہے نہ کہ فاعل ہونے کی بناء پر تو اس صورت فعل ماننے کی ضرورت ہی نہیں۔

جواب: آیت کریمہ میں احد مبتداء ہونے کی بناء پر مرفوع نہیں ہوسکتا اس لئے کہ ان حرف شرط کا لفظاً ومعنیً اسم پر دخول ممتنع ہے لہذا لامحالہ احد فاعل ہے جس کے لئے فعل کو وجوبی طور پر حذف کیا گیا ہے تا کہ حرف شرط کو صورۃً اور لفظاً اگر چہ اسم پر دخل ہوگا لیکن حقیقۃً اور معنیً فعل پر داخل ہوگا اس جواب سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ فعل کے محذوف پر قرینہ وہ حرف شرط ان کا اسم پر داخل ہونا ہے۔

قال الماتن ﴿وقد یحذفان معاً فی مثل نعم﴾ حذف کی تین صورتیں تھیں

(۱)۔ فقط فعل کا حذف ہو جس کو ماقبل میں بیان کیا ہے

(۲)۔ فقط فاعل کا حذف ہو جس سے مصنف سکوت اختیار فرمایا جو کہ عدم جواز کی دلیل ہے

(۳)۔ فعل اور فاعل دونوں اکٹھے حذف ہوں۔ اس کو یہاں سے صاحب کافیہ بیان فرما رہے ہیں کہ فعل اور فاعل دونوں کو ایک ساتھ حذف کرنا جائز ہے جیسے اقام زید کے جواب میں صرف نعم کے ذکر پر اکتفاء کیا جائے تو یہاں فعل اور فاعل دونوں کا حذف ہوگا۔ تقدیر عبارت یہ ہوگی نعم

قام زید جس پر قرینہ سوال محقق ہے

قال الشارح اى الفعل و الفاعل ۔اس عبارت میں مولانا جامیؒ یحذفان میں الف ضمیر فاعل کے مرجع کو بیان کررہے ہیں کہ وہ فعل اور فاعل ہے۔

قال الشارح دون الفاعل وحده ۔اس عبارت سے مولانا جامیؒ کی غرض لفظ معًا کی قید کے احترازی ہونے کو بیان کرنا ہے نیز محترز عنہ کی تعیین بیان کرنا جس کا حاصل یہ ہے کہ عقلی طور پر احتمال کل تین ہیں (۱) تنہا فل کا حذف (۲) تنہا فاعل کا حذف (۳) دونوں کا حذف یعنی فعل اور فاعل کا۔ پہلے احتمال کو پہلے بیان کر چکے ہے اور تیسرے احتمال کو یہاں سے بیان کررہے ہیں اور معـا کی قید لگا کر دوسرے احتمال سے ماتنؒ نے احترازیا مولانا جامیؒ نے تعیین کردی کہ یہاں محترز عنہ وہ دوسرا احتمال ہے۔

فائدہ: اس بات پر کیا دلیل ہے کہ تنہا فاعل کا حذف جائز نہیں۔

جواب: اس کی دلیل عنقریب تنازع الفعلان میں آرہی ہے

اور لفظ جـوابا: سے مولانا جامیؒ نے لـمـن کے جار مجرور کے متعلق کی طرف اشارہ کردیا اور لفظ جواباً حال ہونے کی بناء پر منصوب ہے تقدیر عبارت یہ ہے فی مثل نعم حال کو انہ جواباً لمن قال اقام زید۔

قال الشارح اى نـعـم قام زيد : انطباق مثال علی المثل لہٗ کا بیان ہے کہ جب اقام زید کے جواب میں فقط نعم کے ذکر پر اکتفاء کیا جائے تو نعم کے بعد فعل اور فاعل دونوں حذف ہوں گے تقدری عبارت یہ ہوگی نعم قام زید پھر جملہ فعلیہ حذف کر کے لفظ نعم کو اس کے قائم مقام کردیا گیا

قال الشارح وهذا الحذف ۔اس حذف کی کیفیت کا بیان ہے۔ مولانا جامیؒ نے بتادیا کہ یہ حذف جوازی ہے وجوبی نہیں۔ اس لئے کہ حذف وجوبی کی شرط یہ ہے کہ تعیین محذوف پر قرینہ ہوتے ہوئے محذوف کے قائم مقام ایسی چیز کا ہونا ضروری ہے محذوف کے مفاد اور فائدہ کے لئے مفید ہو اور یہاں پر تعیین محذوف پر قرینہ ہے سوال محقق لیکن قائم مقام صرف نـعـم یہ جو محذوف کے مفاد کے لئے قطعا مفید نہیں اس لئے کہ محذوف جملہ ہونے کی بناء پر نسبت تامہ

خبریہ کا فائدہ دیتا ہے اور لفظ نعم حرف ہونے کی وجہ سے نسبت تامہ کا فائدہ دینے سے قاصر ہے لہذا حذف وجوبی کی شرط نہیں پائی جارہی تو یہاں حذف جوازی ہے۔

قال الشارح **و انما قدرت الجملة الفعلية** ۔مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: آپ نعم کے بعد جملہ فعلیہ محذوف مانا ہے جملہ اسمیہ کیوں محذوف نہیں مانا جاسکتا۔

جواب: کیونکہ سوالیہ جملہ فعلیہ ہے اسی لئے یہاں محذوف جوابیہ جملہ بھی فعلیہ ہوگا تا کہ موافقت ہو جائے اگر جملہ اسمیہ مقدر مانا جائے تو مطابقت نہیں رہتی اور مطابقت سوال و جواب میں اہم اور مطلوب اور مقصود ہوا کرتی ہے بشرطیکہ کوئی مانع موجود نہ ہو نیز جملہ فعلیہ کے مقدر ماننے کی صورت میں قلیل کو حذف ماننا پڑتا ہے اور قاعدہ ہے حذف التقليل اولیٰ من حذف التكثير۔

﴿بحث تنازع الفعلين﴾

قال الماتن ﴿واذا تنازع الفعلان ظاهرا بعدهما﴾ **حکم سادس**

ماتنؒ فاعل کا حکم سادس بیان کر رہے ہیں پہلے فاعل غیر متنازع فیہ کے احوال خمسہ کا بیان تھا اور یہ حکم سادس فاعل متنازع فیہ کا ہے اگر چہ اسمیں غیر فاعل کے احوال بھی بیان ہوں گے مگر تبعاً۔

تنازع الفعلين کے مسائل میں درجات خمسہ کا بیان ہوگا۔عبارت کا حاصل یہ جب دو فعلوں کو تنازع ہوا یسے اسم ظاہر میں جو دونوں فعلوں کے بعد واقع ہو تو ہر ایک فعل کا عامل بنانا جائز ہے اذا تنازع الفعلان ظاهراً بعد هما شرط ہے جس کی جزاء محذوف یہ جو کہ جاز اعمال كل واحد منهما ہے۔

قال الشارح **بل العاملان** ۔اس عبارت میں مولانا جامیؒ نے اعراض عن المخصوص الیٰ العموم کو بیان کرنا ہے برائے دفع دخل مقدر

سوال: جس طرح فعلین میں تنازع ہوتا ہے اس طرح شبہ فعلین میں بھی تنازع ہوتا ہے جب کہ ماتن نے فعلین کا تنازع ذکر کیا ہے شبہ فعل کو ذکر نہیں کیا۔اس کی کیا وجہ ہے

جواب متن میں اگر چہ فعلین کا ذکر ہے لیکن فعلین سے مراد عاملین ہیں خواہ وہ فعلین ہوں یا شبہ

فعلین ہوں۔

قال الشارح **و اقتصر علی الفعل** مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے

سوال: جب مطلق عاملین میں تنازع جاری ہوتا ہے خواہ فعلین ہو یا شبہ فعلین تو ماتنؒ نے فقط فعلین کے ذکر کرنے پر کیوں اکتفاء کیا ہے۔

جواب: کہ فعل کی اصالۃ فی العمل کی وجہ سے فعل کا ذکر دیا اور فرع کے حکم کو مقایسۃً چھوڑ دیا ہے

قال الشارح **انما قال** ۔ایک تیسرے سوال کا جواب ہے۔

سوال: ماتن نے فعلین کا لفظ ذکر کیا جس سے معلوم ہوتا ہے تنازع فقط دو فعلوں میں جاری ہوتا ہے حالانکہ تنازع کبھی دو فعلوں سے زائدہ میں بھی واقع ہوتا ہے جیسے ذھبت و اکرمت و اھنت زیدا اس لئے ماتنؒ کو فعلین کے بجائے اذا تنازع الافعال کہنا چاہئے تھا۔

جواب: صاحب کافیہؒ نے تنازع کے مراتب میں سے اقل مرتبہ بیان کیا ہے اور اقل مرتبہ تنازع کا دو فعلوں میں جاری ہوتا ہے۔

قال الشارح **ای اسما ظاهرا** ۔مولانا جامیؒ نے ظاهراً کے لئے اسماً موصوف محذوف نکال کر ظاهراً کے معنی کو متعین کر دیئے کہ ظاهراً کے دو معنی ہیں لغوی معنی جو خفی کے مقابلے میں ہے اور اصطلاحی معنی) جو ضمیر کے مقابل میں ہو یہاں پر اصطلاحی معنی مراد ہے لغوی معنی مراد نہیں اور واقعا: سے ترکیب کا بیان کہ بعد ھما ظرف مستقر ہو کر واقعا کے متعلق ہے پھر یہ صفت ہے ظاهراً کی۔

قال الشارح **ای بعد الفعلین** ۔سے مولانا جامیؒ نے ضمیر کا مرجع بیان کیا کہ ضمیر کا مرجع فعلین ہے۔

قال الشارح **اذا المتقدم علیهما ..... و معنی تنازعهما** ۔

شیخ رضی کے اعتراض کا جواب ہے۔شیخ رضی نے اعتراض کیا کہ جس طرح فعلین کے بعد واقع ہونے والے اسم ظاہر میں تنازع جاری ہوتا ہے بالکل ایسے ہی وہ اسم ظاہر جو فعلین سے مقدم ہو یا فعلین کے درمیان میں واقع ہو اس اسم ظاہر میں تنازع جاری ہوتا ہے لہذا بعد ھما کی قید لگانا لغو اور مستدرک ہے۔

جواب: وہ اسم ظاہر جو فعلین سے مقدم ہو یا فعلین کے درمیان ہو ایسا اسم ظاہر بصریین اور کوفیین کے نزدیک بالاتفاق فعل اوّل کا معمول ہے اس لئے کہ فعل ثانی کے مذکور ہونے سے پہلے پہلے فعل اوّل میں اسم ظاہر نے اپنا معمول بنانے کا تقاضا کرلیا ہے جس کا کوئی معارض اور مقابل موجود نہیں تو لہذا ایسا اسم ظاہر جو فعلین پر مقدم ہے یا فعلین کے درمیان میں ہے تو باتفاق فریقین فعل اوّل کا معمول ہوگا فعل ثانی کا نہیں ہوگا اور یہاں پر بھی مطلق تنازع کا بیان نہیں بلکہ ایسے تنازع کا بیان مقصود ہے جس میں فریقین کا نزاع اور اختلاف متحقق ہو سکے اور فریقین کے ہاں جو قطع تنازع کا طریقہ ہے اس کے مطابق تنازع بھی ہو سکے۔ اس لئے ماتنؒ نے بعد ھا کی قید لگادی۔

فائدہ: معمول الفعل الاول کے بعد اتفاقاً کا لفظ محذوف ہے جس سے فریقین کا اتفاق مراد ہے اور فلا یکون فیہ کی تفریع معمول فعل اوّل پر ہے اور محل تنازع میں تنازع سے مراد تنازع بھی فریقین کا ہے فعلین کا نہیں۔

قال الشارح و معنی تنازعهما -

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: تنازع تو ذی روح کی صفت ہے بمعنی جنگ کرنا اور فعل غیر ذی روح ہے تو تنازع کی فعل کی طرف نسبت کرنا صحیح نہیں۔

جواب: شارح نے جواب دیا یہاں تنازع بمعنی متوجہ ہونا ہے۔

قال الشارح و یصح ان یکون ھو -

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: کہ تنازع بمعنی توجہ لینا یہ بھی درست نہیں اس لئے کہ توجہ اور متوجہ ہونا یہ بھی ذی روح کی صفت ہے تو اس کی نسبت بھی فل کی طرف درست نہیں۔

جواب: متوجہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ اسم مذکور ایسے مقام میں واقع ہوتا ہے جو علی سبیل البدلیت فعلین میں سے ہر ایک کا معمول بننے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

قال الشارح فحینئذ لا یتصور ۔ مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: صاحب کافیہؒ نے اسم ظاہر کی تخصیص کیوں کی کیا اسم ضمیر میں تنازع نہیں ہوسکتا۔

جواب: ضمیر کی دو قسمیں ہیں (۱) متصل (۲) منفصل۔ ضمیر متصل میں تنازع ممکن ہی نہیں اس لئے کہ ضمیر متصل جس کے ساتھ متصل ہوگی وہی اس کا عامل ہوگا بخلاف ضمیر منفصل کے۔ کہ ضمیر منفصل میں جو فعلین کے بعد واقع ہو کلمۃ الا کے بعد تو ایسی ضمیر منفصل میں تنازع متحقق ہوسکتا ہے جیسے ما ضرب و اکرم الا ان لیکن فریقین کے ہاں جو قطع تنازع کا طریقہ ہے اس طریقے کے مطابق ضمیر منفصل میں قطع تنازع متحقق نہیں ہوسکتا اس لئے کہ فریقین کے ہاں فاعل کا اضمار ہوگا جب فعلین میں سے پہل فعل فاعل کا تقاضا کرے البتہ بصریین کے ہاں فعل ثانی کو عمل دیا جائے گا فعل اوّل میں فاعل کا اضمار اور کوفیین کے نزدیک فعل اوّل کو عمل دیا جائے گا اور فعل ثانی میں فاعل کا اضمار ہوگا بہر کیف اضمار فاعل دو حال کی خالی نہیں الا کے ساتھ ہوگا یا بغیر الا کے اگر الا کے ساتھ ہو تو لازم آئے گا حرف کا استتار جو کہ جائز نہیں اور اگر الا کے بغیر فاعل کی ضمیر لائی جائے تو یہ مقصود کے خلاف ہے کیونکہ مقصود تو فعل کا فاعل کے لئے اثبات تھا نفی نہیں اب نفی ہو جائے گی اثبات نہیں رہے گا۔ حاصل کلام یہ ہوا کہ ضمیر منفصل میں تنازع ہوسکتا لیکن فریقین کے ہاں قطع نہیں ہوسکتا اور صاحب کافیہؒ کا مقصود مطلق تنازع کو بیان کرنا نہیں بلکہ ایسے تنازع کا بیان ہے جس میں فریقین کے طریقے کے مطابق قطع تنازع ہوسکے اسی لئے ظاھراً کی قید لگا کر ضمیر سے احتراز کر کے اس کو خارج کر دیا۔

قال الشارح **اما التنازع الواقع** ۔ سے مولانا جامیؒ "ضمیر منفصل میں واقع ہونے والے تنازع کے قطع کے بارے میں دو مذہب نقل کر رہے ہیں۔

مذہب اول: سیبویہ کا جس کا حاصل یہ ہے کہ ضمیر منفصل میں واقع ہونے والے قطع تنازع کا طریقہ یہ ہے کہ دوسرے فعل کو عمل دے کر پہلے فعل کے لئے فاعل کو حذف مان لیا جائے گا۔

مذہب ثانی: فراء کا یہ ہے کہ تشریک الرافعین کے ساتھ قطع تناع ہوگا یعنی پہلا فعل کا بھی وہی معمول اور دوسرے فعل کا بھی وہی معمول ہوگا اور جمہور کے نزدیک قطع تنازع ممکن ہی نہیں کیونکہ قطع تنازع کا طریقہ وہی اضمار تھا وہ یہاں ممتنع ہے جیسا کہ ابھی بیان ہو چکا ہے۔

قال الماتن ﴿فقد یکون فی الفاعلیۃ مثل ضربنی واکرمنی زید﴾

صاحب کافیہؒ تنازع فعلین کی تصویر یعنی اقسام ثلاثہ کو بیان کرر ہے ہیں۔

صورۃ اولیٰ: کہ دونوں فعل کا تنازع صرف فاعلیت میں ہو یعنی دونوں فعل میں سے ہر ایک اسم ظاہر کے فاعل ہونے کا تقاضا کرے

صورۃ ثانی: کے دونوں فعل کا تنازع فقط مفعولیت میں ہو یعنی دونوں فعل میں سے ہر ایک اسم ظاہر کے مفعول ہونے کا تقاضا کریں۔

صورۃ ثالث: تنازع فاعلیت اور مفعولیت میں ہو یعنی ایک فعل اسم ظاہر کے فاعل ہونے کا تقاضا کرے اور دوسرا فعل بعینہ اسی اسم ظاہر کے مفعول ہونے کا تقاضا کرے۔

قال الشارح **ای تنازع الفعلین** ۔ضمیر کے مرجع کا بیان کہ اس کا مرجع تنازع الفعلین ہے جو مفہوم ہے تنازع الفعلان سے لہذا یہ مرجع معنوی ہے۔

قال الشارح **بان یقتضی کل منهما** ۔قسم اوّل کی صورت کا بیان کہ دونوں فعلوں میں سے ہر ایک فعل اس اسم ظاہر کے فاعل ہونے کا تقاضا کرے اور وہ دونوں فاعل کے اقتضاء میں متفق ہوں۔ **قد یکون تنازعهما** ۔سے حاصل عطف کا بیان

قال الشارح **بان یقتضی منهما** ۔قسم ثانی کی صورت کا بیان۔ کہ دونوں فعلوں میں سے ہر ایک فعل اسم ظاہر کے مفعول ہونے کا تقاضا کرے اور دونوں متفق ہونگے اقتضائے مفعولیت میں

قال الشارح **وذالک علی وجهین** ۔

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: کہ صاحب کافیہؒ نے قسم ثالث کو بیان کرتے ہوئے فی الفاعلیة و المفعولیته کہدیا تو اس سے فعلین کا مختلفین ہونا معلوم ہو جاتا ہے پھر مختلفین کی قید کو ذکر کرنا یہ لغو اور مستدرک ہوا۔

جواب: فی الفاعلیته و المفعولیته کے تحت دو صورتیں داخل ہیں۔

صورۃ اولیٰ: یہ ہے کہ دونوں فعلوں میں سے ہر ایک فعل ایک اسم ظاہر کے فاعل ہونے کا تقاضا کرے اور دوسرا فعل اسم ظاہر کے مفعول ہونے کا تقاضا کرے جیسے ضرب و اهان زید عمراً اس مثال میں ضرب، اهان دونوں فعل زید کے فاعل ہونے کا تقاضا کرتا ہے اور اسی طرح

ان دونوں فعلوں میں سے ہرایک عمرو کے مفعول ہونے کا تقاضا کرتا ہے تو یہ فاعلیۃ اور مفعولیۃ دنوں میں تنازع ہوا لیکن یہ صورت پہلے دونوں قسموں کے مقابلہ میں نہیں آ سکتی بلکہ پہلی دونوں قسموں کا مجموعہ ہے

صورۃ ثانیہ : یہ ہے کہ دونوں فعلوں میں سے ہرایک فعل اسم ظاہر کے فاعل ہونے کا تقاضا کرے دوسرا فعل بعینہ اسی اسم ظاہر کے مفعول ہونے کا تقاضا کرے یہی دوسری صورت یقیناً پہلی دو قسموں کا مقابل ہے لہذا جب فی الفاعلیۃ و المفعولیۃ والی عبارت کے تحت دو صورتیں داخل ہوتی تھیں جن میں سے پہلی صورت کا تقابل پہلے دو قسموں کے تحت نہیں بن سکتا تھا اور اس میں قسم ثالث بننے کی صلاحیت نہیں تھی بلکہ صرف دوسری صورت بن سکتی تھی تو ضرورت تھی اس بات کی کہ تعیین کردی جائے کہ ان دو صورتوں میں صورت ثانیہ سے مراد ہے۔اس لئے صاحب کافیہؒ نے مختلفین کی قید لگا کر یہ تعیین کردی کہ یہاں صورت ثانیہ مراد ہے صورت اولیٰ مراد نہیں۔

قال الشارح **و انما لم یورد مثالا** ۔

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: مصنف نے قسم ثالث کی مثال کیوں نہیں دی۔

جواب اول: کیونکہ قسم ثالث کی مثال کا حصول آسان تھا اس لئے مصنف نے قسم ثالث کی مثال صراحۃً ذکر نہیں کی۔

جواب ثانی: قسم ثالث کے مثال کی عقلی طور پر سولہ صورتیں بن جاتی ہیں جن میں سے چار صورتوں کو صراحۃً بیان کرتے ہوئے باقی چار صورتوں کی طرف اشارہ کردیا۔کل آٹھ صورتوں کی نشاندہی ہوگی اب اگر مصنف قسم ثالث کی کوئی مثال بیان کر دیتے تو ترجیح بلا مرجح لازم آتی۔جس سے بچنے کے لئے مصنف نے قسم ثالث کی مثال ہی نہیں دی۔

قال الماتن ﴿فیختار البصریون اعمال الثانی﴾

صاحب کافیہؒ بصریین اور کوفیین کے اختلاف کو بیان کیا جس کا حاصل یہ ہے کہ اس بات پر تو کوفیین اور بصریین دونوں فریق متفق ہیں کہ تنازع فعلین کی صورت میں ہرایک فعل کو عامل بنانا

جائز ہے لیکن اولویت میں اختلاف ہے چونکہ بصرین کے نزدیک دوسرے فعل کو عمل دینا عامل بنانا اولیٰ اور راجح ہے اگر چہ پہلے فعل کو بھی عمل دینا جائز ہے اور مولانا جامیؒ نے النحاۃ کا لفظ نکال کر البصریون کے موصوف کو بیان کیا کیونکہ بصریون اسم منسوب ہے جو کہ مشتق کے حکم میں ہو کر موصوف کا تقاضا کیا کرتا ہے۔ الفعل کا لفظ نکال کر الثانی کے موصوف کو بیان کر دیا کیونکہ الثانی صیغہ صفت کا ہے جو موصوف کا تقاضا کرتا ہے۔

قال الماتن **لقربه**۔ مولانا جامیؒ نے **بصرین کی دلیل عقلی**: کو بیان کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ فعل ثانی اسم ظاہر کے قریب ہے اور قرب و جوار کا تقاضا یہ ہے کہ فعل ثانی کو عامل بنایا جائے لھذا فعل ثانی کو عمل دینا اولیٰ اور راجح ہے۔

فائدہ: مولانا جامیؒ نے بصریین کے مذہب کی فقط دلیل عقلی کو بیان کیا دلائل نقلیہ کو مشہور ہونے کی وجہ سے بیان کرنا ضروری نہیں سمجھا چنانچہ دلیل نقلی آیت کریمہ ہے اٰتونی افرغ علیه قطرا اس میں بھی دوسرے فعل کو عامل بنایا گیا ہے اگر پہلے فعل کو عامل بنایا جاتا تو دوسرے فعل میں مفعول کی کسر ہے۔ اسی طرح حدیث میں ہے نخلع و نترك من یفجرك میں بھی فعل ثانی کو عامل بنایا گیا ہے ورنہ نترك ہونا چاہئے تھا اسی طرح فصحاء بلغاء شعراء کے کلام میں بھی فعل ثانی کو عامل بنایا گیا ہے۔

قال الشارح **مع تجویز الاعمال**۔

سے مولانا جامیؒ نے اشارہ کر دیا اس بات کی طرف کہ متن کے اندر جو یختار کا لفظ آرہا ہے اس اختیار سے اولویت مراد ہے وجوب مراد نہیں اور تجویز مصدر کی اضافت مفعول کی طرف ہو رہی ہے اور فاعل مقدر ہے عبارت یہ ہے مع تجویز هم اعمال الاول۔

قال الشارح **فیختار النحاۃ** ۔ سے مع تجویز اعمال الثنی تک مولانا جامیؒ ترکیب کو بیان کرنا چاہتے ہیں برائے دفع دخل مقدر۔

سوال: متن کی عبارت میں دو مختلف عاملوں کے دو معمولوں پر دو اسموں کا عطف ہو رہا ہے حالانکہ ایسے عطف کے جواز کی شرط یہ تھی کہ معطوف مجرور مقدم ہو اور یہ شرط یہاں موجود نہیں۔

جواب: کہ کوفیون کا عطف البصریون پر نہیں اور ایسے ہی الاول کا عطف الثانی پر نہیں

بلکہ جملہ کا عطف جملے پر ہے مع تجویز اعمال الثانی اس کی غرض گذر چکی ہے کہ اختیار سے مراد اولویت اور راجح ہے نہ کہ وجوب۔

قال الشارح **لسبقه** ۔مولانا جامیؒ نے **کوفیین کی دلیل عقلی**: کو بیان کرر ہے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ فعل اوّل فعل ثانی پر مقدم ہے اور مقدم ہونا اور ابتداء میں ہونا اس کی اہمیت ہے کہ یہ فعل کی تقویت میں موثر بنتی ہے جیسے ظننت زیدا قائما میں اور زید ظننت قائم اور زید قائم ظننت میں فرق ہے کہ پہلی مثال میں ظننت مقدم ہے تو یہ تقدیم کی وجہ سے عامل بھی ہے۔ دوسری مثال میں مقدم نہیں درمیان میں آ گیا۔ تیسری مثال میں موخر ہو گیا تو عمل ختم ہو چکا تو اس سے ثابت ہوا کہ ابتداء اور مقدم ہونے کی بناء کی وجہ سے اہمیت اور تقویت حاصل ہوتی ہے لہذا فعل اوّل کو عامل بنانا اولیٰ اور راجح ہے۔

جواب بصرین کی طرف سے یہ جواب دیا جاتا ہے کہ مقاربت اور مجاورت کو جتنی اہمیت حاصل ہے اتنی ابتداء کو حاصل نہیں اسی لئے فعل ثانی کو عامل بنانا اولیٰ اور راجح ہے۔

قال الشارح **وللاحتراز** ۔مولانا جامیؒ کوفیین کے مذہب کی تائید کا بیان ہے۔ کہ فعل ثانی کو اگر عامل بنایا جائے تو اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے بخلاف اس کے کہ اگر فعل اوّل کو عامل بنایا جائے تو اضمار قبل الذکر لازم نہیں آتا لہذا اضما قبل الذکر کے لزوم سے بچنے کے لئے فعل اوّل کی عامل بنانا اولیٰ اور راجح ہوگا۔

جواب: بصریین کی طرف سے یہ جواب دیا جاتا ہے کہ فعل ثانی کو عامل بنانے کی صورت میں جو اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے یہ ممنوع اور ناجائز نہیں اس لئے کہ جب مابعد میں تفصیل مذکور ہو تو پھر اضمار قبل الذکر جائز ہوتا ہے اور یہاں پر بھی مابعد میں اسم ظاہر کی تفصیل موجود ہے نیز ہم کہتے ہیں آپ نے جو یہ کہا فعل ثانی کو عامل بنانے کی صورت میں اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے ہم آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ اضمار قبل الذکر جائز ہے یا ممتنع اگر آپ ممتنع ہونے کا قول کریں تو پھر آپ کو ماننا پڑے گا کہ فعل ثانی کا عامل بنانا ممتنع اور ناجائز ہے حالانکہ آپ کا مذہب یہ ہے کہ فعل ثانی کو بھی عامل بنانا جائز ہے اور اگر آپ کہتے کہ اضمار قبل االذکر جائز ہے تو پھر آپ کا استدلال ہی غلط ہوا

قال الماتن فان اعملت الثانی سے لے کر وان اعلمت الاول ﴾

﴿طریقہ قطع تنازع علی مذهب البصریین﴾ صاحب کافیہؒ نحاۃ بصریین کے مذہب کیمطابق قطع تنازع کی تفصیل بیان کررے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر بصریین کے مذہب کے مطابق دوسرے فعل کو عامل بنایا جائے تو پہلا فعل دو حال سے خالی نہیں فاعل کا تقاضا کرے گا یا مفعول کا تقاضا کرے گا اگر فاعل کا تقاضا کرے تو بصریین کے نزدیک پہلے فعل میں اسم ظاہر کے مطابق فعل کی ضمیر لائی جائے گی اور کسائی کے نزدیک فاعل کو حذف کردیا جائے اور فراء کے نزدیک جب پہلا فعل فاعل کا تقاضا کرتا ہے تو اس صورت میں پہلے فعل کو عامل بنانا واجب ہے دوسرے فعل کو عامل بنانا جائز ہی نہیں اور اگر پہلا فعل مفعول کا تقاضا کرتا ہو تو پھر وہ مفعول دو حال سے خالی نہیں کہ اس کے ذکر سے استغناء ہوسکتا ہے یا نہیں اگر استغناء ہوسکتا ہو تو پہلے فعل کے لئے مفعول کو حذف کردیا جائے گا ورنہ ذکر کردیا جائے گا۔

قال الشارح وبدابه ۔مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: صاحب کافیہؒ نے اجمال اور تفصیل میں بصریین کے مذہب کے بیان کو کیوں مقدم کیا

جواب: مولانا جامیؒ نے جواب دیا کہ بصریین کا مذہب کثیر الاستعمال تھا اور مختار بھی تھا اسی وجہ سے اجمال اور تفصیل دونوں میں مقدم کردیا ہے۔

قال الشارح اذا اقتضى الفاعل ۔مولانا جامیؒ نے سوال مقدر کا جواب دیتے ہوئے قید کو بیان کیا ہے

سوال: جزاء کا ترتب شرط پر صحیح نہیں مثلاً ضربت و اکرمنی زید میں دوسرے فعل کو عامل بنایا گیا ہے لیکن پہلے فعل میں فاعل کی ضمیر نہیں لائی گئی۔

جواب: شارحؒ نے فرمایا کہ یہاں ایک قید معتبر ہے کہ اگر پہلا فعل فاعل کا تقاضا کرے تب پہلے فعل میں فاعل کی ضمیر لائی جائے گی اور مثال مذکور میں پہلا فعل فاعل کا تقاضا نہیں کرتا بلکہ مفعول کا تقاضا کرتا ہے اور یہ قید بطور اقتضاء النص کے ثابت ہے

بعنوان ثالث: مولانا جامیؒ کی غرض ان بعض تقادیر کو بیان کرنا ہے جن کے اعتبار پر حکم لگایا گیا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ مولانا جامیؒ فان اعملت الثانی اضمرت الفاعل فی الاول کو قضیہ شرطیہ مھملہ قرار دیا ہے اور قضیہ مھملہ قضیہ جزئیہ کے حکم میں ہوا کرتا ہے اور قضیہ شرطیہ متصلہ جزئیہ

میں حکم بعض تقادیر پر ہوتا ہے۔ مولانا جامیؒ نے ان بعض تقادیر کی تعیین کو بیان کیا ہے۔

بعنوان ثالث: یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ مولانا جامیؒ نے متن کی عبارت مذکورہ کو قضیہ شرطیہ مھملہ قرار دیا ہے قضیہ مھملہ جزئیہ کے حکم میں ہوتا ہے اور جزئیہ دو قسم پر آتا ہے ۔

(۱)۔ جزئیہ بالقوہ (۲)۔ جزئیہ بالفعل

تو دوسرا سوال ہوا کہ یہاں جزئیہ کا کونسا قسم مراد ہے مولانا جامیؒ نے جواب دیا کہ قسم ثانی مراد ہے

قال الشارح لجواز الاضمار ۔ مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: دوسرے فعل کو عمل دینے کی صورت میں جب پہلے فعل کے اندر فاعل کی ضمیر لائی جائے تو اضمار قبل الذکر لازم آئے گا حالانکہ اضمار قبل الذکر جائز نہیں۔

جواب: یہ اضمار قبل الذکر عمدہ کا ہے اور جائز ہے اس لئے کہ اس کے بعد اسم ظاہر مفسّر موجود ہے

قال الشارح ولىلزم التكرار بالذكر ۔ اس سے مولانا جامیؒ دلیل کی تعیین کر رہے ہیں کہ جب دوسرے فعل کو عامل بنایا جائے اور پہلا فعل فاعل کا تقاضا کرے تو قطع تنازع کے کل تین طریقے ہیں (۱) اضمار الفاعل (۲)۔ ذکر الفاعل (۳) حذف الفاعل

اور متن میں اضمار الفاعل کو بیان کیا گیا ہے مولانا جامیؒ نے اس کی دلیل تعیین بیان کر دی کہ اضمار الفاعل ہی ہوگا ذکر الفاعل اور حذف الفاعل والا طریقہ یہاں نہیں چل سکتا۔ اس لیے کہ ذکر الفاعل کی صورت میں تکرار لازم آتا ہے جو مستحسن نہیں اور حذف الفاعل کی صورت میں فاعل کا حذف لازم آتا ہے بغیر قائم مقام کے اور جب فاعل کے قائم مقام کوئی چیز نہ ہو تو فاعل کا حذف جائز نہیں ہوتا ممتنع ہوتا ہے۔ لہذا جب قطع تنازع کے دونوں طریقے ذکر الفاعل اور حذف الفاعل ممتنع ہوئے تو پہلا طریقہ اضمار الفاعل والا متعین ہوا۔

قال الشارح الواقع بعد الفعل ۔ سے مولانا جامیؒ نے یہ بتایا کہ الظاہر میں الف لام عہد خارجی کا ہے اس سے مراد وہ اسم ظاہر ہے جس کا ما قبل میں ذکر ہو چکا ہے۔ اس لئے کہ وہ قاعدہ ہے المعرفة اذا اعیدت معرفةً تکون الثانی عین الاولیٰ۔

قال الشارح اى على موافقة افراد اوتشنية و جمعا ۔

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال : ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ پہلے فعل میں فاعل کی ضمیر جو لائی جائے گی وہ اسم ظاہر کے موافق ہوگی کیونکہ ضمیر و معرفہ ہوتی ہے اور اسم ظاہر کبھی نکرہ ہوتا ہے اور کبھی معرفہ تو تعریف و تنکیر کے اعتبار سے موافقت نہ ہوئی۔

جواب کہ تعریف و تنکیر کے علاوہ باقی پانچ امور میں موافقت مراد ہے یعنی افراد تثنیہ و جمع اور تذکیر و تانیث میں۔

قال الشارح **لانه** ۔ سے امور خمسہ مذکورہ میں موافقت کی علۃ کا بیان جس کا حاصل یہ ہے کہ اسم ظاہر ضمیر کے لئے مرجع بنتا ہے اور ضمیر کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ مرجع کے ساتھ امور خمسہ مذکورہ میں موافقت کا ہونا ضروری ہے۔

قال الشارح **لانه لایجوز** ۔ فاعل کے حذف نہ ہونے کی علت کا بیان کہ فاعل کا حذف بغیر قائم مقام یہ جائز نہیں ہوتا اس لئے حذف نہیں کیا جائے گا۔

قال الشارح **فانه لا یضمر الفاعل** ۔ سے کسائی کے مذہب کی دلیل کا بیان کہ کسائی کا مذہب یہ ہے کہ اس صورت میں فاعل کو حذف مانا جائے گا اس لئے کہ اگر پہلے فعل میں فاعل کی ضمیر مانی جائے تو اضمار قبل الذکر لازم آئے گا تو اضمار قبل الذکر سے بچتے ہوئے فاعل کو حذف مان لیا جائے گا۔

قال الشارح **و یظهر الاختلاف** ۔ مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال : بصریین اور کسائی کے مابین اختلاف کا ثمرہ تو ظاہر نہیں ہوتا اس لئے کہ دونوں مذہب پر ضربنی و اکرمنی زید ہی کہا جائے گا تلفظ کے اعتبار سے تو کوئی ثمرہ اختلاف نہیں بنتا۔

جواب : کہ ثمرہ اختلاف اس صورت میں ظاہر ہوتا ہے جب اسم ظاہر تثنیہ یا جمع ہو تو بصریین کے نزدیک یوں عبارت ہوگی ضربانی و اکرمنی الزیدان اور کسائی کے نزدیک ضربنی و اکرمنی الزیدان کہا جائے گا۔

قال الشارح **ای عمال الفعل الثانی** ۔ جاز فعل کی ضمیر کے مرجع کا بیان ہے اور یہ مرجع معنوی ہے جو ماقبل کے کلام سے سمجھا جاتا ہے۔

قال الشارح **فانه لا یجوز اعمال فعل الثانی** ۔ مولانا جامیؒ علت اختلاف کو

بیان کررہے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر فعل اوّل فاعل کا تقاضا کرے تو فراء فعل ثانی کو عامل بنانا جائز قرار نہیں دیتے۔

قال الشارح لانه یلزم ۔سے **فراء کی دلیل**: کا بیان ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ پہلے فعل کے فاعل کا تقاضا کرنے کی صورت میں اگر دوسرے فعل کا عامل بنایا جائے تو دوخرابی میں سے ایک خرابی لازم آتی ہے اگر جمہور کے مذہب کے مطابق پہلے فعل کے اندر فاعل کی ضمیر کی جائے تو اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے اور کسائی کے مذہب کے مطابق حذف فاعل لازم آتا ہے اور یہ دونوں صحیح نہیں لہذا قطع تنازع کا کوئی طریقہ یہاں متحقق نہیں ہوسکتا تو اسی صورت میں پہلے فعل کا عامل بنانا جائز نہیں دوسرے فعل کا عامل بنایا جائے گا تا کہ دونوں خرابیوں سے بچا جاسکے۔

قال الشارح وقیل روی عنه ۔مولانا جامیؒ فراء کی دوسری روایت نقل کررہے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ جب پہلا فعل فاعل کا تقاضا کرے تو دونوں فعلوں کو عامل بنایا جائے یا دوسرے فعل کو عامل بنایا جائے اور پہلے فعل کے اندر فاعل کی ضمیر لائی جائے (اسم ظاہر کے بعد) اور اگر فعل اوّل فاعل ہی کا تقاضا کرے اور دوسرا فعل مفعول کا تقاضا کرے تو دوسرے فعل کا عامل بنایا جائے اور پہلے فعل کے اندر فاعل فاعل کی ضمیر لائی جائے اور پھر فعل کے اندر فاعل کی ضمیر کا لانا اسم ظاہر کے بعد متعین ہے اس روایت ثانیہ کا حاصل یہ ہو کہ اگر دونوں فعل فاعل کا تقاضا کریں تو اس میں دوصورتیں ہیں۔تشریک الرافعین یا دوسرے فعل کا عامل بنایا جائے اور پہلے فعل میں اسم ظاہر کے بعد فاعل کی ضمیر لائی جائے اور اگر پہلا فعل فاعل ہی کا تقاضا کرے اودوسرا فعل مفعول کا تو اس صورت میں دوسرے فعل کو عامل بنایا جائے اور پہلے فعل میں اسم ظاہر کے بعد فاعل کی ضمیر کا لانا متعین ہے۔

قال الشارح وروایة المتن غیر مشھورۃ ۔سے مولانا جامیؒ صاحب کافیہؒ پر اعتراض کررہے ہیں کہ ماتن نے فراء سے جو روایت نقل کی ہے یہ روایت غیر مشہورہ ہے اور روایت ثانیہ روایت مشہورہ ہے تو صاحب کافیہ کو چاہئے تھا کہ روایت ثانیہ مشہورہ کو بیان کرتے۔

جواب: ماتن نے غیر مشہور روایت کو نقل اس لئے کیا ہے تا کہ یہ بھی مشہور ہو جائے اور عدم شہرت سے نکل کر شہرت کے مرتبہ میں داخل ہو جائے۔

سوال: ماتن نے روایت اولیٰ کو متن میں نقل نہیں کیا بلکہ خلافاً للفراء کہا ہے اور خلافاً للفراء کی تفصیل روایت ثانیہ کے ساتھ بھی کی جا سکتی ہے بایں طور کہ دونوں فعل فاعل کا تقاضا کریں تو بصریین کے نزدیک دوسرے فعل کو عامل بنایا جائے اور پہلے فعل میں فاعل کی ضمیر لائی جائے گی اور فراء کے نزدیک تشریک الرافعین ہوگا یا دوسرے فعل کا عامل بنایا جائے اور پہلے فعل کے لئے اسم ظاہر کے بعد فاعل کی ضمیر لائی جائے لہذا جب ماتن نے روایت اوّل کو فیین کے بیان ہیں نہیں کیا اور خصوصاً جب متن کی تفصیل بطریقہ مذکور روایت ثانیہ کے ساتھ بھی کی جا سکتی ہے مولانا جامیؒ کا اعتراض کرنا صحیح نہ ہوا۔

جواب: صاحب کافیہؒ نے امالی شرح کافیہ میں خلافاً للفراء والی عبارت کی تفسیر رویت اولیٰ کے ساتھ بیان کی ہے اس لئے روایت اولیٰ کو روایت المتن کہنا صحیح ہوا اور مولانا جامیؒ کا اعتراض کرنا بھی درست ہوا

سوال: مولانا جامیؒ کا روایت المتن کو غیر مشہور کہنے سے یہ بات معلوم ہوئی کہ روایت متن صحیح تو ہے لیکن مشہور نہیں حالانکہ شیخ رضی نے روایت ثانی کے متعلق کہا ہے کہ فراء سے نقل صحیح یہی ہے اور رضی کی اس کلام سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ روایت متن جو روایت اوّل ہے صحیح نہیں بلکہ غلط ہے تو مولانا جامیؒ کا روایت متن کو غیر مشہور کہنا صحیح نہ ہوا۔

جواب: ممکن ہے کہ مولانا جامیؒ کی کلام میں غیر مشہور سے مراد غیر صحیح ہو۔

سوال: جب روایت اولیٰ صحیح نہیں تھی تو پھر مولانا جامیؒ نے متن کی تفسیر روایت غیر صحیح کے ساتھ کیوں کی ہے۔

جواب: ماتن کی اتباع کرتے ہوئے مولانا جامیؒ نے روایت اولیٰ کے ساتھ تفسیر کر دی۔ اور اخیر میں احقاق الحق بیان کرتے ہوئے ماتن پر اعتراض کر دیا۔

فائدہ: بعض علماء نے لکھا ہے کہ روایت متن غیر مشہور والی عبارت قیل کے تحت داخل ہے جو قائل کی کلام ہے مولانا کی کلام نہیں۔

قال الشارح **و حذفت المفعول تحرزاً عن التكرار** ۔مولانا جامیؒ تحرز عن التکرار سے علت تعیین بیان کر رہے ہیں لیکن دلیل صحت کو واضح ہونے کی وجہ سے بیان نہیں کیا۔

اس عبارت میں بصریین کے مذہب کے دوسرے شق کا بیان ہے کہ ثانی کو عمل دے کر پہلا فعل مفعول کا تقاضا کرتا ہے تو مفعول کو حذف قرار دینگے اس لئے کہ قطع تنازع کے تین طریقے ہیں۔

(۱) حذف (۲) اضمار (۳) اظہار

اظہار کریں تو تکرار لازم آتا ہے اور اگر اضمار کریں تو اضمار قبل الذکر فضلہ کا لازم آتا ہے وہ بھی جائز نہیں تو لہذا ایک صورت متعین ہوئی کہ مفعول کو حذف مانا جائے گا۔

قال الشارح **ان استغنى عنه و الا اى و ان لم يستغن عنه**

یہ عبارت نکال کر مولانا جامیؒ نے بتا دیا کہ الامر کبہ ہے کہ مفعول کو حذف اس وقت مانیں گے جس وقت مفعول سے استغناء ہو سکے اگر مفعول سے استغناء نہ ہو سکے تو پھر مفعول کو مجبوراً ظاہر کرنا واجب ہے یہ اس وقت جب دو فعل جھگڑا کرنیوالے افعال قلوب میں سے ہو اس لئے کہ قطع تنازع کے تین طریقے ہیں (۱)۔ حذف (۲)۔ اضمار (۳) اظہار۔ حذف کریں تو لازم آتا ہے افعال قلوب دو مفعولوں میں سے ایک کا حذف جو جائز نہیں اور اضمار کریں تو اضمار قبل الذکر فضلہ کا لازم آتا ہے یہ بھی جائز نہیں۔ باقی ایک ہی طریقہ تھا اظہار کا تو مفعول ظاہر کر دینگے جیسے حسبنی منطلقاً و حسبت زیداً منطلقاً اصل عبارت پہلے منطلقاً کے بغیر تھی۔ حسبنی و حسبت زیداً منطلقاً تو دونوں فعلوں کا جھگڑا ہوا اولاً زید کے بارے میں کہ حسبنی فاعل کا تقاضا کرتا ہے اور حسبت مفعول کا تقاضا کرتا ہے تو دوسرے فعل کا عامل بنایا تو اس کو مفعول کی ضرورت تھی زیداً اس کا مفعول بنا دیا۔ اور پہلے فعل کو فاعل کی ضرورت تھی اس کے لئے فاعل ضمیر کر دی اور دوسرا تنازع ان دونوں فعلوں کا منطلقاً کے بارے میں تو عمل دوسرے فعل دے دیا گیا اور پہلے فعل کے لئے منطلقاً مفعول کو ظاہر کر دیا گیا اب عبارت یہ بن گئی حسبنی منطلقا و حسبت زیدا منطلقاً

فائدہ: لفظ فضلہ فاء کے ضمہ سے مشہور ہے لیکن یہ غلط اصل میں یہ لفظ فضلہ فاء کے فتح کے ساتھ ہے اس لئے فَضلہ پڑھنا چاہئے فُضلہ پڑھنا بالکل غلط ہے۔

قال الشارح ﴿وان اعملت الفعل الاول اضمرت الفاعل﴾

﴿طریقه قطع تنازع على مذهب الكوفيين﴾ صاحب کافیہؒ قطع تنازع کی تفصیل بیان کرنا چاہتے ہیں کوفیین کے مذہب کے مطابق جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوفیین کے مذہب

کے مطابق پہلے فعل کو عامل بنایا جائے تو دوسرا فعل دو حال سے خالی نہیں فاعل کا تقاضا کرے گا یا مفعول کا تقاضا کرے گا۔ اگر فاعل کا تقاضا کرے تو فعل ثانی میں فاعل کی ضمیر لائی جائے گی اور قول غیر مختار پر مفعول کو حذف کر دیا جائے گا بشرطیکہ قول مختار پر ضمیر لانے اور غیر مختار پر حذف کرنے سے کوئی مانع موجود نہ ہو اور اگر ہر دو سے مانع موجود ہے تو مفعول کو ذکر کرنا متعین ہوگا۔

قال الشارح فی الفعل موصوف کو بیان کر دیا و اقتضاه مولانا جامیؒ کی غرض پہلے بیان ہو چکی ہے

قوله لتقدمه رتبة ۔اس عبارت میں دلیل تعین اور دلیل صحت کا بیان ہے کہ اگر فعل ثانی فاعل کا تقاضا کرے تو عمل پہلے فعل کو دیا جائے گا اور دوسرے فعل کے لئے فاعل کی ضمیر کر دی جائے گی۔ اس لئے کہ قطع تنازع کہ تین طریقے تھے (۱)۔حذف (۲)۔اضمار (۳) اظہار حذف کریں تو حذف فاعل کا لازم آئے گا اور عمدہ کا حذف جائز نہیں بغیر قائم مقام کے اور اظہار کرے تکرار لازم آتا ہے۔ باقی رہا اضمار قبل الذکر وہ صرف لفظاً آتا ہے رتبۃً لازم نہیں آتا اور یہ جائز ہے جیسا کہ ماقبل میں گذر چکا ہے۔

قال الشارح علی المذهب المختار ولم تحذفه ۔اگر دوسرا فعل مفعول کا تقاضا کرے اور بشرطیکہ مانع نہ ہو تو مختار مذہب پر مفعول کی ضمیر فعل ثانی میں کر دی جائے گی اور مفعول کو حذف نہیں مانا جائے گا اگرچہ مفعول کا حذف بھی جائز ہے۔

قال الشارح لئلا یتوهم ۔سے مذہب مختار کی دلیل کا بیان جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر مفعول کی ضمیر نہ لائی جائے حذف کر دیا جائے تو اس بات کو وہم ہو سکتا ہے کہ مفعول محذوف اور اسم ظاہر مذکور دونوں میں تغایر ہو اور جب مفعول کی ضمیر لائی جائے گی تو یہ وہم باقی نہیں رہے گا کیونکہ راجع اور مرجع میں عینیت ہوتی ہے تغایر بالکل نہیں ہوتا اس لئے وہم تغایر کے دفع کے لئے ضمیر لانا مختار ہے۔ جیسے ضربنی و اکرمت زید زید میں تنازع تھا تو زید کے پہلے فعل کے لئے معمول بنا دیا اور دوسرے فعل کے لئے مفعول ضمیر کو لائے اکرمته۔

قال الشارح ویکون الضمیر حینئذ ۔مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: اس صورت میں فعل ثانی میں مفعول کی ضمیر کا لانا جائز ہی نہیں چہ جائیکہ مختار ہو کیونکہ اس

صورت میں اضمار قبل الذکر لازم آئے گا فضلہ کا۔

جواب: اضمار قبل الذکر صرف لفظاً لازم آرہا ہے جو کہ جائز ہے رتبۃً لازم نہیں آتا ہے اس لئے کہ یہ ضمیر راجع ہورہی ہے ایسے لفظ کی طرف جو رتبہ کے لحاظ سے مقدم ہے۔

الا ان یمنع مانع من الاضمار: ۔من الاضمار سے مولانا جامی منع کے صلہ کو بیان کردیا ۔جس سے اس بات کی طرف اشارہ کردیا اس صلہ کا تعلق اضمار مختار اور حذف غیر مختار دونوں کے ساتھ ہے ایک کے ساتھ نہیں۔

فتظهر المفعول: مولانا جامیؒ نے المفعول نکال کر تظہر کے لئے مفعول کو ظاہر کردیا۔

قولہ فانه اذا امتنع الاضمار و الحذف ۔اس عبارت سے دلیل کا بیان جس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر دوسرا فعل مفعول کا تقاضا کرے اور حذف اور اضمار سے مانع موجود ہو تو ایسی صورت میں مفعول کو ظاہر کیا جائے گا اسلئے قطع تنازع کے تین ہی طریقے تھے۔ (ا)۔حذف (۲)۔اضمار (۳) اظہار۔ جب حذف اور اضمار سے مانع موجود ہے تو باقی ایک ہی طریقہ رہا تو اس لئے دوسرے کے لئے مفعول کو ظاہر کردینگے جیسے حسبنی و حسبتهما منطلقین الزیدان منطلقاً تو حسبنی اور حسبتهما کا تنازع ہوا۔منطلقاً میں تو عمل دے دیا پہلے فعل کو اور دوسرے فعل کے لئے منطلقین کو ظاہر کردیا کیونکہ اصل عبارت منطلقین کے بغیر تھی حسبنی و حسبتهما الزیدان منطلقاً تو منطلقین کو ظاہر کردیا تو حسبنی و حسبتهما منطلقین الزیدان منطلقاً ہوگیا۔باقی رہی یہ بات حذف اور اضمار سے مانع کیا ہے۔

حذف سے مانع ہونا تو ماقبل میں بیان ہو گیا کہ افعال قلوب کے دو مفعولوں میں سے ایک حذف نہیں ہوسکتا۔اور اضمار کریں تو یہ بھی جائز نہیں اس لئے کہ ضمیر دو حال سے خالی نہیں ضمیر مفرد کی کرینگے یا تثنیہ کی ضمیر اگر ضمیر مفرد کی کریں تو افعال قلوب کے دو مفعولوں میں مخالفت لازم آئے گی مثال کے طور پر حسبنی و حسبتهما کے بعد نکالا جائے منطلقاً تو پہلا مفعول هما ضمیر تثنیہ اور دوسرا مفعول منطلقاً مفرد۔اور اگر تثنیہ کی ضمیر کریں حسبنی و حسبنتهما ایاهما پھر راجع مرجع میں مطابقت نہیں رہے گی۔کہ تثنیہ کی ضمیر لوٹ رہی ہے منطلقاً مفرد کی طرف تو اس لئے ضمیر سے یہ مانع ہوگیا تو جب قطع تنازع کے دونوں طریقے نہ حذف چل سکتا ہے نہ اضمار تو

ایک ہی باقی رہا تو دوسرے کے لئے مفعول کو ظاہر کر دیا جائے گا۔

قال الشارح **ولا یخفی انه لا یتصور** ۔مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: مثال مذکور میں منطلقاً کے اندر تنازع فعلین پایا ہی نہیں جا سکتا کیونکہ تنازع فعلین کا معنی ہے کہ دونوں فعل معنی اور تصور کے اعتبار سے ایسے اسم کی طرف متوجہ وں جو اپنے محل اور مقام میں واقع ہوتے ہوئے علی سبیل البدلیۃ ہر ایک فعل کا معمول بننے کی صلاحیت رکھتا ہو اور یہاں دونوں فعلوں میں سے پہلا فعل چونکہ مفعول مفرد کا تقاضا کرنے کی وجہ سے منطلقاً کی طرف متوجہ ہے لیکن دوسرا فعل چونکہ مفعول تثنیہ کا تقاضا کرتا ہے اس لئے وہ اس منطلقاً کی طرف متوجہ ہی نہیں لہذا منطلقاً کے اندر فعل اوّل کی مفعول بننے کی صلاحیت ہے فعل ثانی کے لئے نہیں جب تنازع متصور ہی نہیں تو اس مثال کو تنازع کے اندر کیوں پیش کیا ہے۔

جواب: مولانا جامیؒ نے جواب دیا کہ منطلقاً کے اندر دو اعتبار ہیں۔

(۱) اسم من حیث ھو ھو یعنی اس حیثیت سے کہ یہ ایک اسم ہے جو کسی ذات کا وصف انطلاق کے ساتھ موسوف ہونے پر دلالت کرتا ہے قطع نظر اس کے تثنیہ اور مفرد ہونے کے اور دوسرا اعتبار یہ ہے کہ منطلقاً میں مفرد ہونے کا لحاظ کیا جائے کہ اعتبار یہ مفرد ہے تثنیہ نہیں تو پہلے اعتبار کی بناء پر تنازع منطلقاً میں متحقق متصور ہو سکتا ہے اور اسی اعتبار سے منطلقاً کو مثل میں ذکر کیا گیا بخلاف دوسرے اعتبار کے اس اعتبار سے تنازع متحقق نہیں اور نہ ہی اس اعتبار سے مثال کو ذکر کیا گیا ہے بعنوان دیگر یوں کہا جا سکتا ہے منطلقاً کے اندر دو اعتبار ہیں۔

(۱)۔لا بشرط شئی یعنی قطع نظر کرتے ہوئے اس کی مفرد تثنیہ جمع ہونے سے

(۲)۔بشرط شئی کے یعنی یہ لحاظ کیا جائے کہ منطلقاً مفرد ہے پہلے اعتبار سے اعتراض متحقق ہو سکتا ہے اور دوسرے عتبار سے اعتراض متحقق نہیں ہو سکتا ہے یہ جو مثال ذکر کی گئی ہے یہ پہلے اعتبار سے ہے

قال الشارح **ولما استدل لکوفیون** ۔مولانا جامیؒ صاحب کافیہؒ کی آنے والی عبارت کی غرض بیان کرنا چاہتے ہیں کہ صاحب کافیہؒ نے بصریین کی طرف سے کوفیین کے قول امرء القیس سے استدلال مذکور کا جواب دیا ہے مولانا جامیؒ اس جواب کی توضیح کر رہے ہیں

جواب سے پہلے مولانا جامیؒ ان کا استدلال بیان کر رہے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ امرء القیس کا شعر ہے جس میں تنازع الفعلین ہے ایک فعل کفانی اور دوسرا لم اطلب ان دونوں کا تنازع ہے قلیل میں فعل اوّل تقاضا کرتا ہے فاعلیت کا فعل ثانی مفعولیت کا۔ اور اتنے بڑے فصیح بلیغ شاعر نے فعل اوّل کو عمل کروای ہے جس سے معلوم ہوا کہ فعل اوّل کو عمل دینا مختار ہے۔

صاحب کافیہؒ نے بصریین کی طرف سے جواب دیا کہ لیس منه لفساد المعنی یہ شعر باب تنازع سے نہیں کیونکہ اگر باب تنازع سے بنایا جائے فساد معنی لازم آتی ہے اس کی تفصیل مولانا جامیؒ بیان فرما رہے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر یہ تنازع فعلین کے باب سے ہو۔ یعنی کفانی اور لم اطلب دونوں فعلوں میں سے ہر ایک فعل قلیل من المال کی طرف متوجہ ہو تو فساد معنی لازم آتا ہے اس طرح کہ اگر دونوں فعل قلیل کی طرف متوجہ ہوں تو اس توجہ سے تین امر لازم آتے ہیں۔

پہلا امر: کہ ادنیٰ معیشت کی عدم سعی کہ میں تھوڑے مال کے لئے کوشش نہیں کرتا طلب نہیں کرتا

امر ثانی: کہ تھوڑا مال مجھے کافی نہیں۔

امر ثالث: کہ تھوڑا مال میں طلب کرتا ہے یہ بات ظاہر ہے کہ یہ جو تیسرا امر ہے یہ پہلے دونوں امر کے منافی ہے۔ پہلے امر کے منافی ہونا بالکل واضح ہے کہ امر اوّل یہ تھا کہ تھوڑے مال کی طلب نہیں کرتا کوشش نہیں کرتا اب اس میں ہے کہ تھوڑے مال کی کوشش کرتا ہوں اور دوسرے امر کے بھی منافی ہے کہ دوسرے امر میں تھا کہ مجھے تھوڑا مال کافی نہیں اور اس میں ہے کہ میں تھوڑے مال کی طلب کرتا ہوں تو اس کو تنازع الفعلین بنانے سے یہ اجتماع المتنافیین لازم آیا جو کہ باطل ہے باقی رہی یہ بات کہ اجتماع متنافیین اور تناقض کیسے لازم آتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ قاعدہ ہے لو کے بارے میں کہ کلمہ لو حروف شرط میں سے ہے اپنے مدخول مثبت کو منفی اور منفی کو مثبت کر دیتا ہے خواہ وہ شرط ہو یا جزاء ہو یا شرط و جزاء پر معطوف ہو اب ہم یہ کہتے ہیں کہ امرء القیس کے بیت کا پہلا مصرعہ لو انما اسعی لادنی معیشة اور دوسرا مصرعہ ہے کفانی و لم اطلب قلیل من المال اگر یہ کہا جائے کفانی اور و لم اطلب دونوں فعلوں میں سے ہر ایک فعل قلیل من المال کی طرف متوجہ ہے تو اس قاعدہ کی بناء پر کلمہ لو کے مدخول تین فعل ہیں

(۱) اسعیٰ (۲) کفانی (۳) لم اطلب پہلے دوفعل مثبت ہیں تو منفی ہو جائینگے تو معنی یہ ہوگا کہ میں ادنی میشۃ کے لئے کوشش نہیں کی یعنی تھوڑے مال کو طلب نہیں کیا اور نہ ہی تھوڑا مال مجھے کافی ہے۔ ولم اطلب یہ فعل منفی ہے تو مثبت ہو جائے گا کہ تھوڑے مال کو میں طلب کرتا ہوں اور یہ تیسری بات پہلے دونوں باتوں کے منافی ہے تو یقیناً اجتماع متنافیین لازم آیا۔ اور اجتماع متنافین باطل ہے اور قاعدہ ہے کہ جو مستلزم باطل ہو وہ باطل ہوا کرتا ہے لہذا اس کو باب تنازع سے بنانا باطل ہوا تو اس سے ثابت ہوا کہ امرء القیس کے قول سے کوفیین کا استدلال غلط ہوا۔

قال الشارح **فعلیٰ هذا ینبغی** ۔

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: کہ جب اس قول مذکور کو تنازع الفعلین کے باب بنانے سے تناقض لازم آتا ہے تو اس کا پھر صحیح معنی کیا ہے۔

جواب: کہ اس کا صحیح معنی یہ ہے کہ قلیل یہ فاعل ہے کفانی کا اور لم اطلب کا مفعول محذوف ہے جو کہ المجد المؤثل اب حاصل معنی یہ ہوگا کہ نہ ادنی معیشۃ کے لئے کوشش کرتا ہوں اور نہ مجھ کو تھوڑا مال کافی ہے میں تو پائدار بزرگی کو طلب کرتا ہوں اور اس کی کوشش کرتا ہوں اور یہ معنی بلکل صحیح ہے کوئی منافات نہیں۔

﴿بحث مفعول ما لم یسم فاعله﴾

متن ﴿مفعول مالم یسم فاعله کل مفعول حذف فاعله واقیم هو مقامه﴾

صاحب کافیہؒ مرفوعات کی قسم اوّل فاعل کی بحث سے فارغ ہونے کے بعد یہاں سے مرفوعات کی دوسری قسم المفعول ما لم یسم فاعله کو بیان کررہے ہیں جس کی تعریف اس عبارت میں کی ہے کہ مفعول ما لم یسم فاعله ہر ایسے مفعول کو کہا جاتا ہے جس کے عامل کو حذف کر کے اس مفعول کو فاعل کے قائم مقام کر دیا گیا ہو۔

قال الشارح **ای مفعول فعل او شبه فعل** ۔شارح کی غرض تعیم کو بیان کرنا ہے کہ مـا عبارت ہے مفعول سے اور مفعول میں تعیم ہے کہ خواہ وہ مفعول ہو فعل کا یا شبہ فعل کا۔ مولانا جامیؒ کی اس تعیم سے مفعول مـا لم یسم فاعله کی تعریف میں عموم اور شمول پیدا ہوگیا۔ کہ یہ

تعریف مفعول ما لم یسم فاعله کے ہر ہر فرد کو شامل ہو جائے۔

قال الشارح لم یذکر ۔مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: لم یسم کے مفہوم لغوی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فاعل سرے سے ہوتا ہی نہیں اور مفہوم اصطلاحی سے معلوم ہوتا ہے کہ فاعل تو یقیناً ہوتا ہے لیکن حذف کر دیا جاتا ہے اب مفہوم لغوی اور اصطلاحی کے درمیان منافات اور مغایرت ہوئی ہے حالانکہ مناسبت کا ہونا لازمی ہوتا ہے تاکہ نقل صحیح ہو جائے۔

جواب: مولانا جامیؒ نے جواب دیا کہ لم یسم لم یذکر کے معنی میں ہے کہ عدم تسمیہ سے مراد عدم ذکر ہے اور عدم تسمیہ کو عدم ذکر لازم ہے تو مفہوم لغوی میں لزوم مراد لیا گیا ہے اور لہذا مفہوم لغوی ترکیبی اور مفہوم لقبی اصطلاحی میں کوئی منافات مغایرت نہ ہوئی بلکہ مناسبت موجود ہے لہذا نقل بھی صحیح ہوئی۔

قال الشارح وانما لم یفصله ۔مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔ لیکن اسمیں صورت سوال کی طرف بھی اشارہ ہے۔

سوال: جب مفعول مالم یسم فاعلہ مرفوعات کا مستقل قسم تھا تو فاعل اور مبتداء وغیرہ کی طرح منہ یا منہا سے کیوں نہیں شروع کیا گیا یعنی درمیان میں فاصل کیوں نہیں لایا گیا۔اس کی کیا حکمت ہے

جواب: اس لئے کہ مفعول مالم یسم فاعلہ کا فاعل کے ساتھ شدید اتصال تھا کہ یہ اس کے قائم مقام بھی بنتا تھا اور احکام فاعل میں بھی شریک تھا۔اس شدت اتصال کی وجہ سے وجہ کلمہ منہ سے فصل نہیں کیا گیا بلکہ شدت اتصال کی وجہ سے علامہ زمخشری نے تو مفعول مالم یسم فاعلہ کو فاعل حقیقی قرار دیا ہے۔

قال الشارح ای فاعل ذالک المفعول ۔سے مرجع کا بیان

قال الشارح وانما اضیف ۔سے مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: آپ نے تو فاعل کی نسبت مفعول کی طرف کردی حالانکہ فاعل فعل کا ہوتا ہے نہ کہ مفعول کا تو لہذا نسبت فاعل کی فعل کی طرف کرنی چاہیے تھی۔

جواب: ادنیٰ تعلق اور ربط کی وجہ سے مفعول کی طرف کردی وہ تعلق یہ ہے کہ فاعل ایسے فعل کا ہوتا ہے جو کہ مفعول کے متعلق ہوتا ہے۔

قوله **ای المفعول** ۔مرجع کا بیان ای مقام الفاعل مرجع کا بیان فی اسناد الفعل او شبهه یہ قیام کے صلہ کا بیان۔

متن ﴿**و شرطه ان تغیر صیغة الفعل الی فُعِلَ او یُفعَل**﴾

تعریف کے بعد شرط کو ذکر کررہے ہیں کہ مفعول مالم یسم فاعلہ کے لئے شرط یہ ہے کہ صیغہ یَفعَلُ کا فُعِل کی طرف اور یَفعَلُ کو یُفعَلُ کی طرف منتقل کردیا جائے تاکہ غرابت لفظ غرابت معنیٰ پر دلالت کرے کہ یہ وزن بھی نسبۃً غریب الاستعمال ہے اور نائب فاعل بھی نسبۃً غریب ہے۔

قال الشارح **ای شرط مفعول ما لم یسم فاعل** ۔مرجع کا بیان۔

قال الشارح **فی حذف فاعله** ۔مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: شرط مذکور کے بغیر بھی مفعول مالم یسم فاعلہ واقع نفس الامر میں موجود ہے

جواب: یہ شرط مذکور مفعول مالم یسم فاعلہ کے واقع نفس الامر میں موجود ہونیکی نہیں بلکہ اس کے فعل کے حذف اور اس کے قائم مقام ہونے کی ہے۔

قال الشارح **اذا کان عامله فعلاً** ۔

سوال مقدر کا جواب اور جواب میں قید کو بیان کرنا ہے۔

سوال: زید مضروب غلامه اس میں فاعل حذف کر کے مفعول مالم یسم فاعلہ کو فعل کے قائم مقام کر دیا گیا ہے باوجود یہ کہ شرط مذکو فُعِل اور یُفعَل موجود نہیں بلکہ مضروب تو اس مفعول کا صیغہ ہے۔

جواب: بھائی فُعِل یا یُفعَلُ کی طرف تغیر تب ہوگا جب مفعول مالم یسم فاعلہ کا عامل فعل ہو اور مثال مذکور میں عامل فعل نہیں بلکہ شبہ فعل تھا اس لئے صیغہ اسم ۔ مفعول کی طرف متغیر ہوا خلاصہ جواب کہ فُعِل اور یُفعَل کی طرف تغیر کے لئے ضروری ہے کہ عامل فعل ہو اور اگر عامل فعل نہ ہو بلکہ شبہ فعل ہو تو پھر اسم مفعول کے صیغہ کی طرف تغیر ہوگا۔

قال الشارح **الی الماضی المجهول** ۔

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: اس شرط سے تو ثلاثی مزید اور رباعی مجرد اور رباعی مزید کا مفعول مالم یسم فاعلہ نکل جاتا ہے اس لئے کہ ان کی ماضی مجہول فُعِلَ کے وزن پر نہیں آتی۔

جواب: حضرت جی یہاں ذکر تو علم کا ہے لیکن مراد وصف مشہور جس طرح لکل فرعون موسیٰ میں ذکر فرعون علم کا ہے لیکن مراد اس سے وصف مشہور متکبر ہونا ہے۔ تو یہاں پر بھی ذکر تو فُعِلَ کا ہے لیکن مراد اس سے ماضی مجہول ہے خواہ وہ کسی وزن پر ہو۔

قولہ ای الی المضارع المجهول ۔ یہ بھی سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تفصیل وہی ہے کہ ذکر تو یُفعَلُ کا ہے لیکن مراد اس سے وصف مشہور مضارع مجہول ہے خواہ کسی وزن پر ہو۔

متن ﴿ولایقع المفعول الثانی من باب علمت﴾

یہاں سے صاحب کافیہؒ کی غرض ان مفاعیل کو علی سبیل التفصیل بیان کرنا ہے جن کا فعل کے قائم مقام ہونا درست نہیں اور ان مفاعیل کو علی سبیل الاجمال بیان کرنا جن کا فاعل کے قائم مقام ہونا جائز ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ چار مفاعیل فاعل کے قائم مقام نہیں بن سکتے۔ (۱) باب علمت کا مفعول ثانی (۲) باب اعلمت کا مفعول ثالث (۳) مفعول لہ (۴) مفعول معہٗ اس کے علاوہ باقی تمام مفاعیل نائب فاعل بن سکتے ہیں۔

قال الشارح موقع الفاعل ۔ مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: متن کی عبارت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ باب علمت کا مفعول ثانی باب اعلمت کا مفعول ثالث وغیرہ نفس الامر میں واقع نہیں حالانکہ یہ واقع نفس الامر میں موجود ہیں لہذا کافیہ کی یہ عبارت غلط ہوئی۔

قولہ لانہ مسند الی المفعول ۔ مولانا جامیؒ یہاں سے دلیل بیان کر رہے ہیں کہ باب علمت کا مفعول ثانی فاعل کے قائم مقام کیوں واقع نہیں ہو سکتا۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ باب علمت کا مفعول ثانی مسند ہوتا ہے مفعول اوّل کی طرف اسناد تام کے ساتھ اب اگر فاعل کو حذف کر کے مفعول ثانی کو اس کے قائم مقام کر دیا جائے تو مفعول ثانی مسند الیہ باسناد تام بھی ہو جائے گا تو لازم آئے گا شئی واحد کا مسند اور مسند الیہ باسناد ین تامین ہونا جو کہ ناجائز ہے اس لئے کہ مسند الیہ ذات ہے اور مسند وصف ہے تو شئی کا ذات اور وصف دونوں ہونا لازم

آئے گا جو کہ اجتماع متنافیین ہے لہٰذا یہ ثابت ہوا کہ باب علمت کا مفعول ثانی میں فاعل کے قائم مقام ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

قال الشارح بخلاف اعجبنی ۔مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: شیخ رضی نے سوال کیا کہ ہم دکھاتے ہیں شئی واحد کا مسند اور مسند الیہ ہونا جائز ہے اور ثابت ہے جیسے اعجبنی ضرب زید عمرا اس میں ضرب مسند الیہ اور مسند دونوں ہے۔

جواب: مثال مذکور میں اگرچہ شئی واحد مسند اور مسند الیہ بن رہی ہے لیکن اسنادین تامین کے ساتھ نہیں اس لئے کہ ضرب کا اسناد اپنے فاعل زید کی طرف تامہ نہیں کیونکہ مصدر کا اسناد تام نہیں ہوتا اور ہم نے جو کہ ہے کہ شئی واحد کا مسند اور مسند الیہ ہونا باطل ہے یہ اسنادین تامین کے ساتھ مقید ہے۔

قال الشارح ولا المفعول ۔حاصل عطف بیان کر دیا

قوله اذ حکمه حکم المفعول الثالث ۔مولانا جامیؒ باب اعلمت کے مفعول ثالث کے قائم مقام نہ ہونے کی دلیل علی سبیل الاجمال بیان کر رہے ہیں کہ اس کی دلیل بھی وہی ہے جو باب علمت کے مفعول ثانی کے قائمقام نہ ہونے کی تھی۔جس کا حاصل یہ ہے کہ باب اعلمت کا مفعول ثالث بھی مسند ہوتا ہے اگر نائب فاعل بنا دیا جائے تو اس کا مسند الیہ ہونا لازم آئے گا جو اجتماع متنافیین ہے اور باطل ہے۔

قال الشارح بلا لام ۔مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: ضرب للتادیب میں تادیب کو فاعل کے قائم مقام کر دیا گیا حالانکہ آپ نے قاعدہ بیان کیا کہ مفعول فاعل کے قائم مقام نہیں ہو سکتا۔

جواب: متن میں مفعول لہ سے مراد مفعول بلا لام ہے اور مادہ نقض میں جو تم نے یہ مثال پیش کی وہ مفعول لہ مع اللام کی ہے۔

قوله لان النصب فیه ۔سے مولانا جامیؒ مفعول لہ کے فاعل کے قائم مقام نہ ہونے کی دلیل بیان کر رہے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ مفعول لہ بلا لام مین نصب مفعول لہ کے علت ہونے پر دلالت کرتی ہے اور جب مفعول لہ کو فاعک لے قائم مقام کر دیا جائے گا تو نصب جاتی

رہے گی رفع آ جائے گا لہذا مفعول لہ کی علت ہونا معلوم نہیں ہوگا اس لئے مفعول لہ بلا لام فاعل کے قائم مقام نہیں ہوسکتا۔

قال الشارح بخلاف ما ۔مولانا جامیؒ بلا لام کی قید کا فائدہ بیان کرر ہے ہیں جو سوال جواب کی صورت میں گذر چکا ہے۔

قال الشارح ای کل من المفعول ۔اس عبارت میں مولانا جامیؒ نے اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ کذالك ہر دونوں کی خبر ہے۔یعنی المفعول له معطوف علیہ اور المفعول معه معطوف ہے۔اور معطوف علیہ معطوف سے ملکر مبتداء اور کذالك خبر ہے۔

قوله ای کالمفعول الثانی ۔سے مولانا جامیؒ مشار الیہ کے مشبہ کو بیان کیا ہے اور انهما لا یقعان سے وجہ تشبیہ کو بیان فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مفعول لہ اور مفعول معہ میں سے ہر ایک باب علمت کا مفعول ثانی اور باب اعلمت کی مفعول ثالث کی طرح ہے اور وجہ تشبیہ یہ ہے کہ اس بات میں کہ یہ دونوں بھی ان کی طرح فاعل کے قائم مقام نہیں بن سکتے۔

اما المفعول له فلما عرفت : کے قائم مقام نہ ہونے کی علت اور دلیل گذر چکی ہے

قوله و اما المفعول معه فلا نه ۔سے مفعول معہ کی قائم مقام نہ ہونے کی دلیل اور علت کا بیان جس کا حاصل یہ ہے کہ مفعول لہ کی اقامت مع الواؤ ہوگی یا بدون الواؤ اور ہر دونوں باطل ہے اگر مع الواؤ ہو تو یہ اس لئے باطل ہے کہ واؤ اصل میں عطف کے لئے آتی ہے اور مابعد کا ماقبل سے انفصال کو چاہتی ہے جب کہ فاعل کے قائم مقام ہونے کی وجہ سے اتصال کو چاہتی ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ اتصال و انفصال میں منافات ہے اس لئے مفعول معہ مع الواؤ فاعل کے قائم مقام نہیں ہوسکتا اور مفعول معہ بدون الواؤ بھی فاعل کے قائم مقام نہیں ہوسکتا۔اس لئے کہ واؤ نہ ہونے کی وجہ سے اس کا مفعول معہ ہونا معلوم نہیں ہوگا لہذا مفعول معہ کو مطلقاً فاعل کے قائم مقام کرنا صحیح نہیں۔

متن ﴿واذا وجد المفعول بہ تعین لہ﴾

صاحب کافیہؒ ما هو الجواز و عدم الجواز کو بیان کرنے کے بعد اب ما هو الاولیٰ و الواجب کو بیان کرر ہے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ جب کلام میں کوئی ایسے مفاعیل پائے

جائیں جن میں سے ہر ایک کا فاعل کے قائم مقام ہونا جائز ہو تو وہ مفاعیل متعددہ دو حال سے خالی نہیں کہ ان میں مفعول بہ پایا جائے گا یا نہیں اگر ان مفاعیل میں مفعول بہ پایا جائے تو فاعل کے قائم مقام ہونے کے لئے صرف مفعول بہ متعین ہوگا یہ تعیین وجوبی ہوگی عند البصریین اور اگر مفاعیل میں مفعول بہ موجود نہ ہو تو پھر تمام مفاعل مساوی ہیں متکلم جس کو چاہے فاعل کے قائم مقام کرسکتا ہے۔

قوله فی الکلام ۔مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: ضرب یوم الجمعة امام الامیر ضرباً شیدیداً فی دارہ کی مثال میں ظرف زمان کو فاعل کے قائم مقام کیا گیا ہے باوجودیکہ مفعول بہ واقع نفس الامر میں موجود ہے۔ لہذا یہ کہنا صحیح نہ ہوا کہا گر مفعول بہ موجود ہو تو وہ فاعل کے قائم مقام ہونے کے لئے متعین ہے۔

جواب: وجد سے مراد وہ وجود فی نفس الامر نہیں بلکہ وجود فی الکلام ہے۔یعنی کلام میں جب مفعول بہ موجود ہو تب وہ متعین ہے اور مثال مذکور کے اندر مفعول بہ موجود نہیں اگر چہ واقع نفس الامر میں موجود ہوگا۔

قال الشارح مع غیرہ ۔سے مولانا جامیؒ ایک قید بیان کررہے ہیں تا کہ جزاء کا شرط پر ترتب ٹھیک ہوجائے یعنی جب تک مفعول بہ کے ساتھ غیر کا اعتبار نہ کیا جائے تو فتعین کہنا غلط بنتا ہے اس لئے کہ تعین اشتراک کا تقاضا کرتا ہے اس لئے مولانا جامیؒ نے غیر کی قید کو بیان کیا ہے من المفاعیل التی یہ غیرہ کا بیان ہے ای لوقوعه موقع الفاعل مرجع کا بیان ہے۔

قال الشارح لشدة شبهه بالفاعل ۔

سے مولانا جامیؒ دلیل تعین کو بیان کررہے ہیں برائے دفع دخل مقدر

سوال: مفعول بہ کی موجودگی میں اس کا قائم مقام ہونا کیوں متعین ہے جب کہ نفس مفعولیت میں تمام شریک ہیں۔

جواب: مفعول بہ کی فاعل کے ساتھ بنسبت دوسرے مفاعیل کے زیادہ مشابہت پائی جاتی ہے۔وجہ مشابہت یہ ہے کہ فعل متعدی کا تعقل اور تصور جس طرح فاعل پر موقوف ہوتا ہے ایسے ہی مفعول پر بھی موقوف ہوتا ہے۔مثلاً ضرب جس طرح اس کا تعلق بغیر فاعل ضارب کے ممکن نہیں

ایسے ہی اس ضرب کا فہم اور تعقل بغیر مضروب کے ممکن نہیں بخلاف تمام مفاعیل کے کہ ان پر فعل کا فہم اور تعقل اور تصور موقوف نہیں ہوتا بلکہ صرف وجود موقوف ہوتا ہے لہذا جب مفعول بہ کی فاعل کے ساتھ زیادہ مشابہت ہوئی تو مفعول بہ فعل کا ہم کفوء ہوا لہذا اسی کو فاعل کے قائم قام ہونے کے لئے متعین کیا گیا ہے بعنوان دیگر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ فعل متعدی کو وجود خارجی میں تمام معمولات کی طرف حاجت ہے لیکن وجود ذہنی میں فاعل اور مفعول بہ کی طرف حاجت اور اور وجود ترکیبی میں فقط فاعل کی طرف حاجت ہے لہذا فاعل کے بعد تمام معمولات میں سے فعل متعدی کو زیادہ احتیاجی مفعول بہٖ کی ہے اس لئے کہ فعل متعدی اپنے وجودین میں اس کا محتاج ہے بخلاف باقی معمولات کے ان کی طرف فعل فقط ایک وجود خارجی میں محتاج ہے۔

قال الشارح باقامة المفعول به ۔ انطباق المثال علی الممثل لہ کا بیان ہے کہ وہی زید مفعول مالم یسم فاعلہ جو فاعل کے قائم مقام ہے۔

قال الشارح ظرف زمان ترکیب کا بیان ہے۔ کہ یوم ظرف زمان ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اسی طرح ظرف مکان سے بھی ترکیب کا بیان ہے۔ کہ امام الامیر ظرف مکان ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

قال الشارح مفعول مطلق ۔ ترکیب کا بیان۔ ضرباً مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے شدیدا مفعول مطلق کی صفت ہونیکی بناء پر منصوب ہے اور مفعول مطلق یہاں اپنی صفت کے اعتبار بیان نوع کے لئے ہے۔

قال الشارح وفائدة وصف الضرب ۔

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: مفعول مطلق تو ضرباً ہے شدیدا کو کیوں ذکر کیا گیا ہے۔

جواب: اس بات پر تنبیہ کرنے کے لئے کہ مطلق مصدر فاعل کے قائم مقام ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اس لئے کہ مطلق مصدر پر تو فعل کی دلالت ہوتی ہے جس کو صراحۃً ذکر کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا البتہ مصدر مقید فاعل کے قائم مقام ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

فائدہ: مطلق زمان اور مطلق مکان فاعل کے قائم مقام ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتے کیونکہ

مطلق زمان اور مطلق مکان کے کرنے میں کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اور فاعل تو کلام میں محل فائدہ ہوتا ہے اسی وجہ سے صاحب کافیہؒ مثال میں زمان معین اور مکان معین کو ذکر کیا ہے ۔لیکن مولانا جامیؒ نے ماقبل میں تعیین کی قید کے فائدے کو مابعد پر اکتفاء کرتے ہوئے بیان نہیں کیا۔

قال الشارح **جار مجرور** ۔مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: فی داره ظرف مکان ہے حالانکہ ظرف مکان کی پہلے بھی مثال امام الامیر گذر چکی ہے تو تکرار لازم آیا جو کہ صحیح نہیں۔

جواب: کہ فی دار کا ذکر ظرف مکان ہونیکی وجہ سے نہیں بلکہ جار مجرور مفعول بہ بالواسطہ ہونے کی حیثیت سے ہے لہذا تکرار لازم نہیں آتا۔

قال الشارح **و ان لم یوجد** ۔مولانا جامیؒ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہاں لم یکن میں کان تامہ ہے جو خبر کا مقتضی نہیں ناقصہ نہیں۔ کہ لم یکن لم یوجد کے معنی میں ہے

قال الشارح **فی الکلام** سے لم یوجد کے صلے کو بیان کیا ہے۔ اس کا صلہ فی الکلام ہے

قال الشارح **المفعول به**

ضمیر کے مرجع کو بیان کیا ہے کہ اس کا مرجع مفعول بہ ہے۔

قال الشارح **فی جواز وقوعها** ۔سے مولانا جامیؒ نے سواء کے صلے کو بیان کیا ہے۔

قال الماتن **الاول من باب اعطیت** صاحب کافیہ کی عبارت کا حاصل یہ ہے کہ باب اعطیت کے مفعول اول فاعل کے قائم مقام کرنا اولی ہے۔ اگر چہ مفعول ثانی کو قائم مقام جائز ہے

قال الشارح **المفعول** ۔یہ موصوف محذوف نکالا ہے کہ لفظ اوّل صیغہ صفت کا ہے جو موصوف کا تقاضا کرتا ہے جس کے لئے المفعول موصوف محذوف ہے۔

قال الشارح **ای الفعل المتعدی** ۔مولانا جامیؒ باب اعطیت کے مصداق کو بیان کر رہے ہیں کہ باب اعطیت سے مراد ہر وہ فعل جو ایسے دو مفعولوں کی طرف متعدی ہو جن میں سے

دوسرا مفعول پہلے مفعول کے مغایر ہو۔

قال الشارح بان یقام ۔سے لفظ اولیٰ کے صلے کا بیان ہے۔کہ اس کا صلہ بان یقام ہے

قال الشارح المفعول ۔کہ لفظ الثانی کا موصوف المفعول محذوف ہے۔

قال الشارح لان فیہ معنی الفاعلیۃ ۔دلیل اولویت کا بیان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مفعول اول کو فاعل کے قائم مقام کرنا اس لیے اولی ہے کہ اِس میں فاعلیت کے معنی پائے جاتے ہیں بنسبت مفعول ثانی کے۔کیونکہ باب اعطیت کا مفعول اول آخذ اور مفعول ثانی

مأخوذ ہے۔جیسے اعطیت زیدًا درھمًا اس کو اعطی زیدٌ درھمًا کو کہنا اولی اگر چہ اعطی درھمٌ زیدًا کہنا بھی جائز ہے

لانہ عاط ای آخذ:سے مولانا جامیؒ اس بات کی طرف اشارہ کررہے ہیں کہ عاط از قبیل اضداد ہے جیسے دادن کے معن میں آتا ہے ایسے ہی گرفتن کے معنی میں بھی مستعمل ہے اور یہاں دوسرا معنی مراد ہے۔

قال الشارح وذالک عند الامن ۔

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال : ہم یہ تسلیم کرتے ہی نہیں کہ باب اعطیت کے پہلے مفعول کو فاعل کے قائم مقام بنانا اولیٰ ہے بلکہ واجب ہے جیسے اعطی زیدٌ عمرًا۔

جواب: مولانا جامیؒ نے جواب دیا کہ اولیٰ اسوقت ہوتا ہے کہ جب کہ التباس سے امن ہو ۔یعنی کوئی مانع نہ ہو اور یہاں پر مانع موجود ہے وہ التباس کا ہونا ہے۔لہذا اگر مانع موجود ہو پھر پہلے مفعول کو فاعل کے قائم مقام اولیٰ نہیں ہوگا بلکہ واجب ہوگا جیسے آپ کی پیش کردہ مثال میں۔

بحث مبتداء اور خبر

قال الماتن ومنھا المبتداء والخبر مرفوعات کے دوسرے قسم مفعول مالم یسم فاعلہ سے فراغت کے بعد صاحب کافیہؒ مرفوعات کی تیسری قسم مبتداء اور چوتھی قسم خبر کو

بیان کررہے ہیں اور یہ فرمایا مبتداء اور خبر جنس مرفوع سے نکلی ہوئی انواع ہیں

فائدہ یہ جملہ منها المبتداء و الخبر کا عطف ہے منه الفاعل پر۔ اس لیے کہ اس صورت میں مسند اور مسند الیہ میں مناسبت موجود ہے۔ اس طور پر کہ دونوں کا مسند الیہ انواع مرفوع سے ہے اور مسند میں متحد جو ثابت من المرفوع ہے۔ اگر جملہ مفعول ما لم یسم فاعله پر عطف ڈالا جائے تو مسند الیہ میں اگرچہ تناسب موجود ہے کہ وہ بھی انواع مرفوع سے ہے لیکن مسند میں مفقود ہے۔ کیونکہ اس کا مسند ثابت من المرفوع ہے وہ اس کا کل مفعول ہے اور یہ بھی یاد رکھیں کہ اس صورت میں کل مفعول جملہ معطوفین کے درمیان معترضہ ہوگا۔

قوله و فی بعض النسخ ۔ اختلاف للنسخ کا بیان ہے یعنی کافیہ کے نسخے مختلف ہیں بعض میں منها ہے بعض میں منه ہے۔

قال الشارح یعنی من جملة المرفوعات ۔ نسخہ اولیٰ کے مطابق حاصل معنی کا بیان اور مرجع کا بیان کہ اگر منها ہو تو ها ضمیر کا مرجع مرفوعات ہونگی۔ اب حاصل معنی یہ ہوگا جملہ مرفوعات میں سے مبتداء ہے اور اگر منه ہو تو اس کا مرجع المرفوع ہوگا۔ اس نسخہ ثانیہ کے مطابق حاصل معنی جملہ مرفوع میں سے مبتداء اور خبر ہے

قال الشارح جمعهما فی فصل ۔

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: مبتداء اور خبر دونوں کو ایک عنوان میں جمع کیوں کیا ہے جب کہ باقی مرفوعات کو علیحدہ علیحدہ بیان کیا ہے اس جمع کرنے کی علة اور وجہ اور حکمت کیا ہے۔

جواب: مولانا جامیؒ نے جواب دیا کہ اس کے دو وجہیں ہیں۔

پہلی وجہ : ۔ چونکہ مبتداء اور خبر میں اپنے اصل یعنی مبتداء کا مسند الیہ ہونا اور خبر کا مبتداء کی طرف مسند ہونا اس اعتبار سے تلازم ہے اس تلازم کی وجہ سے دونوں کو ایک عنوان میں جمع کر دیا۔

سوال: تقریب تام نہیں اس لئے کہ دعویٰ یہ ہے کہ احکام کے بیان میں کیوں جمع کیا ہے اور دلیل سے احکام کے اعتبار سے مبتداء اور خبر کے درمیان تلازم ثابت نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ تلازم مبتداء اور خبر کے احکام میں نہیں بلکہ افراد میں ہے حالانکہ افراد میں جمع کرنا مدعی نہیں۔

جواب: مولانا جامیؒ کی عبارت بینهما میں مضاف محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے فيين احكامهما لہذا تقریب تام ہو جائے گی۔

جواب ثانی: کہ تلازم فی الافراد مستلزم ہے تلازم فی الاحکام کو تو پھر تقریب تام ہو جائے گی۔

دوسری وجہ: کہ اس بات میں ان دونوں کا اشتراک ہے کہ دونوں کا عامل معنوی ابتداء ہے اور مرفوعات کی دیگر انواع میں اس قسم کا اشتراک اور ربط نہیں پایا جاتا تھا۔ اس لئے یہاں پر دونوں کو جمع کیا ہے۔ اور دیگر انواع میں سے ہر ایک نوع کے بیان کرنے کے لئے علیحدہ علیحدہ عنوان قائم کئے ہیں۔

قال الماتن فالمبتداء هو اسم المجرد

صاحب کافیہؒ مبتداء کی تعریف بیان کر رہے ہیں۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ مبتداء ایسے اسم حقیقی یا حکمی کو کہا جاتا ہے جو عامل لفظی سے خالی ہو کر کلام میں مسند الیہ بن رہا ہو جیسے زید قائم میں زید مسند الیہ مبتداء واقع ہے۔

قال الشارح لفظا او تقديرا ۔ تعمیم کا بیان برائے دفع دخل مقدر

سوال: ان تصوموا خير الكم کی ترکیب میں ان تصوموا مبتداء ہے لیکن یہ تعریف صادق نہیں آتی ۔اس لیے کہ یہ اسم نہیں۔

جواب: اسم سے مراد عام ہے خواہ وہ اسم لفظی ہو یا حکمی ہو اور ان تصوموا بتاویل مصدر اسم حکمی تقدیر عبارت یہ ہوگی۔ صيامكم خير لكم

قال الشارح ليتناول نحو ۔

تعمیم کی علۃ کا بیان کہ جار مجرور متعلق ہے انما عممنا کے ساتھ

ای الذی: ۔سے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ المجرد میں الف لام اسم موصول ہے۔

قال الشارح ولم يوجد ۔مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: المجرد تجرید سے ماخوذ ہے اور تجرید کا معنی ہے خالی کرنا۔ جو اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ پہلے عامل لفظی موجود ہو پھر اس سے خالی کیا گیا ہو۔ حالانکہ مبتداء کا عامل لفظی سرے سے ہوتا ہی نہیں لہذا المجرد کا لفظ یہاں ذکر کرنا درست نہیں۔

جواب: یہاں پرمجازاً المجرد بمعنی لم یوجد ہے یعنی مرادعدم الوجود ہےاور یہ ذکر الخاص ارادة لعام اورذکر الملزوم ارادة اللازم کےقبیل سے ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ مبتداء وہ ہےجس کاعامل لفظی نہ ہو۔

جواب ثانی: کہ کبھی کبھی امکان الوجود بمنزلۃ العموم کےہوتا ہے جیسے قرآن مجید میں امتنا اثنتین عدم اصل کواماتت قراردیا اوراسی طرح سبحان من صغر جسم البعوضة و کبر جسم الفیل - وضیق فم البیر

قال الشارح اصلاً ۔مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: العوامل جمع معرف باللام ہےاور جب جمع معرف باللام میں معہود کوئی فرد نہ ہوتو ایسی جمع معرف باللام برائے استغراق بمعنی کل فرد فرد کافائدہ دیتی ہے جوکہ ایجاب کل یعنی موجبہ کلیہ ہوتا ہےاور قاعدہ ہے کہ جب ایجاب کلی یعنی موجبہ کلیہ ہو پرنفی داخل ہو جائے۔تو ایجاب کلی کے رفع کافائدہ دیتی ہےاورایجاب کلی کارفع دوطریقے سے ہوتا ہے

(۱)۔سلب کلی یعنی سالبہ کلیہ کےضمن میں (۲)۔ایجاب جزئی یعنی موجبہ جزئیہ کےضمن میں ۔یہاں ایجاب کلی اگررفع ایجاب جزئی موجبہ جزئیہ کےضمن میں متحقق ہوتو اس صورت میں تعریف ایسےاسم پرصادق آئے گی جس پربعض عامل لفظی داخل ہو۔کیونکہ ایسےاسم پر یہ بات صادق آتی ہے یہ ایسا اسم ہے جو ہر ہر عامل لفظی سے خالی ہےتو لازم آیا کہ یہ تعریف دخول غیرسے مانع نہیں۔

سوال کی تقریرثانی: کہ جب جمع معرف باللام میں کوئی فرد معہود نہ ہوتو وہ جمع استغراق کل فرد فرد کافائدہ دیتی ہے جوکہ ایجاب کلی اور موجبہ کلیہ ہوتا ہےاورقاعدہ یہ ہے کہ جب ایجاب کلی پرنفی داخل ہوتو سلب عموم کافائدہ دیتی ہے حالانکہ سلب عموم کے مرد لینے میں تعریف دخول غیرسے مانع نہیں رہتی۔

جواب: کہ متن کی عبارت سے اگر یہ سلب عموم سمجھا جاتا ہے لیکن یہاں بقرینہ مقام عموم السلب مراد ہے۔

قال الشارح واحترز۔۔۔ المجرد کی قید کے فائدہ کابیان ہےجس کاحاصل یہ ہے کہ

الجر دکی قید لگانے وہ اسم نکل جائیں گے جن کا عامل لفظی ہے جیسے حروف مشبہ بالفعل اور افعال ناقصہ کا اسم۔

قال الشارح کانہ اراد ۔مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: یہ تعریف جامع نہیں اس لئے کہ یہ بحسبک درھم میں حسبک مبتداء ہے جس کا عامل لفظی سے خالی نہیں بلکہ اس کا عامل لفظی باء موجود ہے

جواب: عامل لفظی سے مراد یہ ہے کہ جو لفظوں میں بھی مؤثر ہو اور معنی میں بھی مؤثر ہو یعنی مبتداء کے لئے ایسے عامل لفظی سے خالی ہونا ضروری ہے جو لفظاً و معنیً موثر ہو ابحسبک میں اگرچہ عامل لفظی باء موجود ہے جو صرف لفظوں میں تو موثر ہے لیکن معنی کے اعتبار سے موثر نہیں۔لہذا یہ تعریف جامع ہو جائے گی۔

قال الشارح واحترز بہ عن الخبر ۔ سے مولانا جامی کی غرض مسند الیہ کی قید کے فائدے کو بیان کرنا ہے۔کہ یہ قید احترازی ہے جس سے خبر اور مبتداء کے قسم ثانی خارج ہو جائے گا کیونکہ وہ مسند الیہ نہیں ہوتے۔

متن ﴿الصفۃ الواقعۃ بعد حرف النفی او الف الاستفھام رافعۃ لظاھر﴾

صاحب کافیہؒ مبتداء کے قسم ثانی کو بیان کر رہے ہیں جس کی تعریف کا حاصل یہ ہے کہ وہ صیغہ صفت کا ہے جو حرف نفی یا الف استفہام کے بعد واقع ہو بشرطیکہ کہ اسم ظاہر کو رفع دینے والا ہو جیسے ما قائم الذیدان ۔اس میں قائم صیغہ صفت حرف نفی کے بعد ہے اور اسم ظاہر الذیدان کو رفع دینے والا ہے تو یہ قائم صیغہ صفت کا مبتداء ہے لیکن یہ مسند ہے اور الذیدان مسند الیہ اس کا فاعل ہے۔

قال الشارح سواء کانت ۔تعمیم کا بیان برائے دفع دخل مقدر

سوال: اقریشی انت میں قریشی مبتداء کا قسم ثانی ہے لیکن یہ تعریف صادق نہیں آتی اس لئے کہ مبتداء کے قسم ثانی کے لئے صیغہ صفت کا ہونا ضروری ہے جب کہ اقریشی صیغہ صفت کا نہیں۔

جواب: صیغہ صفت سے مراد عام ہے کہ خواہ وہ مشتق ہو یا مشتق کے حکم میں ہو لہذا قریشی اسم منسوب ہونے کی وجہ سے مشتق کے حکم میں ہے۔

قال الشارح **ونحوہ کھل** ۔مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: یہ تعریف جامع نہیں کہ یہ ھل جالس ابوك اورمتی ذاھب اخوك اس میں صیغہ صفت کا مبتداء واقع ہورہا ہے جو حرف استفہام کے بعد تو ہے لیکن الف استفہام کے بعد نہیں

جواب: مولانا جامیؒ نے جواب دیا یہاں معطوف بمع حرف عطف کے محذوف ہے جو ونحوہ ہے یعنی اس سے مراد صرف الف استفہام نہیں۔بلکہ اس کے مثل ھل ۔ما۔ من وغیرہ داخل ہیں

قال الشارح **وعن سیبویہ جواز الابتداء** ۔مولانا جامیؒ کی غرض صاحب کافیہؒ پر اعتراض کرنا ہے۔کہ سیبویہ اور اخفش کا مذہب یہ ہے کہ اگر صیغہ صفت حرف نفی اور حرف استفہام کے بعد واقع نہ ہو تو تب بھی مبتداء قسم ثانی بن سکتا ہے کہ حرف نفی یا استفہام کا ہونا ضروری نہیں ۔اے صاحب کافیہ آپ نے حرف نفی اور حرف استفہام کے بعد واقع ہونے کی شرط کیوں لگادی۔

البتہ سیبویہ اور اخفش کے درمیان قدرے فرق ہے سیبویہ کے نزدیک جواز مع القبح اور اخفش کے نزدیک جواز بدون القبح ہے۔اور اخفش نے جواز بلاقبح پر اس شعر مذکور سے استدلال کیا ہے فخیر نحن عندالناس منکم اس مصرعہ میں خیر صیغہ صفت مبتداء کا قسم ثانی اور نحن فاعل کے قائم مقام خبر کے ہے حالانکہ یہاں پر نہ حرف نفی ہے اور نہ حرف استفہام۔اگر جائز نہ ہوتا یا جواز مع القبح ہوا تو فصیح بلیغ شاعر اس کو اختیار نہ کرتا۔

قال الشارح **ولو جعل خبرا** ۔مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: کہ اخفش کا استدلال تام نہیں اس لئے کہ اس میں یہ ترکیب متعین نہیں۔بلکہ ایک اور ترکیب ہوسکتی ہے اگر خیر مقدم ہو اور نحن مبتداء مؤخر ہو۔

جواب: یہ مبتداء خبر والی ترکیب یہاں نہیں چل سکتی کیونکہ اگر خیر کو مقدم اور نحن کو مبتداء مؤخر کردیا جائے ت اس صورت میں خرابی لازم آئے گی کہ اسم تفصیل خیر جو کہ عامل ضعیف ہے اس کے درمیان اس کے معمول منکم کے درمیان نحن مبتداء کا فاصلہ کا لازم آئے گا۔جو کہ فاصلہ بالاجنبی ہے اور صحیح نہیں بخلاف ہماری بیان کردہ ترکیب کے کہ صیغہ صفرت کا مبتداء قسم ثانی بنایا جائے اور نحن اس کا فاعل بن جائے گا۔تو اس صورت میں اجنبی کا فاصلہ لازم نہیں

آتا اس لیے کہ یہ نحن فاعل ہونے کی بناء پر بمنزلہ جزء کے ہوگا۔ اور شئی کی جزء اجنبی نہیں ہوتی۔ لہذا اخفش صاحب کا استدلال صحیح اور تامہ ہوا۔

سوال کا حاصل: یہ ہوا کہ مبتداء کے قسم ثانی کے لئے نفی یا استفہام واقع ہونے کو ضروری قرر دیا۔ حالانکہ سیبویہ اور اخفش اس کو ضروری قرار نہیں دیتے تو صاحب کافیہ نے ان حضرات کی مخالفت کیوں کی ہے

بعنوان دیگر: کہ مولانا جامیؒ کا مقصد صاحب کافیہ کے طرف سے جواب دینا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ صاحب کافیہ نے سیبویہ کے مذہب ہی کو اختیار کیا ہے لیکن ان کے نزدیک بھی یہ قبیح تھا تو اس کو قبیح کو بمنزلہ حرام قرار دیکر نفی اور استفہام کے بعد واقع ہونے کو ضروری قرر دے دیا۔

قال الشارح او ما یجری مجراہ ۔تعمیم کا بیان برائے دفع دخل مقدر

سوال: آیت کریمہ میں اراغب انت عن الھتی یا ابراھیم میں راغب مبتداء کی قسم ثانی تو ہے لیکن آپ کی تعریف صادق نہیں آتی۔ اس لیے کہ آپ نے شرط لگائی کہ صیغہ صفت اسم ظاہر کے لئے رافع ہو اور یہ تو انت ضمیر منفصل کے لئے رافع ہے ۔

جواب: کہ اسم ظاھر میں تعمیم مراد ہے۔ خواہ وہ اسم ظاہر حقیقی ہو یا اسم ظاہر حکمی اور ضمیر منفصل اسم ظاہر حکمی ہے جس پر قرینہ ظاھرًا کا نکرہ لانا ہے تاکہ نکرہ عموم پر دلالت کے اور عموم تب ہوسکتا ہے جب اس سے دونوں مراد لئے جائیں۔ حاصل کلام یہ ہوا کہ صیغہ صفت ضمیر مستتر کے لئے رافع نہ ہو خواہ اسم ظاہر کے لئے رافع ہو یا ضمیر بارز کے لئے۔

قال الشارح واحترز بہ عن نحو اقائمان ۔ یہ رافعۃ لظاھرٍ کی قید کے فائدہ کا بیان ہے کہ اس سے اقائمان الزید ان خارج ہو جائیں گے اس لئے اقائمان صیغہ صفت ہے اور حرف استفھام کے بعد واقع ہے لیکن اسم ظاہر کے لئے رافع نہیں بلکہ ضمیر کے لئے رافع ہے حالانکہ مبتداء ہونے کے لئے اسم ظاہر کے لئے رافع کا ہونا ضروری ہے۔

قال الشارح ولو کان رافعا ۔مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: آپ کے پاس کیا قرنیہ ہے کہ اقائمان الزید ان اسم ظاہر کے رافع نہیں بلکہ ضمیر کے لئے رافع ہے۔

جواب: ہمارے پاس قرینہ اور دلیل یہ ہے کہ اگر صیغہ صفت اسم ظاہر کے لئے رافع ہوتا تو یہ مفرد ہوتا۔ اس کو تثنیہ لانا جائز نہ ہوتا۔ اس لئے قاعدہ ہے کہ جب فعل یا شبہ فعل کا فاعل اسم ظاہر ہو تو فعل اور شبہ فعل کو واحد لانا واجب ہوا کرتا ہے تو یہاں پر صیغہ صفت اور شبہ فعل کو تثنیہ لایا گیا ہے۔ جو دلیل ہے اس بات کی کہ یہ اسم ظاہر کے لئے رافع نہیں بلکہ ضمیر کے لئے رافع ہے۔

مثال للقسم:۔ تعین ممثل لہ کا بیان ہے کہ یہ زید قائم مبتداء کے قسم اوّل کی مثال ہے اس میں زید مبتداء ہے اور اقائمان لزیدان مثال للصفة الواقعه بعد حرف النفی تعیین ممثل لہ کا بیان ہے کہ اس مثال میں صیغہ صفت حرف نفی کے بعد واقع ہو کر مبتداء کا قسم ثانی واقع ہو رہا ہے اور مثال للصفة الواقعة بعد حرف الاستفهام اس میں بھی تعیین ممثل لہ کا بیان ہے کہ اس میں قائم صیغہ صفت حرف استفہام کے بعد واقع ہو کر مبتداء واقع ہو رہا ہے۔

قال الشارح **الصفة الواقعه** ۔ضمیر کے مرجع کا بیان ہے کہ مطابقت کی ضمیر کو مرجع وہ صفت ہے واقعہ حرف نفی اور استفام کے بعد مفرد سے پہلا اسم نکال کر موصوف بتا دیا کہ اس کا موصوف اسما محذوف ہے۔ مذکور ابعد ہا قید کا بیان کہ وہ صیغہ صفت اسم مفرد کے مطابق ہو ایسا اسم مفرد جو صیغہ صفت کے بعد مذکو ہو جیسے ما قائم زیدا قائم زید۔ واحترز سے مولانا جامیؒ مفردا کی قید کے فائدہ کا بیان کردا کہ ایسے حالت تثنیہ اور جمع میں جو مطابقت ہوگی صیغہ صفت کی اسم ظاہر کے ساتھ اس کو خارج کر دیا۔ کیونکہ یہ صیغہ صفت کے حالت تثنیہ اور جمع کی م
طابقت کی صوت میں خبر ہوتے ہیں مبتداء واقع نہیں ہوتے۔

قال المتن ﴿فان طابقت مفردا جاز الامران﴾ سے صاحب کافیہ ایک ضابطہ کو بیان کر رہے ہیں۔ کہ صیغہ صفت کا دو حال سے خالی نہیں۔ اسم ظاہر کے مطابق ہوگا یا نہیں اگر مطابق نہ ہو جیسے ما قائم الزیدان وا قائم الزیدون اور اگر مطابق ہو تو پھر دو حال سے خالی نہیں مفرد ہونے میں مطابقت ہوگی جیسے ا قائم زید یا تثنیہ اور جمع میں مطابقت ہوگی جیسے ما قائمان الزید ان
ما قائمون الزیدون تو کل یہ تین صورتیں ہوئی

پهلی صورت کا حکم یہ ہے کہ صیغہ صفت کا مبتداء کے قسم ثانی ہونا متعین ہے۔

دوسری صورت کا حکم اس صورت میں دونوں امر جائز ہیں یعنی صیغہ صفت کو مبتداء بنایا

جائے یا اسم ظاہر کو مبتداء بنا کر صیغہ صفت کو خبر بنایا جائے۔ البتہ مبتداء بنانے کی صورت میں اسم ظاہر کے لئے رافع ہونے کا لحاظ کیا جائے گا اور خبر بنانے میں اسم ضمیر کے لئے رافع ہونے کا لحاظ کیا جائے گا

تیسری صورت کا حکم اس صورت میں صیغہ کا خبر ہونا متعین ہے کیونکہ یہ رافع للضمیر ہے رافع للظاہر نہیں۔

مثال لقسم الاول۔ ممثل لہ کی تعیین کا بیان برائے دفع دخل مقدر کئی مرتبہ گذر چکا ہے۔

قال الشارح **الصفة الواقع** ۔ ضمیر کے مرجع کا بیان برائے دفع دخل مقدر

سوال: طابقت کی ضمیر کا مرجع الصفة ہے اور صفت میں دو احتمال ہیں۔(۱)۔ مطلق صفت قطع نظر کرتے ہوئے قیود مذکورہ سے (۲) صفت سے مراد صفت مذکور مع القیود کے ہو۔
اگر پہلا احتمال مراد ہو تو اقائمان الزیدان میں امرین کا جواز لازم آئے گا حالانکہ اقائمان الزیدان میں یہ بات متعین ہے کہ اقائمان صیغہ صفت خبر مقدم ہے اور الزیدان مبتداء مؤخر ہے اگر احتمال ثانی مراد ہو تو صیغہ صفت کے اسم ظاہر میں رافع ہونے کی حالت میں جواز امرین لازم آئے گا۔ حالانکہ اس صورت میں صیغہ صفت کا مبتداء کے قسم ثانی اور اسم ظاہر کا قائم مقام خبر ہونا متعین ہے۔ یہ دو احتمال تھے وہ دونوں باطل ہیں تیسرا احتمال ہے ہی نہیں۔

جواب: کہ ضمیر کا مرجع صفت مذکورہ مع بعض قیود ہے یعنی پہلی قید ملحوظ ہے۔ کہ ضمیر کا مرجع جو صفت ہے اس میں نفی اور استفہام کے بعد واقع ہونے والی قید معتبر ہے لہذا اقائمان الزیدان میں جواز امرین لازم نہیں آئے گا۔ لیکن دوسری قید یعنی اسم ظاہر میں رافع ہونے والی قید معتبر نہیں۔ لہذا صیغہ صفت کے اسم ظاہر میں رافع ہونے کی حالت میں امرین کا جواز بھی لازم نہیں آئے گا۔

قال الشارح **مذکورا بعد هما** ۔ مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

جواب: یہ ہے کہ اسم ظاہر سے وہ اسم ظاہر رادہ جو صفت مذکورہ کے بعد کلام میں واقع ہو۔

قال الشارح **واحترز به** ۔ سے مفردا کی قید کے فائدہ کا بیان ہے کہ اس سے اقائمان الزیدان اقائموان الزیدون خارج ہو جائینگے کیونکہ ان میں بھی اسم ظاہر اور صیغہ صفت کی

مطابقت ہےلیکن مفرد ہونے میں مطابقت نہیں بلکہ تثنیہ اور جمع ہونیکی حالت میں ہے۔

قال الشارح کون الصفۃ مبتداء ۔

الامران کے مصداق کابیان ہے۔کہ الامران کا مصداق دو چیزیں ہیں

(۱) صیغہ صفت کا مبتداء کی قسم ثانی اور مابعد فاعل قائم مقام خبر

(۲) صیغہ صفت کا خبر مقدم اور مابعد مبتداء مؤخر

قال الشارح فھھنا ثلث صور ۔مولانا جامیؒ کی غرض تتمہ کا بیان ہے۔جس کا حاصل یہ ہے کہ عقلی طور پر کل چار صورتیں بنتی ہیں

پہلی صورت: صیغہ صفت اسم ظاہر کے ساتھ مفرد ہونے میں مطابق ہو جیسے ا قائم زید

دوسری صورت: صیغہ صفت کا اسم ظاہر کے ساتھ غیر مفرد ہونے میں مطابق ہو جیسے اقائمان الزیدان اقائمون الزیدون۔

تیسری صورت: صیغہ صفت مفرد ہو اور اسم ظاہر تثنیہ اور جمع ہو جیسے اقائم الزیدان ما قائم الزیدون

چوتھی صورت: صیغہ صفت تثنیہ جمع ہو اور اسم ظاہر مفرد ہو یہ چوتھی صورت محض احتمال عقلی ہے مستعمل نہیں۔پہلی تین صورتیں مستعمل ہیں جس میں سے پہلی صورت کا حکم جواز الامرین ہے اور دوسری صورت کا حکم یہ ہے کہ صیغہ صفت کا خبر ہونا متعین ہے اور مابعد اسم ظاہر کا مبتداء مؤخر ہونا متعین ہے اور تیسری صورت کا حکم یہ ہے کہ صیغہ صفت کا مبتداء قسم ثانی ہونا متعین ہے اور اسم ظاہر کا فاعل قائم مقام خبر متعین ہے۔مولانا جامیؒ نے تین صورتیں جو مستعمل تھیں ان کی مثال بیان کی ہے اور چوتھی صورت چونکہ محض احتمال عقلی تھا اس لئے اس کی مثال بیان نہیں کی

﴿بحث خبر﴾

قال الماتن و الخبر المجرد مسند بہ صاحب کافیہ خبر کی تعریف بیان کرر ہے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ خبر ایسے اسم حقیقی یا حکمی کا نام جو عامل لفظی سے خالی ہو کر مسند بہ ہو اور

صفت مذکورہ کے مغایر ہوجیسے زید قائم میں قائم خبر ہے۔

قال الشارح **ای ھو الاسم المجرد** ۔مولانا جامیؒ نے دو باتوں وبیان کیا۔

(۱)۔ المجرد صیغہ صفت کے لئے موصوف کو بیان کیا ہے برائے دفع دخل مقدر

(۲)۔ المجرد کا صلہ بیان کیا برائے دفع دخل مقدر

سوال: خبر کی تعریف مذکور جو متن سے سمجھی جاتی ہے وہ یضرب زید میں یضرب پر صادق آتی ہے کیونکہ یضرب عامل لفظی سے مجرد ہے اور مسند بھی ہے اور صفت مذکور کے مغایر بھی ہے

جواب المجرد سے مراد اسم مجرد ہے کیونکہ کلام اسماء مرفوعہ میں چل رہی ہے لہذا یہ تعریف دخول غیر سے مانع ہوئی۔عن العوامل اللفظیۃ سے المجرد کے صلہ کا بیان ہے

قال الشارح **ای مایوقع بہ الاسناد** ۔مولانا جامیؒ صاحب کافیہؒ کی کلام المسند بہ کی تین توجیہات بیان کی ہیں۔

پہلی توجیہ کی تقریر اول: اس توجیہ کی مختلف تقریر کی گئی ہے جن میں سے بعض کو یہاں بیان کیا جائے گا۔مولانا جامیؒ کی غرض اس عبارت سے متعلق کا بیان ہے برائے دفع دخل مقدر۔

سوال:بہ جار مجرور متعلق کا تقاضا کرتا ہے حالانکہ المسند متعلق بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا کیونکہ قاعدہ ہے جب کسی لفظ کو لغوی معنی سے اصطلاحی معنی کی طرف نقل کیا جائے تو وہ اسم جامد کے حکم میں ہوجاتا ہے اور اسم جامد متعلق بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا لہذا المسند جار مجرور کا متعلق نہیں بن سکتا لہذا اس کا متعلق کیا ہوگا۔

جواب: مولانا جامیؒ نے جواب دیا کہ جار مجرور کا متعلق یوقع فعل ہے۔اس لئے کہ تمام افعال اور مشتقات کی وقوع پر دلالت ہوتی ہے۔اب حاصل معنی ہوگا خبر ایسے اسم کا نام ہے جو عامل لفظی سے خالی ہو اور اس کے سبب اسناد کو واقع کیا جائے۔

فائدہ: اس پر سوال ہوگا کہ سبب اسناد جس طرح خبر میں ہوتی ہے ایسے ہی مبتداء بھی اسناد کا سبب ہوا کرتا ہے۔لھذا یہ کہنا کہ اسناد کا سبب خبر ہوتی ہے یہ صحیح نہ ہوا۔

جواب اول: کلام کے اندر مقصود خبر ہے اس لئے افائدہ خبر میں خبر ہی ہوا کرتا ہے نہ کہ مبتداء تو

گویا کہ اسناد کا سبب خبر ہے کہ مبتداء

جواب ثانی : ہم تسلیم کرتے ہیں کہ مبتداء بھی اسناد کا سبب ہے لیکن مبتداء کا اسناد کا سبب بننا سبب بعید ہے جب کہ خبر کا اسناد کے لئے سبب ہونا قریب ہے اور قاعدہ المطلق اذا اطلق یراد بہ الفرد الکامل اور سبب کامل سبب قریب ہوتا جو خبر ہے۔

تقریر ثانی: مولانا جامیؒ سوال مقدر کا جواب دے رہے ہیں۔

سوال : المسند اسناد سے ماخوذ ہے اور اسناد نام ہے نسبت کا اور نسبت تو امر اعتباری ہے جو سبب اور علۃ کا تقاضا نہیں کرتا تو المسند کے بعد بہ میں باء کے ذریعہ سبب اور علۃ کا بیان کرنا لغو اور مستدرک ہوگا۔

جواب مولانا جامیؒ نے جواب دیا کہ یہاں نسبت وقوع کے معنی میں ہے اور وقوع ایک امر واقعی ہے جو سبب اور علۃ کا تقاضا کرتا ہے لہذا بہ میں جو باء ہے اس باء کے ذریعہ سبب کا بیان صحیح ہوا۔

تقریر ثالث: مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال : المسند ماخوذ ہے اسناد سے اور اسناد متعدی بنفسہ ہوتا ہے لہذا المسند کے بعد بہ میں باء کا تعدیت ذکر کرنا صحیح نہیں ہے۔

جواب مولانا جامیؒ نے جواب دیا کہ المسند وقوع کے معنی کو متضمن ہے اور وقوع لازمی ہے جو متعدی بحرف ہوتا ہے لہذا بصلہ باء تعدیۃ کا ذکر بطور صفت تضمن کے ہے۔

بھر تقدیر اس توجیہ اوّل کی بناء پر جو تقریر بھی کی جائے ۔اس المسند بہ کی قید کا فائدہ یہ ہوگا کہ اس سے مبتداء کی قسم اوّل خبر کی تعریف سے نکل جاتی ہے۔البتہ مبتداء کا قسم ثانی خارج نہیں ہوتا جس کو خارج کرنے کے لئے المغایر للصفۃ کی قید لگا کر خارج کیا۔لھذا خبر کی تعریف میں المجرد بمنزل جنس کے ہے اور المسند بہ فصل اوّل ہے اور المغایر للصفۃ فصل ثانی ہے۔

قال الشارح **ولک ان تقول** ۔سے مولانا جامیؒ المسند بہ کی **توجیہ ثانی** کو بیان کیا جس کا حاصل یہ ہے کہ المسند کے بعد الی المبتداء کا صلہ مقدر ہے جس پر قرینہ مبتداء اور خبر کے درمیان تلازم کا ہونا ہے۔حاصل معنی یہ ہوگا کہ جس کے ذریعہ اور سبب سے

مبتداء کی طرف اسناد کیا گیا ہو۔

قال الشارح **او تجعل الباء** ۔ سے مولانا جامی **توجیه ثالث** کو بیان کررہے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ المسند بہ میں بہ کے اندر حرف باء کو الی کے معنی میں کردیا جائے اور ہ ضمیر راجع ہو مبتداء کی طرف۔ اب حاصل معنی یہ ہوگا کہ خبر ایسے اسم کا نام ہے جو عامل لفظی سے خالی ہو کر مبتداء کی طرف مسند ہو۔ لیکن صاحب کافیہؒ نے المسند الیہ کے کہنے کے بجائے المسندبہ کہا

تاکہ اس کا اُس مسند الیہ کے ساتھ اشتباہ پیدا نہ ہوجائے جو مبتداء کی تعریف میں مذکور ہے۔ اس اشتباہ سے بچنے کے لئے المسند الیہ کی بجائے المسند بہ کہا۔

قال الشارح **وعلی التقدیرین** ۔ سے مولانا جامیؒ نے توجیہ ثالث اور ثانی کے مطابق االمسندبہ کی قید کے فائدہ کو بیان کررہے ہیں۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ ان دونوں توجیہوں کی بناء پر المسندبہ کی قید سے جس طرح مبتداء کا قسم اوّل خبر کی تعریف سے خارج ہو جاتا ہے ایسے ہی مبتداء کے قسم ثانی بھی اسی المسند بہ کی قید سے خارج ہوجاتی ہے اور المغایر للصفۃ ان دو توجیہوں کے مطابق قید احترازی نہیں ہوگی بلکہ تاکید واقع ہوگی۔

قال الشارح **واعلم** ۔ مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: مبتداء اور خبر کی تعریف میں المجرد کی قید لگائی کہ یہ دونوں عامل لفظی سے خالی ہوتے ہیں حالانکہ علماء نحو کا مذہب کہ مبتداء میں عامل خبر ہے اور خبر میں عامل مبتداء ہوتا ہے تو ہر ایک کے لئے عامل لفظی موجود ہوا لہذا مبتداء خبر کی تعریف میں المجرد کی قید کا ذکر کرنا صحیح نہ ہوا۔

جواب: اس مسئلہ میں نحاۃ کا اختلاف ہے کہ مبتداء اور خبر میں عامل کیا چیز ہے جس میں مشہور تین مذہب ہیں

(۱)۔ **بصریین کا مذهب**: کہ مبتداء اور خبر دونوں کا عامل ابتداء ہے جو کہ عامل معنوی ہے لفظی نہیں

(۲)۔ **مذهب علامه زمحشری**: اور اس کے متبعین کا کہ مبتداء میں عامل تو ابتداء ہی ہے لیکن خبر میں عامل مبتداء ہے یعنی مبتداء کا عامل معنوی ہوا اور خبر کا عامل لفظی ہوا

(۳)۔ **مذھب بعض نحاۃ:** کہ مبتداء اور خبر میں سے ہرایک دوسرے میں عامل ہے یعنی ہر ایک کا عامل لفظی ہوا۔ کہ مبتداء کا عامل خبر اور خبر کا عامل مبتداء ہوا۔

لیکن صاحب کافیہؒ نے ان مذاہب ثلاثہ میں بصریین کے مذہب کو اختیار کیا ہے اور بصریین کے نزدیک دونوں عامل لفظی سے مجرد اور خالی ہوتے ہیں۔ لھذا مبتداء اور خبر دونوں کی تعریف المجرد کی قید کو ذکر کرنا صحیح ہوا۔

قال الماتن واصل المبتداء التقدیم صاحب کافیہؒ مبتداء اور خبر کی تعریف سے فارغ ہوئے تو مبتداء اور خبر کے احکام شروع فرمارہے ہیں۔

پھلا حکم: مبتداء کا پہلا حکم یہ ہے کہ مبتداء کے اندر اصل یعنی اولیٰ اور راجح یہ ہے کہ لفظوں میں مبتداء خبر پر مقدم ہو۔

قال الشارح ای ما ینبغی ۔مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: کہ لفظ اصل کے کئی معنی آتے ہیں (۱)۔ مایبتنیٰ علیه غیره (۲)۔ قاعده کلیه (۳)۔ دلیل۔ یہاں کونسا معنی مراد ہے۔

جواب: یہاں پر ان معانی ثلاثہ کے علاوہ ایک معنی اولیٰ اور راجح والامرد ہے جیسے کہا جاتا ہے الاصل فی الکلام الحقیقة دون المجاز یہاں بھی اصل بمعنی راجح ہونے کے ہے۔

قال الشارح اذا لم یمنع مانع ۔

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: فی الدار رجل میں مبتداء کو خبر پر مقدم کرنا جائز ہی نہیں چہ جائے کہ خبر پر مقدم کرنا اولیٰ اور راجح ہو۔

جواب: یہ حکم مذکور انتفاء مانع کی شرط کے ساتھ مشروط ہے اور آپ کی پیش کردہ مثال میں مانع موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر فی الدار رجل میں مبتداء رجل مقدم کیا جائے تو نکرہ محضہ کا مبتداء ہونا لازم آئے گا جو کہ جائز نہیں اسی وجہ سے مبتداء کو مؤخر کرنا اور خبر کو مقدم کرنا واجب ہے۔ **علی الخبر:** یہ مولانا جامیؒ نے تقدیم کے صلہ بیان کر دیا اور

قال الشارح لفظا: مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال سوال مبتداء کا خبر پر مقدم واضح تھا۔ اس لیے کہ مبتداء ذات ہے اور خبر اس کے احوال میں سے ایک حال ہے اور ذات مقدم ہوتی ہے لھذا اس کو بیان کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

جواب ہے یھاں تقدیم سے مراد تقدیم فی الذکر ہے۔ نہ کہ تقدیم فی المرتبہ

قال الشارح **لان المبتداء** سے اس حکم کی دلیل کا بیان کہ مبتداء کو مقدم کرنا اولیٰ اور راجح کیوں ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ مبتداء دال برذات ہے اور خبر دال برصفت ہے اور قاعدہ ہے ذات مقدم ہوتی ہے اور صفت مؤخر ہوتی ہے۔ تو دال علی الذات یعنی مبتداء کو بھی مقدم ہونا چاہئے دال علی الصفت یعنی خبر پر۔

سوال: یہ دلیل تقدیم بعینہ فاعل اور فعل میں بھی جاری ہوتی ہے کہ قام زید میں کہ فعل قام دال پر وصف ہے اور لفظ زید یہ دال پر ذات ہے۔ تو یہاں پر بھی زید کو قام پر مقدم کرنا اولیٰ احد راجح ہونا چاہئے حالانکہ فاعل کو فعل پر مقدم کرنا جائز ہی نہیں۔

جواب: دال برذات کا دال بروصف پر مقدم ہونا تب ہوگا جب مانع موجود نہ ہو اور فاعل کو فعل پر مقدم کرنے سے مانع موجود ہے۔ وہ یہ ہے کہ فعل عامل ہوتا ہے اور فاعل معمول ہوتا ہے اور اولیٰ اور راجح یہ ہے کہ فعل عامل کو مقدم ہونا چاہئے معمول پر

نیز: فاعل کو اگر فعل پر مقدم کیا جائے تو ایک مانع بھی موجود ہے وہ التباس ہے کہ فاعل کا مبتداء کے ساتھ التباس لازم آئے گا۔

قال الماتن **و من ثم جاز فی دارہ زید و امتنع صاحبھا فی الدار**

اس حکم مذکور پر تفریع کا بیان ہے کہ فی دارہ زید جائز ہے کیونکہ اس میں اگرچہ اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے لیکن لفظا لازم آتا ہے اور رتبۃً نہیں اور صاحبھا فی الدار یہ ممتنع اور ناجائز ہے اس لئے اس میں اضمار قبل الذکر لفظا بھی آتا ہے اور رتبۃً بھی جو کہ جائز نہیں۔

قال الشارح **قولھم** ۔ مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: جاز فعل ہے جو فاعل کا تقاضا کرتا ہے جبکہ فی دارہ زید جملہ ہے جو فاعل بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا تو اس کا فاعل کیسے بن سکتا ہے۔

جواب: فی دارہ زید قول کی تاویل میں ہوکر جاز کا فاعل ہے اور قول من حیث القول مفرد

ہے جس میں فاعل ہونے کی صلاحیت موجود ہے۔

قال الشارح مع کون الضمیر ۔مولانا جامیؒ علۃ جواز بیان کررہے ہیں کہ فی دارہ زید یہ مثال کیوں جائز ہے۔اس لیے کہ فی دارہ میں (ہ) ضمیر راجع ہے زید کی طرف تو اضمار قبل الذکر لفظاً لازم آیا لیکن رتبۃً نہیں۔کیونکہ زید کا مرتبہ مبتداء ہونے کی وجہ سے خبر سے مقدم ہے لھذا یہ مثال جائز ہوگی۔

قال الشارح لعود الضمیر الی الدار ۔مثال ثانی کی عدم جواز کی علۃ کا بیان کہ صاحبھا مبتداء کے ساتھ ضمیر ہے جو لوٹ رہی ہے خبر کی طرف اور خبر کا درجہ بھی چونکہ مؤخر ہونے کا ہے تو اضمار قبل الذکر لفظاً اور رتبۃً لازم آئے گا جو کہ جائز نہیں۔

قال المتن و قد یکون المبتداء نکرۃ سے صاحب کافیہؒ مبتداء کے حکم ثانی کو بیان کیا **حکم ثانی:** جس کا حاصل یہ ہے کہ مبتداء میں اصل یعنی اولیٰ اور راجح معرفہ ہونا ہے لیکن کبھی کبھی نکرہ بھی ہوتا ہے۔بشرطیکہ وجوہ تخصیص میں سے کسی وجہ تخصیص کے ساتھ مخصصہ ہو

وجوہ تخصیص چھ ھیں۔

(۱) صفت ملفوظ کے ساتھ تخصیص پیدا ہا جیسے ولعبد مومن خیر من مشرك

(۲) صفت معلومیت کی وجہ سے جیسے ارجل فی الداء ام امرأۃ

(۳) صفت عموم کی وجہ سے جیسے ما احد خیر منك

(۴) طریقہ تخصیص فاعل کی بناء پر ہو یا صفت مقدرہ کی بناء پر شر اھرذاناب

(۵) خبر ظرف کی تقدیم کی وجہ سے یا بعنوان دیگر صفت حکمیہ کی وجہ سے جیسے فی الدار رجل

(۶) فعل مقدر کے فاعل کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے جیسے سلام علیك۔

کلام مذکورہ سے چھ وجوہ تخصیص کی طرف اشارہ کردیا۔

قال الشارح و ان کان الاصل ۔سے مولانا جامیؒ نے لفظ قد کے طرف اشارہ کردیا کہ یہ قلیل ہے۔معنی یہ ہوا کہ مبتداء کا نکرہ ہونا قلیل ہے جس سے معلوم ہوا کہ معرفہ ہونا کثیر ہے اور جو چیز کثیر ہے وہ اصل ہوتی ہے۔

قال الشارح و ان یکون المبتداء ۔اس حکم کی دلیل کا بیان کہ مبتداء کا معرفہ ہونا

اصل کیوں ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ فصحاء بلغاء کے کلام م یں مطلوب عام اور کثیر الوقوع امور معین پر حکم لگانا ہے اور مبتداء پر بھی حکم لگایا جاتا ہے لہذا ابتداء بھی امر معین ہونا چاہئے۔ اور امر معین تب ہوگا جب معرفہ ہو۔ اس لئے مبتداء کا اصل معرفہ ہونا ہے۔ مولانا جامیؒ نے

تلک النکرة : مولانا جامیؒ نے ضمیر کے مرجع کا بیان کردیا کہ تخصصت کی ضمیر کا مرجع نکرہ ہے

من وجوه التخصیص : سے اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ بوجه ما میں جوما ہے یہ ما موصوفہ ہے اور اس عموم کی تاکید ہے جو وجه سے سمجھا جاتا ہے۔

قال الشارح اذ بالتخصیص ۔ مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: وجوہ تخصیص کے ساتھ نکرہ محضہ نکرہ ہی تو رہے گا تخصیص کی وجہ سے معرفہ تو نہیں ہو سکتا۔ تو مبتداء بنانا کیسے صحیح ہوا یعنی نکرہ کے لئے مخصصہ ہونے کی شرط کیوں لگائی ہے۔

جواب: کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ نکرہ مخصصہ معرفہ نہیں بن جائے گا لیکن نکرہ مخصصہ بھی تو نہیں رہے گا۔ بلکہ معرفہ کے قریب ہو جائے گا اور قریب الشئی کو شئی کا حکم دیا جاتا ہے۔ اس لئے نکرہ کے لئے تخصیص کی شرط لگائی تاکہ معرفہ کے قریب ہو جائے اور اس کا مبتداء بننا صحیح ہو جائے۔

قال الشارح قوله تعالی ۔ مولانا جامیؒ نے لفظ قوله سے سوال مقدر کا جواب دیا۔

سوال: لفظ مثل مضاف ہے اور ولعبد مومن مضاف الیہ ہے حالانکہ مضاف الیہ مفرد ہوا کرتا ہے۔

جواب: ولعبد مومن یہ جملہ قول کی تاویل می ہو کر مضاف الیہ بن رہا ہے اور جملہ تعالی معترضہ ہے۔ جو علوشان قائل کے لئے ہے۔

قال الشارح فان العبد ۔ سے انطباق المثال علی الممثل کی علة کا بیان کا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے ولعبد مومن خیر من مشرك میں عبد نکرہ ہے جو کہ مومن ورکافر دونوں کو شامل ہے اور مومن صفت کی وجہ سے تخصیص پیدا ہو گی کہ اشتراک کم ہو گیا ار یہ مومن عبد کو شامل ہے عبد کافر کو شامل نہیں۔ تو اس قلة اشتراک کی وجہ سے نکرہ مبتداء بننا درست ہے۔

قال الشارح فان المتکلم بهذا الکلام ۔ اس عبارت میں بھی انطباق المثال علی الممثل کی علت کا بیان ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ اس کلام ارجل فی الداء ام امرأةٌ کا متکلم اور متلفظ اس بات کو بخوبی جانتا ہے کہ رجل اور امراة میں سے کوئی ایک دار میں موجود

ہے مگر اس بات کا علم نہیں کہ وہ جنس رجال میں سے ہیں یا جنس نساء میں سے ہے۔ تو وہ تعیین کا سوال کرتا ہے۔ جس پر قرینہ ھمزہ استفہام کا ام متصلہ کے ساتھ استعمال کرنا ہے اور یہ وہاں ہوتا ہے جہاں متکلم احدالامرین کو جانتا ہے لیکن تعیین پر قادر نہ ہو تو متکلم جانتا ہے کہ گھر میں مرد یا عورت میں سے ایک موجود ہے لیکن مخاطب سے تعیین کا سوال کرر ہا ہے۔ گویا متکلم نے یوں کہا کہ مرد و عورت میں سے ایک کا ہونا مجھے معلوم ہے تو اس صفت معلومیت کی وجہ سے رجل میں تخصیص پیدا ہوگی جس کی وجہ سے رجل کا مبتداء بننا صحیح ہو گیا۔

قال الشارح **و مثل قولک** ۔حاصل عطف کا بیان ہے۔ما احد خیر منك معطوف ہے ارجل فی الدار پر

قال الشارح **فان النکرۃ** ۔سے انطباق المثال علی الممثل کی علت کا بیان ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ اس مثال ما احد خیر منك میں احد نکرہ مخصصہ مبتداء واقع ہے جس میں صفت عموم کی وجہ سے تخصیص حاصل ہوگئی اس لیے کہ نکرہ تحت النفی واقع ہے اور قاعدہ ہے کہ نکرہ تحت النفی واقع ہو تو عموم افراد اور شمول افراد کے لئے آیا کرتا ہے تو اس عموم و شمول کی وجہ سے نکرہ میں تخصیص اور تعیین پیدا ہوگئی۔اس لئے کہ عموم سے احد کے ہر ہر فرد کا محکوم علیہ بننا متعین ہو گیا ۔اگر عموم و شمول والا معنی نہ ہوتا تو احد کے بعض افراد محکوم علیہ ہوتے اور بعض نہ ہوتے۔

قال الشارح **فانہ لا تعدد** ۔سے مولانا جامیؒ سوال مقدر کا جواب دے رہے ہیں۔

سوال: عموم اور شمول اور تعیین اور تخصیص کے درمیان تو منافات ہے اس لئے کہ عموم و شمول تعدد کا تقاضا کرتا ہے تعین اور تخصیص عدم تعین اور عدم تعدد یعنی وحدت کا تقاضا کرتے ہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ تعدد اور وحدت میں منافات ہے تو دونوں کا اجتماع یہ تو اجتماع الضدین ہے جو کہ جائز نہیں۔

جواب: کہ عموم حقیقی اور تعیین اعتباری ہے لہذا تعدد حقیقی اور وحدت اعتباری ہوئی اور یہ بات ظاہر ہے کہ تعدد حقیقی اور وحدت اعتباری میں کوئی منافات نہیں۔

قال الشارح **و کذا کل نکرہ** ۔مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: یہ قاعدہ منقوض ہے تمرۃ خیر من جرادۃ کی ترکیب میں تمرۃ نکرہ محضہ مبتداء بن رہا ہے اس لئے کہ کہ نکرہ اثبات میں ہے تحت النفی واقع نہیں۔ جس سے تخصیص پیدا نہ ہوئی۔

جواب: تخصیص کا دارومدار نکرہ کے تحت النفی واقع ہونے پر نہیں بلکہ عموم کے معنی کے مقصود ہونے پر ہے۔ اگر مقام اثبات میں نکرہ سے عموم مقصود ہو تو عموم کی وجہ سے تخصیص پیدا ہو جائی گی اور آپ کی پیش کردہ مثال میں بھی عموم مقصود ہے اس لیے کہ مقصود جنسیت تمر کی فضیلیت جنس جرادۃ پر بیان کرنا ہے۔ تمر کے افراد کی فضیلیت جرادۃ کے افراد پر بیان کرنا مقصود نہیں۔

ومثل قولھم: سے حاصل عطف بیان کیا ہے اور قولھم سے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ مثال محاورہ عرب سے ماخوذ ہے بخلاف دوسری مثال کے۔

قال الشارح لتخصصه ما يتخصص ۔ سے مثال کا ممثل لہ پر انطباق کے لئے علۃ کا بیان جس کا حاصل یہ ہے شر اھر ذاناب میں کہ شر کے لفظ میں تخصیص کا طریقہ تخصیص فاعل کی طرح ہے جس طریقے سے فاعل میں تخصیص پیدا ہوئی ہے اسی طریقہ کے ساتھ لفظ شر میں تخصیص پیدا ہوئی ہے۔

قال الشارح لشبهه به ۔ مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: اس میں لفظ شر فاعل نہیں تو اس میں تخصیص تخصیص بطریق فاعل کیسے پیدا ہوگئی ہے۔

جواب: یہ تسلیم کرتے ہیں کہ شر فاعل نہیں لیکن فاعل کے مشابہ ضرور ہے ور جو حکم مشبہ بہ کا ہوتا ہے وہی مشبہ کا بھی ہوا کرتا ہے لہذا جس طریقہ سے فاعل مشبہ بہ میں تخصیص پیدا ہوگی۔ اسی وجہ سے اس مشبہ شر میں تخصیص پیدا ہوگی۔

قال الشارح اذ يستعمل ۔ مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: وجہ تشبیہ کیا ہے۔

جواب: وجہ مشابہت کہ شر اھر ذاناب کو مقام حصر میں ما اھر ذاناب الا شر کی جگہ استعمال کیا جاتا ہے جس طرح وہ مفید حصر اسی طرح یہ شر اھر ذاناب حصر کے لئے مفید ہے اور یہ حصر کے لئے مفید تب ہو سکتا ہے جب وہ یہ کہا جائیگہ شر اھر ذاناب اصل میں تھا اھر ذاناب شر اس اھر میں ضمیر فاعل مستتر ہے اور یہ شر اس سے بدل ہے اور قاعدہ ہے کہ فاعل سے بدل بھی فاعل حکمی

ہوتا ہے لہذا لفظ شـــــر فاعل حکمی ہونے کی وجہ سے فاعل کے مشابہ ہوا۔ تو اس میں تخصیص تخصیص بطریق فاعل پیدا ہو جائے گی پھر تقدیم ما حقه التاخیر یفید الحصر کے قاعدہ کے تحت اس کو مقدم کرنے سے حصر والا معنی حاصل ہوا شر اهر ذاناب ہو گیا۔

قال الشارح **و ما یختص** ۔مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: یہ بات تو معلوم ہے کہ شر اهر ذاناب میں لفظ شر میں تخصیص تخصیص بطریق فاعل پیدا ہوئی لیکن ابھی تک معلوم ہی نہیں ہوا کہ تخصیص فاعل کا طریقہ کیا ہے۔

جواب: حکم متقدم ہونے کی وجہ سے یعنی فاعل کے مذکور ہونے سے پہلے اس میں تخصیص پیدا ہو جاتی ہے جیسا کہ جب قام کہا جائے تو اس سے یہ بات معلوم ہو جائے گی اس کے بعد ایک ایسی چیز کو ذکر کیا جائے گا جس میں قیام کے ساتھ موصوف بننے کی اور قیام والے حکم کے لئے محکوم علیہ بننے کی صلاحیت ہوگی۔ جب اس کے بعد رجل کو ذکر کیا جائے گا تو وہ رجل مطلق رجل نہیں ہوگا بلکہ صفت قیام کے ساتھ متصف ہوگا ہے ۔

بالکل ایسے ہی جب اهر ذاناب کہا جائے گا تو مخاطب کو یہ معلوم ہو گیا کہ اس کے بعد ایسی چیز کو ذکر کیا جائے گا جس میں وصف اهرار کے متصف ہونے کی صلاحیت ہوگی۔ تو جب شر کے لفظ کو اس کے بعد ذکر کیا گیا تو یہ مطلق شر نہیں رہے گا بلکہ وہ شر ہوگا جو وصف اهرار کے ساتھ متصف ہو۔ل پھر تقدیم ما حقه التاخیر یفید الحصر کے وجہ سے اس کو مقدم کر دیا تو شر اهر ذاناب ہو گیا۔

قال الشارح **و اعلم** ۔سے لیکر متن تک چار حصے ہیں۔ واعلم سے لے فعلیٰ الاول تک سوال کے لیے تمہید کا بیان ہے پھر فعلیٰ الاول سے فیقدر تک خلاصہ سوال کا بیان ہے فیقدر سے لیکر وھذا مثل تک جواب کا بیان ہے وھذا مثل سے لے کر متن تک شان ورود کا بیان ہے۔

سوال: نباح کلب دو قسم پر ہے (۱) معتاد (۲) غیر معتاد۔

نباح معتاد کی دو صورتیں ہیں۔ کبھی وہ خیر ہوتا ہے جیسے صاحب خانہ کے اجنبی دوست کی آمد پر کتے بھونکتے ہیں اور کبھی وہ شر ہوتا ہے جیسے دشمن کے آنے کی وجہ سے کتے کا بھونکنا۔

اور نباح غیر معتاد سے بدفالی لی جاتی ہے اور یہ ہمیشہ شر ہی شر ہوتا ہے۔اب سوال کا حاصل یہ ہوگا اگر نباح معتاد ہوتو خیر کے اعتبار سے حصر صحیح ہو جائے گا۔جس کا معنی یہ ہوگا شر لاخیر اھرذاناب ۔لیکن اگر نباح غیر معتاد ہوتو پھر حصر صحیح نہ ہوگا۔اس لیے کہ نباح غیر معتاد میں ہمیشہ شر ہی شر ہوتا ہے

جواب:اگر نباح غیر معتاد مراد ہوتو پھر تخصیص اور حصر شر کی صفت مقدرہ کی وجہ سے۔

اب تقدیر عبارت یہ ہوگی شر عظیم لاحقیر اھرذاناب

قال الشارح لتخصصه ۔سے مثال کا ممثل کہ انطباق کے لئے علۃ کا بیان ہے۔جس کا حاصل یہ ہے کہ فی الدار رجل میں رجل کے اندر خبر کے مقدم ہونے کی وجہ سے تخصیص پیدا ہوئی ہے بایں طور کہ جب فی الدار کہا گیا تو اس سے یہ معلوم ہوگئی کہ بعد میں اسی چیز کا ذکر کیا جائے گا نیز جس میں استقرار فی الدار والی صفت کے ساتھ اور استقرار فی الدار والے حکم کے لئے محکوم علیہ بننے کی صلاحیت ہوگی لہذا جب رجل کو ذکر کیا گیا تو یہ مطلق رجل نہیں رہا بلکہ استقرار فی الدار والی صفت کے ساتھ موصوف ہو چکا ہے۔کہ استقرار فی الدار کے گویا کہ رجل میں صفت حکمیہ کی وجہ سے تخصیص پیدا ہوگی۔

قال الشارح لتخصصه ۔سے علۃ انطباق کا بیان۔جس کا حاصل یہ ہے کہ سلام علیك کی ترکیب میں سلام نکرہ مخصصہ مبتداء ہے جس میں نسبت الی المتکلم ۔نسبت الی الفاعل کی وجہ سے تخصیص پیدا ہوئی ہے۔

قال الشارح اذ اصله سلمت ۔مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: کہ سلام علیك کی ترکیب میں سلام فعل مقدر کے فاعل متکلم کی طرف کیسے منسوب ہے۔

جواب: سلام علیك اصل میں سلمت سلاما علیك ہے چونکہ مقام دعاء تھا۔تو دوام اور استمرر کے معنی کے حصول کی وجہ سے فعل فاعل کو حذف کر دیا۔جیسا کہ مصادر میں کیا جاتا ہے اور نصب سے رفع کی طرف عدول کیا گیا ہے تو سلام علیك ہو گیا۔۔جب سلمت سلاما علیك اصل اور معدول عنہ فاعل کی طرف منسوب ہے ایسے ہی اس کی فرع اور معدول یعنی سلام علیك بھی فاعل متکلم کی طرف منسوب ہوگا۔لہذا فعل مقدر کے فاعل کی طرف منسوب

ہونے کی وجہ سے اس میں تخصیص پیدا ہوگئی گویا کہ سلام علیکم تو سلامی علیك کے معنی میں ہے۔

قال الشارح سلام من قبلی ۔مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: آپ نے کہا سلام علیك میں سلام سلامی کی طرح ہے اور سلامی میں تو سلام یاء متکلم کی طرف منسوب ہونے سے معرفہ ہے حالانکہ سلام نکرہ ہے معرفہ نہیں لھذا سلام کا سلامی کے ساتھ تشبیہ دینا کیسے درست ہوا۔

جواب: ہم نے سلام علیك میں سلام کو سلامی کے ساتھ معرفہ ہونے میں تشبیہ نہیں دی بلکہ فاعل متکلم کی طرف منسوب ہونے میں تشبیہ دی ہے کہ جس طرح سلامی میں سلام فاعل متکلم کی طرف منسوب ہے بالکل ایسے ہی سلام علیك میں سلام فاعل متکلم کی طرف منسوب ہے فرق صرف اتنا ہے کہ سلامی میں فاعل متکلم کی طرف نسبت لفظوں میں ظاہر ہے لیکن سلام علیك میں سلام کی نسبت فاعل متکلم کی طرف لفظوں میں نہیں۔لہذا فاعل متکلم کیطرف منسوب ہونے کے اعتبار سے ان میں کوئی فرق نہیں۔

قال الشارح هذا هو المشهور ۔مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: کوکب انقض الساعة۔ شجرة سجدت۔ بقرة تکلمت ان امثلہ میں کوکب اور شجرة اور بقرة ہر ایک نکرہ مخصصہ مبتداء بن رہا ہے لیکن وجوہ تخصیص مذکورہ میں سے کوئی تخصیص نہیں پائی جاتی حالانکہ علامہ ابن حاجب نے ماقبل میں کہا نکرہ مخصصہ مبتداء واقع ہوسکتا نکرہ غیر مخصصہ مبتداء واقع نہیں ہوسکتا۔

جواب: مولانا جامیؒ نے جواب دیا کہ نکرہ کے مبتداء بننے کا معیار تخصیصات پر اگرچہ مشہور ہے لیکن محققین کے ہاں نکرہ کے مبتداء اور مخبر عنہ بننے کا معیار و مدار تخصیص پر قطعاً نہیں۔

بلکہ نکرہ کے مبتداء بننے سے مخاطب کو فائدہ یعنی علم ما لم یعلم حاصل ہو تو اس کا مبتداء اور مخبر عنہ بننا صحیح ہے اگرچہ نکرہ مخصصہ ہی کیوں نہ ہو اور امثلہ مذکورہ میں نکرہ کو مبتداء اور مخبر عنہ بنانے سے یقیناً مخاطب کو ایک نئی بات کا علم حاصل ہوتا ہے جو کہ پہلے حاصل نہیں تھا۔اور گر نکرہ کے مبتداء بننے سے مخاطب کو نئی بات کا فائدہ حاصل نہ ہو تو ایسی صورت میں نکرہ کو مبتداء بنانا صحیح نہیں جیسے رجل قام نکرہ کو مبتداء بنانے سے مخاطب کسی نئی بات کا علم حاصل نہیں ہوتا۔

بلکہ علی سبیل الترقی ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر معرفہ کومخبر عنہ اور مبتداء بنانے سے مخاطب کو علم مالم یعلم کسی نئی بات کا فائدہ حاصل نہ ہوتو ایسی صورت میں معرفہ کو بھی مخبر عنہ اور مبتداء بنانا صحیح نہیں ہوتا جیسے زید شئی میں زید معرفہ ہے اس کو مبتداء بنانے سے مخاطب کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا تو لہذا زید معرفہ کو بھی مبتداء بنانا غلط ہے۔

قال الشارح وهذا القول اقرب ۔

سے مولانا جامیؒ نے اپنے نظریہ کو بیان کیا ہے کہ میرے ہاں بھی محققین کا مذہب مختار ہے۔

قال الشارح ولما كان الخبر المعرف ۔

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: صاحب کافیہؒ نے والخبر قد يكون جملة یہ عبارت زائد لائے ہیں۔ اس لیے کہ خبر کے جملہ ہونے کا بیان ماقبل میں ہو چکا ہے۔ اس طرح کہ خبر کے لئے اسم ہونا ضروری ہے اور اسم عام ہے خواہ حقیقی ہو یا حکمی اور جملہ بھی موؤلہ بالمفرد ہو کر اسم حکمی ہوا کرتا ہے لہذا یہ عبارت اعلام المعلوم ہے جس کا ذکر لغو اور مستدرک ہے۔

جواب: ماقبل میں جس خبر کی تعریف کی گئی وہ عام نہیں بلکہ وہ مفرد کے ساتھ ہی مختص ہے کیونکہ خبر کی تعریف میں اسم کا ہونا معتبر ہے اور اسم قسم ہے کلمۃ کی اور کلمۃ مفرد ہوا کرتا ہے۔ لہذا اسم کے اندر بھی مفرد ہونا معتبر ہوا تو ماقبل میں جو خبر مذکور ہوئی اور اس کی تعریف کی گئی ہے وہ خبر مفرد کے ساتھ مختص ہے۔ خبر کا جملہ ہونا اس سے معلوم نہیں ہوتا اسی کو صاحب کافیہؒ نے والخبر قد يكون جملة سے بیان کیا۔ لہذا یہ اعلام المجہول کے قبیل سے ہے نہ کہ اعلام المعلوم کے قبیل سے۔

قال الماتن والخبر قد يكون جملة مثل زيد ابو قائم صاحب کافیہ خبر کے حکم کو بیان کر رہے ہیں کہ کبھی کبھی خبر جملہ ہوتی ہے۔ اس لیے کہ جس طرح مفرد مسند ہو سکتا ہے اسی طرح جملہ بھی مسند ہو سکتا ہے۔ لیکن خبر میں اصالت مفرد ہونا ہے کیونکہ جب مبتداء ہمیشہ مفرد ہوتا ہے تو خبر کے لئے بھی مناسب یہی ہے کہ وہ مفرد ہو۔ تا کہ دونوں میں موافقت ہو جائے۔

اور جملہ میں تعمیم ہے خواہ جملہ اسمیہ ہو یا جملہ فعلیہ

قال الشارح **اسمية وفعلية** ۔
تعدد امثلہ کی وجہ کو بیان کیا اور ساتھ ممثل لہ کی تعیین کا بیان بھی ہے۔

قال الشارح **ولم يذكر الظرفية**۔ مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: خبر کبھی جملہ ظرفیہ بھی ہوتی ہے اس کی مثال صاحب کافیہؒ نے کیوں بیان نہیں کی؟

جواب: ظرف کا متعلق چونکہ اکثر نحاۃ کے نزدیک فعل ہوتا ہے اس لئے خبر ظرف جملہ فعلیہ ہی کی طرف راجع ہوتی ہے لھذا وہ جملہ فعلیہ کے تحت داخل ہوئی ہے۔ جب یہ کوئی علیحدہ قسم نہیں تھا۔ اس لئے صاحب کافیہؒ نے اس کی مثال نہیں پیش کی۔

سوال: خبر کبھی جملہ شرطیہ بھی ہوتی ہے صاحب کافیہؒ نے اس کی مثال ذکر کیوں نہیں کی؟

جملہ شرطیہ میں نحاۃ کے نزدیک اعتبار جزاء کا ہوتا ہے اور جزاء جملہ اسمیہ ہوتی ہے یا جملہ فعلیہ۔ اور شرط تو فقط قید ہوتی ہے اسلئے علیحدہ ذکر کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ جب یہ بھی کوئی علیحدہ قسم نہیں تھی اسلئے اس کو علیحدہ ذکر کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی

قال الشارح **اذا كان الخبر** ۔ سے مولانا جامیؒ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ فلا بد میں فافصیحیہ ہے جو کہ ہمیشہ شرط محذوف کی جزاء پر داخل ہوتی ہے اور یہاں پر شرط محذوف یہ ہے اذا كان الخبر جملة۔

قال الشارح **والجملة مستقلة** ۔ اس عبارت کا تعلق اگلے متن سے ہے۔ متن کا حاصل یہ تھا کہ جب جملہ ہو تو اس میں عائد کا ہونا ضروری ہے۔ تو مولانا جامیؒ اس کی علۃ اور دلیل کو بیان کر رہے ہیں۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ جملہ بالذات خود افادہ میں مستقل ہے۔ کیونکہ محل فائدہ مسند الیہ اور محط فائدہ مسند پر مشتمل ہے۔ جس کی وجہ سے یہ کسی قسم کے ربط اور تعلق کا تقاضا نہیں رکھتا۔ حالانکہ خبر کا مبتداء کے ساتھ ربط اور تعلق ضروری ہے تو اس تعلق اور ربط جوڑنے کے لئے عائد کا ہونا ضروری ہے

بعنوان دیگر: مولانا جامیؒ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اذا كان الخبر جملة فلا بد من عائد یہ قضیہ شرطیہ متصلہ لزومیہ ہے اس میں مقدم یعنی خبر کا جملہ ہونا تالی کیلئے یعنی وجوب عائد کے لئے علۃ ہے۔ جیسا کہ ان كانت الشمس طالعة فالنهار موجود جس میں

مقدم یعنی طلوع شمس تالی یعنی وجود نہار کے لئے علۃ ہے۔

قال الشارح **فی الجملۃ الواقعۃ**

سے لابد کا صلہ بیان کیا ہے۔ برائے دفع دخل مقدر

سوال: ماتن کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلق خبر کے لیے عائد کا ہونا ضروری ہے۔ حالانکہ خبر مفرد کے لیے ضروری نہیں۔

جواب: ماتن کی مراد یہ ہے کہ اُس خبر میں عائد کا ہونا ضروری ہے جو جملہ ہو۔ خبر مفرد میں نہیں۔

قال الشارح **یربطھا بہ** ۔ سے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ متن عائد میں اس کا فرد کامل یعنی ضمیر ہی مراد نہیں عائد سے مراد مطلق رابطہ ہے خواہ ضمیر ہو یا غیر ضمیر

قال الشارح **و ذالک العائد** ۔ سے عائد اور رابط کے عموم کا بیان ہے کہ اس کی چار قسمیں ہیں

(۱)۔ ضمیر جیسے گذشتہ مثالوں میں (۲)۔ لام جیسے نعم الرجل زید (۳)۔ وضع المظہر موضع المضمر جیسے الحاقہ ما الحاقۃ میں (۴)۔ خبر کا مبتداء کی تفسیر واقع ہونا جیسے قل ھو اللہ احد۔ احقر نے کاشفہ شرح کافیہ اور سعایۃ النحو میں کچھ اور بھی تحریر کی ہے وہاں دیکھ لیجئے۔

()()()

متن ﴿وقد یحذف﴾ صاحب کافیہ کی عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اگر قرینہ موجود ہو تو کبھی کبھی عائد کو حذف بھی کر دیا جاتا ہے جیسے البر الکر بستین درھماً۔ مولانا جامیؒ العائد نکال کر مرجع کو بیان کر دیا۔

قال الشارح **اذا کان ضمیرا لقیام قرینۃ** ۔

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: متن کی عبارت سے مطلق عائد کا حذف ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے کہ جب یحذف میں ضمیر کا مرجع عائد ہو تو عائد میں چونکہ عموم ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ مطلق عائد خواہ وہ ضمیر ہو یا غیر ضمیر تو اس کو کبھی کبھی حذف کر دیا جاتا ہے۔ حالانکہ عائد ضمیر کو تو قرینہ کے وقت حذف کر دیا جاتا ہے۔ لیکن عائد غیر ضمیر کو قطعاً حذف کرنا صحیح نہیں

جواب: اگرچہ لفظ عائد سے مطلق رابط ہے لیکن ضمیر کے مرجع ہونے کے لحاظ سے عائد سے مراد فقط ضمیر ہے۔ مطلق رابط نہیں۔ تو جواب کا حاصل یہ نکلا کہ مرجع کا عموم راجع کے عموم کا تقاضا نہیں کرتا۔ البر الکر بستین درھماً

قال الشارح نحو البز الکر یستین درھما : توضیح بالمثال کا بیان کہ البر مبتداء اوّل ہے الکر مبتداء ثانی بستین درھماً یہ خبر ہے۔ مبتداء خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر یہ خبر ہے البر کی اور اس جملہ خبر میں عائد منہ محذوف ہے اسی طرح السمن منوان بدرھم میں منوان بدرھم جملہ خبر واقع ہو رہا ہے اور اس میں منہ عائد اور رابط محذوف ہے۔

قال الماتن و ما وقع ظرفا فالاکثر علی انہ مقدر بجملۃ ۔

صاحب کافیہؒ ایک مسئلہ اختلافیہ میں ماھو المختار کو بیان کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب مبتداء کی خبر ظرف ہو تو اس بات میں اختلاف ہوا ہے کہ ظرف کا متعلق کیا چیز ہوگی فعل ہوگا یا شبہ فعل ۔ اس میں دو مذہب ہیں اکثر نحاۃ کا اور اقل کا۔

اکثر نحاۃ کا مذھب: یہ ہے کہ ظرف کا متعلق فعل ہوگا اور خبر جملہ ہوگی

اقل نحاۃ کا مذھب: یہ ہے کہ ظرف کا متعلق اسم فاعل ہوگا اور خبر مفرد ہوگی۔

صاحب کافیہؒ نے کہا کہ میرے ہاں اکثر نحاۃ کا مذہب مختار ہے۔

قال الشارح ای الخبر الذی ۔ سے مولانا جامیؒ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہاں ما موصولہ ہے جس سے مراد خبر ہے اس لیے یہ مقام مبتداء میں واقع ہے اور مبتداء میں معرفہ ہونا مناسب ہے اور ما موصولہ معرفہ ہوا کرتا ہے لہذا اس مقام کے مناسب ما موصولہ ہے موصوفہ نہیں۔

قال الشارح وقع ظرف زمان ۔ مولانا جامیؒ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہاں ظرف کے اندر دو توسع ہیں (۱)۔ کہ ظرف کا اطلاق جار مجرور پر کیا جائے (۲) یہ ہے کہ ظرف کا لفظ بول کر ایسا معنی مراد لیا جائے جو ظرف حقیقی زمان اور مکان اور جار مجرور سب کو شامل ہو جائے یہاں متن کی عبارت میں توسع ثانی مراد ہے۔

قال الشارح من النحاۃ ۔ سے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اکثر عوام مراد نہیں

بلکہ خواص یعنی اکثر نحاۃ ہیں۔اس لئے کہ احکام کے بیان میں کوان کا قول معتبر ہوتا ہے نہ کہ عوام کالانعام کا۔

سوال: من النحاة کاذکر کرنا یہاں درست نہیں کیونکہ اکثر اسم تفضیل مستعمل باللام ہے اور قاعدہ کہ اسم تفضیل مستعمل باللام ومِن کے ساتھ مستعمل نہیں ہوسکتا تو شارح کامن النحاة ذکر کرنا یہاں درست نہیں۔

جواب: یہاں مِن بیانیہ ہے تفضیلہ نہیں فاندفع الاشکال۔

قال الشارح **وهم البصريون** ۔اکثر کے مصداق کو بیان کردیا۔

قال الشارح **على** ۔لفظ علی نکال کر سوال مقدر کا جواب دیا۔

سوال: فالاكثر مبتداء ہے انه مقدر بجملة اس کی خبر ہے خبر کا مبتداء پر حملہ ہوتا ہے اور یہاں پر حمل صحیح نہیں۔

جواب: مولانا جامیؒ نے جواب دیا یہاں علی حرف جار محذوف ہے یہ جار مجرور ظرف مستقر ہو کر اپنے متعلق سے مل کر خبر ہے۔اب حمل صحیح ہو جائے گا۔باقی رہی یہ بات کہ حرف جار کو حذف کرنا جائز ہے۔تو اس کا جواب کہ انّ اور انّ سے حرف جار کا محذوف ہونا قیاسی ہے۔

ای الخبر ظرفا : ضمیر کے مرجع کا بیان ہے۔

قال الشارح **ای مؤول** ۔ مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: کہ صاحب کافیہؒ نے کہا کہ خبر ظرف مقدر ہوتی ہے حالانکہ ظرف تو مذکور ہے۔البتہ جملہ مقدر ہوتا ہے۔

جواب: یہاں تقدیر بمعنی تاویل ہے یعنی مقدر کا وہ معنی مراد نہیں جو مذکور کے مقابلے میں آتا ہے بلکہ مقدر بمعنی مؤول کے ہیں۔اب حاصل معنی یہ ہوگا کہ خبر ظرف مؤول بالجملہ ہوگی یہ ذکر الملزوم ارادة اللازم کے قبیل سے ہے۔

قال الشارح **بتقدير الفعل فيه** ۔اس میں خبر کے مؤول بالجملہ ہونے کی صورت اور نقشے کا بیان ہے برائے دفع دخل مقدر

سوال: ظرف تو مفرد ہے وہ جملہ کیسے بن گیا؟

جواب: شارح نے جواب دیا کہ اس ظرف کے لئے فعل مقدر مانا جائے گا کہ تقدیر فعل کے سبب ظرف جملہ ہو جائے گا۔ نیز باسمیت کی ہے تو جملہ کا اطلاق ظرف پر فعل مقدر کے سبب ہوگا اور بات ظاہر ہے کہ شئی کی وصف شئی سے خارج ہوتا ہے لہذا فعل کے مقدر کے ہونے میں کوئی حرج نہیں۔

قال الشارح **بخلاف ما اذا قدر** ۔مولانا جامیؒ نے اکثر کے مقابل قلیل کے مذہب کو بیان کیا ہے اقل نحاۃ کوفین کا مذہب یہ ہے کہ وہ فعل کو مقدر نہیں مانتے بلکہ اسم فاعل کو مقدر مانتے ہیں تو اس صورت میں یہ مفرد ہو جائے گا۔

قال الشارح **وجه الاکثر** ۔سے اکثر نحاۃ یعنی بصرین کے مذہب کی دلیل کا بیان۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ ظرف معمول ہوتا ہے جسکا متعلق عامل ہوا کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ عمل میں اصل فعل ہے لہذا جب عامل کو مقدر ماننا ہے تو اصل عامل یعنی فعل کو مقدر ماننا چاہئے۔

قال الشارح **وجه الاقل** ۔مولانا جامیؒ اقل نحاۃ کوفین کی دلیل بیان کرنا چاہتے ہیں۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ ظرف خبر ہے اور خبر میں اصل مفرد ہونا ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ شبہ فعل اسم فاعل کو مقدر ماننے کی صورت میں تو خبر مفرد رہتی ہے۔ فعل کے مقدر ماننے کی صورت میں خبر مفرد نہیں رہتی۔

صاحب کافیه: نے لفظ اکثر سے قول اوّل یعنی بصرین کے مذہب کو راجح قرار دیا ہے ۔ وجہ ترجیح یہ ہے کہ قول اول کی دلیل باعتبار معمولیت ظرف کے ہیں اور قول دوم کے دلیل باعتبار خبریت ظرف کے ہے اور معمولیت اصل ہے جو کسی حال میں جدا نہیں ہوسکتی بخلاف خبریت کے کہ یہ عارضی ہوتی ہے جو کبھی جدا بھی ہوتی ہے جیسے قام زید خلفك لهذا دلیل اوّل راجح ہوئی یاد رکھیں کہ اس قول کی نسبت کوفین کی طرف کی گئی ہے جو کہ صحیح نہیں ہے۔ (کاشفه)۔

قال الشارح **ثمه ان الاصل** ۔مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: صاحب کافیہؒ نے واذا کان المبتداء سے پھر مبتداء کی تقدیم کا مسئلہ بیان کیا حالانکہ والاصل فی المبتداء میں یہ مسئلہ بیان ہو چکا ہے یہ محض تکرار اور اعلام المعلوم کے قبیل سے ہے جو کہ باطل ہے۔

جواب: کہ ماقبل میں اولیت تقدیم اور جواز تاخیر کا مسئلہ بیان کیا ہے اور یہاں پر وجوب

تقدیم اور امتناع تاخیر کو بیان کیا جارہا ہے لہذا تکرار قطعاً لازم نہیں آتا

بعنوان دیگر: یہ بھی کہا جاسکتا کہ مولانا جامیؒ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ واذا کان والی عبارت کا تعلق اصل المبتداء والی عبارت کے ساتھ ہے متصل کلام کے ساتھ نہیں۔

قال الماتن ﴿واذا كان المبتداء مشتملاً علٰى ماله صدر الكلام﴾

صاحب کافیہؒ مبتداء کی تقدیم وجوبی کے مقامات کو بیان کیا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ چار مقامات پر اور چار صورتوں میں مبتداء کو خبر پر مقدم کرنا واجب ہے

پہلا مقام: جب مبتداء ایسے معنی پر مشتمل ہو جو صدرات کلام کا تقاضا کرتا ہو تو وہاں مبتداء کا خبر پر مقدم کرنا واجب ہے تاکہ معنی مقتضی للصدارت سے صدارت باقی رہ جائے جیسے من ابوك

دوسرا مقام: جب مبتداء اور خبر دونوں معرفہ ہوں تو بھی مبتداء کو خبر پر مقدم کرنا واجب ہے تاکہ اشتباہ اور التباس لازم نہ آئے جیسے زید المنطلق

تیسرا مقام: جب مبتداء اور خبر دونوں اصل تخصیص میں مساوی ہوں اگرچہ مقدر اتخصیص میں مساوات نہ ہو تو تب بھی مبتداء کو خبر پر مقدم کرنا واجب ہے تاکہ التباس لازم انہ آئے جیسے افضل منك افضل منی

چوتھا مقام: جب خبر مبتداء کا فعل ہو یعنی خبر ایسا جملہ فعلیہ ہو جس کے مضمون کا تعلق مبتداء کے ساتھ ہو تو اس صورت میں بھی مبتداء کو خبر پر مقدم کرنا واجب ہے باقی رہا وجوب تقدیم کی علت کیا ہے اس کو مولانا جامی اپنی کلام میں ذکر کر رہے ہیں۔

قال الشارح **ای علی معنی وجب له صدر الكلام** ۔اس عبارت میں چند باتوں کا بیان۔(۱) علی معنی اس بارت کا اشارہ کر دیا کہ ما موصوفہ ہے جس سے مراد معنی ہے۔ اس لئے کہ مقتضی صدارت معنی ہوا کرا ہے نہ کہ لفظ۔

(۲) وجب کو ذکر کر کے جار مجرور کے متعلق کو بیان کر دیا جس پر قرینہ صاحب کافیہ کہ عبارت وجب تقديمه ہے۔

سوال: مولانا جامیؒ کے کلام وجب لـه صدر الكلام سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ معنی کے لئے کلام کے شروع میں ہونا واجب ہے حالانکہ معنی کلام کے شروع میں نہیں ہوتا بلکہ کلام کے

شروع میں لفظ ہوتا ہے۔

جواب اول : یہاں مضاف محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے وجب له دال صدر الکلام اب حاصل معنی یہ ہوگی جب مبتداء ایسے معنی پر مشتمل ہو جس معنی کے دال کیلئے کلام کے شروع میں ہونا واجب ہو۔

جواب ثانی : یہاں مضاف محذوف نہیں لیکن بطور مجاز لفظ کی صفت کو معنی کے صفت بنادیا دیا گیا اس لئے کہ لفظ دال ہوتا ہے اور معنی مدلول ہوتا اور دال کی صفت کو مدلول پر جاری کردیا جاتا ہے۔

اور تیسری بات مولانا جامیؒ نے کالاستفهام سے یہ بتائی ک معنی مقتضی للصدارت صرف استفہام میں منحصر نہیں بلکہ متن میں استفہام کا ذکر بطور تمثیل کے ہے نہ بطور تخصیص کے۔

قال الشارح فانه یجب حینئذ ۔ سے وجوب تقدیم کی علت کا بیان۔ کہ اس مقام پر مبتداء کو مقدم کرنا اس لئے واجب ہے تا کہ معنی مقتضی للصدارت کی صدارت باقی رہے۔

قال الشارح فان من مبتداء ۔ سے انطباق المثا ل علی المثل له کا بیان ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ ”من ابوك میں مَن مبتداء معنی استفہام پر مشتمل ہے جو صدارت کلام کا تقاضا کرتا ہے۔

قال الشارح فان معناه ۔ سے مولانا جامیؒ من ابوك میں مَن کے استفہام پر مشتمل ہونے کی دلیل بیان رہے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ من ابوك کا معنی اهذا ابوك ام ذاك جو کہ صراحۃً استفہام پایا جاتا ہے۔

بعنوان آخر: یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس عبارت سے مولانا جامیؒ سوال مقدر کا جواب دے رہے ہیں۔

سوال : مثال ممثل لہ کے مطابق اس لئے کہ اس مثال میں خبر مقدم ہے اور ابوك مبتداء مؤخر ہے کیونکہ مَن نکرہ ہونے کی وجہ سے مبتداء بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

جواب : من ابوك ۔ یہ اهذا ابوك ام ذاك ابوك کہ قوت میں ہے جو کہ معرفہ ہے۔ تو بطور اختصار کے مَن کو ذکر کردیا ۔ لہذا مَن بھی حکما معرفہ ہے جو مبتداء بننے کی صلاحیت رکھتا ہے اور مبتداء ہے اور ابوك اس کی خبر ہے اور یہی مذہب ہے سیبویہ کا اور اسی مذہب پر ماتن نے مثال پیش کی ہے۔ لہذا مثال ممثل لہ کے مطابق ہے۔

قال الشارح **و ذهب بعض النحاة** ۔مولانا جامیؒ نے سیبویہ کے ماسوئی دوسرے نحاۃ کے مذہبکو بیان کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مَن ابوک میں ابوک امعرفہ ہونے کی بناء پر مبتداء مؤخر ہے اور مَــن خبر مقدم ہے جس کی تقدیم مبتداء پر واجب ہے اس لئے کہ مَــن کا معنی استفہام پر مشتمل ہے اور استفہام صدارت کلام کا تقاضا کرتا ہے۔

ای المبتداء و الخبر۔ضمیر کے مرجع کا بیان کہ کانا کے الف ضمیر کا مرجع مبتداء اور خبر ہیں۔

قال الشارح **متساویین فی التعریف** ۔مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال : صاحب کافیہ کو چاہئے تھا کہ صرف متساویین پر اکتفاء فرماتے اور معــرفتین کو علیحدہ بیان نہ کرتے۔اس لیے کہ مساوات کا لفظ مساوات فی التعریف کو بھی شامل ہے اور مساوات فی التنکیر کو بھی شامل ہے

جواب : مولانا جامیؒ نے جواب دیا اگر متساویین کے ذکر پر ہی اکتفاء فرماتے تو اس بات کا وہم ہوتا تھا کہ مــعــرفتیــن ہونے کی صورت میں مبتداء کو تب مقدم کرنا واجب ہوگا جب مقدار تعریف میں مساوات ہو۔اس لیے کہ مساوات کا لفظ مخصوص بالمقدار ہے اور حالانکہ مــعــرفتیــن ہونے کی صورت میں مبتداء کو مقدم کرنا واجب ہوتا ہے خواہ مقدار تعریف میں مساوی ہو یا نہ ہو۔ لہذا جب صرف متساویین پر اکتفاء کرنا صحیح نہ تھا تو صاحب کافیہؒ نے معرفتین کو بھی علیحدہ ذکر کر دیا۔

قال الشارح **ولا قرینه** ۔مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال : ہم اس بات کو قطعاً تسلیم نہیں کرتے جب مبتداء خبر دونوں معرفہ ہوں تو مبتداء کا مقدم واجب ہو بلکہ بنو ابناء نا بنونا میں بنو ابناء نا خبر مقدم ہے اور بنونا مبتداء مؤخر ہے۔اور اسی طرح ابو حنیفه ابو یوسف کی ترکیب میں ابو حنیفہ خبر مقدم اور ابو یوسف مبتداء مؤخر ہے۔

جواب : معرفہ ہونے کی صورت میں مبتداء کو خبر پر مقدم کرنا اس وقت واجب ہے جب قرینہ موجود نہ ہو اگر قرینہ موجود ہو تو پھر تقدیم واجب نہیں اور آپ کی پیش کردہ مثال میں قرینہ موجود ہے اور ابو حنیفه ابو یوسف میں قرینہ وہ قاعدہ ہے کہ تشبیہ بلیغ میں مشبہ بہ ہمیشہ مسند اور خبر ہوا کرتی ہے اور مشبہ مسند الیہ مبتداء قرار دیا جاتا ہے۔یہاں اوّل مشبہ بہ اور ثانی مشبہ ہے۔ابوحنیفہ

خبرمقدم اور ابو یوسف مبتداء مؤخر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ علم وعمل میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مشابہ ہیں۔

قال الشارح **فی اصل التخصیص** ۔

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: غلام رجل صالح خیر منك میں مبتداء خبر تخصیص میں مساوی نہیں۔ کہ مبتداء دووجہ سے تخصیص حاصل کی ہے اور خبر ایک وجہ سے

جواب: مبتداء خبر کے اندر اصل تخصیص میں مساوی ہونا شرط ہے لیکن مقدار تخصیص میں مساوی ہونا شرط نہیں

قال الشارح **حتی لو قیل** ۔ سے توضیح بالمثال کا بیان ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ غلام رجل صالح خیر منك کی ترکیب میں مبتداء کے اندر دو تخصیص (۱) تخصیص بالاضافۃ (۲) تخصیص بالصفۃ اور خبر میں ایک تخصیص ہے اس کے باوجود مبتداء کی خبر پر تقدیم واجب ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ اصل تخصیص میں مساوات کو ہونا مبتداء کے تقدیم وجوبی کے لئے کافی ہے مقدار تخصیص میں مساوات کا ہونا ضروری نہیں۔

قال الشارح **رفعا للاشتباہ** ۔ سے صورت ثانیہ اور صورت ثالثہ میں مبتداء کی تقدیم وجوبی کے علت کو بیان کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ان دونوں صورتوں میں مبتداء کو خبر پر مقدم کرنا اس لئے واجب ہے تا کہ اشتباہ اور التباس لازم نہ آئے۔ ای للمبتداء: مرجع کا بیان۔

قال الشارح **احتراز اعمالایکون فعل** ۔ له کی قید کے فائدے کا بیان ہے۔ کہ یہ قید احترازی ہے۔ کہ جب خبر مبتداء کا فعل نہ ہو تو مبتداء کی خبر پر تقدیم واجب نہیں جیسے زید قام ابوه میں قام ابوه زید بھی کہنا صحیح ہے۔ اس لئے کہ مبتداء کی خبر پر وجوب تقدیم کی علت التباس کا لازم آنا تھا اور اس صورت میں کوئی التباس لازم نہیں آتا۔ بخلاف اس صورت کہ اگر خبر مبتداء کا فعل ہو جیسے زید قام اس صورت میں مبتداء کو مقدم کرنا واجب ہے۔ اس لیے کہ مبتداء کو مؤخر کرنے سے مبتداء کا فاعل سے التباس لازم آئے گا۔

قال الشارح **ای تقدیم المبتداء** ۔ اس عبارت میں تین چیزوں کا بیان (۱) ضمیر

کے مرجع کا بیان (۲) علی الخبر صلہ کا بیان (۳) فی ھذہ الصور اجمال کا بیان تا کہ بعد میں آنے والی تفصیل اس اجمال پر مرتب ہو سکے۔

قال الشارح **اما فی الصور الاول** ۔ یہاں سے مولانا جامیؒ ان چار صورتوں میں سے تین صورتوں وجوب تقدیم کی علت کو بیان کررہے ہیں فلما ذکرنا سے بتادیا کہ ہم نے ہر ایک صورت کے ساتھ علت بھی بیان کردی۔

اما فی صورت الاخیرۃ فلئلا یلتبس المبتداء بالفاعل مولانا جامی صورت رابعہ کی علت بیان کررہے ہیں۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ فعل جو خبر واقع ہوگا وہ دو حال سے خالی نہیں مفرد ہوگا یا تثنیہ جمع۔ اگر مفرد ہو تو جیسے زید قام اس صورت میں اگر مبتداء کو مقدم نہ کیا جائے مؤخر کیا جائے قام زید کہا جائے تو مبتداء کا فاعل کے ساتھ التباس لازم آئے گا۔ اگر وہ فعل تثنیہ یا جمع ہو تو پھر مبتداء کو خبر سے مؤخر کرنے کی صورت میں جمہور نحاۃ کے نزدیک مبتداء کا بدل عن الفاعل سے التباس لازم آئیگا مثلاً الزیدان قاما کے بجائے قاما الزیدان کہا جائے تو معلوم نہ ہوگا کہ الزیدان مبتداء مؤخر ہے یا قاما کی ضمیر سے بدل ہے۔

اور بعض نحاۃ کے مذہب کے مطابق تثنیہ میں الف فاعل نہیں بلکہ تثنیہ کی علامت ہے اسی طرح جمع میں واؤ فاعل نہیں بلکہ علامت جمع ہے جس طرح ضربت ھند میں تاء ساکنہ فاعل نہیں بلکہ فاعل کے مونث ہونے کی علامت ہے تو ان نحاۃ کے مذہب کے مطابق اس صوورت میں مبتداء کا فاعل کے ساتھ التباس لازم آئے گا۔

متن ﴿و اذ تضمن الخبر المفرد ما لہ صدر الکلام﴾

صاحب کافیہؒ مبتداء کے تقدیم وجوبی کی صورتوں اور مقامات کو بیان کرنے کے بعد خبر کے تقدیم وجوبی کی صورتوں کو بیان کررہے ہیں۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ چار صورتوں میں خبر کو مبتداء پر مقدم کرنا واجب ہے۔

صورت اولیٰ: جب خبر مفرد ایسے معنی کو متضمن ہو جن کے لئے صدارت کلام واجب ہو تو خبر کا مبتداء مقدم کرنا واجب تا کہ صدارت کلام فوت نہ ہو جائے جیسے این زید۔

صورت ثانیہ: جب خبر اپنی تقدیم کے اعتبار سے مبتداء کے لئے مصحح ہو یعنی مخصص ہو تو اس خبر کو

مبتداء پر مقدم کرنا واجب ہے تا کہ نکرہ کا مبتداء کا ہونا لازم نہ آئے۔

صورت ثالثه: جب خبر کے متعلق کے لئے مبتداء کے جانب میں ضمیر ہوتو اس صورت میں بھی خبر کو مبتداء پر مقدم کرنا واجب ہے کیونکہ مؤخر کرنے سے اضمار قبل الذکر لفظاً ورتبۃً لازم آتا ہے جو کہ نا جائز ہے جیسے علی التمرة مثلها زبدا۔

صورت رابعه: جس وقت مبتداء اَنّ مفتوحہ ہوتو اس صورت میں بھی خبر کو بھی مقدم کرنا واجب ہے تا کہ اَنّ مفتوحہ کو اِنّ مکسورہ کے ساتھ التباس لازم نہ آئے جس طرح عندی انك قائم۔ **ای الذی** ۔ سے مولانا جامیؒ نے اشارہ کردیا کہ المبتداء میں الف لام موصولہ ہے

لیس بجملة : سے مفرد کے معنی کو بیان کردیا کہ یہاں مفرد جملہ کے مقابلہ میں ہے۔

قوله صورة ۔ مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال : مثال این زید میں خبر ظرف ہے جس کا متعلق اکثر نحاۃ کے نزدیک فعل ہوتا ہے جس کی وجہ سے خبر جملہ ہوگی نہ کہ مفرد لہذا مثال ممثل لہ کے مطابق نہ ہوئی۔

جواب : مولانا جامیؒ نے جواب دیا کہ خبر کے مفرد ہونے سے مراد یہ ہے کہ صورۃً جملہ نہ ہو عام ازیں کہ حقیقتاً جملہ ہو یا نہ ہو اور این زید میں خبر این صورۃً جملہ نہیں

ای معنی : کی غرض یہ ہے کہ ما موصوفہ ہے جو عبارۃ سے معنی سے

قال الشارح فزید مبتداء ۔ سے علت انطباق المثال علی الممثل له کا تفصیلی بیان ہے۔

قال الشارح احترزبه ۔ سے المفرد کی قید کے فائدے کا بیان ہے یعنی اگر خبر مفرد نہ ہو بلکہ صورۃً جملہ ہوتو پھر خبر کی تقدیم مبتداء پر واجب نہیں ہوگی جیسے زید این ابوہ اس لئے کہ اس صورت میں خبر صدارت کلام کا تقاضا کرتا ہے وہ اس کو اسی جملے میں یعنی این ابوہ میں حاصل ہے۔

قال الشارح بتقديمه ۔ مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال : صاحب کافیہؒ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ذات خبر مبتداء کے لئے مصحح ہوگی تو اس سے لازم آئے گا کہ رجل فی الدار میں رجل کا مبتداء ہونا درست ہو حالانکہ یہ درست نہیں۔

جواب: ذات خبر مبتداء کے لئے مصحح نہیں بلکہ تقدیم خبر مصحح ہے مبتداء کے لئے۔

قال الشارح **من حیث انه مبتداء** ۔

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: مبتداء جس معنی کیلئے موضوع ہے وہ اس کے لئے ہر حال میں مفید ہے خواہ خبر مقدم ہو یا مؤخر۔ تو خبر کا مبتداء کے لیے مصحح ہونے کا کیا مطلب ہے

جواب: مولانا جامیؒ نے جواب دیا مبتداء سے ذات مبتداء مراد نہیں بلکہ وصف ابتدائیت مراد ہے یعنی خبر ذات مبتداء کے لئے مصحح نہیں بلکہ مبتداء کے مبتداء بننے کے لئے مصحح ہوتی ہے۔

قال الشارح **فان فی الدار خبر** ۔اس میں انطباق المثال علی الممثل له کا بیان ہے۔

قال الشارح **فلو اخر** :علت وجوب تقدیم کا بیان۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ خبر کی تقدیم مبتداء ہونے کے لئے مصحح ہے۔ کیونکہ نکرہ بغیر تخصیص کے مبتداء نہیں ہوسکتا اب اگر خبر کو مؤخر کیا جائے رجل فی الدار کہا جائے تو نکرہ محضہ کا مبتداء ہونا لازم آئے گا۔ اس لئے خبر کو مبتداء پر مقدم کرنا واجب ہے۔

قال الشارح **او کان لمتعلقه** ۔لفظ کان نکال کر مولانا جامیؒ نے یہ اشارہ کر دیا کہ عطف الجملہ علی الجملہ کے قبیل سے ہے کیونکہ عطف المفرد علی الجملہ کے قبیل سے ہونا ناجائز ہے۔

قال الشارح **بکسر اللام** ۔ضبط اعراب کا بیان برائے دفع وہم۔ یہ وہم وسکتا تھا کہ اگر متعلَق بفتح اللام پڑھا جائے تو مثال آتی کا انطباق نہیں ہوسکتا تھا۔ جواب دیا کہ متعلَق بفتح اللام نہیں بلکہ بکسر اللام ہے۔

قال الشارح **ای کان لمتعلق الخبر** ۔

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: علی اللہ عبدہ متوکل بھی اسی قبیل سے ہے۔ کہ مبتداء کے جانب میں خبر کے متعلق کے لئے ضمیر ہے لیکن اس کے باوجود خبر کی تقدیم مبتداء پر واجب نہیں لہذا آپ کا ضابطہ غلط ہوا۔

جواب: مولانا جامیؒ نے جواب دیا کہ متعلقہ میں اضافت عہدی ہے جس سے خاص

متعلق مراد ہے یعنی خبر کا ایسا تابع مراد ہے کہ باجود اس کے تابع ہونے کے اس کی تقدیم ممتنع ہو اور مادہ نقض میں ایسا متعلق نہیں پایا جاتا کیونکہ خبر متوکل ہے اور متعلق علی اللہ ہے تو اس کو تابع رکھ کر متوکل پر مقدم کرنا درست ہے بخلاف علی التمرۃ مثلھا زبداً کے۔ کہ اس کی خبر علی التمرۃ ہے۔ اور اس کا متعلق تمرۃً ہے اس تمرۃً کو علی التمرۃ کا تابع کرتے ہوئے کیسے مقدم کیا جاسکتا ہے۔ **ای کائن**: متعلق نکال دیا۔

قال الشارح **ای جانب المبتداء** ۔تقدیر مضاف برائے دفع وہم۔ وہم یہ ہوتا تھا کہ کافیہ کی عبارت ضمیر فی المبتداء سے بظاہر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ خبر کے متعلق کی ضمیر مبتداء میں مستتر ہوتی ہے حالانکہ مثال آتی میں مبتداء کے اندر ضمیر مستتر نہیں ہوتی جس سے مثال ممثل لہ کے مطابق نہ ہوئی جواب دیا کہ یہاں مضاف لفظ جانب محذوف ہے کہ ضمیر مبتداء کی جانب میں ہو

قال الشارح **اذ لو اخر** ۔ سے صورت ثالثہ میں وجوب تقدیم کی علت کا بیان ہے۔ جسکا حاصل یہ ہے کہ اگر خبر کو مؤخر کر دیا جائے تو اضمار قبل الذکر لفظاً بھی لازم آئے گا اور معنیً بھی جو کہ ناجائز ہے اس لئے اس صورت ثالثہ میں بھی خبر کو مبتداء پر مقدم کرنا واجب ہے۔

قال الشارح **مثلھا ای مثل التمرۃ** ۔ انطباق المثال علی الممثل لہ کا بیان ہے۔ کہ علی التمرۃ مثلھا زبدا کھجور پر اتنا مکھن ہے۔ عرب والے کھجور پر مکھن لگا کر کھاتے تھے جس میں خوب طاقت ہوتی ہے۔ علی التمرۃ کا مجموعہ خبر ہے اور تمرۃ اس خبر کا متعلق ہے۔ اگر خبر کو مقدم نہ کریں تو اضمار قبل الذکر لفظاً و معنیً لازم آئے گا جو کہ ناجائز ہے لہذا خبر کی تقدیم واجب ہے۔

قال الشارح **المفتوحۃ** ۔ضبط اعراب کا بیان برائے دفع وہم۔ وہم یہ ہوتا ہے کہ اِنَّ مکسورہ مبتداء بننے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا تو اِنَّ مکسورۃ سے خبر کیسے واقع ہوسکتی ہے۔ جواب دیا یہاں اِنَّ مکسورہ نہیں بلکہ اَنَّ مفتوحہ ہے۔

قال الشارح **الواقعت مع اسماء ھا** ۔ مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: کہ اَنَّ مفتوحہ تو حرف ہے وہ مبتداء بننے کی صلاحیت کیسے رکھسکتا ہے۔

جواب: اَنَّ کے مبتداء ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اَنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر مبتداء ہوگا۔

قال الشارح **المؤل بالمفرد** ۔مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: اَنَّ مفتوحہ اپنے اسم وخبر سے مل کر جملہ ہوتا ہے اور جملہ تو مبتداء نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ مبتداء ہمیشہ اسم ہوتا ہے۔

جواب: اَنَّ کا اپنے اسم اور خبر سے مل کر مبتداء ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مفرد کی تاویل میں ہو کر مبتداء ہوگا۔

قال الشارح **اذفیه تاخیر** ۔سے صورت رابعہ کی علت وجوب تقدیم کا بیان ہے۔جس کا حاصل یہ ہے۔ کہ یہاں پر اگر خبر کو مقدم نہ کیا جائے تو اَنَّ مفتوحہ کو اِنَّ مکسورۃ کے ساتھ التباس لازم آئے گا۔ کیونکہ خبر کے مقدم ہونے سے اَنَّ درمیان کلام میں رہے گا۔ اور درمیان کلام میں اَنَّ مفتوحہ ہی ہوسکتا ہے مکسورہ نہیں تو اس صورت میں التباس لازم نہیں رہے گا۔

قال الماتن ﴿وقد یتعدد الخبر مثل زید عالم عاقل﴾

صاحب کافیہ خبر کے ایک اور حکم کا بیان کہ ایک مبتداء کے لئے متعدد خبر ہوسکتی ہے جس طرح مثال مذکورہ میں اور تعدد سے مراد عام ہے خواہ باعتبار الفاظ کے ہو یا باعتبار الفاظ اور معنی کے ہو۔

قال الشارح **من غیر تعدد** ۔مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: ماتن کی عبارت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے خبر کا متعدد ہونا قلیل ہے حالانکہ خبر کے متعدد ہونا مخبر عنہ کے ساتھ قلیل نہیں بلکہ کثیر ہے۔

جواب: صاحب کافیہؒ کے عبارت یہ ہے کہ خبر کا متعدد ہونا بغیر مخبر عنہ کے متعدد ہونے کے قلیل ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کیونکہ مخبر عنہ کے تعدد کے ساتھ خبر کا متعدد ہونا امر واضح ہے جس کے بیان کی کوئی ضرورت نہیں۔

قال الشارح **فیکون اثنین** ۔مولانا جامیؒ نے تعدد کے مرتبہ کو بیان کیا ہے۔ کہ تعدد کا اقل مرتبہ یہ ہے کہ خبریں دو ہیں اور زائد کی کوئی حد نہیں۔

قال الشارح **وذالک التعدد** : سوال کی تمہید کو بیان ہے۔جس کا حاصل یہ ہے کہ خبر کا تعدد دو حال سے خالی نہیں۔ لفظاً و معنًی دونوں طرح تعدد ہوگا یا فقط لفظاً تعدد ہوگا۔

اگر لفظاً و معنًی تعدد ہو تو پھر دو حال سے خالی نہیں مع العطف ہوگا یا بدون العطف ہوگا۔
اور اگر تعدد فقط لفظاً ہو تو جمہور کے نزدیک تعدد بدون العطف ہی ہوگا اور بعض نحاۃ کے نزدیک مع العطف بھی جائز ہے۔ تو جمہور نحاۃ کے مذہب کے مطابق تعدد خبر کی کل تین قسمیں ہوئی۔

پہلی صورت: (۱) خبر متعدد ہو لفظاً و معنًی مع العطف ہو جیسے زید عالم و عاقل۔

دوسری صورت: خبر متعدد ہو لفظاً و معنًی بدون العطف جیسے مثال مذکور زید عالم عاقل

تیسری صورت: خبر متعدد ہو فقط لفظاً ہو جیسے ھذا حلو حامض۔

سوال: اب ہم یہ کہتے ہیں جب تعدد خبر کی تین قسمیں تھیں تو صاحب کافیہ کو چاہئے تھا کہ تین مثالیں پیش کرتے۔ حالانکہ صاحب کافیہؒ نے صرف قسم دوم کی مثال پر اکتفاء کیا فما ذا توجیھہ

جواب: مولانا جامیؒ نے ولا یبعد سے وایضا تک پہلے جواب کو پیش کیا جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر ہم اگر متعدد لفظا و معنی بالعطف کو خبر کا تعدد تسلیم کر لیں ہے تو پھر ہم کہتے ہیں کہ چونکہ اس قسم کے تعدد میں کوئی خفاء نہیں تھا۔ کیونکہ اس قسم کا تعدد خبر میں بھی ہوتا ہے۔ اسی طرح فاعل وغیرہ میں بھی ہوتا ہے تو اس قسم کے تعدد خبر کو مثال دینے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

جواب ثانی **وایضا** ۔ سے دوسرے جواب کا بیان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ متعدد لفظا و معنی بالعطف خبر ہے بلکہ یہ تعدد خبر کے توابع میں سے ہے تو صاحب کافیہؒ نے اُس تعدد لفظا و معنی کو بیان کیا ہے جو خبر ہو۔

قوله **ولو جعل التعدد** ۔ سے آخر تک پہلے جواب پر تفریع کا بیان ہے کہ اگر ہم اس بات کو تسلیم کر لیں کہ متعدد لفظا و معنی بالعطف بھی خبر ہوتی ہے تو پھر یہ جواب دیا جائے گا کہ صاحب کافیہؒ نے عدم خفاء کی وجہ سے مثال نہیں دی اور باقی قسم سوم کی مثال اس لئے نہیں دی کہ یہاں حقیقت میں خبر کے اندر تعدد ہے ہی نہیں بلکہ حقیقت میں خبر ایک ہی ہے جیسا کہ مولانا جامیؒ نے فانها فی الحقیقة خبر واحد سے بیان کیا ہے۔

قال الماتن ﴿وقد یتضمن المبتداء معنی الشرط فیصح دخول الفاء فی الخبر﴾

یہاں تک صاحب کافیہؒ نے ان احکامات کو بیان کیا تھا جو مبتداء و خبر میں سے ہر ایک کے ساتھ مخصوص تھے۔ اب یہاں سے ایسے حکم کو بیان کرنا ہے جو دونوں سے متعلق ہے۔ جس کا حاصل

یہ ہے کبھی مبتداء معنی شرط کو متضمن ہو یعنی اوّل ثانی کے لئے سبب ہو تو اس کی خبر پر فاء کا لانا درست ہے۔ اس لئے کہ مبتداء سب ہونے کے لحاظ سے شرط کے مشابہ ہو جاتا ہے اور خبر مسبب ہونے کے لحاظ سے جزاء کے مشابہ ہو جاتی ہے تو جس طرح جزاء پر فاء کا لانا درست ہوتا ہے اس طرح خبر پہ بھی فاء کا داخل کرنا درست ہے۔ البتہ شرط کی طرح مبتداء سبب اصل نہیں اس لئے فاء کا داخل کرنا واجب نہ ہوگا بلکہ فاء کا داخل کرنا اور نہ داخل کرنا دونوں جائز ہے۔

قال الشارح **وھو سببیت الاول** ۔ سے مولانا جامیؒ کی غرض شرط کے معنی کو بیان کرنا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ اوّل ثانی کے لئے سبب ہو یعنی دو چیزوں کے درمیان ایسا تعلق ہو کہ اوّل ثانی کے لئے سبب ہو جیسا کہ ان کانت الشمس طالعة فالنہار موجود میں ہے۔

قولہ **او للحکم** ۔ بیان تعمیم برائے دفع دخل مقدر۔

سوال: آیت کریمہ ما بکم من نعمتہ فمن اللہ اوّل ثانی کے لئے سبب نہیں یعنی نعمتوں کو بندوں کے پاس ہونا یہ نعمتوں کے نزول من اللہ کے لئے سبب نہیں بلکہ معاملہ برعکس ہے اللہ تعالی کی طرف سے نعمتوں کا نازل ہونا بندوں کے پاس ہونے کا سبب ہے۔ لیکن اس معنی شرط کے نہ ہونے کے باوجود خبر پر فاء کیسے داخل ہوگئی۔

جواب: دیا کہ معنی شرط میں تعمیم ہے کہ اوّل کا ثانی کے لیے سبب ہونا عام ہے کہ اول ثانی وجود کا سبب ہو یا حکم بالثانی کا سبب ہو۔ اور آیت کریمہ میں اول حکم بالثانی کے لئے یقیناً سبب ہے یعنی نعمتوں کا بندوں کے پاس حصول اس بات کا سبب ہے کہ یہ حکم لگایا جائے کہ نعمتوں کا صدور اللہ کی طرف سے ہے۔

قولہ **فسببیت المبتداء** ۔ سے دخول فاء کی علت حقیقیہ کا بیان ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ مبتداء جب شرط کے معنی کو متضمن ہوگا تو شرط کے مشابہ ہو جائے گا جس طرح شرط سبب ہوتی ہے جزاء کے لئے ایسے مبتداء سبب ہوگا خبر کے لئے اور خبر مشابہ ہو جائے گا جزاء کے ساتھ کہ جس طرح جزاء سبب ہوتی جزاء کے لئے ایسے مبتداء سبب ہوگا خبر کے لئے اور خبر مشابہ ہو جائے گا جزاء کے ساتھ کہ جس طرح جزاء مسبب ہوگی تو اس مشابہت کی وجہ سے جس طرح شرط کے جزاء پر فاء داخل ہوتی اسی طرح خبر پر بھی فاء داخل ہونا صحیح ہوگا

یاد رکھیں کہ خبر پر فاء کے دخول کی علت حقیقۃ مشابہت ہے اور مشابہت کی علت تضمن ہے تو صاحب کافیہؒ نے شیٔ کی علت کی علت کو شیٔ کی علت بنادیا۔

قولہ فیصح عدم دخول ۔مولانا جامیؒ نے صحت کا معنی بیان ہے کہ صحت سے مراد امکان خاص ہے یعنی نہ دخول ضروری ہے اور نہ عدم دخول ضروری ہے۔

قولہ نظرا الی مجرد۔سوال مقدر کا جواب

سوال: مبتداء جو شرط کے معنی کو متضمن ہو۔وہ دو حال سے خالی نہیں شرط پر دلالت مقصود ہوگی یا مقصود نہیں ہوگی۔اگر ہو تو پھر خبر پر فاء کا دخول واجب ہوگا۔تو ہذا صاحب کافیہؒ نے بجائے یصح کے یجب کہنا چاہئے تھا اور اگر شرط کے معنی پر دلالت کا قصد نہ ہو تو پھر خبر پر فاء کا دخول ممتنع ہوگا۔لہذ القظ یصح کسی طرح درست نہیں۔

جواب: اس کا حاصل یہ ہے کہ مبتداء جو شرط کے معنی کو متضمن ہے اس میں تین مرتبے ہیں۔

(۱) معنی شرطیت پر دلالت اور عدم دلالت کے مقصود ہونے کا لحاظ نہ کیا جائے یعنی لا بشرط شئی کے مرتبے میں لحاظ کیا جائے۔

(۲) معنی شرطیت پر دلالت کے مقصود ہونے کے لحاظ کیا جائے یعنی بشرط شئی کے مرتبہ میں

(۳) معنی شرطیت پر عدم دلالت کا لحاظ کیا جائے یعنی بشرط لاشئی کے مرتبہ میں ہو۔پہلے مرتبے کے لحاظ سے فاء کا دخول اور عدم دخول دونوں صحیح ہیں اور متن پہلے مرتبے کے لحاظ سے حکم بیان کیا گیا۔البتہ دوسرے مرتبے کے اعتبار سے خبر پر فاء کا دخول واجب ہے اور تیسرے مرتبے کے لحاظ سے خبر پر فاء کا دخول ممتنع ہے۔

فائدہ: لم یجب دخولہ فیہ کے بعد بل یجب عدمہ کا اضافہ اس لئے کر دیا کہ لم یجب سے وجوب کی نفی ہوتی ہے جواز کی نفی نہیں ہوتی حالانکہ اس مرتبہ میں تو فاء کا دخول جائز بھی نہیں اس لئے بل یجب عدمہ کہا جس سے جواز کی نفی بھی ہوگئی۔

قال الماتن وذالک الاسم الموصول ہو صاحب کافیہ کی عبارت کا حاصل یہ ہے کہ مبتداء اسم موصول ہو جس کا صلہ جملہ فعلیہ یا جملہ ظرفیہ ہو۔اسی طرح مبتداء نکرہ موصوفہ ہو جس کی صفت جملہ فعلیہ ہو یا ظرفیہ ہو تو متضمن معنی شرط کو ہوتے ہیں۔

قال الشارح **المبتداء المتضمن** ۔
مولانا جامیؒ نے ذالک کہ مشار الیہ بیان کیا ہے۔

قال الشارح **اما الاسم** ۔
لفظ اما کا اضافہ کر کے شارح نے سوال مقدر کا جواب دے دیا ہے۔

سوال: قاعدہ جب معطوف حرف اما کے ساتھ ہو تو معطوف علیہ پر حرف اما کا لانا واجب ہوتا ہے جیسے هذا العدد اما زوج اما فرد اور اگر معطوف لفظ او کے ساتھ ہو تو معطوف علیہ پر اما کا داخل کرنا مستحس ہوتا ہے تو صاحب کافیہ کو اما ذکر کرنا چاہئے تھا کیوں ذکر نہیں کیا۔

جواب: اتنی بات آپ کی تسلیم ہے کہ اما کا ہونا مستحسن ہے لیکن اما کا لفظ میں ذکر کرنا واجب نہیں کہ اما مقدر بھی ہوسکتا ہے یہاں بھی اما مقدر ہے۔

قوله **ای الذی**
سے مولانا جامیؒ نے اشارہ کر دیا کہ الموصوف پر الف لام بمعنی الذی ہے۔

قوله **جعلت صلته** ۔سوال مقدر کا جواب

سوال: بفعل او ظرف یہ جار مجرور متعلق کا تقاضا کرتا ہے اور الموصول اس کا متعلق نہیں بن سکتا اس لئے کہ قاعدہ ہے کہ جب کسی کلمہ کو معنی لغوی سے معنی اصطلاحی کی طرف نقل کیا جائے تو اسم جامد کے حکم میں ہو جاتا ہے اور اسم جامد متعلق بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا لہذا جار مجرور کے متعلق کیا چیز ہے

جواب: کہ جار مجرور کا متعلق جعلت ہے جس کو الموصول کا لفظ متضمن ہے۔

قوله **جملة فعلية او ظرفية** ۔سوال مقدر کا جواب

سوال: کہ اسم موصول کا صلہ تو ہمیشہ جملہ ہوتا ہے تنہا فعل یا تنہا ظرف واقع نہیں ہوسکتا۔

جواب: دیا کہ فعل سے مراد جملہ فعلیہ اور ظرف سے مراد جملہ ظرفیہ ہے۔ یعنی صاحب کافیہ جزء کو ذکر کر کے کل مراد لیا ہے۔

قوله **مووّلة بجملة فعلية** ۔سوال مقدر کا جواب

سوال: بصریین کے مذہب پر تو ظرف کا جملہ ہونا صحیح کیونکہ ان کے نزدیک ظرف کا متعلق فعل

مقدر ہوتا ہے لیکن کوفین کے نزدیک ظرف کا جملہ ہونا صحیح نہیں اس لئے کہ کوفین کے نزدیک ظرف کا متعلق اسم فاعل ہوتا ہے اور اسم فعل اپنے فاعل سے مل کر مفرد ہی رہتا ہے جملہ نہیں ہوتا۔

جواب: دیا کہ اس مقام میں سب کے نزدیک ظرف کا متعلق فعل ہی مقدر نکالا جائے گا اور فعل اپنی فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ بن جائے گا۔

قال الشارح انما اشترط ان تکون ۔ سے مولانا جامیؒ صلہ کے لئے جملہ فعلیہ یا جملہ ظرفیہ ہونے کی جو شرط لگائی تھی اس کی علت کو بیان کیا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ شرط اس لئے لگائی ہے تا کہ مبتداء کی مشابہت شرط کے ساتھ کمال درجے کی ہو جائے کیونکہ شرط بھی ہمیشہ فعل ہی ہوا کرتی ہے۔

قولہ وفی حکم الاسم ۔ سے سوال مقدر کا جواب

سوال: آیت کریمہ قل ان الموت الذی تفرون میں خبر پر فاء داخل ہو رہی ہے حالانکہ مبتداء ان مذکورہ صورتوں میں سے نہیں۔

جواب: دیا کہ جب مبتداء ایسا اسم ہو جس کی صفت اسم موصول بفعلٍ ہو یا اسم موصول بظرف ہو تو وہ بھی اسم موصول بفعلٍ اور اسم موصول بظرف کے حکم میں ہوتا ہے اور آیت کریمہ میں الموت اگرچہ مبتداء اسم موصول نہیں لیکن ایسا اسم ہے جس کی صفت اسم موصول بفعلٍ لہذا خبر پر فاء داخل ہونا صحیح ہوا۔

قولہ باحدهما ۔ سوال مقدر کا جواب

سوال: کہ جب ضمیر کے مرجع ایسے دو امر ہوں جن میں او حرف عطف کے ذریعے عطف کیا گیا ہو تو وہاں ضمیر کو مفرد لانا واجب ہوتا ہے اس لئے کہ واقع نفس الامر میں وہ ایک ہی امر مراد ہوتا ہے۔

جواب: یہاں مضاف محذوف ہے جو کہ لفظ احد ہے

بعنوان دیگر: سوال کی یوں تقریر کی جا سکتی ہے کہ متن کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ نکرہ ایک ہی وقت میں دو امر کیساتھ موصوف ہوگا جو کہ واقع نفس الامر کے خلاف ہے۔ واقع نفس الامر میں تو ایک کے ساتھ موصوف ہوگا یعنی یا تو ایسا اسم موصول کے ساتھ موصوف ہوگا جس کا صلہ جملہ فعلیہ ہوگا یا ایسا اسم موصول کے ساتھ موصوف ہوگا جس کا صلہ جملہ ظرفیہ ہوگا دونوں کے ساتھ بیک

وقت موصوف نہیں ہوسکتا۔

جواب: دیا کہ یہاں مضاف محذوف ہے لفظ احد تقدیر عبارت ہوگی بحدھا۔

قوله وفی حکمها الاسم ۔سوال مقدر کا جواب

سوال: کل غلام رجل یا تینی فله درهم اور ایسے کل غلام رجل فی الدار فله درهم میں خبر پر فا داخل ہو رہی ہے حالانکہ مبتداء ان مذکورہ صورتوں میں سے نہیں لہذا حصر صحیح نہ ہوا۔

جواب: جب مبتداء ایسا اسم ہو جو نکرہ موصوفہ بفعل یا نکرہ موصوفہ بظرف کی طرف مضاف ہو تو اس اسم کے لیے بھی نکرہ بفعل اور نکرہ بظرف کا حکم ہوتا ہے لہذا حصر باطل نہ ہوا

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ مبتداء معنی شرط کو متضمن ہو کر شرط کیساتھ مشابہت رکھتا ہو۔جس کی وجہ سے خبر فاء دداخل کی جاتی ہے اس کی چند صورتیں ہیں۔

صورت اولی: جب مبتداء ایسا اسم موصول ہو کہ جس کا صلہ جمہ فعلیہ ہو تو ایسی مبتداء کی خبر پر فاء کا دخول صحیح ہوتا ہے مثال الذی یاتینی فله درهم اور دوسری مثال ما اصابکم من مصیبة فبما کسبت ایدیکم۔

صورت ثانیه: جب مبتداء ایسا اسم موصول ہو جس کا صلہ جملہ ظرفیہ ہو تو ایسے مبتداء کی خبر پر بھی فاء کا دخول صحیح ہوتا ہے مثال الذی یاتینی فی الدار فله درهم اور دوسری مثال ما بکم من نعمة فمن الله۔

صورت ثالثه : جب مبتداء ایسا اسم موصوف ہو جس کی صفت موصول بفعل ہو تو ایسے مبتداء کی خبر پر بھی فاء کا دخول صحیح ہوتا ہے جیسے قل ان الموت الذی منه فانه ملاقیکم اور دوسری مثال و القواعد من النساء التی لا یرجون نکاحا۔

صورت رابعه: جب مبتداء ایسا اسم موصوف ہو جس کی صفت جملہ ظرفیہ ہو تو ایسے مبتداء کے خبر پر بھی فاء کا دخول صحیح ہوگا مثال لبیب تحت رعایتك فلایخیب۔

صورت خامسه: جب مبتداء ایسا اسم نکرہ موصوفہ ہو جس کی صفت جملہ فعلیہ ایسے مبتداء کے خبر پر بھی فاء کا دخول صحیح ہوگا مثال کل رجل یا تینی فله درهم ۔دوسری مثال کل رجل یتقی الله فسعید۔

صورت سادسہ : جب مبتداء ایسا نکرہ موصوف ہو جس کی صفت جملہ ظرفیہ ہو تو ایسے مبتداء کی خبر پر بھی فاء کا دخول صحیح ہے جیسے کل رجل فی الدار فله درهم دوسری مثال کل رجل فی المسجد فله بر۔

صورت سابعہ : جب مبتداء ایسا اسم ہو جو ایسے نکرہ موصوفہ کی طرف مضاف ہو جس کی صفت جملہ فعلیہ ہو تو اس کی خبر پر بھی فاء کا داخل کرنا صحیح ہے جیسے کل غلام رجل یاتینی فله درهم

صورت ثامنہ : جب مبتداء ایسا اسم ہو جو ایسے نکرہ موصوفہ کی طرف مضاف ہو جس کی صفت جملہ ظرفیہ ہو تو اس کی خبر پر بھی فاء کا داخل کرنا صحیح ہے جیسے کل غلام رجل فی الدار فله درهم

سوال : صورت سابعہ اور صورت ثامنہ میں جو اسم مبتداء ہے وہ لفظ کل ہے وہ نکرہ موصوفہ کی طرف مضاف نہیں اور جو نکرہ موصوفہ کی طرف مضاف ہے وہ لفظ غلام ہے جو کہ مبتداء نہیں لہذا مثال ممثل لہ کے مطابق نہیں۔

جواب : جو حکم مضاف الیہ کا ہوتا ہے وہی مضاف کا ہوتا ہے اور مضاف الیہ کا نکرہ موصوفہ کی طرف مضاف ہونا گویا مضاف کا نکرہ موصوفہ کی طرف مضاف ہونا ہے۔ لہذا مثال ممثل لہ کے مطابق ہوئی۔ مولانا جامیؒ نے صاحب کافیہؒ کی بیان کردہ امثلہ کے ممثل لہ کی تعیین کردی اور جن صورتوں کی مثال صاحب کافیہؒ نے بیان نہیں کی ان صورتوں کی مثالیں بھی بیان کردی۔

قال الماتن ﴿لیت ولعل مانعان بالاتفاق﴾

صاحب کافیہ دخول فاء کے مقامات بیان کرنے کے بعد یہاں سے دخول فاء کے موانع بیان کر رہے ہیں۔ جن میں سے بعض متفق علیہ ہیں اور بعض مختلف فیہ ہیں اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ وہ مبتداء جس کی خبر فاء کا داخل کرنا صحیح ہو اگر ایسے مبتداء پر لیت اور لعل داخل ہو جائیں تو خبر پر فاء کا داخل کرنا ناجائز اور ممتنع ہو جاتا ہے **وجہ مانعیت** اور علت امتناع یہ ہے کہ مبتداء خبر جملہ خبریہ ہوتا ہے اور شرط و جزاء بھی جملہ خبریہ اسوقت ان کی مشابہت ہوگی۔ لیکن جب لیت و لعل داخل ہو جائیں گے تو یہ جملہ انشائیہ بن جاتا ہے جس سے مشابہت ختم ہو جاتی ہے۔ اور جب مشابہت ہی نہیں رہے گی تو فاء کا دخول کیسے درست ہوگا۔ اس لئے لیت و لعل دخول فاء کے

لئے مانع ہیں۔

قال الشارح **من الحروف المشبه بالفعل** ۔سوال آتی کا اجمالی جواب بیان کر دیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ لیت و لعل کا مانع اتفاقی ہونا جمیع ماعدا کے اعتبار سے نہیں تا کہ یہ لازم آئے لیت اور لعل کے علاوہ بھی بعض مانع اتفاقی ہیں بلکہ لیت ولعل کے مانع اتفاقی ہونا حروف مشبہ بالفعل کے اعتبار سے ہے کہ حروف مشبہ بالفعل میں سے صرف لیت و لعل مانع عن دخول الفاء علی الخبر ہیں اتفاقاً۔

قال الشارح **اذا دخل علی المبتداء** ۔مولانا جامیؒ نے قید کو بیان کر دیا کہ لیت و لعل کا خبر پر فاء کے دخول سے مانع ہونا تب ہوتا ہے جب کہ لیت و لعل ایسے مبتداء پر داخل ہوں جس کی خبر پر فاء کا دخول صحیح ہو یاد رکھیں یہ قید بطور اقتضاء النص کے ثابت ہے اس لئے کہ لیت ولعل خبر پر فاء کا دخول سے مانع ہونا اس بات کے فرع ہے کہ لیت و لعل ایسے مبتداء پر داخل ہوں جس کی خبر پر فاء کا دخول صحیح ہو۔

قوله **عن دخوله علیه** ۔صلہ کا بیان ہے۔

قوله **لان صحت دخوله** ۔سے وجہ مانعیت اور علت کا بیان ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ ایسے مبتداء کے خبر پر فاء کا دخول کے صحیح ہونے کے لئے علت حقیقیہ مبتداء کے شرط کے ساتھ اور خبر کے جزاء کے ساتھ مشابہ تھی اور لیت و لعل کے وجہ سے یہ مشابہت زائل ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ لیت و لعل کلام کو خبریت سے نکال کر انشائیت میں داخل کرتے ہیں حالانکہ شرط اور جزاء تو اخبار کے قبیل سے ہیں۔لھذا جب وہ علت حقیقیہ مشابہت زائل ہو گئی تو قاعدہ ہے کہ زوال علت مستلزم ہے حکم کے زوال کو لہذا حکم بھی دخول فاء والا زائل ہو جائے گا۔

فائدہ : ہم اس بات کو قطعاً تسلیم نہیں کرتے کہ شرط اور جزاء از قبل اخبار ہیں۔اس لئے کہ شرط پر کبھی حرف استفہام داخل ہو کر خبر کو انشاء کے معنی میں کرتا ہے لیکن اس کے باوجود جملہ شرطیہ باقی رہتا ہے۔اسکی شرطیت ختم نہیں ہو جاتی جیسے اور نیز بہت سارے مقام ایسے بھی ہیں جہاں جزاء امر اور نہی واقع ہو رہی ہے یعنی جزاء جملہ انشائیہ ہے جیسے ان کنتم جنبا فاطھروا۔اسی طرح اذا قمتم الیٰ الصوٰۃ فاغسلوا۔

جواب: ہم بھی آپ کی پیش کردہ مثال استفہام والی کوتسلیم نہیں کرتے اس لئے کہ اس میں شرط اور استفہام دونوں صدارت کے مقتضی ہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ ایک کی صدارت فوت ہوتی ہے لہذا یہ مثال غلط ہے۔ باقی رہا جزاء کا جملہ انشائیہ ہونا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم حکم لگا رہے ہیں شرط وجزاء کے مجموعہ پر۔ اس پر سوال ہوگا

سوال: کہ شرط وجزاء کا مجموعہ قضیہ کے مجموعہ تو منطقیوں کے نزدیک معتبر اور مراد ہوا کرتا ہے جب کہ نحوی حضرات تو صرف جزاء پر حکم لگاتے ہیں اور شرط کو قید مانتے ہیں تو ان کے لئے تو ضروری ہے کہ خبریت جزاء میں پائی جائے

جواب: یہ ہے کہ جزاء کو ہم جملہ خبریہ کے ساتھ مؤول کریں گے۔ جیسے ان زنیٰ زید فاضربه کے ہم یوں تاویل کریں گے ان زنیٰ زید فمقول فی حقه اضربه۔

فائدہ: لیت ولعل کے مانع ہونے میں بعض نحاۃ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ مبتداء پر فاء کا دخول تب درست ہے جب شرط کہ معنی کو متضمن ہو اور شرط کے لئے صدارت کلام ضروری ہے۔ جب لیت ولعل داخل ہونگے تو صدارت کلام فوت ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے مانع بن جاتے ہیں اور بعض نے یہ وجہ بیان کی ہے کہ شرط جزاء وجود کی قطعیت پر دلالت کرتے ہیں اور جب کہ لیت ولعل سے قطعیت ختم ہو جاتی ہے۔

قال الشارح وذلک المنع ۔سے مولانا جامیؒ بالاتفاق جار مجرور کے متعلق کی طرف اشارہ کردیا کہ یہ جار مجرور متعلق ہے مانع کے۔من النحاۃ سے اشارہ کردیا کہ نحاۃ کا اتفاق مراد ہے

قال الشارح فلا یقال لیت ۔تفریع کا بیان ہے۔ جب لیت ولعل مانع ہیں تو لیت الذی یاتینی فله درهم کہنا غلط ہے

قال الشارح وان قیل ۔سے مولانا جامیؒ سوال نقل کرکے جواب دینا چاہتے ہیں۔

سوال: ماتن کی کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ خبر پر فاء کے دخول سے مانع اتفاقی ہونا فقط لیت ولعل میں ہے حالانکہ جس طرح لیت ولعل اتفاقا مانع ہیں اسی طرح باب کان اور باب علمت بھی بالاتفاق مانع ہیں خبر پر فاء کے دخول سے۔ لہذا ماتن کا لیت اور لعل کے ساتھ مانع اتفاقی کو

خاص کرنا درست نہیں

جواب: لیت ولعل کی تخصیص جمیع ماعدا کے اعتبار سے نہیں بلکہ حروف مشبہ بالفعل کے اعتبار سے ہے۔ کہ حروف مشبہ بالفعل میں سے صرف لیت ولعل بالاتفاق مانع ہیں باقی حروف مشبہ بالفعل میں اختلاف ہے۔ اسی وجہ سے ان کے ساتھ مانع اتفاقی کی تخصیص کی ہے۔

قال الماتن ﴿والحق بعضہم انّ بہما﴾

بعض نحویوں نے اِنّ مکسورہ کو لیت ولعل کے ساتھ لاحق کیا ہے کہ اِنّ مکسورہ بھی مانع ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ اِنّ تحقیق کے لئے آتا ہے جب کہ شرط اور جزاء امور مشکوکہ میں سے ہیں۔ اور چونکہ تحقیق اور شک میں مخالفت ہے اس لئے اِنّ مکسورہ بھی مانع عن دخول الفاء ہوا۔

قال الشارح قیل ھو سیبویہ ۔

ملحق بہ کے مصداق کا بیان کہ اِنّ مکسورہ کے الحاق کے قائل سیبویہ ہے۔

قال الشارح المکسورۃ ۔ضبط اعراب کا بیان ہے اس لئے اَنّ مفتوحہ کے الحاق کا قائل سیبویہ نہیں حالانکہ متن میں سیبویہ کا قول بیان کرنا مقصود ہے۔

قال الشارح والاصح ۔سے مولانا جامیؒ محاکمہ کا بیان کرر ہے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ اِنّ مکسورہ کا خبر پر فاء کے دخول سے مانع ہونا عقل اور نقل دونوں کے خلاف ہے۔

عقل کے خلاف اس لئے کہ کہ خبر پر فاء کا دخول مشابہت کی وجہ سے تھا اور اِنّ مکسورہ کے دخول کے باوجود مشابہت حقیقی باقی رہتی ہے اور قاعدہ ہے کہ بقاء علت تقاضا کرتی ہے بقاء حکم کا لہذا اِنّ مکسورہ کے داخل ہونے کے بعد بھی خبر پر فاء کا دخول صحیح ہوگا۔ ورنہ تو لازم آئے علت پایا جانا بغیر حکم کے جو کہ باطل ہے۔

اور نقل کے خلاف اس لئے کہ آیت کریمہ ان الذین کفروا وما توا وھم کفار فلن یقبل توبتھم ۔ اِنّ مکسورہ کی خبر پر فاء داخل ہے جس سے پتہ چلا کہ اِنّ مکسورہ مانع عن دخول الفاء علی الخبر نہیں۔

فائدہ اس نقل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اِنّ مکسورہ کی خبر پر فاء کے دخول سے مانع نہ ہونے کے لیے اس کو تائید بنایا گیا دلیل نہیں اس کی کیا وجہ ہے۔

جواب: اس میں ایک احتمال تھا اس کی رعایت کی گئی ہے ہوسکتا ہے کہ خبر محذوف ہو فلن یقبل توبتهم خبر محذوف کے قائم مقام اور اس کی تفصیل ہو۔

قال الشارح **فان قيل قد الحق** ۔

مولانا جامیؒ سوال نقل کر کے قیل سے جواب دینا چاہتے ہیں۔

سوال: جس طرح اِنَّ مکسورہ میں اختلاف تھا بعض الحاق کے قائل تھے اسی طرح أنَّ مفتوحه اور لكنَّ کے اندر بھی اختلاف تھا کہ بعض نحاۃ ان کو بھی لیت ولعل کے ساتھ لاحق کرتے ہیں تو اس الحاق کے اختلاف کو کیوں بیان نہیں کیا

جواب: انَّ مفتوحه اور لکن کے اندر عام نحاۃ کا قول ہے جس کے قول کی کوئی حیثیت نہیں اس لئے صاحب کافیہؒ ان قول کو نقل نہیں کیا۔ اور اِنَّ مکسورہ میں امام نحو کا قول تھا اس لیے اسکو نقل کیا

قال الشارح **مع ان كلا القولين** ۔ مولانا جامیؒ محاکمہ بیان کررہے ہیں۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ قرآن پاک اور کلام فصحاء نہ تو سیبویہ کے قول کے موافق ہے اور نہ ہی غیر سیبویہ کے قول کے موافق ہے۔ اسلیے کہ جس طرح اِنَّ مکسورہ کی خبر پر فاء کا داخل ہونا آیت مذکورہ سے ثابت ہے اسی طرح أنَّ مفتوحه کی خبر پر بھی فاء کا داخل ہونا آیت کریمہ ثابت ہے واعلموا انما غنمتم من شئی فاَنّ لله خمسه میں اور لکنَّ کی خبر پر بھی فاء داخل ہے جیسے

فو لله ما فارقتكم قاليا لكم و لكنما يقضى فسوف يكون۔

فائدہ: مولانا جامیؒ کے اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن پاک اور کلام فصحاء ان دونوں قولوں میں سے ہر ایک کے موافق اور مساعد نہیں۔ حالانکہ تفصیل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سیبویہ کے قول کے مطابق تو قرآن موافق اور مساعد نہیں۔ لیکن غیر سیبویہ کے قول میں سے صرف أنَّ مفتوحه کے مانع ہونے میں تو قرآن موافق نہیں لیکن لکنَّ کے مانع ہونے میں صرف کلام فصحاء موافق نہیں لھذا تفصیل اجمال کی موافق نہ ہوئی۔

جواب: اس کلام کا یہ مطلب نہیں کہ ان کا قول فصحاء اور قران موافق نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ بعض کے قرآن موافق نہیں اور بعض کے کلام فصحاء موافق نہیں۔

قال الماتن ﴿وقد يحذف المبتداء لقيام قرينة جوازا كقول لمستهل الهلال والله﴾

یہاں تک مبتداء اور خبر کے ایسے احکام کا بیان تھا جوان کے مذکور ہونے کے متعلق تھے اب یہاں سے صاحب کافیہؒ حذف کے متعلق احکام بیان کرنا چاہتے ہیں۔اور چونکہ مبتداء اصل تھا پہلے اس کے احکام بیان کرتے ہیں۔ کہ جہاں قرینہ موجود ہوتو وہاں مبتداء کا حذف کرنا جائز ہے خواہ قرینہ لفظیہ ہو جیسے فاء کے جواب میں من عمل صالحاً فلنفسه بقرینہ شرط اور بعد القول ای قالو اساطیر الاولین بقرینہ مقولہ ہو مبتداء محذوف ہے۔ یا بقرینہ عقلیہ جیسے الهلال والله جس کے لئے هذا مبتداء محذوف ہے جس کیلئے قرینہ حال مستعمل ہے کہ وہ ایک چیز کو اشارہ سے متعین کرنا چاہتے ہے۔

قال الشارح **لفظية او عقلية** ۔قرینہ کی تعمیم کا بیان برائے دفع دخل مقدر۔

سوال: کہ متن میں مبتداء کے حذف جوازی کے قرینہ میں حال مستعمل پیش کیا جس سے یہ وہم ہوسکتا تھا کہ قرینہ حالیہ کی وجہ سے مبتداء حذف ہوسکتا ہے لیکن قرینہ لفظیہ کی وجہ سے نہیں۔

جواب: مولانا جامیؒ نے قرینہ میں تعمیم کردی کہ خواہ قرینہ لفظیہ ہو یا قرینہ عقلیہ حالیہ ہو مبتداء کا کو حذف کرنا جائز ہے۔اس لئے کہ جب قرینہ حالیہ جو قرینہ ضعیفہ ہے اس سے مبتداء کا حذف جائز ہے تو قرینہ لفظیہ جو قرینہ قویہ ہے اس سے بطریق اولیٰ جائز ہے۔

قال الشارح **ای حذفا جائزا** ترکیب کا بیان۔جس کے بارے دوسوال وجواب ما قبل میں گذر چکے ہیں لا واجبا: سے اشارہ کردیا کہ جائزا کی قید احترازی ہے۔

قال الشارح **وقد يجب حذفه** ۔سے مولانا جامیؒ نے ماتن پر اعتراض کیا ہے اور احسن اور لطیف انداز سے جواب کی طرف اشارہ بھی کردیا۔تو صاحب کافیہ کو چاہئے تھا کہ جہاں مبتداء کے حذف جوازی کو بیان کیا ہے وہاں حذف وجوبی کو بھی بیان کرتے۔اور مولانا جامیؒ نے مبتداء کی حذف وجوبی کی دو مثالیں بیان کی ہیں۔

پہلا مقام: جب نعت کو منعوت سے منقطع کر کے مرفوع پڑھا جائے تو وہاں مبتداء کو وجوبی طور پر حذف کیا جائے گا جیسے الحمد الله اهل الحمد اس میں اهل الحمد خبر ہے جس کے لئے هو ضمیر مبتداء وجوبی طور پر محذوف ہے۔باقی رہی یہ بات اس مقام میں حذف وجوبی کی علت کیا ہے تو مولانا جامیؒ نے علتہ یہ بیان کی ہے۔کہ جب نعت کو منعوت سے منقطع کر کے

مرفوع پڑھا جائے تو اس سے مقصود مدح یا ذم یا ترحم میں مبالغہ ہوتا ہے اور یہ مقصود تب حاصل ہو سکتا ہے جب مبتداء کو حذف کیا جائے کیونکہ حذف وجوبی سے اعراب مألوف میں تغیر اور تبدل سامع کی توجہ زیادتی پر تنبیہ ہوگی یہ تنبیہ شدۃ اھتمام پر دال ہوگی۔ اور شدۃ اھتمام مدح یا ذم یا ترحم میں مبالغہ پر دال ہوگی اگر مبتداء کو لفظوں میں ذکر کیا جائے تو مقصود حاصل نہ ہوگا لھذا جب متکلم کا مقصود مبتداء کے حذف کرنے پر موقوف تھا تو مبتداء کو اس صورۃ مذکورہ میں حذف کرنا واجب ہوگا۔

دوسرا مقام :ان نحاۃ کے مذہب پر جو اس بات کے قائل ہیں کہ نعم اور بئس مخصوص بالمدح اور مخصوص بالذم مبتداء محذوف کی خبر ہوا کرتے ہیں تو ان کے نزدیک حذف وجوبی ہوگا۔

خلاصہ اعتراض یہ ہوا کہ صاحب کافیہ کو چاہئے تھا جسطرح حذف جوازی کو بیان کیا اس طرح حذف وجوبی کو بھی بیان کرتے۔ لیکن مولانا جامیؒ نے لفظ قد سے جواب کی طرف اشارہ کر دیا کہ چونکہ مواقع حذف وجوبی کے مقام قلیل تھے اور قاعدہ ہے کہ القلیل کالمعدوم اس لئے صاحب کافیہؒ نے حذف وجوبی کو بیان نہیں کیا۔

قال الشارح **او المبتداء المحذوف** ۔ترکیب کا بیان کہ قول المستھل خبر ہے جس کے لئے مبتداء ھو جوازاً محذوف ہے جو کہ قد یحذف المبتداء سے سمجھا جاتا ہے۔

قوله **مثل المبتداء المحذوف** ۔سوال مقدر کا جواب

سوال : صاحب کافیہؒ کے قول سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حذف جوازی مستھل کا قول الھلال و اللہ کی طرح ہے یعنی مستھل کا قول الھلال و اللہ مبتداء جوازاً محذوف ہے حالانکہ قول مستھل الھلال و اللہ محذوف ہی نہیں۔ اور یہ ہے بھی خبر۔ لھذا مثال ممثل کے مطابق نہ ہوئی۔

جواب : عبارت کافیہ میں تسامح ہے اصل عبارت یوں ہے مثل المبتداء المحذوف فی مقول المستھل یعنی کاف بمعنی مثل ہے اور کاف کا مجرور المبتداء المحذوف ہے۔ اور فی جار ہے اور قول بمعنی مقول کے ہے اب معنی یہ ہوگا۔ کہ مبتداء محذوف جوازی اس مبتداء محذوف کی مانند ہے جو کہ مستھل کے مقولہ میں ثابت ہے اور مستھل کا مقولہ الھلال و اللہ میں محذوف ہے اور یہ بلکل درست ہے۔ اور صاحب کافیہؒ نے فھم متعلمین پر اعتماد کرتے ہوئے بطور اختصار کاف حرف جار کے مجرور کو بھی حذف کر دیا۔ اور فی حرف جار کو بھی حذف کر دیا۔ جس

کی وجہ سے مراد کے سمجھنے میں دشواری پیدا ہوگئی۔

قولہ المبصر للهلال ۔لفظ مستھل کے مرادی معنی کا بیان ہے لغوی معنی کا نہیں کیونکہ لغوی معنی تو بچہ کا ولادت کے وقت آواز کرنا ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ یہ معنی یہاں مراد نہیں ہو سکتا۔اور یہاں مستھل کا معنی ہے چاند کو دیکھنے والا۔اس لئے کہ مستھل کا لفظ الھلال سے مشتق ہے جس میں ابصار کے معنی کی تضمین کا لحاظ کیا گیا ہے۔

اور یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ حقیقی معنی تو بچہ کا ولادت کے وقت کا آواز بلند کرنا ہے۔یہاں حقیقی معنی سے بعض معنی یعنی صرف آواز بلند کرنا مراد ہے اور جب لفظ کے حقیقی معنی سے بعض معنی مراد ہو تو اس کو اصطلاح میں حقیقت قاصرہ کہا جاتا ہے۔الرافع صوته عند االابصار سے اسی کی طرف اشارہ کیا۔

قولہ ولیس من باب حذف الخبر ۔سوال مقدر کا جواب

سوال: ہم اس بات کو تسلیم ہی نہیں کرتے کہ یہاں مبتداء محذوف ہے بلکہ یہاں خبر محذوف ہے یے تقدیر عبارت یہ ہے۔الھلال هذا

جواب: حذف خبر کے باب سے بنانا غلط ہے۔اسلیے کہ اس میں متکلم کا مقصود فوت ہو جاتا ہے کیونکہ متکلم کا مقصود یہ ہے کہ ایک چیز کو اشارہ کے ذریعے متعین کر کے اس پر ھلالیت کا حکم لگانا ہے تا کہ چاند دیکھنے والے اس کی طرف متوجہ ہوں اور چاند دیکھ لیں۔کیونکہ اہل عرب جب محذوف کی تصریح کرتے ہیں تو مبتداء کی تصریح کرتے ہیں نہ کہ خبر کی

خلاصہ جواب: کہ مبتداء کو محذوف مانا جائے تو حکم بالھلالیت ہوگا۔اور اگر خبر کو محذوف مانا اجائے تو حکم علی الھلال ہوگا اور یہاں چونکہ مقصود متکلم حکم بالھلالیت ہے تو اس لئے یہاں مبتداء کو محذوف مانا جا سکتا ہے خبر کو نہیں۔

قولہ وانما اتی بالقسم ۔سوال مقدر کا جواب

سوال: مثال میں قسم کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں تھی اس لئے کہ مثال قسم کے بغیر بھی تام تھی تو مصنفؒ قسم کو کیوں ذکر کیا یہ تو اختصار کے خلاف ہے مولا جامی نے دو جواب دیئے۔

جواب اول: جریا علی سے دیا اور دوسرا جواب ولئلا سے دیا۔پہلے جوب کا حاصل یہ ہے کہ عرب کی یہ عادت تھی کہ جب وہ جب چاند دیکھتے تو قسم کو بھی ساتھ ذکر کرتے ہیں تو صاحب کافیہؒ

نے بھی ساتھ ذکر کر دیا اور مولانا جامیؒ نے غالبا کی قید لگا کر عادت کا معنی بھی متعین کر دیا کیونکہ عادت کے دو معنی ہیں (۱) جس کا خلاف واقع میں بالکل نہ ہو (۲) جس کا خلاف واقع میں تو ہو لیکن نادر اور قلیل الوقوع ہو۔ مولانا جامیؒ نے غالباً لگا کر بتا دیا کہ یہاں عدات کا دوسرا معنی مرد ہے باقی رہی یہ بات کہ یہ عادت کیوں ہے۔

جواب: جب کثر تعداد میں لوگ چاند دیکھنے کے لئے متوجہ ہوں اور ان میں سے کسی کا چاند کو دیکھ لینا یہ مقام مقام انکار ہے۔ تو اس انکار کے رفع کرنے کے لیے قسم کو ذکر کیا جاتا ہے۔

دوسرا جواب: کا حاصل یہ ہے کہ تاکہ مثال ممثل لہ میں نص ہو جائے اور غیر کا احتمال نہ رہے اور اگر قسم کو ذکر نہ کیا جاتا تو الھلال پر حالت وقف میں مرفوع ہونا متعین نہ ہوتا بلکہ اس بات کا بھی احتمال تھا کہ شاید الھلال منصوب ہو رائیت فعل محذوف کے مفعول بہ ہونے کی بناء پر۔ اور جب الھلال کے بعد اس کے ساتھ قسم کو ذکر کر دیا جاتا ہے۔ جس سے الھلال کا مرفوع ہونا متعین ہو جائے گا۔ اور جب اس کا مرفوع ہونا متعین ہو گیا تو اس کے مبتداء کا محذوف ہونا بھی متعین ہو گیا تو اس صورت میں مثال ممثل لہ میں نص ہو جائے گی۔

قال الشارح والخبر جوازا مثل خرجت فاذا السبع ﴿

اب صاحب کافیہ خبر کے حذف کے لئے حکم بیان کرنا چاہتے ہیں کہ جہاں قرینہ موجود ہو تو وہاں خبر بھی جوازاً محذوف ہوتی ہے جیسے السبع مبتداء ہے جس کی خبر واقف محذوف ہے جس پر قرینہ اذا مفاجاتیه ہے کیونکہ یہ جملہ پر داخل ہوتا ہے۔ یاد رکھیں بعض نے ایک اور ترکیب کی ہے کہ اذا ظرفیه مکانیه خبر ہے مبتداء کی۔ تو اس ترکیب پر یہ حکم مذکور کی مثال نہیں بنے گی۔

قال الشارح **قد یحذف** ۔ سے مولانا جامیؒ نے حاصل عطف کا بیان کر دیا کہ و الخبر کا عطف ہے مبتداء پر اور قاعدہ ہے جو عبارت معطوف علیہ کے ساتھ متعلق ہوتی ہے وہی معطوف کے ساتھ بھی متعلق ہوتی ہے۔

قال الشارح **ای حذفا جائزا** ۔ اس عبارت کی غرض کئی مرتبہ بیان کی جا چکی ہے۔

قال الشارح **لقیام قرینة** ۔

سے مولانا جامیؒ نے بتا دیا کہ قرینہ کی شرط یہاں بھی ملحوظ ہے۔

قال الشارح **من غير اقامة شئ** ۔سے صحت تقابل کا بیان ہے کیونکہ کہ حذف وجوبی میں خبر کا قائم مقام کا ہونا ضرور ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ حذف جوازی میں قائم مقام کا ہونا ضروری نہیں مثل الخبر المحذوف: صاحب کافیہؒ کے تسامح کا بیان۔صاحب کافیہؒ نے کل کو جزء کے قائم مقام کردیا

قال الشارح **فان تقديره** ۔

انطباق المثال على الممثل له کا بیان برائے دفع دخل مقدر۔

سوال: ہم اس بات کو تسلیم ہی نہیں کرتے کہ خرجت فاذالسبع کے قول میں خبر محذوف نہیں ہے بلکہ خبر مذکورہ ہے جو اذا ہے جیسا کہ بعض نے کہا کہ اذا ظرف مکان خبر مقدم ہے اور السبع مبتداء مؤخر ہے یا اذا ظرف زمان خبر مقدم ہے لیکن اس صورت میں مبتداء کی جانب مضاف محذوف ہوگا خواہ حصول ہو یا حضور۔اگر پہلی صورت مراد ہو یعنی اذا ظرف مکان ہو تو تقدیر عبارت یوں ہوگی ففی مکان خروجی وقوف السبع اگر اذا ظرف زمان ہو تو مضاف محذوف ہوگا تو تقدیر عبارت یوں ہوگی ففی زمان خروجی حصول السبع یا حضور السبع۔بہر تقدیر خبر مذکور ہے محذوف نہیں۔لہذا مثال ممثل لہ کی مطابق نہ ہوئی۔

جواب: خرجت فاذالسبع واقف کا ذکر اس طور پر ہے کہ اذا ظرف ہے خبر محذوف کے لئے تو لہذا مثال ممثل کے مطابق ہوجائے گی اور یہ تقدیر عبارت بلکل صحیح ہے اس لئے کہ عرب جب محذوف کی تصریح کرتے ہیں فاذالسبع واقف کہتے ہیں۔

قال الماتن ﴿ووجوبا فيما التزم في موضعه غيره﴾ کبھی خبر کو وجوبی طور پر حذف کیا جاتا ہے اور حذف وجوبی اس وقت ہوگا جب کسی چیز کو خبر کے قائم مقام کردیا گیا ہو۔اس حذف وجوبی کی علۃ یہ ہے کہ اگر خبر کو بھی ذکر کردیا جائے تو لازم آئے گا اصل اور قائم مقام کا اجتماع جو کہ باطل ہے۔حذف وجوبی کے چار مقامات صاحب کافیہؒ نے یہاں بیان کیے ہیں۔

و قد يحذف الخبر:۔حاصل عطف کا بیان کہ وجوبا کا عطف جوازا پر ہے۔

اى فى تركيب :سے مولانا جامیؒ نے اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ کلمہ ما کے مصداق کو بیان کیا ہے۔کہ اس کا مصداق ترکیب ہے خبر نہیں ورنہ جملہ کا عائد سے خالی ہونا لازم آئے گا

قولہ و ذالک فی اربعۃ ابواب ۔سے مولانا جامیؒ کی غرضیں ہیں
(ا) صاحب کافیہؒ کے قول آتی کو تفصیل پر محمول کیا اور چونکہ تفصیل اجمال کا تقاضہ کرتا ہے تو اس عبارت میں اجمال کا بیان ہے۔ا
(۲) یہ بتانا ہے کہ صاحب کافیہؒ نے چار مثالوں سے چار قاعدوں کی طرف اشارکہ کیا۔اس لئے کہ صاحب کافیہؒ کا طریقہ بھی یہی ہے کہ مثالوں سے قواعد کلیہ کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں۔
(۳) اور تیسری غرض مولانا جامیؒ کی اس عبارت سے سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: صاحب کافیہ کہ یہ عبارت وجوبا فیما التزم سے قاعدہ کلیہ معلوم ہوتا ہے اور قاعدہ کلیہ کے افراد تو غیر متناہی غیر متعین ہوتے ہیں اس لئے یہ وہم ہوسکتا تھا کہ اس قاعدہ کلیہ کے افراد بہت ہونگے البتہ صاحب کافیہؒ نے چار مقامات کو بطور مثال کے بیان کر دیا

جواب: مولانا جامیؒ نے اس وہم کو رد کیا کہ اس قاعدہ کلیہ کے افرد چار ہی میں منحصر ہیں اور صاحب کافیہؒ نے چار مقامات کو بطور حصر کے بیان کیا ہے۔

«پہلا مقام حذف خبر»

قال الشارح اولها المبتداء ۔صاحب کافیہؒ نے پہلی مثال لو لا زید لکان کذا سے جس قاعدہ کلیہ کی طرف سے اشارہ کیا اس کو مولانا جامی صراحۃ بیان کر رہے ہیں۔جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ مبتداء جو لولا کے بعد واقع ہو اس کی خبر کو وجوبی طور پر حذف کیا جاتا ہے جیسے لو لا زید لکان کذا ۔ زید مبتداء کی خبر موجود خبر وجوبی طور پر محذوف ہے تقدیر عبارت لو لا زید موجود لکان کذا۔ خبر کا حذف وجوبی اس لئے ہے کہ حذف وجوبی کے لئے دو شرطیں ہوتی ہیں (ا) خبر کے محذوف ہونے پر قرینہ ہو (۲) خبر کے قائم مقام موجود ہو اور یہاں پر دونوں شرطیں موجود ہیں۔خبر محذوف موجود پر قرینہ لفظ لو لا ہے جس کو مولانا جامیؒ لان لو لا للامتناع کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔جس کا حاصل یہ ہے کہ لو لا شئی ثانی کے امتناع کے لیے موضوع ہے بسبب شئی کے اوّل کے موجود ہونے کے یعنی لو لا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ شئی ثانی نہیں پائی گئی اس لئے کہ شئی اوّل پائی گئی ہے۔لہذا لو لا کی دلالت وجود پر ہوتی ہے۔ یہ لفظ لولا قرینہ ہوا اس بات پر کہ یہاں خبر موجود محذوف ہے اور پھر جواب لو لا کو خبر کے قائم

مقام کر دیا گیا۔ جب حذف کی دونوں شرطیں پائی گئیں تو خبر کا حذف کرنا واجب ہوگا ورنہ تو عوض اور معوض کا جمع ہونا لازم آتا ہے جو کہ جائز نہیں۔

فائدہ: لو لا زید لکان کذا میں لولا کے جواب کو مبتداء کی خبر کیوں نہیں بنایا جا سکتا۔ اس صورت میں تو خبر کو حذف ماننے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

جواب: لولا کے جواب کو اگر خبر بنا دیا جائے تو جملہ خبریہ کا عائد سے خالی ہونا لازم آئے گا جو کہ ناجائز اور ممتنع ہے۔

قوله هذا اذا كان ۔سے سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: ہم بات تسلیم ہی نہیں کرتے کہ لولا کے بعد خبر کو حذف کرنا واجب ہوتا ہے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ لولا کے بعد خبر کو ذکر کرنا بھی جائز ہوتا ہے جیسے امام شافعی کے شعر میں خبر مذکور ہے

لو لا لشعر للعلماء يذرى　　　　لكنت اليوم اشعر من لبيد

اس میں مبتداء کی خبر مذکور ہے۔ اگر حذف وجوبی ہوتا تو افصح الفصحاء ابلغ البلغاء کبھی بھی ذکر نہ فرماتے حالانکہ انہوں نے خبر کو ذکر کیا ہے۔

جواب: صاحب کافیہؒ کی غرض یہ ہے کہ لولا کے بعد خبر اس وقت حذف کرنا واجب ہوتا ہے جب وہ افعال عامہ سے ہوں یعنی وجود، حصول، ثبوت، کون، کے مادہ سے مشتق ہو۔ اور اگر خبر افعال خاصہ سے ہو تو پھر حذف کرنا واجب نہیں اور آپ کی پیش کردہ مثال میں خبر افعال خاصہ سے ہے۔

فائدہ: اس کی کیا وجہ ہے کہ اگر افعال خاصہ سے ہو تو اس سے حذف کرنا واجب نہیں ہوتا یعنی افعال عامۃ اور خاصۃ میں کیوں یہ فرق کیا جاتا ہے۔

جواب: افعال عامۃ ہونے کی صورت میں لفظ لولا خبر کے محذوف ہونے پر دلالت کرتا ہے لیکن افعال خاصۃ میں لفظ لولا دلالت نہیں کرتا۔ اس لئے اگر حذف کر دیا جائے تو بغیر قرینہ کے حذف لازم آئے گا جو کہ جائز نہیں۔

قوله على مذهب البصريين ۔سوال مقدر کا جواب

سوال: نحاۃ میں سے کسائی کا مذہب یہ ہے کہ لولا کے بعد واقع ہونے والا اسم مرفوع ہوتا ہے

فعل مقدر کے فاعل ہونے کی وجہ سے۔ لھذا اس میں خبر محذوف ماننے کی ضرورت ہی نہیں یعنی ان کے مذہب کے مطابق یہ مبتداء خبر کے قبیل سے نہیں بلکہ فعل فاعل کے قبیل سے ہے اسی طرح فراء کا مذہب یہ ہے کہ لولا کے بعد واقع ہونے والا اسم خود لولا ہی کی وجہ سے مرفوع ہوتا ہے مبتداء ہونے کی وجہ سے نہیں اب سوال کا خلاصہ یہ ہوا کہ ان دونوں مذہبوں کے مطابق صاحب کافیہؒ کا یہ ضابطہ بیان کرنا صحیح نہ ہوا۔ کیونکہ کہ لولا کا مابعد مبتداء خبر کے قبیل سے نہیں ہے۔

جواب: مولانا جامیؒ نے جواب دیا صاحب کافیہؒ نے فراء اور کسائی کے مذہب کے مطابق ضابطہ کو بیان نہیں کیا بلکہ بصریین کے مذہب کے مطابق اس ضابطہ کو بیان کیا ہے۔

فائدہ: امام کسائی لولا کو لو شرطیہ اور لا نافیہ سے مرکب مانتے ہیں اور قاعدہ ہے جب کلمہ شرط فعل پر داخل ہوتا ہے اس لئے وہ اس کے بعد فعل کو محذوف مانتے ہیں اور فراء کے نزدیک لولا اسماء افعال میں سے ہے جو بمعنی وجد کے ہے اور یعنی عامل رافع ہے بعد والے اسم کیلئے۔

وقال الکسائی۔ سے آخر تک مولانا جامیؒ نے سوال مذکور کی صورت کی طرف اشارہ کیا۔

«دوسرا مقام حذف خبر»

قال الشارح وثانیھا۔ سے مولانا جامیؒ اس قاعدہ کلیہ صراحۃً بیان کر رہے ہیں۔ جس کی طرف صاحب کافیہ ضربی زیدا قائما مثال جزئی سے اشارہ کیا ہے۔ اس ضابطہ کا حاصل یہ ہے کہ مبتداء جو مصدر حقیقی یا تاویلی ہو جو منسوب ہو فاعل یا مفعول یا دونوں کی طرف اور اس منسوب الیہ کے بعد حال واقع ہو خواہ وہ حال سے فاعل ہو یا مفعول سے یا دونوں سے۔

اسی طرح ہر وہ مبتداء جو اسم تفضیل ہو جو مضاف ہو مصدر حقیقی یا تاویلی کی طرف اور وہ مصدر حقیقی یا تاویلی فاعل یا مفعول یا دونوں کے طرف منسوب ہو اور اس منسوب الیہ کے بعد حال واقع ہو۔ تو اس ضابطہ کی کل دو جزئیں ہوئی۔

سوال: صاحب کافیہ نے تو مثال جزئی ضربی زیدا قائما مصدر حقیقی کو پیش کیا لیکن مولانا جامی نے تعمیم کردی ہے اس کی کیا وجہ ہے

جواب: چونکہ مصدر تاویلی اور اسم تفضیل مذکور کا بھی مصدر صریحی کا حکم تھا تو اسی لئے مولانا جامیؒ نے تعمیم کر کے انکو داخل کردیا

اب ضابطہ مذکورہ کے کل احتمالات عقلیہ بارہ بنتے ہیں۔

پہلی صورت :مبتداء مصدر حقیقی ہو اور مضاف ہو فاعل کی طرف اور اس کے بعد حال واقع ہو جیسے ذهابي راجلاً۔

دوسری صورت :مبتداء مصدر حقیقی ہو اور مضاف ہو مفعول کی طرف اور اس کے بعد حال واقع ہو جیسے ضرب زيد قائماً بشرطیکہ زید مفعول بہ ہو۔

تیسری صورت :مبتداء مصدر حقیقی ہو اور مضاف ہو فاعل اور مفعول دونوں کی طرف اور اس کے بعد حال واقع ہو جیسے مثال مذکور فی المتن ضربي زيداً قائما۔ اس میں قائما دونوں سے حال بنایا جائے تو اس کو تثنیہ لایا جاسکتا ہے قائمين

چوتھی صورت :مبتداء مصدر تاویلی ہو جو منسوب ہو فاعل کی طرف جیسے أن ضربت قائمًا

پانچویں صورت :مبتداء مصدر تاویلی ہو منسوب ہو مفعول کی طرف اور اس کے بعد حال واقع ہو جیسے ان ضرِبَ زيدٌ قائما

چھٹی صورت :مبتداء مصدر تاویلی منسوب ہو فاعل اور مفعول دونوں کی طرف اور اس کے بعد حال واقع ہو جیسے ان ضربت زيدا قائما۔ یہ چھ صورتیں مبتداء مصدر کی تھیں۔

اور چھ صورتیں مبتداء اسم تفضیل کی ہیں اسی ترتیب سے۔

ساتویں صورت :مبتداء اسم تفضیل ہو جو مضاف ہو مصدر حقیقی کی طرف اور وہ مصدر حقیقی منسوب ہو فاعل کی طرف اور اس کے بعد حال واقع ہو جیسے اكثر الشرب قائماً

آٹھویں صورت: مبتداء اسم تفضیل ہو جو مضاف ہو مصدر حقیقی کی طرف اور وہ مصدر حقیقی منسوب ہو مفعول کی طرف اور اس کے بعد حال واقع ہو جیسے اكثر ضرب زيد قائما

ناویں صورت : مبتداء اسم تفضیل ہو جو مضاف ہو مصدر حقیقی کی طرف اور وہ مصدر حقیقی منسوب ہو فاعل اور مفعول دونوں کی طرف جیسے اكثر شربي السويق ملتوتاً

دسویں صورت: مبتداء اسم تفضیل ہو جو مضاف ہو مصدر تاویلی کی طرف اور وہ مصدر تاویلی منسوب ہو فاعل کی طرف اور اس کے بعد حال واقع ہو جیسے اخطبُ ما يكون الامير قائما۔

گیارھویں صورت :مبتداء اسم تفضیل مضاف ہو مصدر تاویلی کی طرف اور مصدر تاویلی

منسوب ہو مفعول کی طرف جیسے اکثر أن ضُرِبَ زیدٌ قائما

بارھویں صورت : مبتداء اسم تفضیل مضاف ہو مصدر تاویلی کی طرف اور مصدر تاویلی منسوب ہو فاعل اور مفعول دونوں کی طرف جیسے اکثر ان ضربتُ زیدًا قائما۔

قال الشارح **فذهب البصريون** ۔ سے مولانا جامیؒ مثال مذکور میں خبر مقدر اور کیفیت تقدیر عبارت میں نحاۃ کے مذاہب کی تفصیل بیان کرر ہے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ اکثر نحاۃ اس بات پر متفق ہیں کہ ضربی زیدا قائما میں خبر مقدر ہے۔لیکن اس بات میں اختلاف ہے خبر کیا مقدر ہے اور تقدیر عبارت کیا ہے اس عبارت میں مولانا جامیؒ نے بصریین کے مذہب کو بیان کیا ہے۔

﴿پہلا مذہب بصرین کا﴾ : یہ ہے کہ ضربی زیدا قائما میں خبر حاصل مقدر ہے اور تقدیر عبارت کے ہے ضربی زیدا حاصل اذا کان قائما۔

سوال : حاصل خبر کے مقدر ہونے پر کیا قرینہ ہے۔

جواب : چونکہ متکلم کا مقصود ضرب زید کے ساتھ خبر دینی ہے جو حالت قیام کے ساتھ مقید ہے اور یہ ضرب زید کے وجود اور حصول کے لئے فرع ہے۔لھذا مقصود متکلم سے حصول معلوم ہوا ہے۔

سوال : اس عبارت میں کان کے مقدر ہونے پر کیا قرینہ ہے۔

جواب : اگر کان کو مقدر نہ کیا جائے تو پھر قائما کے عامل میں دو احتمال ہیں (۱) مصدر عامل ہو (۲) خبر یعنی حاصل عامل ہو۔ پہلے احتمال پر لازم آئے گا بعینہ کوفین کا مذہب ہے دوسرا احتمال پر لازم آئے گا کو حال اور ذوالحال کا عامل ایک نہ ہو حالانکہ حال اور ذوالحال میں اتحاد فی العامل ضروری ہوتا ہے اور کان کو مقدر ماننے کی صورۃ میں یہ خرابی لازم نہیں آتی ۔اس لئے کہ کان کے اندر جو ضمیر مستتر اس حال ہے اور کان ہی ذوالحال اور حال قائما میں عامل ہوگا۔لہذا ثابت یہ ہواہ ضربی زیدا قائما کی تقدیر عبارت یہ ہوگی ضربی زیداً حاصل اذا کان قائما۔ اس میں حاصل خبر کو حذف کر دیا گیا اور ظرف اذا کان کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا تو اب باقی عبارت یہ رہی ضربی زیدا اذ کان قائما۔

سوال : خبر کو حذف کرنا تو تکلف ہے

جواب: مولانا جامیؒ نے کما تحذف سے اس کا شاہد پیش کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حذف خبر تکلف نہیں جس طرح کہ ظرف کے متعلق کو حذف کرنا تکلف نہیں ہوتا پھر اذ کان ظرف کو بھی حذف کر دیا اور حال کو اس کا قائم مقام کر دیا۔ اس پر سوال ہوگا کہ

سوال حال کو بھی ظرف کا قائم مقام کرنا بھی تکلف ہے

جواب: مولانا جامیؒ نے لان فی الحال سے دونوں کے درمیان مناسبت بیان کر کے جواب دیا کہ دونوں میں مناسبت ہوتے ہوئے حال کو ظرف کے قائم مقام کرنے میں کوئی تکلف نہیں لہذا حال قائم مقام ظرف کے ہوا۔ اور ظرف قائم مقام خبر کے۔ تو حال قائم مقام خبر کے ہوا۔ جس کی وجہ سے خبر کو حذف کرنا واجب ہے۔

قال الشارح قال الرضی هذا ما قیل فیه تکلفات کثیرة ۔

مولانا جامیؒ رضی کا اعتراض جو بصریین پر وارد ہوتا تھا اس کو نقل کر کے جواب دے رہے ہیں۔

رضی: کہتا ہے کہ بصریین کے اس قول پر بہت سارے تکلفات کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے۔

پہلا تکلف: اس تقدیر عبارت میں کان تامہ ماننا پڑتا ہے حالانکہ اصل کان کا ناقصہ ہونا ہے۔

دوسرا تکلف: اذا کا شرط سمیت محذوف ہونا ہے جو کہ اس مقام کے علاوہ کسی دوسری جگہ ثابت نہیں۔

تیسرا تکلف: حال کو ظرف کے قائم مقام کر دیا گیا ہے۔

جواب: پہلے تکلف کا جواب یہ ہے کہ اس جیسی عبارت میں کان کے بعد واقع ہونے والے اسم پر ہر مادہ میں نکرہ ہی مسموع ہے اگر اسم منصوب میں کان کی خبر ہونے کا احتمال ہوتا تو کسی نہ کسی مادہ میں معرفہ ہونا بھی مسموع ہوتا ہے حالانکہ مسموع نہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ اسم منصوب حال ہی کی بناء پر منصوب ہے۔ نہ کہ کان کی خبر ہونے کی بناء پر۔ جب کان کی خبر نہ ہوئی تو کان تامۃ ہوا لہذا کان تامہ بنانے میں تکلف نہ ہوا۔

دوسرے تکلف کا جواب یہ ہے کہ اذا کا حذف اس جملہ سمیت ہے جس کی طرف مضاف ہوتا ہے یہ تو کثرت سے شائع ذائع ہے بلکہ احاطہ شمار سے خارج ہے۔

تیسرے تکلف کا جواب یہ ہے کہ جب حال اور ظرف میں مناسبت نہ ہوتی پھر حال کو ظرف کے

قائم مقام کرنا ضرور تکلف ہوتا لیکن مناسبت کے ہوتے ہوئے ظرف کا حال کے قائم مقام ہونے میں کوئی تکلف نہیں۔ **﴿دوسرا مذہب رضی کا:﴾**

قال الشارح **و الذی اظهر** ۔سے دوسرا مذہب رضی کا نقل کر رہے ہیں۔جس کا حاصل یہ ہے کہ خبر مقدر یلابس ہے اور تقدیر عبارت یہ ہے ضربی زیداً یلابسه قائما یا یلابسنی قائما اور یلابسه میں (ہ) ضمیر ذوالحال کو حذف کر دیا۔اس پر سوال ہوگا کہ

سوال: آیا ذوالحال کا حذف جائز ہے

جواب: اس پر شاہد پیش کر دیا جیسے الذی ضربت قائما میں (ہ) ضمیر مفعول کو حذف کرنا جائز ہے تو یہاں بھی حذف جائز ہے۔اور اس کے بعد ضربی زیدا قائما رہ گیا تو یلابس خبر کو حذف کر دیا جو عامل ہے حال کا۔اس پر سوال ہوگا

سوال: کیا حال کے عامل کا حذف جائز ہے۔

جواب: رضی نے جواب دیا کما نقول سے شاہد پیش کر دیا جیسے راشد امهد یا کے عامل کا حذف جائز ہے اسی طرح یہاں پر بھی حال کے عامل کا حذف کرنا جائز ہے۔تو اس بناء پر تمام تکلفات بعیدہ کے ارتکاب کرنے سے راحت حاصل ہو جائے گی۔

محاکمه :حقیقت حال یہ ہے کہ اولاً تو یہ تکلف ہے ذوالحال (ہ) ضمیر مفعول کا حذف کرنا جس کے حذف پر قرینہ کوئی نہیں اور اس کو قیاس کرنا الذی ضربت قائما پر قیاس قیاس مع الفارق ہے اس لئے کہ الذی ضربت قائما میں ضربت صلہ ہے اور صلہ کے اندر عائد کا ہونا لازمی ہے تو یہ قرینہ ہے (ہ) ضمیر کے حذف پر بخلاف ضربی زید یلابسه قائما کہ یہاں ذوالحال ضمیر کے حذف پر کوئی قرینہ نہیں کہ یلابسه کے اندر ضمیر مستتر موجود ہے جو مبتداء کی طرف لوٹ جاتی ہے اور اسی طرح ثانیاً یہ تکلف کرنا پڑتا ہے۔کہ حال کے عامل کو حذف ماننا پڑتا ہے اور اس کو قیاس کرنا راشد امهد یا پر غلط ہے اس لئے کہ وہاں اس کے عامل کو حذف کرنا قرینہ حالیہ کی بناء پر ہے اور یہاں پر تو کسی قسم کا قرینہ نہیں نیز اصل عامل محذوف میں یہ کہ وہ افعال عامہ سے ہو۔اور جب کہ یلابس افعال خاصہ سے ہے ولنعم ما قیل کم من فساد واحد یکون اعظم من المفاسد۔ **﴿تیسرا مذہب کوفیین﴾**

قال الشارح **وقال الکوفیین** ۔سے تیسرا مذہب کوفیین کا نقل کیا جارہا ہے۔جس کا حاصل یہ ہے کہ خبر مقدر تو حاصل ہی ہے اور تقدیر عبارت یہ ہے ضربی زیدا قائما حاصل مذہب کوفیین اور بصریین کی تقدیر عبارت میں چند طریقوں سے فرق ہے

پہلا فرق: بصریین کی تقدیر عبارت میں خبر حال سے مقدم ہے اور کوفیین کی تقدیر عبارت میں خبر حال سے مؤخر ہے

دوسرا فرق: بصریین کی تقدیر عبارت میں حال میں عامل کان مقدر ہے جب کہ کوفیین کے ہاں حال میں عامل مصدر ہے۔

تردید کوفیین مولانا جامیؒ نے ویلزم دووجہوں سے مذہب کوفیین کورد کردیا ہے

وجہ اوّل کہ جب آپ کے ہاں خبر مقدر حال سے مقدم ہے اور حال خبر سے مؤخر ہے تو حال متممات مبتداء میں سے ہوا اور جو چیز متممات مبتداء میں سے ہو وہ قائم مقام خبر نہیں ہوسکتا تو لازم آیا خبر کا حذف ہونا بغیر قائم مقام کے حالانکہ خبر کا حذف وجوبی بغیر قائم مقام کے نہیں ہوسکتا

وجہ ثانی: اس تقدیر عبارت میں متکلم کو مقصود کا خلاف لازم آتا اس لئے کہ مثلاً ضربی زیداً قائما میں بصریین اور کوفیین دونوں کا اتفاق ہے کہ متکلم کا مقصود عموم ہے باقی رہی یہ بات کہ مقصود عموم پر کیا دلیل ہے۔اس پر دلیل اہل عرب کی استعمال ایک قاعدہ ہے کہ اسم جنس معرف باللام یا بالاضافۃ جب استعمال کیا جائے اور بعض کے ساتھ تخصیص کا کوئی قرینہ نہ پایا جائے تو اس وقت استغراق جنس یعنی عموم کے لیے مفید ہوتا ہے تا کہ ترجیح بلا مرجح نہ لازم آئے اور ہر ایک پر یکساں طور پر صادق آئے لہذا ثابت ہوا کہ مقصود متکلم اس سے عموم ہے اور یہ عموم تب حاصل ہوسکتا ہے جب کہ حال متممات مبتداء میں سے نہ ہو اور حال متممات مبتداء میں سے اس وقت نہیں ہوگا جب خبر حال سے مقدم ہو اور اے نحاۃ کوفیین آپ کی بیان کردہ تقدیر عبارت میں خبر حال سے مؤخر ہے تو لہذا آپ کی بیان کردہ تقدیر عبارت مفوت ہے عموم کے لیے اس لیے غلط ہے۔

قال الشارح **وذہب الاخفش** ۔﴿**چوتھا مذہب اخفش**﴾ کا بیان۔کہ اخفش کا مذہب یہ ہے کہ یہاں خبر مقدر وہ مصدر ہے جو ذوالحال کی طرف مضاف ہے تقدیر عبارت یہ ہے ضربی زیداً ضربہ قائما۔لیکن اخفش کے مذہب میں مصدر کا حذف مع بقاء بعض معمولات

لازم آتا ہے جو کہ جائز نہیں کیونکہ مصدر بمع معمولات موصول بمع صلہ کے حکم میں ہوتا ہے اور حذف موصول مع بقاء بعض الصلۃ جائز نہیں۔ **﴿ پانچواں مذہب ابن درستویہ ﴾**

قال الشارح **و ذھب بعضھم** ۔سے پانچواں مذہب ابن درستویہ اور ابن پاشا کا نقل کیا جارہا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ضربی زید قائماً میں ضربی ایسا مبتداء ہے جو خبر کا تقاضہ ہی نہیں کرتا اس لئے کہ یہ مبتداء فعل کے معنی میں ہے تقدیر عبارت ما اضرب زیدا الاقائما لیکن یہ بھی اعتراض اور خدشہ سے خالی نہیں اس سے لازم آتا ہے کہ مبتداء کا حصر دو قسموں میں نہ رہے ۔حالانکہ مبتداء کا دو قسموں میں حصر ہے۔جو ماقبل میں بیان ہو چکی ہیں۔

﴿تیسرا مقام حذف خبر﴾

قال الشارح **و ثالثھا** ۔سے اس قاعدہ کلیہ کو مولانا جامی صراحۃً بیان کررہے ہیں جس کی طرف صاحب کافیہؒ نے کل رجل وضیعتہ سے اشارہ کیا۔جس کا حاصل ہر وہ مبتداء جس کے بعد ایسا اسم مرفوع ہو جس کا عطف ہو واو بمعنی مع کے ذریعے تاکہ دونوں کے مقارنت کی خبر دینا درست ہو جائے جیسے کل رجل وضیعتہ کہ ہر آدمی اپنے پیشے کے ساتھ لگا ہوا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے ہر آدمی اپنے کام میں لگا ہوا ہے۔

قال الشارح **و ذالک** ۔

سے مولانا جامیؒ نے اشارہ کر دیا کہ یہ مثال اس قاعدہ کلیہ کے افراد میں سے ایک فرد ہے۔

قال الشارح **ای کل رجل مقرون** ۔خبر مقدر کا بیان ہے۔اور اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ معطوف کی خبر علیحدہ مقدر ہے اور مبتداء کی خبر علیحدہ معطوف سے پہلے مقدر ہے کیوں کہ اگر مبتداء کی خبر معطوف کے بعد مقدر ہو تو اس صورت میں خبر کا بغیر قائم مقام کے حذف وجوبی لازم آئے گا جو کہ جائز نہیں لہذا خبر کو معطوف سے پہلے مقدر مانا جائے گا تاکہ خبر کو حذف کر کے معطوف اسکے قائم مقام کیا جاسکے۔اس پر سوال ہوگا

سوال : کہ اس تقدیر عبارت میں ٹھیک ہے معطوف علیہ کی خبر کو مقدم ماننے سے معطوف اسکے قائم مقام ہو جائے گا لیکن معطوف کی خبر کا حذف بغیر قائم مقام کے لازم آئے گا۔کیونکہ معطوف کی خبر علیحدہ محذوف مانی جارہی ہے

جواب: اس کومحمول کیا گیا ہے معطوف علیہ کی خبر کے حذف وجوبی پراور قاعدہ ہے کہ معطوف میں جو جائز ہوتا ہے وہ غیر معطوف میں جائز نہیں ہوتا۔

﴿چوتھامقام حذف خبر﴾

قال الشارح وَرابعها ۔سے مولانا جامی اس قاعدہ کلیہ کوصراحۃً بیان کررہے ہیں جس کو صاحب کافیہؒ نے ولعمرك لا فعلن كذا سے اشارہ کیا ہے۔کا حاصل یہ کہ ہروہ مبتداء جس کی مقسم بہ ہونا متعین ہواور اس کی خبر لفظ قسم ہو تو ایسے مبتداء کی خبر کو حذف کرنا واجب ہے۔جیسے ولعمرك لا فعلن كذا اس کی اصل ولعمرك قسمي لا فعلن كذا مبتداء اس خبر حذف وجوبی ہے جس پر قرینہ لام قسم ہے جو قسم پر دلالت کرتا ہےاور قائم مقام خبر جواب قسم ہے

بقائك: ۔یہ لعمرك کے معنی کا بیان ہےاور قسمي خبر مقدر کا بیان ہے۔

قال الشارح ما اقسم به ۔

اس میں خبر کا مبتداء پر حمل کرنے کے لئے تاویل کا بیان ہے برائے دفع دخل مقدر

سوال: کہ قسمي کا حمل لعمرك پردرست نہیں مبتداء پر کیونکہ دونوں میں مغایرۃ ہے عمرو بالفتح قسم نہیں اور قسم عمرو بالفتح نہیں حالانکہ حمل کے لئے ضروری ہے اتحاد فی الخارج اور تغایر فی الذہن۔بعنوان دیگر بقاء مخاطب کی صفت ہےاور قسم متکلم کی۔

جواب: کہ قسمي اس جگہ ما اقسم به کے معنی میں ہے۔اس میں ما موصولہ یا موصوفہ ہےاب معنی ہوگا لعمرك ما اقسم به لا فعلن كذا تیری زندگی ایسی ہے کہ میں اس کو قسم کھا کر کہتا ہوں ایسا ضرور بالضرور کروں گا لہذا حمل صحیح ہوگیا۔

قوله فلا شك ۔سے انطباق المثال على الممثل له کا بیان ہے کہ یہاں پر قسمي خبر محذوف ہے جس پر قرینہ لعمرك ہے اس لئے کہ جب ایسی شئی کو ذکر کیا جائے جس کی قسم کھائی جارہی ہے تو وہاں قسم بھی ضرور ہوتی ہےاور چونکہ اس خبر کے قائم مقام جواب قسم کو کردیا گیا ہے تو یہ حذف وجوبی ہوگیا۔

قال الشارح والعَمرو والعُمر ۔سے مقسم بہ کی تعیین کا بیان ہے کہ اگرچہ عَمرو بالفتح اور عُمر بالضم دونوں کا معنی ایک ہے لیکن مقسم بہ فقط عمرو بالفتح ہوتا ہے کیونکہ قسم کثیر الاستعمال

ہوتی ہے اور کثیر الاستعمال خفت کا تقاضا کرتا ہے اور خفت فتحہ میں ہے نہ ضمہ میں اس لئے مقام قسم میں عمرو بالفتح ہوگا نہ بالضمہ۔

قال الشارح ﴿ ان وا اخواتها هو المسند بعد دخولها﴾

صاحب کافیہ مرفوعات کی پانچویں قسم حروف مشبہ بالفعل کی خبر کو بیان کرر ہے ہیں۔

قال الشارح **ای من المرفوعات** ۔سے مولانا جامی اس بات پر تنبیہ کرنا چاہتے ہیں۔کہ

خبر انّ کلمہاں پر بیان مبتداء کی خبر ہونے کی حیثیت سے نہیں بلکہ مرفوعات کی ایک مستقل قسم اور مستقل نوع ہونے کی حیثیت سے ہےاور یہ تنبیہ متن سے اشارۃً سمجھی جاتی ہے

خبر ان و اخواتها کی عبارت سے اس لئے کہ یہاں خبر کو انّ کی طرف مضاف کیا گیا اور یہ اضافت الاثر المؤثر قبیل سے ہے اس سے معلوم ہوا کہ خبر انّ کا اثر اور معمول ہے۔

مولانا جامیؒ نے اس تنبیہ کو جو متن سے سمجھی جارہی تھی اس کو صراحۃً بیان کردیا۔

سوال: صاحب کافیہؒ نے منها خبر ان واخواتها کیوں نہیں کہا۔

جواب: اس لئے کہ دونوں مذہبوں کی رعایت ہوجائے اگر منها کہدیتے تو مذہب بصریین پر نص ہوجاتی کہ خبر ان کا معمول ہوتی ہے۔مبتداء کی خبر نہیں جیسا کہ کوفین کا مذہب ہے

بعنوان دیگر منها اس لئے نہیں لائے کہ یہ اصل میں مبتداء ہی کی خبر ہے۔

قال الشارح **وا شباهها** ۔سے اخوات کے معنی کا بیان ہے۔اس لئے جب یہاں اخوات کا حقیقی معنی مراد لینا جائز نہیں تو مجازی معنی مراد ہے اور یہ ذکر الازم ارادة الملزوم کے قبیل سے ہے لان الاخت بالاخت مشابهة۔

قوله **من الحرف الخمسة** ۔دفع وہم۔وہم یہ ہوتا تھا کہ اخوات تو غیر معلوم ہیں تو عنوان میں جہالت لازم آئی

جواب: اخوات معلوم اور معروف ہیں وہ باقی پانچ حروف ہیں

وهو مرفوع: تنبیہ کا اعادہ اس لئے کیا تا کہ اس پر اصح مذہب ہونے کا حکم لگایا جائے اور دلیل کے ذریعے اس کا اثبات کیا جائے۔

قال الشارح **ای خبر ان واخواتها** ۔

مرجع کا بیان۔ الی شئ آخر صلہ کا بیان۔

قال الشارح **بعد دخول احد** ۔دفع دخل مقدر

سوال: یہ تعریف تو کسی خبر پر صادق نہیں آتی اس لئے کہ کوئی ایسی خبر نہیں جس پر تمام حروف مشبہ بالفعل داخل ہوں

جواب: مولانا جامیؒ نے جواب دیا کہ یہاں لفظ احد مضاف محذوف ہے۔

قال الشارح **ای المسند** ۔فوائد وقیود کا بیان کہ المسند بمنزل جنس کے ہے جو کہ مبتداء کی خبر اور کان اور لانفی جنس کی خبر کو شامل ہے اور بعد دخول هذا الحروف یہ فصل ہے اس تمام خبریں خارج ہوگئیں۔

قال الشارح **والمراد بدخول هذه** ۔

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: یہ تعریف مذکور دخول غیر سے مانع نہیں اس لیے کہ یہ ان زید ایقوم ابوه میں یقوم پر صادق آتی ہے کہ یقوم انّ کے دخول کے بعد مسند ہے حالانکہ یقوم اِنّ کی خبر نہیں بلکہ خبر تو پورا جملہ یقوم ابوه ہے لہذا یہ تعریف دخول غیر سے مانع نہ ہوئی۔

جواب: ہم قطعاً اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ ان زید ایقوم ابوه کی ترکیب میں یہ تعریف یقوم پر صادق آتی ہے۔اس لئے کہ اسم وخبر پر اِنّ کے دخول کے معنی یہ ہیں کہ اِنّ کا اثر لفظی اور معنوی ہو اور یہ بات ظاہر ہے کہ یقوم میں اِنّ کا اثر لفظی اور معنوی یعنی رفع محلی اور تاکید صرف یقوم میں نہیں بلکہ پورے جملہ یقوم ابوه میں ہے تو اِنّ کا دخول صرف یقوم پر نہیں بلکہ پورے جملے پر ہے لھذا اِنّ کی خبر پورا جملہ ہے اور پورے جملہ کا خبر ہونا یقیناً صحیح ہے۔

قوله **فلا یحتاج** ۔سے اس سوال مذکور کا جو فاضل ھندی نے جواب دیا ہے۔مولانا جامی اسے نقل کر کے اسکو رد کر رہے ہیں۔فاضل ھندی نے یہ جواب دیا کہ باب اِنّ کی خبر کی تعریف میں المسند کا صلہ الی اسماء هذا الحروف مقدر ہے اور اب حاصل معنی یہ ہوگا باب اِنّ کی خبر وہ چیز ہوتی ہے جو باب اِنّ کے اسموں کی طرف مسند و منسوب ہو اور یہ بات ظاہر ہے کہ ان

زید یقوم ابوہ کی ترکیب میں یقوم تو ابوہ کی طرف مسند ہے جو اِنّ کا اسم نہیں بلکہ ان کا اسم تو زید ہے اور لہذا زید کی طرف یقوم کا اسناد نہیں تو اس پر یہ تعریف کیسے صادق آتی ہے۔

قال الشارح یلزم منہ ۔سے فاضل ھندی کے جواب کو رد کر دیا ہے کہ اس جواب مذکور کی بناء پر باقی تمام خبریں المسند ہی سے خارج ہو جاتی ہیں لہذا اس کے بعد بعد دخول ھذا الحروف کی قید کا کوئی فائدہ نہیں رہے گا اور مولانا جامیؒ کا ہ عبارت میں اذ تعلیلیہ ہے ۔ترجمہ یہ ہوگا۔

اس لئے کہ اس کے جواب سے ماتن کے قول بعد دخول کا مستدرک ہونا لازم آتا ہے۔

قال الشارح ولا السی ان یجاب ۔سے مولانا جامیؒ نے اس جواب کو نقل کیا ہے جو صاحب غایۃ التحقیق نے دیا ہے۔صاحب غایۃ التحقیق کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ باب اِنّ کی تعریف میں المسند سے مراد اسم مسند ہے اور ترکیب مذکور میں یقوم فعل مسند ہے لہذا یہ تعریف یقوم پر صادق نہیں آئے گی ۔مولانا جامیؒ نے فیحتاج الی التاویل سے۔اس جواب کو رد کر دیا کہ اگر المسند سے مراد اسم مسند ہو تو جہاں پر بھی باب اِنّ کی خبر فعل واقع ہو رہی ہو گی اس کو اسم کی تاویل میں کرنا پڑے گا۔حالانکہ باب اِنّ کی خبر جملہ من حیث ھی ھی بغیر مؤول بالاسم کے واقع ہوتی ہے۔

قال الشارح مثل قائم تسامح کا بیان جو مصنف کی عبارت میں ہے۔

قال الشارح ای حکمہ سے لفظ امر کے معنی کا بیان ہے۔اس کا لغوی معنی کارفرمودن مراد نہیں بلکہ عرفی معنی حکم مراد ہے

قال الشارح فی اقسامہ واحکامہ وشرائطہ ۔وجہ شبہ کا بیان۔جس کا حاصل یہ ہے کہ حروف مشبہ بالفعل کی خبر کا حکم مبتداء کی خبر والا ہے۔جیسے اس کے اقسام مفرد ہونا۔جملہ ہونا اور معرفہ ہونا ۔نکرہ ہونا اسی طرح اس کے اقسام بھی۔اور جس طرح اس احکام ہیں۔کہ وہ کبھی واحد ہوتی ہے کبھی متعدد اور کبھی ثابت ہوتی ہے کبھی محذوف ایسے اس کے احکام ہیں اور جسطرح اس کے شرائط ہیں۔کہ اگر جملہ ہو تو اس میں عائد کا ہونا ضروری ہے اور عائد حذف بھی ہو جاتا ہے جب کہ قرینہ موجود ہو۔اسی طرح اس کے بھی شرائط ہیں۔

قولہ والمراد ان امرہ ۔سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: ہم اس بات کو تسلیم ہی نہیں کرتے کہ اقسام خبر میں باب اِنَّ کی خبر کا حکم مبتداء کی خبر کی طرح ہے۔ کیونکہ مبتداء کی خبر اقسام میں سے ایک قسم یہ بھی ہے کہ خبر معنی استفہام کو متضمن ہو جیسے این زید میں این اور من ابوك میں من غیر سیبویہ کے مذہب کے مطابق خبر ہے حالانکہ باب اِنَّ کی خبر اس قسم کی واقع نہیں ہوسکتی چنانچہ اِنَّ این زید کہنا غلط ہے۔

جواب: جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ حکم وجود شرائط اور انتفاء موانع کے ساتھ مشروط ہے اور این اور من مبتداء کی خبر بننے میں تو میں کوئی مانع نہیں لیکن باب اِنَّ کی خبر بننے سے مانع موجود ہے کہ یہ صدارت کلام کا تقاضہ کرتے ہے اگر انکو باب اِنَّ کی خبر بنایا جائے تو انکی صدارت فوت ہوجاتی ہے اسی وجہ سے یہ اِنَّ کی خبر نہیں بن سکتی۔

قال الشارح **ای لیس امرہ کامر خبر المبتداء** ۔ یہ حاصل استثناء کا بیان۔

قال الشارح **فاذ لایجوز** ۔ سے علۃ استثناء کا بیان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ باب اِنَّ کی خبر اقسام میں اور احکام میں اور شرائط میں مبتداء کی خبر کی طرح ہے مگر تقدیم میں یعنی خبر مبتداء تو مبتداء پر مقدم ہوسکتی ہے یہ لیکن باب اِن کی خبر اس کے اسم پر مقدم نہیں ہوسکتی۔

قال الشارح **و ذالک لان ھذا** ۔ سے عدم جواز کی علۃ کا بیان جس کا حاصل یہ ہے کہ حروف مشبہ بالفعل عمل کرنے میں فعل کی فرع ہے تو ان کا عمل بھی فرعی ہونا چاہئے۔ اور عمل اصلی یہ ہوتا ہے کہ مرفوع پہلے ہو اور منصوب بعد میں جیسے فعل متعدی کا عمل ہوتا ہے۔ اور عمل فرعی یہ ہوتا ہے کہ منصوب پہلے ہو اور مرفوع بعد میں۔ لہذا چونکہ ان کا عمل فرعی ہے اس لئے ان کو معمولوں میں تقدیم اور تاخیر کا تصرف نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ اگر تصرف کرلیا جائے کہ مرفوع کو مقدم اور منصوب کو مؤخر کردیا جائے تو اصلی اور عمل فرعی میں فرق ختم ہوجائیگا۔

قال الشارح **الا ان یکون الخبر ظرفا ای لیس امرہ کامر الخبر المبتداء** ۔ مولانا جامیؒ نے اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ یہ استثناء ثانی پہلے استثناء سے حاصل ہے۔

جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر خبر ظرف ہو تو جس طرح مبتداء کی خبر مبتداء پر مقدم ہوسکتی ہے اسی طرح باب اِن کی خبر بھی اسم پر مقدم ہوسکتی ہے۔ اگر اس کا اسم معرفہ ہوگا تو تقدیم جائز ہوگی جیسے اِن

الینا ایابھم اور جب اسم نکرہ ہوگا تو تقدیم واجب ہوگی جیسے ان من البیان لسحر اور خبر بلند ہوگا
بھی یہی حکم تھا کہ مبتداء معرفہ تو تقدیم خبر جائز اور اگر نکرہ ہو تو تقدیم واجب ہوگی۔

قال الماتن ﴿خبر لا التی لنفی الجنس﴾

صاحب کافیہؒ مرفوعات کا چھٹا قسم لانفی جنس کی خبر بیان کر رہے ہیں۔

تعریف: خبر لانفی جنس وہ اسم ہے جو اس کے داخل ہونے کے بعد مسند ہو۔

قوله الکائنة ۔مولانا جامی نے ترکیب کو بیان کیا ہے۔کہ لنفی الجنس یہ الکائنہ مقدر کے متعلق ہے۔اور الکائنہ ظرف مستقر سے مل کر التی کا صلہ ہے اس پر سوال ہوگا کہ

سوال: الکائنة اسم فاعل ہے اور اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ نہیں ہوتا۔حالانکہ صلہ کے لئے جملہ کا ہونا ضروری ہے۔آپنے الکائنة کو صلہ کیسے قرار دیا

جواب: مولانا جامیؒ کی عبارت الکائنة سے پہلے ھی مبتداء مقدر ہے اور الکائنہ اس کی خبر ہے مبتداء اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ بن کر یہ صلہ بنے گا۔

قوله ای لنفی صفة ۔سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: لا غلام رجل ظریف فیھا اور لا رجل قائم میں تو جنس کے نفی نہیں ہوئی بلکہ جنس کی صفت اور حکم کی نفی ہو رہی ہے تو لانفی جنس کہنا کیسے صحیح ہوگا۔

جواب: یہاں مضاف لفظ صفت محذوف ہے۔

سوال: لا رجل موجود میں تو جنس کی نفی ہے یعنی وجود کی نفی ہو رہی ہے۔

جواب: ہم قطعاً تسلیم نہیں کرتے کہ لا رجل موجود میں صفت کی نفی نہیں ہو رہی ہے۔
بلکہ صفت کی نفی نہیں ہو رہی ہے۔اس لیے کہ وجود بھی صفات میں سے ایک صفت ہے۔

قال الشارح اذ لا رجل قائم ۔میں لفظ اذ مقدر کے متعلق ہے۔تقدیر عبارت یہ ہوگی
ان نما قدرنا الصفة اذ لا رجل قائم۔ الی شئی اخر۔صلہ کا بیان ہے

قال الشارح ھذا شامل ۔فوائد قیود کا بیان ہے۔جس کا حاصل یہ ہے کہ المسند جنس ہے یہ مبتداء کی خبر اور باب کان وغیرہ کی خبر کو شامل ہے۔ای بعد دخول لا۔مرجع کا بیان ہے

خرج به: فوائد قیود کا بیان کہ بعد دخولھا فصل ہے جس سے تمام اخبار نکل جائیں گی سوائے لا

نفی جنس کی خبر کے۔ المراد بدخولھا سوال مقدر کا جواب ہے۔ جو کہ ماقبل میں گذر چکا ہے۔

قال الشارح **وانما عدل عن المثال** ۔

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: صاحب کافیہؒ نے مثال مشہور لا رجل فی الدار سے عدول کیوں کیا ہے۔ اور عدول عن المشہور خطا ہوا کرتا ہے۔

جواب: مثال مشہور ممثل لہ میں نص نہیں تھی۔ بلکہ اس میں ایک اور ترکیب کا احتمال تھا کہ فی الدار صفت ہو رجل کی اور اسکی خبر محذوف ہو۔ حالانکہ مثال ایسی ہونی چاہئے جو ممثل لہ میں نص ہو۔ اور صاحب کافیہؒ نے جو مثال پیش کی ہے لا غلام رجل ظریف فیھا یہ ممثل لہ میں نص ہے اس میں کسی اور ترکیب کا احتمال نہیں ہے۔

سوال: آپ کے پاس کیا دلیل ہے کہ ظریفٌ لانفی جنس کے اسم غلامَ رجلٍ کے لئے صفت نہیں بن سکتی۔ ہوسکتا یہ صفت ہو خبر نہ ہو۔ لھذا وہی خرابی اس میں بھی موجود ہے۔

جواب: جواب یہ ہے کہ ظریفٌ اگر غلامَ رجلٍ کی صفت ہوتی تو منصوب ہوتی کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ معرب منصوب کا تابع لفظ کا تابع ہوتا ہے حالانکہ ظریفٌ مرفوع ہے۔ تو ظریفٌ کا مرفوع ہونا دلیل ہے اس بات کی کہ یہ غلامَ رجلٍ کی صفت نہیں بلکہ خبر ہے۔

سوال: یہ ہوسکتا ہے کہ ظریفٌ یہ صفت ہو غلامَ رجل کی لیکن غلامَ رجل کے محل پر محمول کرتے ہوئے منصوب پڑھا گیا ہو۔ اس احتمال سے تو صاحب کافیہؒ کی مثال بھی ممثل لہ میں نص نہیں رہتی۔

جواب: مولانا جامیؒ نے و الظاھر سے جواب دیا کہ یہ احتمال غیر ظاہر ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں۔

قال الشارح **ای فی الدار** ۔ ضمیر کے مرجع کا بیان ہے۔ وہ الدار ہے

سوال: مرجع ماقبل میں مذکور نہیں لہذا اضمار قبل الذکر لازم آئے گا۔

جواب: مرجع مثال میں حکما مذکور ہے کیونکہ یہ کلام سوال مذکور حقیقۃً یا حکما کے جواب میں واقع ہوئی ہے گویا کہ سائل نے یہ سوال کیا ھل من غلام الرجل ظریف فی الدار جواب دیا گیا غلام رجل ظریف فیھا۔

قال الشارح **خبر بعد خبرا** ۔ فیھا کی ترکیب کا بیان ہے۔ جس میں احتمالات عقلیہ تین ہیں ایک صحیح ہے اور دو غیر صحیح ہیں۔ (۱) یہ ظرف خبر ثانی ہے (۲) یہ ظرف حال ہو ظریف کی ضمیر سے (۳) یہ ظرف ہو ظریف کے لیے۔ پہلا احتمال صحیح ہے باقی دونوں غیر صحیح ہیں۔

قولہ **وانما اتی بہ** ۔ سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: یہ ہوتا ہے تمثیل میں فیھا خبر دوم کو ذکر کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی تو اس کو کیوں ذکر کیا گیا ہے۔

جواب: اگر فیھا کو ذکر نہ کیا جائے تو کذب لازم آتا ہے کہ اس لیے نکرہ تحت نفی واقع ہے جو عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ اب معنی یہ ہوگا کہ کسی مرد کا کوئی غلام ظریف نہیں حالانکہ ایسا نہیں بہت سارے لوگوں کے غلام ظریف ہوتے ہیں۔ جب فیھا کا اضافہ کر دیا تو اب معنی صحیح ہو جائے گا کہ اس گھر میں رہنے والے غلام ظریف نہیں دوسری وجہ یہ ہے کہ فیھا کو ذکر کر کے مصنف نے یہ بتا دیا کہ خبر ظرف اور غیر ظرف دونوں طرح آ سکتی ہے۔

قال الماتن ﴿یحذف کثیراً﴾

کہ لانفی جنس کی خبر اکثر محذوف ہوتی ہے جیسے لا الہ الا اللہ جو اصل میں لا اللہ موجود الااللہ ہے

قال الشارح **اذا کان الخبر عاما** ۔

مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: لا غلام رجل ظریف فیھا جو آپ نے مثال پیش کی اس میں خبر موجود ہے۔ بلکہ خبر کا حذف جائز ہی نہیں۔

جواب: کا حاصل یہ ہے کہ خبر اس وقت اکثر حذف کی جاتی ہے جب خبر افعال عامہ سے ہو اس لئے کہ نفی اس خبر پر دلالت کرتی ہے جیسے لا الہ الا اللہ جو اصل میں لا الہ موجود الااللہ یہاں سے خبر حذف کر دی گئی ہے۔

قال الشارح **لدلالۃ النفی** ۔ قرینہ دالہ علی الحذف کا بیان ہے اور حکم مذکور کی علت کا بیان ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ لانفی جنس کی خبر جب وہ افعال عامہ سے اکثر اس لیے حذف کر دی جاتی ہے کہ نفی اس پر دلالت کرتی ہے کیوں کہ نفی منفی کا تقاضا کرتی ہے اور جب کہ

امر مخصوص منفی پر قرینہ نہ پایا جائے تو اس کو امر عام پر محمول کر دیا جائے گا

قال الشارح **بنو تميم لا يثبتونه اى لا يظهرون الخبر**

مولانا جامیؒ بنو تميم لا يثبتون کے دو معنی بیان کر رہے ہیں

پہلا مطلب: لا يثبتون بمعنی لا يظهرون ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ بنو تمیم لانفی جنس کی خبر کو لفظوں میں ذکر نہیں کرتے بلکہ انکے کے نزدیک خبر کا حذف واجب ہوتا ہے۔

دوسرا مطلب: او المراد۔ سے مطلب ثانی کا بیان۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ بنو تمیم لانفی جنس کی خبر کو بالکل مانتے ہی نہیں نہ لفظوں میں ہے اور نہ ہی مقدر یعنی لانفی جنس کی خبر بالکل ہوتی ہی نہیں۔

قال الشارح **فيقولون** ۔ سے مطلب ثانی پر تفریع کا بیان کہ مطلب دوم کے مطابق جہاں لانفی جنس کے خبر مذکور نہیں وہاں مقدر ماننے کی ضرورت نہیں جیسے عربوں کے ہاں مقولہ ہے لا اهل ولا مال کا معنی ہے انتفى الاهل و المال ہے۔ جس میں موجود وغیرہ محذوف ماننے کی ضرورت نہیں۔

قال الشارح **و على التقديرين** ۔ دونوں بیان کردہ مطلبوں میں وارد ہونے والے سوال کا جواب ہے۔

سوال اول: مطلب اوّل پر سوال کی تقریر یہ ہے آپ نے بنو تمیم لانفی جنس کی خبر کو لفظوں میں نہیں چھوڑتے بلکہ وجوبی طور پر حذف کرتے ہیں حالانکہ لا رجل قائم میں اور اس جیسی مثالوں میں خبر لفظوں میں موجود ہوتی ہے حذف نہیں ہوتی۔

جواب: جن امثلہ میں بظاہر خبر لفظوں میں موجود ہوتی ہے ان امثلہ میں بنو تمیم اسم مرفوع کو خبر نہیں مانتے بلکہ اس کو لانفی جنس کے اسم کی صفت قرار دیتے ہیں۔ اور اسکو اسم کے محل پر محمول کر کے مرفوع پڑھتے ہیں چنانچہ لا رجل قائم میں خبر موجود وجوبی طور پر محذوف ہے۔

سوال ثانی: مطلب ثانی پر سوال کی تقریر۔ بنو تمیم لانفی جنس کی خبر کے بالکل قائل نہیں۔ نہ تو لفظوں میں مانتے ہیں اور نہ محذوف۔ حالانکہ بہت ساری امثلہ ہیں جن میں خبر موجود ہے۔ جیسے لا رجل قائم لہذا لانفی جنس کی خبر کا بالکل انکار کرنا کیسے صحیح ہے۔

جواب: جن امثلہ میں بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ لانفی جنس کی خبر موجود ہے تو وہاں درحقیقت وہ

اسم مرفوع لانفی جنس کی خبر نہیں ہوتی بلکہ لانفی جنس کے اسم کی صفت ہوتی ہے جس کو لانفی جنس کے اسم کے محل پر محمول کرتے ہوئے مرفوع پڑھا گیا ہے کیونکہ لا رجل قائم میں لانفی جنس کا اسم مبنی ہے اور قاعدہ ہے کہ مبنی کا تابع محل کا تابع ہوتا ہے۔

محاکمہ : اور رقول فیصل یہ ہے کہ جب خبر محذوف کا قرینہ پایا جائے عام ازیں کہ وہ قرینہ سوال ہو یا غیر سوال تو اس وقت بنو تمیم کے نزدیک لانفی جنس کی خبر کو وجوبی طور پر حذف کر دیا جاتا ہے اور اہل حجاز کے نزدیک جوازی طور پر حذف ہوتا ہے اور اگر خبر محذوف پر کوئی قرینہ موجود نہ ہو تو اس وقت بنو تمیم بھی اہل حجاز کی طرح اس بات کے قائل ہیں کہ لانفی جنس کے خبر کو حذف کرنا جائز نہیں بلکہ ذکر کرنا ضروری ہوگا۔ چنانچہ شرح التسہیل میں فاضل مصری نے تصریح کی ہے جن حضرات نے یہ کہا کہ بنو تمیم مطلقاً خبر کو وجوبی طور پر حذف کرتے ہیں یہ ان کا کہنا صحیح نہیں۔

قال الماتن اسم ماولا المشبهتين بليس صاحب کافیہ مرفوعات کی ساتویں قسم ماولا المشبہتین کی خبر کو بیان کر رہے ہیں۔ جوانکے داخل ہونے مسند اور مرفوع ہوتی ہے

قال الشارح فی معنی النفی و الدخول علی المبتداء و الخبر ۔ وجہ شبہ کا بیان ہے ما اور لا کو لیس کے ساتھ مشابہت ہے دو باتوں میں افادہ نفی میں اور مبتداء اور خبر پر دخول میں۔

قوله ولهذا تعملان ۔مشابہت کے ثمرہ اور نتیجہ کا بیان ہے۔ کہ جس طرح لیس مبتداء اور خبر داخل ہو کر مبتداء کو رفع دیتا ہے اور خبر کو نصب اسی طرح ما اور لا بھی مبتداء اور خبر پر داخل ہو کر مبتداء کو رفع اور خبر کو نصب دینگے۔

قوله وبما عرفت من ۔سے سوال جواب کی طرف اشارہ کیا جو ماقبل میں گذر چکا ہے۔

قوله وانما اتیٰ بالنكرة ۔سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال : ما اور لا دونوں میں کیا فرق ہے کہ آپ نے ما کے اسم کی مثال معرفہ دی ہے اور لا کی مثال اسم نکرہ دی ہے۔

جواب : ما معرفہ اور نکرہ دونوں میں عمل کرتی ہے اور لا فقط نکرہ میں ماتن یہ فرق بتانے کے لئے اس طرح مثال دی ہے۔

قوله هذا لغة اهل الحجاز ۔اس سے مولانا جامیؒ ما و لاالمشبهتين بليس کے عامل ہونے کے بارے میں دو مذہب بیان کرر ہے ہیں۔ اہل حجاز کی لغت میں ما و لاالمشبهتين بليس عامل ہےاور بنو تمیم کی لغت میں ما و لاالمشبهتين بليس عامل نہیں۔ اور انکا مابعد عامل معنوی کی وجہ سے مبتداء خبر ہونے کی بناء پر مرفوع ہوتے ہیں۔

قال الشارح وعلى لغة اهل الحجاز ۔اہل حجاز کی لغت کی ترجیح کا بیان ہے۔کہ لغت اہل حجاز راجح ہےاس لئے کہ قرآن مجید میں ما هذا بشرا اوراسی طرح ما هن امهاتهم میں ما کو عامل بنایا گیا ہے۔جب قران مجید کی تائید ان کے مذہب کو حاصل ہوئی لہذا ان کا مذہب راجح ہے۔

قال الشارح اى عمل ليس ۔
مرجع کا بیان کہ ضمیر کا مرجع معنوی ہے جو ماقبل کلام سے سمجھا جاتا ہے۔

قوله دون ما ۔اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ لا کا ذکر بطور احتراز کے ہے۔

سوال: کہ لا کا عمل شاذ کیوں ہے؟ ما و لاالمشبهتيں بليس

جواب: ما کی لیس کے ساتھ مشابہت قویہ ہے اس لئے کہ کہ دونوں نفی حال کے لئے آتے ہیں اور لا کی مشابہت ضعیف ہے اس لئے کہ وہ مطلق نفی کے لئے آتا ہے۔اس ضعف مشابہت کی وجہ سے اس کا عامل ہونا شاذ ہے۔

قال الشارح فيقتصر عمل لا ۔ متن والے مسئلہ پر تفریع کا بیان ہے کہ جب لا کی مشابہت ضعیف ہوئی تو لا کا عمل مورد سماع میں بند ہوگا اور مورد سماع نکرہ ہے اور نکرہ میں عمل کرنے کی مثال یہ شعر ہے۔ من صد عن نيرانها فانا ابن قيس لا براح

لا اسم براح نکرہ ہے۔جس کی خبر لى محذوف ہے۔اور ھا ضمیر جنگ کی طرف راجع ہے اس کا مضاف محذوف ہے۔شاعر اپنی بہادری بیان کرتا ہے کہ جو رُک جائے جنگ کی آگوں سے۔وہ رُک جائے۔ میں تو ابن قیس ہوں مجھے زوال نہیں یعنی جنگ میں۔

قال الشارح ولا يجوز ان تكون ۔مولانا جامیؒ کی غرض سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: ہم اس بات کو قطعاً تسلیم نہیں کرتے کہ شعر میں لا مشبه بليس ہے بلکہ لا نفی جنس ہے

براح اسم ہے اور لی اس کے لئے خبر محذوف ہے۔

جواب: مولانا جامیؒ نے جواب دیا اس لا کو لانفی جنس کا بنانا غلط ہے اس لئے کہ لانفی جنس کے بعد اسم کا مرفوع ہونا یہ شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ لا بمع اسم کے تکرار ہو اور یہاں اس میں کوئی تکرار نہیں لہذا معلوم ہوا کہ یہ لانفی جنس نہیں بلکہ لامشبہ بلیس ہے۔

قوله واعلم ۔ سے لیکر ولما فرغ تک اس فائدہ اعادہ ہے جو پہلے گذر چکا ہے تا کہ ماسبق کے لئے مذکرہ ہو۔

سوال: مرفوعات کے تمام اقسام کی تعریفات میں المسند اور المسند الیه سے ان کے توابع بھی داخل ہوتے ہیں۔ لھذا یہ سب تعریفات دخول غیر سے مانع ہوئیں۔

جواب: شارح نے جواب دیا کہ ان تعریفات میں جہاں جہاں مسند الیہ یا مسند کا ذکر ہے اس سے مراد بالاصالۃ مسند الیہ اور مسند ہے نہ بالطبعیت ۔جس پر قرینہ یہ ہے کہ توابع کا ذکر مستقلاً بعد میں کرنا ہے۔

﴿تمت المرفوعات﴾

قوله ولما فرغ ۔ سے ربط کا بیان ماقبل کے ساتھ برائے تشویق لمعلمین والمتعلمین ۔

قوله وقدمها على المجرورات ۔

سوال مقدر کا جواب ہے۔ یا تحقیق تقدیری کا بیان۔

سوال: منصوبات کو مجرورات پر مقدم کیوں کیا ہے۔

جواب: اس لئے کہ منصوبات کے افراد زیادہ تھے اس لئے کہ منصوابت بارہ ہیں جب کہ مجرورات کی صرف دو قسمیں ہیں۔ اور اس قاعدہ کی بناء پر کہ العزۃ للعکاثر اسی وجہ سے منصوبات کو مجرورات پر مقدم کیا۔

سوال: اعراب تقدیری اور لفظی کے درمیان مولانا جامیؒ نے اعراب تقدیری کے اعراب لفظی پر مقدم کرنے کی علۃ کو قرار دیا تھا اور یہاں پر کثرۃ علۃ تقدیم قرار دے رہے ہیں۔

جواب: یہاں فقط کثرۃ کو علۃ تقدیم نہیں قرار دیا جا رہا بلکہ کثرۃ مع الخفۃ کے مجموعۃ کو علۃ تقدیم قرار دیا جا رہا ہے۔

فوائد صرفیہ — حل شدہ صیغے — الصرف ام العلوم — قوانین تشریح — خاصیات ابواب

املاء الصرف

حصہ

اُردو شرح

ارشاد الصرف

تالیف

احقر عطاء الرحمٰن ملتانی صدر مدرس الجامعۃ الشرعیۃ

شعبہ نشر و اشاعت
الجامعۃ الشرعیۃ
شمع کالونی جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی (القرآن)

سِمَایَۃُ النَّحو

اُردو شرح

ھِدَایَۃُ النَّحو

تصنیفِ لطیف

مفتی عطاء الرحمٰن مُلتانی

صدر مدرس الجامعۃ الشرعیہ گوجرانوالہ

المکتبۃ الشرعیۃ ○ شمع کالونی، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ فون ۲۵۹۱۸۲

قال عمرؓ علیکم بالعربیة فانها تثبت العقل وتزید فی المروءة

رفعة العوامل

اردو شرح

شرح مائة عامل

تراکیب نحویہ

ضوابط نحویہ

تصنیفِ لطیف

مفتی عطاء الرحمٰن ملتانی

ناشر

المکتبۃ الشرعیہ ○ شمع کالونی، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

فون ۲۵۹۱۸۳

مع عربی

کاشفہ

شرح

کافیہ

تصنیفِ لطیف

مفتی عطاء الرحمٰن ملتانی

المکتبۃ الشرعیۃ شمع کالونی، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ فون ۲۵۹۱۸۳

أنطقنا الله الذي أنطق كل شيء
(القرآن)

تصویرات

بدر النجوم

شرح اردو

سلم العلوم

تصنیف

مفتی عطاء الرحمن ملتانی

صدر مدرس الجامعة الشرعية گوجرانواله

ناشر

المکتبة الشرعیة شمع کالونی گوجرانواله فون ۲۵۹۱۸۳